تفسیر لاہوری

جلد اول

درسی افادات
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

ضبط وتالیف
حضرت مولانا سمیع الحقؒ شہید

تکمیل ونگرانی
مولانا راشد الحق سمیع
مدیر اعلیٰ مجلہ "الحق" و مؤتمر المصنفین

ترتیب وتدوین
مولانا محمد فہد حقانی
رکن مؤتمر المصنفین

مؤتمر المصنفین جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

تفسیرِ لاہوری

(جلد اول)

درسی افادات	....	حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (بانی ''خدام الدین'' لاہور)
ضبط وتالیف	....	شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ (مہتمم جامعہ حقانیہ)
تکمیل ونگرانی	....	مولانا حافظ راشد الحق سمیع (صدر مؤتمر المصنفین و مدیر اعلیٰ ''الحق'')
فیضانِ نظر	....	حضرت مولانا انوار الحق ومولانا حامد الحق حقانی (مہتمم، نائب مہتمم جامعہ)
ترتیب وتدوین	....	مولانا محمد فہد حقانی (رفیق مؤتمر المصنفین)
کمپوزنگ	....	جناب بابر حنیف، مولانا محمد نعمان
نظر ثانی	....	مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا محمد اسلام حقانی، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا اسرار مدنی، مولانا حبیب اللہ حقانی، قاری اسد اللہ، مفتی شکیل احمد
ضخامت	....	594 صفحات
تعداد	....	1100
اشاعت اوّل	....	نومبر ۲۰۲۲ء
ویب سائٹ	....	www.jamiahaqqania.edu.pk
ای میل	....	editor_alhaq@yahoo.com
برائے رابطہ	....	0923-630435 - 0315 9898998 -0333 9167789
		مؤتمر المصنفین......جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک
		القاسم اکیڈمی......جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد نوشہرہ
ناشر	....	حافظ محمد یاسین، الحافظ کتب خانہ اکوڑہ خٹک

(ضروری گزارش)

تفسیر لاہوری کی تصحیح واشاعت میں ممکنہ حد تک کوشش کی گئی ہے کہ کمپوزنگ اور پرنٹنگ مین غلطیاں نہ رہیں لیکن پھر بھی انسان ہونے کے ناطے غلطی کا امکان رہتا ہے اس لئے ازراہ کرم کسی طرح کی غلطی کا علم ہونے پر ہمیں مطلع فرمائیں (ناشر حافظ کتب خانہ)

فہرست

☆ ☆ ☆

حضرت لاہوریؒ کے ترجمہ ''قرآن عزیز'' اور ''درس قرآن'' کے متعلق اکابر ومشاہیر کی تقریظات وتاثرات

سورۃ الفاتحۃ

سورة البقرة

رکوع (۱)

رکوع (۲)

رکوع (۳)

رکوع (۴)

رکوع (۵)

رکوع (۷)

رکوع (۸)

رکوع (۹)

رکوع (۱۰)

رکوع (۱۱)

رکوع (۱۲)

رکوع (۱۳)

رکوع (۱۴)

رکوع (۱۵)

رکوع (۱۶)

رکوع (۱۷)

رکوع (۱۸)

رکوع (۱۹)

رکوع (۲۰)

رکوع (۲۱)

رکوع (۲۲)

رکوع (۲۳)

رکوع (۲۴)

رکوع (۲۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مولانا راشد الحق سمیع

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الرِّسَالَةِ اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق:۱-۵)

مسلمانوں کی اصل ایمانی، فکری وعملی اساس کتاب اللہ ہے، یہی ان کی انفرادی واجتماعی زندگی کا دستور حیات اوران کے افکار وکردار کا محور، ملجا اور مرکز ہے اور اسی میں مسلمانوں کی ترقی اور عروج وزوال کا راز مضمر ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَاماً وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ”بیشک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں، اس بات کی خوشخبری دیتا ہے ان کیلئے بڑا ثواب ہے“ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

قرآن کریم کے فہم اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے قاری کو ترجمہ اور تفسیر میں جب تک انہماک اور استغراق حاصل نہیں ہوگا تب تک اس بحر بیکنار میں پنہاں علم وعمل، رُشد ہدایت اور رموز واسرار کے موتی اور راز اِسے حاصل نہیں ہو سکتے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

موجودہ عہد میں بدقسمتی سے الیکٹرانک میڈیا، خصوصاً سوشل میڈیا (فیس بک، ٹویٹر)

وغیرہ کے کثرت استعمال کی وجہ سے ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ بھی ہاتھ سے گیا تو اس کیساتھ ساتھ امت مسلمہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تعلیمات سے بھی مزید دور ہوگئی ہے، پہلے مسلم گھرانوں میں رات کو سورۂ واقعہ، سورۂ ملک اور جمعہ کے روز سورۂ کہف و دیگر اہم قرآنی آیات کا اہتمام کیا جاتا تھا، اب رات گئے موبائل فونز وغیرہ وغیرہ میں امت مسلمہ غرقاب رہتی ہے۔ بہت مشکل سے اِکا دُکا گھرانے قرآن سے جُڑے نظر آتے ہیں، نسلِ نو قرآن فہمی اور اس کی تلاوت وحلاوت اور کتاب اللہ کے فہم و معانی اور خصوصاً اس کے مقصد اور کاز سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ''امتِ مرحومہ'' امت حاملِ قرآں نہیں رہی، آج کا ''بندۂ مومن'' سرمایہ داری، مادیت اور سائنسی ایجادات کی چکا چوند کا اسیر ہو چکا ہے اور دوسری جانب علوم قرآنیہ وفکرِ آخرت سے آزاد ہو چکا ہے۔ کاش! آج کے علماء، حکمران، تعلیمی اداروں کے ارباب اہتمام اور مفکرین قوم اس کے لئے ہنگامی بنیادوں پر اہم اور ٹھوس اقدامات کریں تب ہی ہم ترقی وعروج کی جانب گامزن ہوسکتے ہیں ورنہ قرآن اور اس کی تعلیمات سے دوری دنیا وآخرت کے خسارے کا سبب بن رہی ہے۔

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جسے اپنی مخلوق کی رہنمائی و رہبری کیلئے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بھی کلام اللہ کی توضیح وتفسیر فرمائی اور صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین سے لیکر عصر حاضر تک علماء ومشائخ امت اسی کی تفسیر فرماتے رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ امام شاہ ولی اللہؒ، ان کے خانوادے اور تلامذہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کا جو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا تھا علمائے دیوبند میں ان کی خاص جھلک اور اثر نمایاں ہے بالخصوص شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا حسین علیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور دیگر اکابرین کی تفاسیر اس پر شاہد عدل ہیں لیکن آج کا مسلمان کتاب اللہ کی حقیقی روح تک پہنچنے وسمجھنے سے غافل ہے، یہ صرف برکت کیلئے چومنے اور الماریوں میں رکھنے کے لئے نہیں اُترا بلکہ سوچ سمجھ کر پڑھنے اور عمل کرنے کیلئے نازل ہوا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ''اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا۔'' اسی مقصد کے لئے ہر عہد میں

مفسرین نے قرآن کی خدمت پر بہت کچھ لکھا ہے اور دروس قرآن کے سلسلے کو جاری فرمایا، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ بھی تھے جن کا مقصد اور تحریک قرآن فہمی تھی۔ قرآن سے خصوصی لگاؤ انہیں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی خدمات وتفاسیر کے مطالعے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، حضرت اباجی شہید ناموس رسالت کو بھی قرآن فہمی اور اس کے علوم وفنون سے محبت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ سے ورثہ میں ملی تھی، اسی لئے آپ نے لاہور کا سفر کیا اور حضرت لاہوریؒ سے شرف تلمذ حاصل کر کے ان کا سارا درسِ قرآن (درسی افادات) قلمبند کیا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی شہرہ آفاق پہلی مکمل ''تفسیر لاہوری'' کی اشاعت وطباعت حضرت اباجی شہیدؒ کی زندگی کی سب سے بڑی دیرینہ آرزو اور تمنائے بیتاب تھی جس کی ضبط وتالیف اور ترتیب میں آپ ہمہ وقت مستغرق رہتے۔ یہ دراصل آپ کے ۱۹۵۸ء کے زمانہ طالب علمی کے درسی وتفسیری نوٹس تھے جو آپ نے تقریباً ساٹھ برس تک اپنے پاس محفوظ رکھے تھے، عرصہ دراز سے حضرت اباجی شہیدؒ اور راقم سمیت کئی علمی شخصیات کی یہ تمنا تھی کہ تفسیر لاہوریؒ (درسی افادات) کی اشاعت ہونی چاہیے تاکہ علمی وعوامی حلقے بھی اس عظیم علمی وتفسیری ذخیرے سے مستفیض اور مستفید ہو سکیں لہٰذا آٹھ سال قبل آپ نے اس کی تدوین وترتیب کا کام بڑے اہتمام سے شروع کیا اور یوں اس عظیم کاوش کو باقاعدہ مرتب ومدون کرنے کا دیرینہ داعیہ روبعمل ہو گیا تھا اور آپ نے سیاسی، سماجی اور دارالعلوم کے اہتمام کی بے پناہ مصروفیات، درس وتدریس، ضعف وبیماری اور پیرانہ سالی واسفار کے باوجود دن رات قرآن کریم کی تفسیری خدمت کا سلسلہ جاری رکھا اور تندہی سے اس پر کام کرتے اور کرواتے رہے، اس دوران آپ کو دل کا عارضہ بھی لاحق ہوا اور آپریشن کا خطرناک مرحلہ بھی پیش آیا لیکن اس کے باوجود آپؒ تفسیر کا کام ہسپتال میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے اور آپریشن کے بعد ہسپتال میں ہوش وحواس بحال ہوتے ہی نئی زندگی کا عملی آغاز تفسیر کے کام سے کیا اور تفسیر کے مسودات منگوا کر فرمایا کہ ''اس کی تکمیل کی خاطر اپنے پروردگار سے زندگی کی دعائیں، فرصت کے لمحات، صحت اور اس دیرینہ علمی ودینی کام کی تکمیل کی ''نذر'' میں نے آپریشن سے قبل مانی ہے۔'' اسی طرح ایک موقع پر آپ نے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ سے اِس تفسیر کے متعلق یوں فرمایا کہ ''اب تو صرف تمنا ''تفسیر لاہوریؒ'' کی تکمیل ہی ہے کہ جاتے جاتے قرآن کی خدمت کا کچھ حق بھی ادا ہو جائے، شیخ الہندؒ

نے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں ایک شعر لکھا ہے اب میرا بھی یہی شعر وظیفہ ہے۔

روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ اے
من نیز حاضر می شوم ''تفسیر قرآں'' دربغل

مگر ہائے افسوس! حضرت اباجی شہیدؒ کی یہ دیرینہ تمنا ان کی زندگی میں پوری نہ ہوسکی اور مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا، دو نومبر ۲۰۱۸ء کو سفاک ''نامعلوم'' قاتلوں نے انہیں شہید کردیا، زیست نے مزید وفاداری نہ نبھائی اور کاتبِ تقدیر کے لکھے اور جرسِ اجل کے بلاوے کے باعث یہ تفسیر تشنۂ تکمیل اور ادھوری چھوڑ کر آپؒ خلدِ بریں کی جانب روانہ ہوگئے اور پروردگار عالم کے پاس مسودات ''تفسیر لاہوری'' کا ادھورا ذخیرہ، شوق شہادت کی آرزو میں اپنے ہمراہ لے گئے حالانکہ علمی حلقے اور ہم سب اس کے مشتاق، چشم براہ اور گوش برآواز تھے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
''تمہی'' سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ سے تقریباً سوا تین پاروں کا کام باقی رہ گیا تھا اور اس پر بھی حضرت اباجی شہیدؒ حواشی کا کام اپنی حیات ہی میں مکمل فرما چکے تھے، صرف کمپیوٹر کی کمپوزنگ (کتابت)، عنوانات کا انتخاب اور تصحیح وغیرہ رہ گئی تھی جو بعد میں الحمدللہ ہمارے ''مؤتمر المصنفین'' کے اراکین نے مکمل کیا اور خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ راقم کو اتنی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا کہ حضرت اباجی شہیدؒ کی شہرہ آفاق ''تفسیر لاہوری'' کی تکمیل و ترتیب کو سورۃ الناس تک پہنچانے کی خدمت لی اور اس عظیم الشان منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی گو کہ حضرت اباجی شہیدؒ کی شہادت کے حادثہ وجدائی نے کمر و حوصلہ دونوں کو توڑ دیا تھا، قویٰ و اعضاء مفلوج ہوگئے تھے اور عقل وخرد پر غم کے پردے پڑ گئے تھے لیکن پھر بھی اُنہی دنوں میں ''موتمر المصنفین والحق'' کے اراکین کو اکٹھا کیا اور انہیں تاکید کی کہ حضرت شہیدؒ کی اس آخری خواہش کو ہر حالت میں بغیر رُکے اب پایہ تکمیل تک جلد سے جلد پہنچانا ہے، چاہے حالات جس نہج پر بھی چلے جائیں لیکن تفسیر کی تکمیل و ترتیب ہر حال میں جاری وساری رہنی چاہیے، الحمدللہ اس بہادر محنتی رفقائے کار نے دن رات ایک کر کے تفسیر کا عظیم کام مکمل کرلیا اور سال ۲۰۱۹ء رمضان المبارک میں (جو قرآن کا مہینہ ہے) اس کی مناسبت اور اختتام و برکت کیلئے صرف سورہ الناس کی تفسیر کا کام ۲۷ ویں شب کو مقبرہ حقانیہ میں حضرت والد ماجدؒ کے مزار پر دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ و دیگر

مشائخ، مدرسین اور خاندان کے افراد کے اصرار پر مکمل کر لیا، ان راتوں کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا تھا کہ ان میں لیلۃ القدر کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور حرمین شریفین میں ختم قرآن بھی انہی راتوں میں ہوتا ہے اور اس کے بعد نظر ثانی، کچھ مفید اضافے اور نئے عنوانات کے انتخاب اور خصوصاً اشاعت جیسے مشکل مراحل کی ذمہ داری مجھ جیسے ناکارہ، کوتاہ ہمت طالب علم کے کمزور کندھوں پر ڈالی گئی، راقم کی بھرپور کوشش رہی کہ حضرت اباجی شہیدؒ کی زندگی کی سب سے بڑی اور آخری تمنا اور ان کے بہت بڑے علمی کام کو اکٹھا کر کے اشاعت کی کٹھن منزل کو کامیابی سے سر کرلوں تو یہ میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا مقصد و سرمایہ آخرت ہوگا اور روایتی ''صاحبزادگی و نااہلی کے طعنوں'' سے بھی اپنا دامن بچ جائے گا۔

تفسیر کی اشاعت میں تاخیر در تاخیر کئی وجوہات سے ہوتی گئی، ان میں ایک بڑی وجہ گیارہویں پارے سے تیسویں پارے تک کی تفسیری نہج کی تبدیلی تھی دراصل پہلے دس پاروں کی نہج، ترتیب اور تفسیر اجمالی نوعیت کی تھی بعد میں حضرت اباجی شہیدؒ نے نظر ثانی فرمائی تھی اور آپ نے بیس پاروں کو قدرے تفصیل اور مختلف نہج و ترتیب سے مرتب کرنا شروع کر دیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ ''جب یہ بیس پارے مکمل ہو جائیں تو پھر پہلے کے دس پاروں کی ترتیب نہج وغیرہ بھی از سر نو اسی طرز پر ترتیب دوں گا'' لہٰذا سورہ نجم ستائیسویں پارے سے نئے عنوانات، مجلسی و درسی افادات و توضیحات لکھنا اور تمام تفسیر کو ایک ہی نہج میں لانا ایک بہت بڑا معرکہ بن گیا تھا جس کو ہم جیسے کمزور و ناتجربہ کار لوگوں کے لئے سر کرنا ایک بڑا تجربہ اور دشوار گزار مرحلہ تھا لیکن برادرم مولانا محمد فہد حقانی (جن کو اللہ تعالیٰ نے جوانی میں بہت اعلیٰ علمی و تحقیقی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا ہے، وہ اس حوالے سے بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہزاروں فضلائے حقانیہ میں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم کام میں شامل ہونے کے لئے حضرت والد صاحبؒ جیسی بڑی علمی شخصیت کے ساتھ کام کرنے کے لئے منتخب فرمایا) نے بھی بڑی استقامت و قابلیت کے ساتھ کام جاری رکھا اور میرے ساتھ اس کام کو سر کرنے کے لئے آخر تک پرعزم رہے، میں یہاں پر حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ، مولانا محمد اسرار مدنی، مولانا مفتی ذاکر حسن، مولانا محمد اسلام حقانی، مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی، مولانا قاری اسد اللہ حقانی، مولانا مفتی محمد شکیل صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم کام کی تصحیح و تنقیح میں ہمارا بہت ساتھ دیا، پھر میں خصوصاً اپنے ماہنامہ ''الحق'' کے بہت ہی مخلص اور قدیم کمپوزر برادرم جناب بابر حنیف صاحب کا بھی تہہ دل سے

ممنون ہوں جنہوں نے دن رات ایک کر کے اس کی سیٹنگ، کمپوزنگ اور تصحیح وغیرہ میں اپنا خون جگر شامل کر کے اس گلدستہ کو سینچا و ترتیب دیا ہے، اسی کے ساتھ مولانا نعمان حقانی کا بھی شکریہ۔

حضرت اباجیؒ کی شہادت کے بعد ان چار سالوں میں مَیں جب بھی حضرت والدؒ کے مزار پر حاضری دیتا تو دل میں اس بات کا قلق ہوتا کہ تفسیر کی اشاعت میں مختلف وجوہات کی بنا پر مسلسل تاخیر ہوتی چلی جارہی ہے جس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور وہیں مزار کے احاطہ میں بیٹھ کر ذہن میں ایک نیا ہدف مقرر کر لیتا کہ اس عرصہ اور فلاں تاریخ تک تفسیر کا کام مکمل ہو جائے گا لیکن قدرت نے ہر چیز کے لئے ایک وقت متعین کر رکھا ہے اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا راقم کی یہ بیتاب تمنا تھی کہ قرآن کی یہ عظیم الشان تفسیر جلد شائع کروا کر اپنے عظیم والد شہیدؒ کے مزار پر حاضری کے موقع پر پیش کروں کہ جو علمی قرض آپ میرے ذمہ چھوڑ گئے تھے الحمدللہ وہ قرض ہم نے چکا دیا ہے۔

مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
جو رُکے تو کوہ گراں تھے "تم" جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ "یار" ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

اور آپ کی ادھوری تمنائے خام کو بار آوری یعنی اشاعت کے لباس سے آراستہ و مزین کرا دیا ہے۔ ع گر قبول افتذ زہے عز و شرف

ان شاء اللہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حضرت والد ماجد اور میرے استاد محترم مولانا سمیع الحق شہیدؒ اپنی ادھوری آرزو کی تکمیل و اشاعت پر اس ناکارہ فرزند و ادنیٰ شاگرد کی اس چھوٹی سی خدمت سے عالم برزخ میں خوشی اور سکون محسوس کریں گے۔ یہ دراصل میرے استاد محترم حضرت اباجی شہیدؒ کے ہی سکھائے گئے آداب فرزندگی، فیضانِ نظر اور جامعہ حقانیہ کے مکتب عشق کی کرامت و محبت تھی کہ اس کوہ گراں کو مجھ جیسے ناتواں نے اپنی ٹیم کے ہمراہ سر کیا۔

روح پدرم شاد کہ می گفت بہ استاد
فرزند مرا عشق بیاموز و دگر ہیچ

حضرت لاہوریؒ کے درس تفسیر اور ترجمہ قرآن پر اُس وقت کے نامور علماء مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، علامہ سید سلیمان

ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا غلام اللہ خانؒ وغیرہ نے اپنے قیمتی تاثرات لکھے تھے جو اس تفسیر لاہوری میں بطور تبرک شامل ہیں، اس کے علاوہ ''تفسیر لاہوری'' پر بھی دور حاضر کے جید اکابر جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا انوار الحق حقانی، مولانا شاہد سہارنپوری، ڈاکٹر سید سلمان ندوی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ، مولانا فضل الرحیم اشرفی، مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا مفتی غلام الرحمٰن، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحبان نے اپنے وقیع تاثرات وتقریظات لکھ کر اس تفسیر کو خراج تحسین پیش کیا۔ راقم نے یہ چند کلمات (پیش لفظ) بطور سعادت قلمبند کئے ہیں اگرچہ ''تفسیر لاہوری'' پر اوران اکابر کے تفصیلی وقیمتی تاثرات کی موجودگی میں مجھ جیسے کمزور اور ناتواں طالب علم کیلئے کما حقہ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

یاد رہے کہ حضرت لاہوریؒ کا اندازِ درس بھی نہایت عالمانہ فاضلانہ ہوا کرتا تھا، آپؒ کے درس میں امام شاہ ولی اللہؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم ومعارف کی جھلک نمایاں تھی، آپؒ کے اس دورہ تفسیر میں شامل مخاطبین اور تلامذہ کی اکثریت علماء اور فضلاء کی ہوا کرتی تھی جن میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنیؒ، حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحلیم دیر بابا جی مدظلہ جیسے اساطین علم ان کے درس قرآن وتفسیر میں شریک ہوا کرتے تھے پھر دورۂ تفسیر کے آخر میں حضرتؒ امتحان لیا کرتے تھے جس میں بہت کم کسی کو پورے نمبر دیتے لیکن حضرت مولانا علی میاںؒ اور والد ماجد شہیدؒ کو قابلیت کی بناء پر پورے نمبرات سے نوازا گیا تھا نیز تفسیر کے مطالعہ کے دوران یہ بات ملحوظ نظر رہے کہ یہ تفسیر اَمالی ہے اور ۶۰ سال قبل پنجاب کے مخصوص مذہبی ماحول کو بھی قارئین پیش نظر رکھیں۔

آخر میں ضروری گزارش یہ ہے کہ ہر طرح کے حزم واحتیاط کے باوجود تصحیح، کتابت وغیرہ میں اگر غفلت، کوتاہی اور کمی بیشی رہ گئی ہو تو خداوند سے ملتمس ہوں کہ اپنی رحمت ومغفرت کی بدولت ہمیں معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم تفسیر کو امت مسلمہ کے لئے مشعل ہدایت بنائے اور خاص اپنی رضا اور ہم سب کی مغفرت کا بھی ذریعہ بنائے اور بالخصوص شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، والدہ ماجدہ مرحومہ اور دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے لئے اِسے تاقیامت صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت بنائے (آمین) وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

تفسیر لاہوریؒ کی ترتیب، تدوین واشاعت کے حوالے سے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا تاریخی مکتوب

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے تفسیر لاہوریؒ پر باقاعدہ کام کا آغاز کیا تو اس حوالے سے آپ مختلف مجالس اور علمی شخصیات، ''موتمر المصنفین'' کے معزز اراکین سے وقتاً فوقتاً اس تفسیر کی ترتیب وتدوین کے متعلق تذکرہ فرمایا کرتے تھے اور برصغیر پاک وہند کے مختلف اہل علم کے نام ایک مکتوب لکھا کہ اس پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائیں اور حضرت شہیدؒ کا تفسیر کے حوالے سے مختلف علمی شخصیات کے نام لکھا گیا وہ گرانقدر مکتوب بھی یہاں پیش خدمت کیا جارہا ہے کہ آج وہ قیمتی دستاویز ہمارے لئے ایک ''پیش لفظ'' اور ''عرض مؤلف'' کی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ کاش! حضرت والد صاحبؒ آج حیات ہوتے تو بڑی شان سے اپنی دیرینہ آرزو کی شرح وداستانِ شوق اپنے خامہ معجز رقم سے لکھتے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہی سو گئے داستان کہتے کہتے

محترم المقام عالی قدر زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے

یقیناً آپ کو بخوبی علم ہوگا کہ برصغیر پاک وہند اور بعض پڑوسی ممالک میں قرآن کریم کے درس وتدریس کی ترویج میں شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوری قدس سرہ کا بنیادی کردار ہے، برصغیر بالخصوص پنجاب اور لاہور کی جہالت آمیز فضاؤں میں شرک وبدعات کے اندھیروں

کو قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے روشنیوں سے جگمگانے کی تقریباً پون صدی کے مسلسل کدو د کاوش اور جد و جہد کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، حضرت لاہوریؒ کے دورہ تفسیر سے ہزاروں فضلا مستفید ہوئے، ان کی تفسیری خصوصیات پر اس دور کے اعیان علم وفضل اور ارباب علم ودانش کے اعاظم رجال کے وقیع آرا سے روشنی پڑتی ہے (جو اس مسودہ کے ابتداء میں شامل ہیں) ان کے بعد کے اکابر علم وفضل اور قدیم وجدید علوم کے جامع شخصیات نے بھی گرانقدر تاثرات ظاہر کئے۔ (جس میں سے چند منسلک ہیں)

حق تعالیٰ کا ناچیز پر خاص فضل وکرم ہوا کہ ۱۹۵۸ء میں درس نظامی کی تکمیل اور فراغت کے فوراً بعد دل میں حضرت لاہوریؒ کے دورہ تفسیر میں شرکت کے لئے لاہور جانے کا داعیہ پیدا ہوا جبکہ یہ میرے عہد طالب علمی کا پہلا سفر تھا کہ اس سے پہلے درس نظامی اول تا آخر کی تحصیل اپنے ادارہ دارالعلوم حقانیہ میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کی نگرانی میں مکمل ہوئی، میرے اس ارادہ کی حضرت والد ماجد قدس سرہ نے نہ صرف تحسین وتائید کی بلکہ میری سفری اجنبیت دور کرنے اور رفاقت ومؤانست کیلئے محب گرامی خلد آفرین دوست مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی کو بھی دورہ تفسیر کے لئے ساتھ جانے کی ترغیب دی، جسے وہ غنیمت سمجھ کر تیار ہو گئے، حضرت نے دونوں کو دورہ تفسیر توجہ سے پڑھنے اور درسی افادات کو حتی الوسع من وعن قلمبند کرنے کی تاکید فرمائی۔

دورہ تفسیر کا آغاز یکم رمضان سے ہوتا اور اختتام ذی الحجہ کے پہلے ہفتہ میں، چونکہ مولانا شیر علی شاہ صاحب کے ذمہ دارالعلوم حقانیہ کی تدریسی ذمہ داری تھی، وہ شوال میں اسباق کے آغاز کی وجہ سے صرف رمضان میں رہے اور ناچیز بحمد اللہ تعالیٰ تکمیل دورہ اور امتحانات تک رہا۔ اس دوران امام لاہوری کے درسی افادات وآمالی کو بالتزام ضبط کرتا رہا (مولانا شیر علی شاہ کے آمالی سورہ بقرہ پر مشتمل تھے جو انہوں نے زبدۃ القرآن کے نام سے شائع کئے) میرے آمالی اور مسودات کو نصف صدی سے زیادہ ہوئے کہ تدوین واشاعت کی امید پر پڑے رہے، اس اثنا میں سینکڑوں ہزاروں جید علماء واجلہ علم وفضل کا امام لاہوریؒ سے استفادہ اور شرف تلمذ کے باوجود حضرت کے درسی افادات کا کوئی مرتب کردہ جامع مجموعہ میرے ناقص خیال میں سامنے نہ آ سکا البتہ قرآنی رکوعات اور مختلف موضوعات پر کچھ مختصر مجموعے شائع ہوئے، خود حضرت شیخ التفسیرؒ نے

قرآن عزیز کے نام سے ترجمہ اور اس پر بہت ہی مختصر مگر جامع حواشی قلمبند کر کے شائع کیا۔ میں اس عظیم کام کا ہرگز اپنے کو اہل نہیں پاتا مگر رہ رہ کر یہ خیال آتا رہا کہ یہ امانت پوری امت تک پہنچائی جائے، یہ کام اگر چہ بہت محنت اور فرصت طلب تھا مگر یہ تمنا ہے کہ خداوند قدوس اسے تکمیل تک پہنچا کر میرے لئے توشہ آخرت اور وسیلہ مغفرت بنا دے اور بقول حضرت شیخ الہندؒ

ع من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل

کچھ تو بضاعۃ آخرت کا سامان ہو جائے، آمالی پر کام شروع کیا تو اپنے مسودے کو اصل قرار دے کر ۱۹۵۸ء سے دو چار سال قبل اور دو چار سال بعد کے بعض اجلہ تلامذہ کے آمالی سے بھی استفادہ کیا گیا، کہیں اجمال یا ابہام تھا تو حضرت کے مترجم اور محشی قرآن سے اسے رفع کیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ امام لاہوری کے جملہ تحریری افادات اور خطبات و مجالس ذکر کا بغور جائزہ لیا اور جہاں ان کے تفسیری نکات نظر آئے متعلقہ موضوع اور آیت کے تحت اسے شامل کیا گیا، اللہ نے مدد کی تو یہ جامع مجموعہ دس پندرہ جلدوں میں مکمل ہوگا، (ان شاء اللہ) حضرت کے افادات کا بنیادی سرچشمہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور پھر ان کے بعد اپنے استاد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا منفرد طرز تفسیر ہے جس کے تاریخی پس منظر کے بارہ میں ان کے تلمیذ خاص مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے نہایت جامع انداز میں جچی تلی رائے کا اظہار کیا ہے۔

''اس وقت کی تحریکی اثرات نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا اور ان کے ذہن کو جہاد و حریت، احیائے خلافت و حکومت الٰہی، حصول آزادی اور انگریز دشمنی کی طرف ایسا موڑ دیا کہ ان کو سارا قرآن جو شروع سے ان کی دلچسپی اور مطالعہ کا مرکز تھا، اس کی تفسیر اور اس کی دعوت و تبلیغ نظر آنے لگا، ان کی ذہانت اور نقطہ آفرینی نے اس کی آیات و ارشادات سے وہ کام لیا کہ ان کو اپنے ہر دعویٰ کی تائید قرآن مجید ہی میں نظر آنے لگی اور انہوں نے اس سے اجتماعی و سیاسی زندگی کی ایسے ایسے اصول و کلیات اخذ کئے جن کا نہ کسی قدیم تفسیر میں نشان ملتا ہے، نہ کسی جدید تفسیر میں، یہ طرز استنباط اور یہ طریقہ تفسیر صوفیائے کرام کے تفسیری لطائف اور متصوفانہ نکات سے بہت ملتا جلتا تھا، جن کو وہ الاعتبار والتاویل کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن کے نمونے شیخ اکبر کے فتوحات مکیہ، علامہ مہایمیؒ کی تبصیر الرحمان و تیسیر

المنان اور علامہ حقی کی تفسیر روح البیان میں دیکھی جاسکتی ہے، اگر اس کو تفسیر کا نام نہ دیا جائے اور الاعتبار والتاویل کے نام سے یاد کیا جائے نیز وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو تو ہر دور کے علماء نے اس میں حرج نہیں سمجھا ہے، غرض یہ کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک خاص طرز تفسیر کے اس دور میں بانی تھے، جن کو ان کے شاگرد ارشد مولانا احمد علی لاہوریؒ تفسیر کی بجائے الاعتبار والتاویل کے نام سے یاد کرنا پسند فرماتے تھے۔"

اس سلسلہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی فارغ التحصیل فضلاء کو جاتے وقت یہ وصیت بھی پیش نظر رہے کہ "اب اگر قرآن مجید کے اسرار ورموز اور دین وشریعت کے مصلحتوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور باطنی ترقی چاہتے ہو تو لاہور کے کامل اور مکمل ولی اللہ وشیخ وقت (مولانا احمد علی لاہوریؒ) کے سامنے تین ماہ تک زانوئے تلمذ تہہ کرو۔"

زیر نظر مجموعہ حضرت کے علوم کی پہلی تفصیلی کاوش ہے بطور نمونہ ابتدائی دوسو صفحات ارسال کر رہا ہوں، میری دلی خواہش ہے کہ آپ اپنے وسیع علم اور بصیرت کی روشنی میں اپنے تاثرات، تجزیہ اور تبصرہ اور مشورہ سے میری رہنمائی فرمادیں کہ اس سے استفادہ کرسکوں اور دنیا سے رحلت کرنے والے اکابر کے آراء وتاثرات کے ساتھ اس عہد کے اہل علم ودانش کے تقاریظ بھی شریک اشاعت کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق، رہنمائی اور قبولیت کی دعاؤں کا بھی خواستگار ہوں۔

والسلام

(مولانا) سمیع الحق

مدرس ومہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۹ر جمادی الاول ۱۴۳۸ھ

مقدمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
(صدر وفاق المدارس العربیہ و نائب مہتمم جامعہ دار العلوم کراچی)

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین امابعد:

میرے نہایت مشفق ومکرم بھائی اور محبوب دوست حضرت مولانا سمیع الحق صاحب شہیدؒ کی حسین یادیں میرے دل میں بکثرت ایک تلاطم بن کر رہ جاتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے دینی، علمی، ادبی، سیاسی الغرض ہر میدان میں نمایاں کام لئے، ان کا بہار آفرین قلم عرصہ دراز تک ماہنامہ ''الحق'' کے اداریوں کے ذریعے دین کی صحیح اور ٹھیٹھ تعبیر کا دفاع کرتا رہا، ذہن میں پیدا کی جانے والی تحریف کے مقابلے میں انہوں نے وہ جاندار اور مدلل تبصرے فرمائے جو ہمارے علمی اور ادبی ذخیروں کا بیش قیمت اثاثہ ہیں، سیاسی میدان میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد ان کی خاص پہچان بن گئی تھی، جس پر اسمبلیوں کے درودیوار شاہدِ عدل ہیں۔ افغانستان کے جہادِ حریت میں ان کے قائدانہ کردار کا زمانہ معترف ہے، غرض ان کی دینی وملی غیرت اور اس کے عملی مظاہروں سے ان کی ساری زندگی معمور رہی اور آخر کار اسی مبارک مقصد کی جدوجہد کے عین درمیان انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے دل میں قرآن کریم اور اس کی تفسیر کی خدمت کا وہ مبارک جذبہ پیدا کیا جو انہیں اپنی بیماریوں کے درمیان بھی بے چین رکھتا تھا، ان کی خواہش تھی کہ وہ قرآن کریم کی ایسی خدمت کر جائیں جو اِن کے لئے بھی ذخیرہ آخرت بنے اور امت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے اس ابدی پیغام کو سمجھنے اور اسے عام کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

اس کا وسیلہ یہ ہوا کہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد انہوں نے اپنے یارِ غار حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب قدس سرہ کی معیت میں لاہور جا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے درس قرآن میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا اور ان کے والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی اجازت سے اس مقصد کے لئے لاہور کا قصد کیا تھا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب قدس سرہ کا دورۂ درس قرآن پورے ملک میں مشہور تھا اور طالبان علوم قرآنی اطراف و اکناف سے اس دورے میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت لاہوری قدس سرہ نے ''قرآن عزیز'' کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ اور اس پر مختصر حواشی تحریر فرمائے تھے۔ یہ حواشی بظاہر مختصر ہیں لیکن ربط آیات اور رکوعات کے خلاصے کے لحاظ سے دریا بکوزہ کے مصداق ہیں، جن پر امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے لے کر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تک سب اس کی تعریف میں رطب اللسان رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت لاہوریؒ نے درس نظامی کی تکمیل کرنے والوں کے لئے تین ماہی دورہ جاری فرمایا تھا، جن میں ''القرآن العزیز'' کے منہج کو زیادہ تشریح کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس دورہ تفسیر میں ذوق وشوق کے ساتھ نہ صرف شرکت کی تھی بلکہ حضرت لاہوریؒ کی تقاریر کو اپنے قلم سے محفوظ کر لیا تھا، اپنی آخری زندگی میں ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقاضا پیدا فرمایا کہ ان کی تقاریر کو مرتب فرمائیں چنانچہ انہوں نے اپنے مشاغل کی کثرت اور مختلف بیماریوں کے باوجود اس کام میں تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔

اب ان کے قابل اور باذوق صاحبزادے عزیزم مولانا راشد الحق صاحب سلمہ (مدیر ماہنامہ ''الحق'') نے اس تقریر (افادات تفسیر) کو شائع کرنے کا مبارک ارادہ فرمایا تو مجھ سے فرمائش کی کہ چند سطور ان کے تعارف پر لکھ دوں اگر چہ میری خواہش تھی کہ میں اس پورے مسودے کو پڑھ کر اس سے استفادہ کروں لیکن پے در پے مشاغل کی بناء پر اس سے تو محروم رہا لیکن چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھ کر فیض یاب ہوا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب قدس سرہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور سے ان کے خاص شاگرد تھے اور اس دور میں ان سے جو استفادہ کیا، اس میں تفسیر قرآن، ربط آیات وغیرہ کے منہج کو اختیار فرمایا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صاحبؒ کے آخری دور میں ان کے بعض اُن افکار و نظریات سے اکابر علمائے دیو بند نے اختلاف بلکہ برأت کا اظہار فرمایا تھا جو جمہور امت کے طریق سے ہٹے ہوئے تھے۔ ان کی بعض تفاسیر پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے "التقصیر فی التفسیر" کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا تھا لیکن جہاں تک مولانا احمد علی لاہوری صاحب قدس سرہ کے دورہ تفسیر کا تعلق ہے، جہاں تک بندہ دیکھ سکا، اس میں اس قسم کے افکار اور نظریات کا کوئی عکس نظر نہیں آیا۔

قرآن کریم کی تفسیر میں بعض جزوی نکات کا استنباط ہر دور میں جاری رہا ہے، کبھی تفسیر کے طور پر، کبھی ذوقی استنباطات یا جزوی یا علم الاعتبار کے طور پر۔ اس میں مزاج و مذاق کا اختلاف بھی ہر دور میں رہا ہے، اس سے کسی تفسیر کے مجموعی طور پر مستند ہونے پر فرق نہیں پڑتا، ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی یہ قابل قدر کاوش قرآن کریم کی فہم اور اس سے عملی نتائج حاصل کرنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس قابل قدر کاوش کو مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے لیے ذخیرہ آخرت اور پڑھنے والوں کے لیے قرآن کریم پڑھنے، اسے سمجھنے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائیں (آمین ثم آمین)

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دار العلوم کراچی

مولانا سمیع الحقؒ نے اپنی زندگی تکمیل تفسیر قرآن پر ختم کر دی

"تفسیر لاہوری" اور حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے مختلف مواقع پر اپنی خطبات و تاثرات کے ذریعے جو قیمتی آراء پیش کیے وہ بھی یہاں بطور تبرک شامل کیے جا رہے ہیں تا کہ "تفسیر لاہوری" کی اہمیت مزید واضح ہو سکے......(راشد الحق سمیع)

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین امابعد:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو عظیم خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی تھی، خاص کر تصنیف کے میدان میں دیکھیں تو وہ پہلے نوجوان تحریر نگار تھے، اُس زمانے میں جب تجدد اور جدت پسندی کا ایک سیلاب تھا، ایوب خان مرحوم کے دورِ حکومت میں دین کی تحریف کی جا رہی تھی تو سب سے پہلے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے "الحق" کے رسالے میں اپنے اداریوں کے ذریعے اس تحریف کا پردہ چاک کیا اور یہ بتایا کہ دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریفات کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں، انہوں نے دین کے نفاذ کی جدوجہد میں قومی اسمبلی میں رہتے ہوئے اور پھر "دفاع پاکستان کونسل" کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں وہ کسی بھی باخبر انسان سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آخر میں ایک تو "دفاع پاکستان کونسل" کے ذریعے پاکستان کے دفاع کی عظیم خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی لیکن اس سے بھی زیادہ عظیم خدمت وہ تھی جس میں وہ آخر وقت تک مشغول رہے یعنی تفسیر قرآن (تفسیر لاہوری) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۷ پارے ان کے مکمل ہو چکے تھے، اگرچہ آخر کے تقریباً تین پاروں کی تفسیر مکمل کرانے سے رہ گئی (گو کہ انہوں نے حضرت لاہوریؒ سے اپنی کاپی میں اس وقت قلمبند کر لئے تھے اور اُسی کاپی سے مؤتمر کی ٹیم نے اِسے مرتب کر دیا ہے) مجھے اس موقع پر اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع قدس سرہ العزیز کی ایک بات یاد آ رہی ہے، حضرت والا میرے والد ماجد "معارف القرآن" کی تفسیر لکھ رہے تھے اور اس طرح لکھ رہے تھے کہ عمر کا

آخری زمانہ تھا اور بیمار بھی تھے اور عام طور پر پلنگ پر ہی رہتے تھے اور وہیں تفسیر لکھتے تھے، اسی دوران ان کو دل کا شدید دورہ پڑا، اس وقت تک وہ سورۂ حم سجدہ تک پہنچے تھے اور جب دل کا شدید دورہ ہوا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ اگر میں پورا نہ کر سکا تو باقی تم پورا کر لینا، اس موقع پر ایک جملہ حضرت والد نے فرمایا جب پہلے مجھے موت کا خیال آتا تھا تو یہ تمنا ہوتی تھی کہ موت کچھ اور آگے چلی جائے اس لئے کہ میں قرآن مجید کی تفسیر کی تکمیل کروں لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے سوچا کہ اب میری وہ تمنا بھی نہیں رہی اس لئے کہ قرآن مجید تکمیل کرنے کی چیز نہیں ہے زندگی اس پر ختم کرنے کی چیز ہے، قرآن ختم ہونے کی چیز نہیں ہے زندگی اس پر تکمیل کرنے کی چیز ہے، اس لئے اگر اس کی تکمیل سے پہلے مجھے موت آ جائے تو مجھے کوئی صدمہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ میں نے زندگی اس پر ختم کی۔

آج پھر مجھے یہ جملہ یاد آ رہا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ توفیق بھی عطا فرمائی کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھی اور اس تفسیر میں اپنی زندگی ختم کر دی، یہ شہادت کا مرتبہ اور شہادت بھی سنت اسلاف والی اور تفسیر قرآن لکھتے ہوئے اس میں زندگی ختم کی، مجھے میرے بھتیجے بتا رہے تھے کہ جب دل کا دورہ ان کو ہوا تھا تو اس وقت طبیعت جب بھی تھوڑی سی بحال ہوتی تو وہ تفسیر کا مسودہ منگوا کر اس میں مصروف رہتے، میں نے اپنے والد ماجد کو اسی طرح دیکھا، دل کے دورے کے دوران جب طبیعت تھوڑی سنبھلتی تو تفسیر لکھنے میں مشغول ہو جاتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی تفسیر قرآن پر ختم کریں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور یہ شاید زندگی میں ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔

الحمدللہ ان کے فاضل صاحبزادگان نے اپنے والد شہیدؒ کی میراث کو زندہ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مشن کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے مشن کو جاری رکھنے کی خاص توفیق عطا فرمائے اور ساتھ میں عزیزم مولانا راشد الحق سلمہ کو دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے واقعتاً مولانا شہیدؒ کے شایان شان عظیم چار جلدوں میں ایک عظیم صحیفہ ''الحق خصوصی نمبر'' تیار کیا ہے جو ہم سب کیلئے ایک روشنی کا مینار ثابت ہو سکتا ہے۔ (ان شاء اللہ)

(تعزیتی خطاب ۱۹ر دسمبر ۲۰۱۸ء جامعہ حقانیہ، خطاب قومی کانفرنس وتقریب رونمائی خصوصی اشاعت، ۲ نومبر ۲۰۲۱ پشاور)

عرضِ مرتب

مولانا محمد فہد حقانی
(رفیق مؤتمر المصنفین)

الحمدللّٰہ وکفی والصلاۃ والسلام علی عبادہ الذی اصطفیٰ اما بعد !

قرآن کریم کے نظم ومعنی پر علمائے اسلام نے مختلف جہات سے مختلف انداز اور الگ الگ اسالیب میں کام کیا ہے فن قراءت کے ذریعے نظم قرآن کی حفاظت اور فن تفسیر کے ذریعے قرآن کریم کے معانی ومطالب کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا گیا ہے اور ہر دور میں ماہرین تفسیر نے اپنے اپنے انداز میں متنوع تفسیری خدمات انجام دی ہیں، اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ نے معانی ومطالب قرآنیہ کے بیان میں تفصیلی انداز اپنایا ہے لیکن بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے انتہائی اختصار کے ساتھ ان مضامین کو بیان کر کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

برصغیر کے مشہور ومعروف عالم دین ولی کامل شیخ التفسیر حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دروس قرآن کی مجالس اپنی افادیت کے حوالے سے منفرد حیثیت کی حامل تھیں بلکہ حضرت لاہوریؒ پاک وہند کی نمایاں شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی شبانہ روز محنت اور لگن سے قرآن کریم کے درس اور تفسیر کو عوام الناس تک پہنچانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن کے حوالے سے مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ یوں رقمطراز ہیں:

> ’’واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درس قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے سر ہے۔‘‘

حضرت لاہوریؒ درس قرآن کے حوالہ سے تحریک آزادی کے بیباک مجاہد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگرد رشید تھے اور دہلی میں درس قرآن دیا کرتے تھے حضرتؒ کی شبانہ روز محنت اور روحانی قوت نے اس درس کو مقبول عام بنا دیا تھا، لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہونے لگے اور غاصب وظالم انگریز کے خلاف لوگوں میں نفرت کے جذبات ابھرنے لگے اور

بیرونی آقاؤں کے قلعہ اقتدار میں دراڑیں پڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا اور خادم قرآن اور شیر اسلام شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی للکار سے انگریزوں کی نسوانی قیادت اور ان کے حواری لرزہ براندام ہونے لگے تو انہوں نے اس کا اثر کم کرنے کے لئے حضرتؒ کو دلی بدر کرنے کا فیصلہ کیا انگریزی فوج نے اپنی تحویل میں لے کر دہلی سے نکالا اور لاہور میں لا کر چھوڑ دیا، لاہور میں نہ کوئی جان پہچان تھی اور نہ ہی حلقہ احباب تھا، آپؒ اللہ کا نام لے کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور درس قرآن شروع کر دیا۔ حلقہ درس بڑھنے لگا اور رفتہ رفتہ حضرتؒ ایک غیر معروف مسجد میں منتقل ہو گئے (جو لائن والی مسجد کہلاتی تھی اور شیرانوالہ گیٹ سے متصل تھی) یہاں نہایت یکسوئی اور اہتمام کے ساتھ درس قرآن شروع کیا حضرت کے اعمال میں پابندی اور استقامت کے حوالے سے احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل پر پورا پورا عمل ہوتا تھا، اس لئے کبھی بھی آپ کے درس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، آپ کے شاگرد رشید مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

> ان (حضرت لاہوریؒ) کو قرآن مجید کے درس واشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا، ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ تھا اور سخت کوتاہی تھی، میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچے کا انتقال ہوا اس کی لاش گھر میں تھی لیکن اس دن بھی انہوں نے درس کا ناغہ نہیں کیا، درس کے بعد حاضرین کو اس واقعے کی اطلاع دی اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ (پرانے چراغ: ج ۱، ص ۴۵۱)

حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن اور تفسیر اپنی گوناگوں خصوصیات خلاصہ سورہ و رکوع، استنباط مسائل، نظم قرآن کے اہتمام اور شاہ ولی اللہؒ کے افکار سے استفادہ کے سبب بہت جامع مانع اور ہمہ گیر ہیں ان کی تفسیر کی ایک خصوصیت نئے قرآنی عنوانات قائم کرنا ہے جن میں ندرت فکر کے ساتھ ساتھ اتنی تازگی ہے کہ وہ آج کے حالات پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں، اس طرح کے متعدد عنوانات استنباط فکر کی ندرت کے سبب بڑے منفرد ہیں، بایں وجوہ یہ تفسیر ایک طرف اسلاف کی فکر کی نمائندہ ہے، دوسری جانب آج کے حالات میں بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے، مولانا لاہوریؒ اپنی تفسیر میں عالمگیر و آفاقی حقائق اور قرآنی تعلیمات کو اس طرح ساتھ ساتھ لے کر اس پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ قرآنی نتائج فکر کسی عقلمند اور زیرک انسانؑ کے لئے اجنبی نہ رہیں،

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر اصل میں اسی عالمی آفاقی انقلاب کی علمبردار ہے اور مولانا احمد علی لاہوریؒ اسی فکر کے معتمد شارح ہیں۔

''تفسیر لاہوری'' کو مرتب کرنے کا عزم اور مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی سعادت

ضرورت اس امر کی تھی کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دروس کو تحریری شکل میں پیش کر کے قرآنی فکر کو عام کیا جائے تاکہ معاشرے کے اندر ایک فکری وسعت اور کشادگی پیدا ہو اور حضرت لاہوریؒ کے علوم و معارف تک ہر عام و خاص کی رسائی ہو، حضرت لاہوریؒ کے درسِ قرآن کریم کی یہ خصوصیات دیگر شیوخِ تفسیر کے دورہائے تفسیر میں شاید نہ مل سکیں، اس لئے اس بات کی اشد ضرورت اور وقت کا تقاضا بھی تھا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو اس انداز سے منظر عام پر لایا جائے جیسا کہ اس کا انداز و اسلوب درس تھا تاکہ علوم ولی اللّٰہی کے اس معتمد شارح کے افادات سے تشنگان علم تفسیر سیراب ہوسکیں اور یہ خدمت امتِ مسلمہ کے لئے بالعموم اور علماء و طلباء دین کے لئے بالخصوص تعلیمی و تدریسی میدان میں عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور قرآن کریم کے دروس کے نام پر بعض ماڈریٹ طرزِ تفسیر اور عامیانہ تجدد پسندی کی لغویانہ حرکتوں سے نجات بھی مل جائے گی اور یہ اس دورِ فتن میں ایک نعمت سے کم نہ ہوگی چنانچہ اس تشنگی اور ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مایہ ناز شاگرد، شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے فرزند ارجمند، استاد گرامی حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس تفسیر کو مرتب کرنے کا عزم کیا۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے 1958 میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا، دورانِ درس آپ کے تفسیری افادات کو جمع بھی فرماتے رہے جو ایک مجموعہ کی شکل میں محفوظ ہو گئے تھے، اس مجموعہ کو مرتب و مدون کرنے کا دیرینہ داعیہ جب روبعمل ہونے لگا تو اس مجموعہ کے سنِ تدوین سے دو چار سال قبل اور دو چار سال بعد کی اَمالی و درسی افادات سے استفادہ بھی کیا گیا اور حسبِ ضرورت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مطبوعہ علمی افادات سے رہنمائی بھی لی گئی، محنتِ شاقہ کا یہ ثمرہ دس جلدوں پر مشتمل ہے، جسے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے الہامی ولدنی افادات سے آراستہ اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے الاعتبار والتاویل سے معمور ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔

تفسیر لاہوریؒ کی ترتیب میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا نہج واسلوب وطریق کار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ایسا ناپید کنار ہے کہ جس مین غوطہ زن ہونے والے ہر دور اور ہر زمانے مین نت نئے موتی اصحاب ذوق کی خدمت میں پیش کرتے آرہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ مبارکہ بدستور اسی طرح جاری وساری رہے گا، سینکڑوں پہلوؤں کے متعلق قرآن کریم کی تفسیرین دنیا کی مختلف زبانوں میں سینکڑوں کی تعداد میں لکھی گئی ہے اور تاہنوز لکھی جارہی ہیں مگر تشنگی کا احساس بدستور باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

ولی کامل، زینت المحد ثین، شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے قابل فخر فرزند ارجمند استاد مکرم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے بھی اس کار خیر کے مبارک سلسلہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرتے ہوئے حضرت امام المفسرین مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو ''تفسیر لاہوریؒ'' کے نام سے مرتب ومدوّن کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور یہ گراں قدر علمی وتفسیری خدمت تھی جس کا شرف اوراس کو مدوّن کرنے کی سعادت اللہ نے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حصے میں ڈالی ورنہ حضرت لاہوری کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ سے اس دور کے قابل قدر شاگردوں اور تلامذہ نے ان کے دورہائے تفسیر میں شرکت کرکے علم التفسیر کا فیض حاصل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جلیل القدر خدمت کیلئے فرزند حقانیہ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو چنا اور حضرت مولانا شہیدؒ سے یہ عظیم خدمت لی، مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس تفسیر کو تمام جہات سے جامع بنانے کیلئے بھرپور کوشش اور سعی کی ہے اسی بناء پر اس تفسیر کو ''علوم لاہوری کا انسائیکلوپیڈیا'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حضرت لاہوریؒ کے افادات تفسیریہ اور فرمودات قرآنیہ کو یکجا کرکے ایک گنج گراں مایہ کی شکل میں عاشقان کلام الٰہی اور مشتاقان قرآن کے لئے ایک حسین وعظیم تحفہ پیش کیا، چونکہ افادات ودروس حضرت لاہوریؒ ممتاز خصوصیات کی حامل ہیں جس کو بالتفصیل ذکر کردیا گیا ہے لیکن ضروری اور مناسب یہ ہے کہ ''تفسیر لاہوری'' میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس کی جمع وتدوین میں جن اصول وقواعد، اسلوب ونہج اور خصوصیات ومزایا کی رعایت رکھی ہے اور جن اوصاف کی یہ حامل ہے اس پر روشنی ڈالی جائے، ذیل میں ان خصوصیات کو مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

☆ آیات کی ترجمہ کے لئے ترجمہ و تفسیر میں مولانا سمیع الحق شہید کا اسلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ مکمل رکوع (متن) ذکر کرکے رکوع میں موجود تمام آیات کا ترجمہ الگ سطور میں ترتیب سے لکھتے ہیں اور اس اہتمام میں بھرپور احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور اہتمام یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ بھی خود حضرت لاہوریؒ کا ہے۔

☆ اس کے بعد حضرت لاہوریؒ کی طرز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس رکوع کا خلاصہ نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں اور ذیل میں ماخذ کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ ہر آیت پر متن نمبر اور جامع عنوان لگا کر ہر ایک آیت کا ایک جامع خلاصہ اس عنوان میں سمیٹنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

☆ آیات کے ذیل میں بعض مرتبہ تفصیلی مباحث اور بعض علمی اور سبقیہ نکات اور باتیں بھی مستقل اور جامع عنوان کی متقاضی ہوتی ہیں تو وہ اس پر مستقل عنوان لگاتے ہیں۔

☆ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی طرز و الفاظ میں کمی وبیشی نہیں کرتے بلکہ بھرپور علمی دیانت وامانت کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے افادات کو من وعن پیش کرنے کا بھرپور اہتمام فرماتے ہیں۔

☆ چونکہ حضرت لاہوریؒ کا ماخذ حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں تو جہاں جہاں حضرت لاہوریؒ نے شاہ صاحبؒ کی کتابوں خصوصاً حجۃ اللہ البالغۃ کا ذکر یا اس کی کوئی عبارت بیان فرمائی ہے تو وہی مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے لگا کر حسن تالیف میں اضافہ کر دیا ہے۔

☆ تفسیر لاہوری کی تیاری ان مسودات سے کی گئی جو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حضرت لاہوریؒ سے 65/60 برس قبل لکھے تھے لہٰذا ان مسودات کے بعض صفحات نہایت بوسیدہ ہو چکے تھے بعض مقامات پر اگر کہیں ابہام کی صورت پیش آتی تو ابہام کو دور کرنے کے لئے آپ دوسری تفسیری کتابوں سے موازنہ کرکے حل کرنے کی بھرپور کوشش فرماتے۔

☆ چونکہ ''تفسیر لاہوریؒ'' ایک دائرۃ المعارف اور ''علوم لاہوری انسائیکلوپیڈیا''

کی حیثیت رکھتی ہے تو ہر ایک رکوع میں جہاں جہاں بعض آیتوں میں ان مسودات کے علاوہ حضرت لاہوریؒ نے اپنے خطبات یا مجالس میں ان باتوں پر کہیں کچھ روشنی ڈالی ہے تو مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے نہایت سلیقے سے وہ نکات شامل کئے ہیں۔

☆ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اس کی ترتیب وتدوین میں خوب غور وخوض سے کام لیا ہے وہ پیرانہ سالی اور دیگر سیاسی، علمی و درسی مشاغل واسفار کے باوجود دن رات ایک کر کے اس کی تصحیح وعنوانات لگانے میں مشغول رہتے تھے اور مسودات چیک کرنے میں منہمک رہتے۔

☆ اس کے انداز بیان میں سادگی، ندرت اور علمی چاشنی جگہ جگہ محسوس ہوگی، حضرت لاہوریؒ کے الفاظ کا بھرپور احتیاط کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔

☆ تفسیر میں موجود احادیث مبارکہ کی امہات کتب سے تخریج کی گئی ہے۔

☆ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے موجودہ زمانے کے اکابر واہل علم سے ان کی توثیق و تقریظ کیلئے برصغیر کے نامور علماء ومفسرین کی طرف ایک مسودہ تیار کر کے انکی خدمت میں پیش کیا تا کہ اس پر اپنے تاثرات قلمبند کریں لہٰذا اس میں اہل علم کے تاثرات بھی شامل ہیں۔

آخر میں ایک بات تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس خدمت کو اپنے لئے سعادت مندی سمجھتا ہوں کہ مجھے شہید حضرت مولانا سمیع الحقؒ نے اس قابل سمجھا کہ میں ان کے ساتھ اس تفسیری خدمت میں معاونت کروں، میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس کام میں پورے اخلاص کے ساتھ لگا رہوں، یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق شامل حال رہی ہے......

این سعادت بزور نیست تا نہ بخشد خدائے بخشند

راقم 2013ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے فراغت کے بعد ایک سال ''صوت القرآن اکیڈمی'' پشاور میں یک سالہ تربیت علماء کورس میں شریک رہا، کورس کی تکمیل کے بعد برادرم مولانا اسرار مدنی صاحب سے عرض کیا کہ میں ان دنوں فارغ ہوں کوئی علمی کام ہو تو مجھے بتائیں تو انہوں نے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ''تفسیر لاہوری'' کا کچھ مسودہ میرے

حوالہ کیا کہ اس اصل مسودہ کو ایک صاف رجسٹر میں نقل کریں، راقم نے بڑی آسانی سے اصل مسودہ سے نقل کرانا شروع کیا صاف اور واضح لکھ کر مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو دکھایا گیا جسے حضرت مولانا شہیدؒ نے بہت پسند کیا اور بہت تعریف کی اور پھر انہوں نے بقیہ مسودہ میرے حوالے کر کے کہا کہ اسے بھی اسی طرح صاف اور واضح لکھیں اور اس طرح اس کام کا آغاز ہوا۔

کچھ عرصہ اسی کام میں گزرا تو مولانا شہیدؒ کو اپنی لائبریری سے ایک اور مسودہ ملا جو مولانا عبدالعزیز ہزاروی صاحبؒ نے 44-1943ء میں مولانا احمد علی لاہوریؒ صاحب سے نقل کیا تھا وہ بھی مجھے دیا کہ اسے بھی صاف لکھ کر مجھے دکھائیں۔ بطور نمونہ میں نے ان دونوں مسودوں کو یکجا کر کے الگ الگ رنگ کے قلم سے لکھا تا کہ دونوں میں امتیاز ہو سکے کہ کون سا جملہ کن صاحب کے مسودے سے ہے، جب حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے سامنے یہ مسودہ پیش کیا تو انہوں نے بہت زیادہ سراہا اور تعریف کی اس طرح راقم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر مکمل کی، اسکے بعد راقم تیمر گرہ میں مفتی مجیب الرحمٰن صاحب کے ہاں تخصص فی الفقہ کیلئے جانا چاہتا تھا مولانا شہیدؒ سے اس کے لئے درخواست کی کہ مجھے جانے کی اجازت عنایت فرمائیں تا کہ میں اپنی تعلیم مکمل کرسکوں تو مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ آپ کو تیمر گرہ جانے کی ضرورت نہیں یہیں جامعہ حقانیہ میں آپ کو تخصص میں داخلہ مل جائے گا اور یہی تفسیر کا کام آپ مکمل کریں، راقم نے مولانا شہیدؒ کی اس تجویز کو قبول کی اور اس طرح تخصص میں اعزازی داخلہ بھی ملا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کام کو قبول کرنا تھا اور اچھے انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا تو اس کام کے دوران مزید مسودے موصول ہو گئے، اس میں ایک مفتی بشیر احمد پسروری صاحبؒ نے 1926ء مسودہ لکھا، دوسرا کسی اور صاحب نے 1928ء مسودہ لکھا، پروفیسر سعید احمد خان (چارسدہ) نے 1956ء میں، مولانا احمد (مردان) نے 1951ء میں اور مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحبؒ جو مولانا شہیدؒ کے 1958ء میں ہم درس تھے، تمام مسودے کو راقم ایک رَف کاپی میں یکجا کرتا اور پھر الگ کاپی میں ہر شخصیت کے الگ رنگ کے قلم سے لکھتا تا کہ معلوم ہو سکے کہ کس کی تحریر ہے؟ پھر اس کے بعد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو یہ پیش کرتا اور پھر مولانا شہیدؒ اس میں تصحیح فرماتے اور اس طرح اس کو کمپوزنگ کے حوالے کر دیا جاتا، کمپوز کرنے کے بعد مولانا شہیدؒ اس کو پھر دیکھتے اور عنوانات لگاتے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اکثر سفر پر رہتے تو اپنے ساتھ یہ کام بھی لے جاتے، یہاں تک کہ حرمین شریفین بھی جاتے تو وہاں بھی تفسیر کا کام جاری رکھتے اور جس صفحہ پر کام کر رہے

ہوتے تو وہاں تحریر فرماتے کہ " خانہ کعبہ کے سامنے" اور کہیں " مسجد نبوی ؐ میں ریاض الجنۃ" میں بیٹھ کر تفسیری کام کرتے۔ اسی طرح راقم نے 2018 میں جاپان میں چند مہینوں کے لئے ایک دینی ادارہ میں خدمات دینے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو مولانا شہیدؒ نے جانے کی اجازت نہیں دی لیکن راقم نے مولانا راشد الحق صاحب کے ذریعہ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو یقین دلایا اور سفر کے لئے آمادہ کرایا کہ تفسیر کا کام وہاں بھی اسی طرح جاری رکھوں گا جس طرح یہاں کر رہا ہوں تو اس طرح مولانا شہیدؒ نے بخوشی اجازت دے دی اور پھر وہاں سے وعدے کے مطابق کام واٹس اپ کے ذریعے بھیجتا رہا اور حضرت مولانا شہیدؒ برادرم جناب بابر حنیف صاحب (ماہنامہ "الحق"، وموتمر المصنفین کے تیئس برس سے کمپوزنگ کا کام کر رہے ہیں، مشاہیر کی کمپوزنگ کے ساتھ ساتھ یہ عظیم دس جلدوں پر محیط تفسیر بھی انہی موصوف کی کمپوز شدہ ہے، جناب بابر صاحب حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور مولانا راشد الحق سمیع صاحب کے نہایت قابل اعتماد اور قریبی رفقاء میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے مزید دین اور دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کا موقع لے) سے روزانہ کی بنیاد پر کام کا پوچھتے جسے پرنٹ کر کے مولانا شہیدؒ کو دیا جاتا اور اسی ترتیب سے کام آگے بڑھتا رہا اور راقم کی کچھ عرصہ بعد پاکستان واپسی ہوئی اور تفسیر کا کام حسب سابق جاری رکھا۔ اسی دوران مولانا شہیدؒ کی طبیعت اچانک ناساز ہوگئی اور ایمرجنسی میں راولپنڈی کے ایف آئی سی ہسپتال میں انہیں داخل کیا گیا جہاں ان کی اوپن ہارٹ سرجری کی گئی، پھر بیماری وکمزوری کی حالت میں بھی آپ نے سب سے پہلا کام ہسپتال میں تفسیر کا شروع کیا اور اس کام میں بیماری کے باوجود توقف گوارا نہیں کیا۔

راقم نے مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ بیمار ہیں اور جو آپ کا کام ہے یعنی عنوانات وغیرہ کا وہ بھی میں لگالوں؟ تو اس پر حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ " سارا کام تم کرو گے تو میرے حصہ میں کیا آئے گا" تو اس طرح مولانا شہیدؒ نے اپنا کام جاری رکھا اور مولانا شہیدؒ سے گزارش کی گئی کہ حضرت! تفسیر کا مقدمہ بھی لکھیں جس پر آپؒ نے فرمایا کہ تم کچھ لکھ لو پھر میں اس میں اضافہ وتصحیح کرلوں گا۔ بعد میں حضرت شہیدؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میں یہ تفسیر اپنے رب کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ اس کے بدلے میں مجھے تھوڑی سی مزید زندگی عنایت فرمادے تاکہ میں اس کو اپنی زندگی میں مکمل کرسکوں اور آخرت کے لئے یہ تفسیر میرے لئے نجات کا ذریعہ ہو" تو اس پر راقم نے مزاحاً عرض کیا کہ میں بھی اسی لئے اس کام کو آہستہ آہستہ لکھ رہا ہوں تاکہ آپ کی

عمر دراز ہو جائے اور کام مکمل ہونے پر اگر خدانخواستہ آپ نہ رہے تو ہم کدھر جائیں گے؟ اس پر حضرت شہیدؒ بہت زیادہ مسکرائے اور دعائیں دیں پھر دل کے کامیاب آپریشن کے بعد آپ کا 20 رمارچ 2018ء کو دارالعلوم میں شاندار استقبال کیا گیا، اسی طرح آپ نے تفسیر کا کام جاری رکھا اور شہادت کے ایام تک اسی کام میں منہمک رہے، آپ سورۂ نجم (ستائیسویں پارہ) کی تفسیر پر کام کر رہے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور جان جان آفرین کے نام کر دی۔

افسوس صد افسوس کہ میرے مربی اور مہربان شہید ناموس رسالتؐ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی حیات میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی اور آخری تین پارے ان کی عالمانہ فاضلانہ نگاہ سے نہ گزر سکے تاہم مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے حضرت کی شہادت کے چند روز بعد مجھے اور ''موتمر المصنفین'' کے اراکین کو اکٹھا کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کو تلقین کی کہ حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کی سب سے بڑی اور آخری ادھوری تمنا کو اب ہر صورت میں ہم سب نے پورا کرنا ہے اور آپ لوگوں نے بھرپور انداز میں اس اہم علمی کام کو آخر تک پہنچانے کے لئے میرے ساتھ کمربستہ ہونا ہے۔ انہی ایام کے دوران مولانا راشد الحق صاحب صدمے کی شدت، مہمانوں سے تعزیت اور دیگر کثیر مصروفیات کے باوجود مسلسل اس تفسیری کام کی نگرانی وخصوصی سرپرستی فرماتے رہے اور بقیہ پاروں کے کام کو خود بھی دیکھتے اور جانچتے رہے اور حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ اور دیگر اہل علم حضرات کے سامنے بھی پیش کرنے کا برابر اہتمام کرتے رہے، اشاعت میں تاخیر کئی وجوہات سے ہوئی ایک تو پہلے دس پاروں کی نہج اور ترتیب الگ طرح کی تھی اور باقی کے بیس پاروں کی نہج ترتیب بھی تفصیلی نوعیت کی ہوگئی تھی، اس کے علاوہ تصحیح کے مسائل بھی بہت زیادہ تھے جس کی تصحیح وحساسیت پر مولانا راشد الحق صاحب کا بہت زیادہ اصرار رہا کہ اغلاط بالکل نہ رہیں اور ہماری یہ بھرپور کوشش رہی کہ اس تفسیر میں حتی الوسع پروف کی اغلاط نہ ہوں پھر بھی بحیثیت انسان ہمیں اپنی کمزوری اور عجز کا اعتراف ہے اگر تفسیر کی کتابت وغیرہ میں کوئی کوتاہی یا علمی بھول چوک ہوئی ہو تو اس کی نسبت ہماری طرف کی جائے کیونکہ استاد محترم کی گہری نگاہوں اور تصحیح وتوجہ سے ہم محروم رہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم دست بدعا ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیری کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی روح کو عالم برزخ میں تسکین مل سکے اور اس عظیم الشان علمی جواہر پارے سے مسلمانان عالم مستفید ہوسکیں۔ (آمین یارب العالمین)

حرفِ تحسین

تبصرہ، جائزہ اور تاثرات

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

(مہتمم جامعہ ابوہریرۃ خالق آباد نوشہرہ)

الحمد لحضرة الجلالة والصلاة والسلام علی خاتم الرسالة أما بعد

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات جو شہیدِ ختم نبوت، استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ نے اخذ اور ضبط کئے تھے اور اپنی حیاتِ مستعار کے آخری ایام میں اس کی ترتیب وتہذیب کا کام شروع کر چکے تھے بلکہ تفسیری کام کو آخری مراحل تک پہنچا چکے تھے، تین پارے باقی تھے کہ بارگاہِ الوہیت میں خلعتِ خونِ شہادت سے نوازے گئے۔ اب وہ عظیم تفسیری سوغات شہیدِ اسلام کے فرزندِ سعادت مند ماہنامہ ''الحق'' کے مدیرِ دانشمند اور قافلۂ حقانیین کے نقیبِ فکرمند مخدوم زادۂ ذی قدر ومخدوم مکرم حضرت مولانا راشد الحق صاحب مدظلہٗ کثر اللّٰہ امثالہٗ کی نگرانی اور سرپرستی میں تکمیل کے مراحل سے گزر کر آپ کے ہاتھوں میں ہے یقیناً اس عظیم کام کے حسنِ اشاعت واہتمام سے حضرت الاستاذ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی روح سرشار اور حضرت مولانا عبدالحقؒ کی روح انتہائی مسرور ہوگی، یہ واقعی محدثِ جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے اخلاص اور استاذِ محترم حضرت شہیدؒ کی تربیت اور رہنمائی کا ثمرہ ہے۔

حضرت استاذِ محترم مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے دین کی اشاعت، اہل حق کی ترجمانی اور مظلوموں کی دادرسی کے لئے اپنے لائقِ صدرشک بیٹے کو قلم تھمائی تو یہ ہونہار فرزند اپنے عظیم باپ کے اعتماد کی لاج رکھتے ہوئے صلہ وستائش کی تمنا کے بغیر برسوں خنجر قلم سے اپنا جگر چیر کر لوحِ قرطاس کو لالہ فامی بخشتے رہے اور اہل نظر، اصحابِ قلب اور اربابِ فن سے اپنا لوہا منواتے رہے۔ بزمِ حق میں ان کی مجاہدانہ للکار نے کلاہِ حقانیین کو ثریا پر پہنچا دیا تو مجلسِ ادب میں ان کی نغمہ سنجیوں نے قوسِ قزح کے رنگ بکھیر دیئے ......

فلک پہ چاند ہے تیری بلندیوں کا گواہ
بہارِ حسن کی تابندہ یادگار ہے تو

اس پر مستزاد یہ کہ آپ نہ صرف کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ کام لینے کے گُر سے بھی واقف ہیں۔ فی زمانہ کسی سے کام لینا جوئے شیر لانے سے ہزار گنا مشکل ہوگیا ہے۔ کارکن کی طبعی سستی، ڈنگ ٹپاؤ کی روش اور کام کی روح کو سمجھنے کی صلاحیت کا فقدان منتظم کی مشکلات کے انبار کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیتا ہے مگر مخدوم زادۂ ذی قدر مولانا راشد الحق سمیع حقانی کی فکری سلامت روی، جذبات کے اعتدال، اشتعال سے اجتناب، تشجیع اور حوصلہ افزائی کے میٹھے بول اور ماتحتوں کی خیر خواہی اور خبر گیری نے ان مشکلات کے خلیج کو آسانی سے پاٹ لیا اور آپ ایک ایسی ٹیم تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئے جو شبانہ روز آپ کے اشارۂ ابرو کی منتظر رہتی ہے اور دارالعلوم حقانیہ کی نسبت سے ہر کسی کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھتی ہے۔

پچھلے سال ماہنامہ ''الحق'' کی خصوصی اشاعت بیاد شہید اسلام و ناموس رسالت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحقؒ (چار جلدوں) کی عظیم الشان کامیاب طباعت کے بعد اب ماشاءاللہ ''تفسیر لاہوری'' کا ایک سال بعد دس جلدوں میں منصۂ شہود پر آنا اسی ٹیم کی شبانہ روز انتھک محنت کا ہی نتیجہ ہے، خصوصاً حضرت مولانا محمد فہد حقانی قابل صد تحسین ہیں کہ ابتداء سے انتہاء تک اس کام میں پہلے حضرت استاذِ محترم مولانا سمیع الحق شہیدؒ کیساتھ اور پھر مخدوم زادۂ ذی قدر مولانا راشد الحق سمیع حقانی کے ساتھ دست و بازو بن کر ترتیب، مراجعت و پروف ریڈنگ کے حوالے سے اپنی ذمہ داری نہایت تندہی سے نبھاتے رہے ......

دو چار اُمیدوں کے دیے اب بھی باقی ہیں ماضی کی حویلی ابھی ویران نہیں ہے

ان کی اس محنت سے یہ اُمید اب یقین میں بدل کر حضرت الاستاذ شہیدؒ کے مشن کا ہر سنگ میل نہایت کامیابی و کامرانی سے عبور کیا جائے گا ان شاءاللہ۔

قارئین ذی وقار! لیجئے ۴۰ سال کے انتظار کے بعد اپنے ادارہ ''مؤتمر المصنفین'' کے صدر مولانا راشد الحق سمیع حقانی ایک عظیم شہکار تفسیر، ایک وقیع علمی سوغات ''تفسیر لاہوری'' مکمل کو خوبصورت، دیدہ زیب طباعت کیساتھ اپنے عظیم والد کے محبین، والہین، جمیع حقانیین اور عامۃ المسلمین کے حضور بطورِ ایک تاریخی سوغات کے پیش کر رہے ہیں۔ واجزھم علی اللہ

سلگنا اور شے ہے جل کے مرجانے سے کیا ہوگا
جو ہم سے ہو رہا ہے کام، پروانے سے کیا ہوگا

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و آله وصحبه اجمعین

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کا تذکرہ وتعارف

مولانا محمد اسلام حقانی
(نائب مدیر ماہنامہ ''الحق'')

ولادت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بن شیخ حبیب اللہؒ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ کے ایک نومسلم خاندان میں ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بمطابق ۲۵ر مئی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ناظرہ قرآن مجید والدۂ ماجدہ سے پڑھا، ابھی نو سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد شیخ حبیب اللہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، سندھ کے ولی کامل حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ (جن کو بہت بڑا مقام حاصل ہے) کے حکم سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اس بچے (مولانا احمد علی لاہوریؒ) کی والدہ سے نکاح کرلیا اس لحاظ سے حضرت سندھیؒ حضرت لاہوریؒ کے سوتیلے والد بھی ہو گئے لیکن کچھ عرصے بعد یہ بچہ اپنی والدہ کی شفقتوں سے بھی محروم ہو گیا، حضرت دین پوریؒ نے خود ہی آپ کو سلسلہ قادریہ میں داخل فرما کر تقویٰ وپرہیزگاری کی تلقین کے ساتھ کچھ اذکار کی تعلیم دی۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی شاگردی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے انہیں امروٹ شریف کے دورانِ قیام میں ابتدائی درسی کتابیں بھی پڑھائیں، مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا سندھ میں مدرسہ ''دارالرشاد'' کی بنیاد رکھی، آپ کو یہیں بلالیا اور اپنی تعلیم کے چھ سال مکمل کرکے درس نظامی کی تکمیل کی اور آپ کو سند فراغت ۱۳۲۶ھ میں دی گئی، مولانا سندھیؒ کے حکم سے اسی مدرسہ میں تین سال تک درس نظامی کی تعلیم دی، یہیں پہلی شادی مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی صاحبزادی سے ہوئی، سال بعد بچے کی ولادت ہوئی لیکن سات دن بعد بچہ انتقال کر گیا اور دوسرے دن آپ کی اہلیہ بھی انتقال فرما گئیں،

۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے آپ کا دوسرا نکاح ابو محمد احمد چکوالیؒ کی بیٹی سے کروایا۔

جمعیت الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی تاسیس

۱۹۰۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دارالعلوم دیوبند جا کر شیخ الہندؒ کے حکم سے ''جمعیت الانصار'' بنائی، ساتھ ہی ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کی داغ بیل ڈالی، اس عرصہ میں گوٹھ پیر جھنڈا حیدرآباد کے مدرسہ کے منتظم حضرت لاہوریؒ تھے، بعد میں حضرت سندھیؒ کے حکم سے نواب شاہ میں دینی مدرسہ قائم کیا، بعد میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' دہلی منتقل کر دیا گیا تو حضرت شیخ الہندؒ کی ایماء پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو دہلی بلالیا، ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیجا تو دہلی کا سارا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا۔ اس دوران تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد آپ بھی سب حضرات کے ساتھ گرفتار ہو گئے۔ اس گرفتاری کے دوران بعض قیمتی چیزیں پولیس نے سنبھال لیں (جس میں آپ کی سندات بھی شامل تھیں) آپ کو دہلی سے گرفتار کر کے شملہ لایا گیا اور پھر شملہ سے لاہور اور پھر جالندھر لے جایا گیا، سات دن بعد رہائی ہوگئی تو آپ کو لاہور لایا گیا، لاہور آتے ہی آپ نے درس قرآن کی ابتداء کر دی، اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا بعد میں ۱۹۱۷ء میں مسجد لائن سبحان خان شیرانوالہ لاہور میں درس شروع کیا اور تادم آخر یہیں پڑھاتے رہے، ۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحبؒ کی تحریک پر ''انجمن خدام الدین'' لاہور کی بنیاد رکھی جو آج بھی قرآن وسنت کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں انجمن کی زیر نگرانی ''مدرسہ قاسم العلوم'' کی لاہور کی بنیاد رکھی گئی۔

مترجم قرآن لکھنے کا آغاز

حضرت لاہوریؒ کو تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور حسب تجویز، اہ تشریف لے گئے جہاں یہ کام دو سال میں مکمل کر کے مترجم ومحشی قرآن شائع ہو گیا، مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مولانا سندھیؒ کے طرزِ تفسیر کو پنجاب میں عام کیا، قرآن مجید سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا۔ درس قرآن ان کی روح کی غذا اور ہر درد کی دوا بن گیا تھا، ایک عمومی درس صبح کی نماز کے بعد درس قرآن دیتے تھے جس میں عام لوگ شریک ہوتے تھے، دوسرا درس قرآن بعد از نمازِ مغرب ہوتا تھا جس میں فارغ التحصیل علما اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ شامل ہوتا تھا۔

۱۹۴۵ء میں ''مدرسۃ البنات'' بنایا جس میں ضروری تعلیم کے علاوہ امور خانہ داری کی مثالی تعلیم کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ ''خدام الدین'' کی ابتداء ہوئی جس میں دینی، اصلاحی، معاشرتی مضامین شائع ہوتے۔

علم وعمل کا یہ پیکر معرفت وروحانیت کا بحر ذخار، تحریک حریت کا قافلہ سالار ۲۳ر فروری ۱۹۶۲ء بمطابق ۱۷ر رمضان ۱۳۸۱ھ بروز جمعہ کو رات ۹ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ آپ کا جنازہ آپ کے بیٹے حضرت مولانا عبیداللہ انور سے پڑھایا، تقریباً دو لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی، آپ کا مدفن لاہور کے میانی قبرستان میں ہے۔

اولاد واحفاد

حسن (عمر صرف سات دن)، حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبیداللہ انور، مولانا حافظ حمیداللہ صاحب، عبیداللہ، محترمہ عائشہ بی بی، محترمہ بی بی مریم، محترمہ فاطمہ بی بی اور محترمہ رقیہ بی بی۔

تلامذہ

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ (اکوڑہ خٹک)، مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنیؒ، مولانا عبدالحلیم دیر بابا (اکوڑہ خٹک)، علامہ علاؤالدین صدیقیؒ، ڈاکٹر سید عبداللہ ہزارویؒ، ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی ہزارویؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ (جانشین امام لاہوریؒ)، مولانا حافظ حبیب اللہؒ (صاحبزادہ لاہوریؒ)، شیخ بشیر احمد لدھیانوی، مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ، ڈاکٹر میاں سعیداللہ جانؒ، مولانا عبدالعزیزؒ (ساہیوال)، ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن، مفتی بشیر احمد پسرورؒ، مولانا محمد مدنی سندھیؒ، مولانا شعیب ہزارویؒ، مولانا ہارون (سکھر)، مولانا محمد حسن (خانیوال)، مولانا حافظ نثار احمد سندھیؒ، مولانا امیر محمد لاشاری سندھیؒ، مولانا سید علامہ عنایت اللہ شاہ گجراتی، مولانا عبدالقادر پھنور سندھی، مولانا خوشی محمد میرو خانیؒ، مولانا سید چراغ الدین شاہ، مولانا ابرار شاہ ہزاروی، مولانا عبداللہ شجاع آبادی، مولانا قدرت اللہ (صوابی)، مولانا عبدالباقی دیروی، مولانا احمد عبدالرحمٰن نوشہرویؒ، مفتی محمود حسن ہزاروی، مولانا شمس الدین بنگالی، مولانا محمد طاہر قاسمی (سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا کفیل احمد بجنوری انڈیا، مولانا محمد ذاکر (انڈیا) درج بالا اسمائے گرامی حضرت لاہوریؒ کے تلامذہ میں قابل ذکر سمجھے جاتے ہیں۔

مؤلف "تفسیر لاہوری"
حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا سوانحی خاکہ

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی
(نائب مدیر ماہنامہ "الحق" استاد و مشرف دعوۃ والارشاد، جامعہ حقانیہ)

نام

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ۱۲؍رجب ۱۳۵۵ھ بمطابق ۳؍ستمبر ۱۹۳۶ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی جامعہ حقانیہ کے گھر اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی دینی تعلیم

مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ابتدائی دینی تعلیم گھر میں اپنے والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ سے حاصل کی پھر "انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ" پرائمری سکول میں پرائمری تک تعلیم مکمل کی، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے پرائمری سکول کے اساتذہ میں جناب ماسٹر غلام حیدر (زڑہ میانہ)، ماسٹر غلام جیلانی اور ماسٹر مہابت خان شامل ہیں۔ مولانا سمیع الحق شہیدؒ فرماتے ہیں: ہمارے استاد غلام حیدر بڑے دبنگ اور نڈر قسم کے انسان تھے، سکول میں اکثر مجھ سے فرماتے جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لیا کرو، میرا بچپن تھا ایک دن امتحان دیتے ہوئے میں نے کمرہ امتحان میں اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اُن سے چند سوالات کے جوابات پوچھ لیے تو طیش میں آگئے تب مجھے اتنی سمجھ نہ تھی کہ کمرۂ امتحان میں استاد سے سوالات کے جوابات نہیں پوچھے جاتے۔

تذکرہ اساتذۂ کرام

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث تک کی کتب دینیہ دارالعلوم حقانیہ میں پڑھیں، درجہ متوسطہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی نذر قارئین ہے۔

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ (۲) شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۳) حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ (۴) حاجی عبدالقیوم ......(پہلے درجوں کے استاد تھے)
(۵) حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ (۶) حاجی صاحب مسجد قصابان (پہلے درجوں کے استاد تھے)
(۷) مولانا اسرار الحق (۸) مولانا محمد شفیق مغلکی
(۹) مولانا میاں محمد فیاض سواتی (۱۰) قاضی حبیب الرحمٰن
(۱۱) مولانا لطافت الرحمٰن سواتی (۱۲) مولانا جلال الحق چکیسری
(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف (۱۴) مولانا شالفین صاحب حق صاحب
(۱۵) حضرت مولانا عبدالغفور سواتی (۱۶) حضرت مولانا عبدالغنی دیردی
(۱۷) حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دورہ تفسیر

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو ۱۹۵۸ء میں فراغتِ درسِ نظامی کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے دورۂ تفسیر کے لئے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں لاہور بھیجا، رمضان ۱۳۷۸ھ سے ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ کے اوائل تک مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے حضرت لاہوریؒ سے پورا دورۂ تفسیر قرآن کریم پڑھا، امتحانات میں سو کے سو نمبر لئے، جس کی سند حضرات اکابر کے دستخطوں کے ساتھ منسلک ہے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ خود بیان فرماتے ہیں:

''رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ کا زمانہ کتنا پُر کیف اور پُر لطف تھا اور کتنے حسین وجمیل تھے زندگی کے وہ چند ایام جو لاہور کے بقیۃ السلف شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی صحبت میں گذرے۔ ایک طرف رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ برکات سے سایہ فگن دوسری طرف صبح وشام حضرت لاہوریؒ کے درس میں قرآن مجید کے علوم ومعارف کا ذکر ومذاکرہ، روحانی فیوضات کی ہر طرف بارش، پوری فضا روحانیت میں بسی ہوئی اور مجھ جیسے نامہ سیاہ پراگندہ خاطر انسان کو بھی چین وسکون کی دولت نصیب تھی۔ زہے نصیب ایک مردِ کامل اور شیخ کے جوار میں قیام وسکونت اور خصوصی شفقتوں کی دولت حاصل ہورہی تھی......

نظر میں ہے اب تک وہ رنگین زمانہ
نشیلا نشیلا سہانا سہانا

حضرت لاہوریؒ کے اَمالی تفسیر کی تدوین وترتیب

دورانِ درس حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ حضرت لاہوریؒ کے دروسِ قرآن حرف بہ حرف لکھتے رہے۔ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے امالی تفسیر قرآن کا یہ عظیم ذخیرہ بحمد للہ محفوظ رہا اور اب نصف صدی کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ان امالی کی تبییض و تدوین کا کام بڑے انہماک سے کیا۔ الحمد للہ! اب یہ ''تفسیر لاہوریؒ'' کے نام سے حضرت لاہوریؒ کے علومِ قرآن کا یہ مستند مجموعہ اشاعت کے مراحل سے گذر کر آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ سعادت بھی حضرت لاہوریؒ کے ہزاروں تلامذہ میں سے مولانا شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ع این سعادت بزورِ بازو نیست

ایک ملاقات میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ارشاد فرمایا: جب میں حضرت لاہوریؒ کے ہاں دورۂ تفسیر پڑھ رہا تھا تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تشریف لائے تو حضرت لاہوریؒ نے ان سے فرمایا کہ ''شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ سمیع الحق کو یہاں بھیجا ہے یہ سب کچھ لکھ لیتا ہے۔'' جب میں حضرت لاہوریؒ کو ان کے درسی امالی والا اپنا تحریر کردہ رجسٹر دکھاتا تو ملاحظہ کر کے فرماتے مَالِهٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَاكَبِيْرَةً (''القاسم'' نومبر ۲۰۱۴ء ص: ۲۴)

بیعت وارشاد

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ راوی ہیں: ۲۷ر مئی نمازِ عشاء سے قبل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے احقر نے بیعت کی درخواست کی جس پر آپ نے والد ماجدؒ کی اجازت اور مرضی کی تحقیق کرنے کے بعد پذیرائی بخشی اور نمازِ عشاء کے بعد حضرت لاہوریؒ نے اپنے خصوصی کمرے میں یکسوئی اور تنہائی میں مجھے بیعت کروایا۔ لطیفہ قلبی کی تعلیم وتلقین کی اور پھر خصوصی شفقت سے لبریز جامع دُعا فرمائی، مجھے کم از کم ایک ہزار مرتبہ '' اللہ ھو'' کہنے کا حکم فرمایا اور اشیائے خورد ونوش میں شدیداً احتیاط برتنے پر زور دیا۔ (خودنوشت ڈائری)

مولانا عبدالغفور عباسیؒ بھی حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے شیخ طریقت ہیں، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے مدینہ منورہ میں ان کے دستِ حق پر بیعت کی سعادت حاصل کی، حضرت

مولانا شاہ عبدالغفور عباسی کا فیض ایک جہاں میں پھیلا۔ خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور شیخ طریقت تھے، ان کے حلقۂ ارادت میں اکثر علماء محدثین اور مدرسین شامل تھے، ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء میں فوت ہوئے، جب دارالعلوم حقانیہ تشریف لاتے تو مجالس مراقبہ وغیرہ میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ بھی ان کے حلقہ میں بیٹھتے حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ ان کو اپنی خصوصی توجہات سے نوازتے رہے، مولانا ابراہیم فانیؒ فرماتے ہیں: جب کبھی حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے تو ارادت مندوں اور عقیدت کیشوں کا بے پناہ ہجوم خانقاہِ اشرفی کا سا منظر پیش کرنے لگتا (کاروانِ آخرت ص: ۱۰۷)

اعزازی سندات

مولانا فخرالدین (دارالعلوم دیوبند) الشیخ علوی مالکیؒ (مکہ مکرمہ) مولانا بدر عالم میرٹھیؒ (مدینہ منورہ) اور مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ نے اعزازی سندات عطا فرمائیں۔

تدریس

۱۹۵۹ء سے ابتدائی درجات سے تدریس کا آغاز کیا اور ۲۰۱۸ء تادم شہادت جامعہ حقانیہ میں بخاری شریف، ترمذی شریف کی تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ تقریباً ستر برس تک درس وتدریس سے وابستہ رہے جس میں تقریباً نصف صدی تک قال اللہ قال رسول یعنی حدیث مبارکہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

تصنیفی وتالیفی خدمات

درس وتدریس اور سیاست کے ساتھ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں ''قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف''، ''کاروان آخرت''، ''شریعت بل کا معرکہ''، ''حقائق السنن شرح جامع الترمذی''، ''اسلام اور عصر حاضر''، ''خطبات حق''، ''خطبات مشاہیر (دس جلدیں)''، ''مکاتیب مشاہیر (دس جلدیں)''، ''دعوات حق (چار جلدیں)''، ''اسلام کا نظام اکل وشرب''، ''فتاوی حقانیہ (چھ جلدیں)''، ''زین المحافل شرح شمائل ترمذی (دو جلدیں)''، ''صلیبی دہشتگردی اور عالم اسلام''، ''مولانا سمیع الحق کے علمی منتخبات (ڈائری)''، ''وار آف آئیڈیالوجی (انگلش)''، ''نفاذ اسلام کی جدوجہد''، ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور ردِ قادیانیت''، ''ساعتے با اہل حق (دو جلدیں)'' اور تفسیر ہذا ''تفسیر لاہوری (دس جلدیں)''

علمی ادبی خدمات

اکتوبر ۱۹۶۵ء کو آپ نے دارالعلوم حقانیہ سے ماہنامہ ''الحق'' کا اجرا کیا، جس کو ملک و بیرونِ ملک پذیرائی حاصل ہوئی اور ستاون سال سے یہ مجلّہ علم وادب اور اشاعت اسلام میں موثر کردار ادا کررہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے دارالعلوم میں اسلامی تحقیق وریسرچ کے لئے شعبہ ''موتمر المصنفین'' کی بنیاد رکھی، آپ اس ادارے کے بانی وصدر تھے، الحمدللہ! آپ کے قائم کردہ اس ادارے سے اہم موضوعات پر بڑی معرکۃ الاراء کتابیں شائع ہورہی ہیں۔

سیاسی خدمات

ماہنامہ ''الحق'' سے تجدد استشراق، ماڈرن ازم اور دیگر جدید وقدیم فتنوں کا شدید تعاقب کیا، ۱۹۷۳ء کے آئین اور عبوری آئین کی تدوین میں اپنے والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور آئین ساز اسمبلی کے نام پر بھرپور اور موثر حصہ لیا جس کی تفصیل قومی اسمبلی میں ''اسلام کا معرکہ'' کے نام سے مرتب کی۔ ۱۹۷۴ء تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا' قومی اسمبلی میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے بیان ''ملت اسلامیہ کا موقف'' کا کافی حصہ آپ نے مرتب کیا، ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء تک وفاقی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے اور اسلامی قانون سازی کی، جنگ زوروشور سے لڑی۔ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۸ء تک سینٹ آف پاکستان کے ممبر رہے۔ وہاں شریعت بل پیش کیا اور طویل جدوجہد کے نتیجہ میں سینٹ سے شریعت بل پاس کروانے میں کامیاب ہوگئے، ''متحدہ شریعت محاذ'' کے پلیٹ فارم پر اور عورت کی حکمرانی کے خلاف ''متحدہ علماء کونسل'' کے نام پر تمام مکاتب فکر کے علماء کو جمع کیا، ''اسلامی جمہوری اتحاد'' کے نائب صدر رہے، فرقہ واریت کے خلاف آپ نے تمام دینی طبقوں کو ''ملی یکجہتی کونسل'' کے پلیٹ فارم پر جمع کیا اور تمام مکاتب فکر سے ۱۷ نکاتی ضابطہ اخلاق اور معاہدہ پاس کروایا، ''متحدہ دینی محاذ'' کے داعی اور کنویئر رہے۔

جہادی خدمات

جہاد افغانستان میں بھرپور حصہ لیا، تحریک طالبان افغانستان کی سرپرستی کی، افغانستان پر امریکی حملوں اور اقوام متحدہ کی طرف سے پابندیوں کو ۲۰۰۱ء میں ملک بھر کے دینی، مذہبی اور جہادی تنظیموں کا سربراہ اجلاس منعقد کیا جس میں ''دفاع افغانستان کونسل'' تشکیل دی گئی اور آپ

کو اس کونسل کا چیئرمین نامزد کر دیا گیا۔اسی طرح پاکستان کے بارے میں امریکی اور یورپ کے مذموم عزائم کسی پر مخفی نہیں، پاکستان کو ان کے مذموم عزائم سے بچانے کے لئے تمام سیاسی، دینی پارٹیوں اور قبائلی عمائدین کی مشترکہ کانفرنس کرائی اور ''دفاع افغانستان کونسل'' کو ''دفاع افغانستان و پاکستان کونسل'' کا نام دیا گیا اور متفقہ طور پر آپ اس کے سربراہ قرار پائے۔جس نے افغانستان اور عراق وغیرہ کے حق میں بھرپور جنگ لڑی۔

آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم کی ترقی

جب آپ جامعہ کے مہتمم مقرر ہوئے تو دارالعلوم تعلیمی و تربیتی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیراتی ترقی سے بھی ہمکنار رہا، اجمالاً ذکر یہ ہے: ایوان شریعت (دارالحدیث) سہ منزلہ عمارت، احاطہ مدینہ ۱۳۲ کمروں پر مشتمل چار منزلہ عمارت، ہاسٹل یوسفیہ، اساتذہ وسٹاف کے لئے رہائشی فلیٹس چار منزلہ عمارت، ہاسٹل امام بخاری (سہ منزلہ)، مدرسہ ہاجرہ للبنات، حقانیہ تعلیم القرآن ہائی سکول کی تعمیر نو و اضافے، عظیم الشان منصوبہ نئی جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، عظیم الشان منصوبہ یعنی جدید دارالتدریس، نیا منصوبہ چار منزلہ ہاسٹل، مرکزی نیا گیٹ ''باب السلام'' کی تعمیر اور دورہ حدیث کے شرکاء کی تعداد چار سو سے بڑھا کر ڈیڑھ ہزار تک پہنچا گئے۔

حضرت شہیدؒ کے بیرون ملک اسفار

حضرت شہیدؒ نے ماشاء اللہ چالیس کے لگ بھگ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، (سب سے پہلے ۱۹۶۴ء میں حرمین شریفین تشریف لے گئے، اس کے بعد زندگی کے اکثر ماہ و سال میں درجنوں عمرے ادا کئے، کئی مرتبہ بیت اللہ شریف اور مواجہہ شریف کے اندر داخلے کی سعادت حاصل ہوئی، بعض غیر ملکی اسفار جیسے متحدہ عرب امارات، مصر، یمن، اردن، کویت، الجزائر، مراکش، لیبیا، بحرین، قطر، عراق، ایران، افغانستان، بنگلہ دیش، ہندوستان، تاجکستان، ازبکستان، سری لنکا، نیپال، فلپائن، امریکہ، برطانیہ، سکاٹ لینڈ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، بیلجیم، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، اٹلی، ڈنمارک، جاپان، کوریا، سنگاپور، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، ملائیشیا، انڈونیشیاء، سوڈان، نائیجیریا، موریطانیہ، مالی، ساؤتھ افریقہ، چاڈ، وغیرہ کے اسفار بھی کئے۔

وجہ شہادت

اکتوبر ۲۰۱۸ء اس وقت کے وزیراعظم پاکستان عمران خان کو آسیہ معلونہ کی ممکنہ رہائی

کے بارے میں اپنی رائے اور تشویش سے آگاہ کیا کہ اسے رہا نہ کیا جائے ورنہ تمہاری حالت بھی نواز شریف کی طرح ہوگی اور خدا کی پکڑ میں گرفتار ہو جاؤ گے اور اسی کی طرح بے عزتی کے ساتھ نکالے جاؤ گے۔ یکم نومبر ۲۰۱۸ء اکوڑہ خٹک اور چارسدہ میں ''تحفظ ناموس رسالت'' کے احتجاجی جلوس سے تاریخی خطاب فرمایا جس میں ریاست، عدالت اور حکومت تینوں کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا، یہ تقریر سوشل میڈیا اور نیٹ پر بہت زیادہ وائرل ہوئی، اس تقریر کے تیسرے روز ۲ نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بعد از نماز عصر اپنے گھر بحریہ ٹاؤن راولپنڈی میں سفاک ''نامعلوم'' قاتلوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمائی، شہادت کی ایک اہم وجہ آسیہ ملعونہ کی رہائی میں ریاست کی مخالفت کرنا اور ''پیغام پاکستان'' کے فتویٰ پر دستخط نہ کرنا بھی قرار دی جارہی ہے اور دوسری اہم وجہ امریکہ، مغربی ممالک اور ہندوستان و اسرائیل کی ہمیشہ سے مخالفت کرنا پھر افغانستان میں مسلسل مجاہدین اور تحریک طالبان کی حمایت کرنا، شیخ اسامہ بن لادن کی سیاسی حمایت کرنا اور ''جماعت الدعوہ'' کے پروفیسر حافظ سعید صاحب کے ہمراہ ''دفاع پاکستان کونسل'' کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی سیاسی مخالفت کرنا بھی بتائی جارہی ہے، الحمد للہ! تہذیب و نظریات کی جنگ میں شہیدِ اسلام کا نظریہ افغانستان میں فتح یاب ہوا اور عالمی استعمار امریکہ و اتحادی شکست و ریخت اور رسوائی کے ساتھ افغانستان سے نکلے اور دوسری طرف شہیدؒ ناموس رسالت کی پیشنگوئی کے نتیجہ میں عمران خان اور اُس وقت کے ریاستی اعلیٰ عہدیدار بھی اِن دنوں شدید ترین عوامی غیظ و غضب اور رسوائی کے شکار ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام دشمنوں و قاتلوں کو دنیا ہی میں نشانہ عبرت بنادیا۔

شہادت کے بعد اکوڑہ خٹک میں لاکھوں عقیدت مندوں نے آپ کے تاریخی نماز جنازہ میں شرکت کی اور جامعہ حقانیہ کے مقبرہ میں اپنے والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے پہلو میں آپؒ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

اولاد

مولانا حامد الحق حقانی (نائب مہتمم و امیر جمعیت علماء اسلام)، مولانا راشد الحق سمیع (مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الحق'' و صدر شعبہ تخصصات و مؤتمر المصنفین)، مولانا اسامہ سمیع (استاد جامعہ حقانیہ)، مولانا خذیمہ سمیع (استاد جامعہ حقانیہ) اور پانچ بیٹیاں۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے چند نامور تلامذہ

ویسے تو حضرت شہیدؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے، ان میں سے مشہور تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے، تاہم ان میں سے چند مشاہیر تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

☆ مولانا عبدالقیوم حقانی (نامور ادیب، مصنف و مہتمم جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ)
☆ مولانا محمد ابراہیم فانیؒ (شاعر، ادیب، مصنف و استاد الحدیث جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب (ادیب، مصنف، مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور)
☆ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ)
☆ مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزارویؒ (پیر طریقت بانی دارالعلوم زکریا ترنول اسلام آباد)
☆ مولانا قاری محمد عبداللہ، بنوں (سابق سینیٹر و امیر جے یو آئی کے پی)
☆ مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مروت (مفتی و محدث، رئیس دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ)
☆ مولانا الطاف الرحمٰن بنوی (استاد الحدیث)
☆ مولانا نثار اللہ باچا صاحب (سرپرست و استاد حدیث جامعہ اسلامیہ اضاخیل نوشہرہ)
☆ مولانا گوہر شاہ (سابق ایم این اے، مہتمم جامعہ اسلامیہ چارسدہ)
☆ مولانا غلام صادق صاحبؒ (سابق ایم این اے، مہمند ایجنسی)
☆ مولانا حامد الحق حقانی (امیر جمعیۃ علمائے اسلام و نائب مہتمم جامعہ حقانیہ، سابق MNA)
☆ مولانا سید محمد یوسف شاہ (جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے اسلام)
☆ مولانا راشد الحق سمیع (مدیر مسئول ماہنامہ ''الحق''، صدر موتمر المصنفین و مدرس جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا فضل علی حقانی (سابق وزیر تعلیم خیبر پختونخوا)
☆ مولانا قاری احسان الحق (شیخ الحدیث دارالعلوم سرحد)
☆ مولانا اصلاح الدین حقانی (شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت)
☆ مولانا حافظ شوکت علی (استاد حدیث جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا مفتی غلام قادر نعمانی (مفتی و استاد حدیث جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا فیض الرحمٰن حقانی (استاد حدیث، ادیب جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا مفتی ذاکر حسن صاحب (استاد حدیث جامعہ عثمانیہ پشاور، استاد تخصص جامعہ حقانیہ)

☆ مولانا نصیب علی شاہؒ (بانی المرکز الاسلامی بنوں، سابق ایم این اے)
☆ مولانا عبدالحکیم اکبری (سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل)
☆ مولانا امین الحق کستوئی (خانقاہ حضرت کلے ژوب، بلوچستان)
☆ مولانا محمد قاسم (شیخ الحدیث دارالعلوم شیر گڑھ، سابق ایم این اے)
☆ مولانا قاری محمد عمر علی (مہتمم جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ)
☆ مولانا غلام رسول (مہتمم جامعہ تعلیم القرآن پشاور)
☆ مولانا خلیل احمد مخلص (سابق ایم این اے صوابی)
☆ مولانا امان اللہ حقانی (سابق وزیر مذہبی امور خیبر پختونخوا)
☆ مولانا صلاح الدین ایوبی (ایم این اے چمن)
☆ مولانا محمد انور (شیخ الحدیث، ایم این اے لکی مروت)
☆ مولانا گل نصیب خان (سابق ایم این اے، دیر)
☆ مولانا شاہ عبدالعزیز (سابق ایم این اے، کرک)
☆ مولانا محمد محسن شاہ شہیدؒ (بانی دارالعلوم پیزو لکی مروت)
☆ مولانا قاری بشیر احمد (گدی نشین پیر سباق نوشہرہ)
☆ مولانا حبیب الحق المعروف شوی مولوی (رہنما تبلیغی جماعت و مرکز مردان)
☆ پروفیسر ڈاکٹر صالح الدین (پروفیسر عبدالولی خان یونیورسٹی مردان)
☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم (پروفیسر عبدالولی خان یونیورسٹی مردان)
☆ مولانا خواجہ عبدالماجد فرزند حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ (گدی نشین خانیوال)
☆ شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ حقانی (شیخ الحدیث معہد الفقیر جھنگ)
☆ مولانا شفیع اللہ (استاد الحدیث تعلیم القرآن بازہ گیٹ پشاور)
☆ مولانا بصیر شاہ (مہتمم دارالفرقان حیات آباد پشاور)
☆ مولانا نصیب خان شہید (استاد حدیث جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا تاج محمد (استاد حدیث جامعہ حقانیہ)
☆ پیر مولانا نخبۃ اللہؒ (گدی نشین کڈی آغا، کوئٹہ)
☆ پیر مولانا صفوۃ اللہؒ (گدی نشین کڈی آغا، کوئٹہ)

☆ مولانا قاضی عبدالحلیم حقانی (نجم المدارس کلاچی)
☆ مولانا قاضی محمد نسیم حقانی (مہتمم نجم المدارس کلاچی)
☆ پروفیسر مولانا محمد الیاس حقانی (استاد فلکیات، جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا میاں محمد ایاز احمد حقانی (مہتمم وگدی نشین شب قدر)
☆ پروفیسر مولانا اظہار الحق حقانی (شاہ منصور صوابی)
☆ مولانا حافظ اختر علی (سابق وزیر آبپاشی خیبر پختونخوا)
☆ مولانا پیر اعزاز الحق (گدی نشین شاہ منصور صوابی)
☆ مولانا پیر حزب اللہ جان حقانی (امیر عالمی تحفظ ختم نبوت چارسدہ)
☆ مولانا محمد صابر حقانی (استاد حدیث جامعہ مخزن العلوم لورالائی بلوچستان)
☆ مولانا مفتی اکبر رحمٰن حقانی (مدرس دارالعلوم عربیہ مردان)
☆ مولانا فدا محمد (جامعہ رحمانیہ مینئی صوابی)
☆ مولانا محمد امین دوست (مہتمم جامعہ تعلیم القرآن چھوٹا لاہور)
☆ مولانا عبدالباری (جامعہ رحمانیہ مینئی صوابی)
☆ مولانا محمد اسرار مدنی (سابق مدرس جامعہ حقانیہ، ڈائریکٹر آئی آر سی آر اے واینکر خیبر نیوز)
☆ سید حبیب اللہ حقانی (راقم الحروف مدرس جامعہ حقانیہ و نائب مدیر ماہنامہ ''الحق'')
☆ مولانا محمد اسلام حقانی (نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''، نائب مدیر سہ ماہی ''الصدیق'')
☆ مولانا سعید الحق جدون (ادیب، لیکچرر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ)

امارت اسلامی افغانستان

☆ مولانا عبدالباقی حقانی (حالاً وزیر تعلیم امارت اسلامی افغانستان، ومدرس جامعہ حقانیہ)
☆ مولانا امیر خان متقی (حالاً وزیر خارجہ امارت اسلامی افغانستان)
☆ مولانا نور محمد ثاقب حقانی (سابق چیف جسٹس آف افغانستان)
☆ مولانا محمد سعید ہاشمی (نامور جہادی رہنما)
☆ مولانا عبداللطیف منصور (حالاً وزیر پانی وبجلی افغانستان)
☆ مولانا نجیب اللہ حقانی (حالاً وزیر مواصلات افغانستان)

☆ مولانا شہاب الدین دلاور حقانی (مرکزی شوریٰ امارت اسلامی افغانستان)
☆ مولانا عبدالحکیم حقانی (مرکزی شوریٰ امارت اسلامی افغانستان)
☆ مولانا عبدالقدیر حقانی (گورنر اسٹیٹ بینک افغانستان)
☆ مولوی کبیر حقانی (مرکزی شوریٰ امارت اسلامی افغانستان)
☆ مولانا مسلم حقانی (مرکزی شوریٰ امارت اسلامی افغانستان)
☆ مولانا مسلم یار خان (سابق چیئرمین افغان سینیٹ)

بیرون ملک

☆ حضرت مولانا قاضی فضل اللہ (سابق ایم این اے، حالاً مقیم شمالی امریکہ)
☆ مولانا مفتی محمد ادریس (برنگھن یوکے)
☆ مولانا حسین احمد (لیڈز یوکے)
☆ مولانا ابراہیم فاضلی (دارالعلوم زاہدان ایران)
☆ مولانا عبدالحمید (دارالعلوم زاہدان ایران)

عرب ممالک کے علاوہ برصغیر کے فضلاء وعلماء اور مشائخ بھی بذریعہ فون حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے فیضیاب ہوئے اور سندِ حدیث سے نوازے گئے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے تذکرہ وسوانح پر ماہنامہ ''الحق'' نے چار ضخیم جلدوں میں نمبر شائع کیا ہے، جسے مدیر اعلیٰ مولانا راشد الحق سمیع اور استاد محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ترتیب دیا ہے، اسی طرح حضرت الاستاد مولانا حقانی مدظلہ نے دو جلدوں پر مشتمل تذکرہ وسوانح حضرت شہیدؒ کی حین حیات میں شائع فرمائے، شائقین تاریخ مزید تفصیلات کے لئے اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از ''تذکرہ وسوانح مولانا سمیع الحق'' وخصوصی اشاعت ماہنامہ ''الحق'')

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی طرف سے شہید اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق نور اللہ مرقدہ کو جاری کردہ سند تفسیر القرآن کا عکس



الحمد لله الذي خلق الانسان وعلمه البيان ثم جعله خليفته في الارض [illegible]
والذي وضع الميزان وانزل الفرقان [illegible] من حيّ عن بينة ويهلك من هلك عن بينة
وليفرق بين اولياء الرحمٰن واولياء الشيطان [illegible]
والصلوة والسلام على خير خلقه [illegible]
بين الانبياء وخطيبهم وخاتمهم [illegible]
كان اول النبيين وبُعث في آخرهم [illegible]
لمظاهر الجمال والكمال وعلى آله [illegible]
اما بعد فان من آيات الله البينات [illegible] البشير النذير
هو قرآنه المجيد وفرقانه الحميد الذي لا تنقضي عجائبه [illegible]
[illegible] ورابطة الى حضرته [illegible] قدسه [illegible]
كان خير الناس من تعلم القرآن وعلمه [illegible]
في دين الله المولوي سميع الحق صاحب بن مولانا عبد الحق صاحب [illegible]
جمعية خدام الدين التي نشأت في [illegible] وظهرت بركاته [illegible]
وقع العزم الآن على اعطاء [illegible] تحصيل تفسير القرآن [illegible]
ووجدناه اهلا لذلك [illegible] ونوصيه بتقوى الله
في السر والعلانية وان ينصح لله ولكتابه ولعامة المسلمين ولائمة [illegible]
ان يدعو لنا في اوقاته [illegible] والله موفق وبه نستعين

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ۵۸ء میں دوران طالبعلمی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے لکھے گئے تفسیری افادات کے نوٹس کا عکس تحریر

[illegible]

[illegible]

رکوع (۳)

خلاصہ۔ (۱) بلقیس نے مشورہ کے بعد ہدیہ بھیجا

(۲) سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ واپس کیا اور اتمام حجت پر بادشاہ قاصد کے اخراج کی دھمکی دی۔

(۳) دھمکی سے ان کی اصلاح ہو گئی اور بچ گئی۔

آیات (۱) قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (النمل:۳۲)

(۲) وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (النمل:۳۵)

(۳) اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (النمل:۳۷)

(۴) فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ (النمل:۴۲)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ: بلقیس اپنے صاحبین سے کہنے لگے اے دربار والو! مجھے اس معاملہ میں مشورہ دو کہ میں کیا کروں میں کوئی کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ: درباریوں نے مشورہ دیا کہ ہم بہت بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں ہم سلیمان علیہ السلام سے لڑیں گے۔ تمہارا کام اب تیرے اختیار میں ہے سو دیکھ لیں جو حکم دینا ہے اگر آپ لڑنے کیلئے کہے تو ہم لڑنے کیلئے بھی تیار ہیں۔ یہی ان کا کمال ہے ... کہ ہم لڑنے کیلئے بالکل تیار ہیں، اور آخری فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔

[illegible]

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تفسیر لاہوریؒ کے مسودہ پر تحشیہ، تصحیح و عنوانات کا عکس

"تفسیر لاہوری" کے متعلق معاصر علماء و مشاہیر کی تقریظات و تاثرات

جب شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے "تفسیر لاہوری" مرتب کی تو اس پر بھی معاصر اہل علم نے بہت بہترین کلمات تحسین اور اچھے تاثرات پیش کیے جس میں حضرت مولانا محمد انوار الحق مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندرؒ، حضرت مولانا شاہد میاں تھیمی مدظلہ، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ، حضرت مولانا قاضی فضل اللہ مدظلہ، حضرت مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی مدظلہ کے نام قابل ذکر ہیں، ذیل میں ان کے تاثرات اور تصدیقات پیش کیے جا رہے ہیں۔

تاثرات

حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب مدظلہ

(مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ، وسینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم أما بعد ! قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جس کی وجوہ اعجاز بے شمار ہیں اور اس کا کلی ادراک ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا اعجاز حروف وصوت، نشست الفاظ، انتخاب کلمات اور تقطیع اصوات، ترتیب وترکیب کلام، سلاست وروانی، ترتیل وسہولت ادائیگی، فصاحت وبلاغت، اسلوب بیان، مطالب ومعانی، پیام واحکام، مقاصد وحقائق، اخبار غیب وقصص، غرض جز وکل میں جاری وساری اور ظاہر وباہر ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ، تفسیر اور اعجاز پر ہر دور میں علمائے امت نے اپنی بساط کے بقدر کام کرنے کی کوشش کی ہے، اکابر علمائے دیوبند نے بھی اس میدان کو خالی نہیں چھوڑا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسالہ ''اعجاز القرآن'' علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ''اعجاز القرآن'' پر مضمون، سیرت النبیؐ کی جلد ثالث موجود ہے، اسی طرح علامہ محمد یوسف بنوریؒ کا مقدمہ ''مشکلات القرآن'' اور استاد مکرم علامہ شمس الحق افغانیؒ کے علوم القرآن وغیرہ اور تفاسیر میں ''تفسیر عثمانی''، ''معارف القرآن''، ''بیان القرآن''، ''قرآن عزیز''، ''تفسیر محمود'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ حال ہی میں برادر کبیر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اپنے طالب علمی کے دوران شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے لکھے گئے نوٹس (آمالی) کو تفسیر لاہوری کے نام سے مرتب فرما رہے تھے اور اس پر کچھ اضافے بھی فرمائے تھے، نظر ثانی کا مرحلہ بھی سورہ نجم تک آپ تکمل کر چکے تھے کہ اسلام دشمن قوتوں نے انہیں ہم سے چھین لیا اور باقی تقریباً تین پاروں کی نظر ثانی رہ گئی جسے بعد میں انہی کے طرز پر ان کی ٹیم نے مکمل کیا۔ عزیزم مولانا راشد الحق سمیع نے اپنے شہید والد مکرم کے ادھورے کاموں (تفسیر لاہوریؒ، جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ اور نئی پانچ منزلہ جدید دارالتدریس وغیرہ) کے مکمل کرنے کا بیڑا اٹھایا جس پر میرے دل سے ان کیلئے دعائیں نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو نافع بنائے اور ہم گناہ گاروں سمیت مرتبین اور ناشرین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

(امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، انڈیا)

(یہ تقریظ و تاثرات حضرت شہیدؒ کے حین حیات میں بھیجے گئے تھے)

بعالی خدمت محترم المقام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ

گرامی نامہ بذریعہ ای میل مورخہ ۹ ر جمادی الاول ۱۴۳۸ھ بندہ کو ملا اور ساتھ ہی ایک قابل قدر بلکہ رحمتوں اور برکتوں کا مجموعہ موسومہ ''تفسیر لاہوری'' مظاہر علوم کے ای میل سے مجھے موصول ہوا، اس تفسیری مسودہ کے ساتھ جناب کا تفصیلی گرامی نامہ بھی اس احقر کو مل گیا تھا، جس میں جناب والا نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے دورہ تفسیر میں شرکت سے متعلق حضرات اکابرؒ کے تأثرات اور خیالات تحریر فرما رکھے ہیں، اس تفسیری مسودہ اور گرامی نامہ سے جس قدر قلبی اور روحانی مسرت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے یہ مبارک کام تو بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا لیکن اللہ جل جلالہ نے اس کی تکمیل و اشاعت کے لئے جو وقت مقرر فرما رکھا تھا، الحمد للہ اس وقت متعینہ پر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ کام حضرت والا کی نگرانی اور مولانا محمد فہد حقانی کے تعاون سے وجود پذیر ہو رہا ہے، اللہ جل شانہ وعم نوالہ امت کے تمام طبقات کے لئے اس کو بے حد نافع فرمائے، باعث رشد و ہدایت فرما کر آپ کی نگرانی مین بخیر و خوبی اس کی تکمیل فرمائے۔

یہاں احقر نے مظاہر علوم کے بعض اساتذہ کو بھی آپ کا یہ تفسیری مسودہ دکھلایا انہوں نے بھی خوشی اور مسرتوں کے ساتھ نہ صرف اس کا استقبال کیا بلکہ اس کی خوش اسلوبی اور تسہیل کے ساتھ اس کی تکمیل کی خواہش اور دعا کی۔ آپ نے احقر سے اس مجموعہ پر اپنے تاثرات لکھنے کا حکم فرمایا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی تقاریظ اور تصدیقات کے بعد تو ہم جیسوں کی تصدیق یا کلمات تحسین کی قطعاً حاجت نہیں رہتی لیکن تعمیل حکم میں یہ چند سطور تحریر کر دی ہیں، اللہ جل شانہ جناب کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور صحت و عمر میں بہت بہت برکت عطا فرمائے (آمین) (۱۳ر جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ)

تاثرات

حضرت مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی مدظلہ

(پروفیسر و سربراہ شعبہ اسلامیات ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ افریقہ)

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہندو پاک کی ایک مایہ ناز شخصیت تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی تفسیر کا خاص ذوق عطا کیا تھا۔ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر آج تک تفسیر کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ ہر مفسر اور ہر مترجم اپنے اپنے ذوق کے مطابق تفسیر و ترجمہ کرتا ہے، ترجمہ و تفسیر کا یہ سلسلہ صرف اردو تک محدود نہیں ہے، دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا ہے اور تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں یہ سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت مولانا لاہوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر کا اعلیٰ ذوق عطا کیا تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ خوش قسمت تھے کہ ان کو حضرت لاہوریؒ کی شاگردی نصیب ہوئی، حضرت مولانا سمیع الحقؒ (شہادت ۲۰۱۸ء) ۱۹۵۸ء میں حضرت لاہوریؒ کے درس میں شریک ہوئے اور حضرت لاہوریؒ کے تفسیری نکات کو طالبعلمی کے زمانہ سے ہی جمع کرنا شروع کیا اور اپنی بام شہرت پر پہنچنے کے باوجود اپنے استاد کے تفسیری نکات کو اپنے گلے سے لگا رکھا اور اپنی شاگردی کا حق ادا کرنے کے لئے ان تفسیری نکات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے لئے سفر و حضر میں مرتب کرتے رہے اور آخر حیات تک اس پر کام کرتے رہے لیکن قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ مولانا راشد الحق سمیع صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا کی کہ انہوں نے محنت کر کے ان تفسیری نکات کو جمع کرتے رہے اور ضبط و تالیف کا کام مکمل کر کے اپنے والد ماجدؒ کی وصیت کی تکمیل کر کے دس جلدوں میں شائع کر دیا اور اپنے والد ماجدؒ کی روح کو خوش کر دیا۔

مجھے امید ہے کہ اہل علم اور جامعہ حقانیہ کے منتہی طلباء اور اساتذہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس کارِ خیر میں ثواب کا استحقاق کی خاطر یہ چند سطریں پیش ہیں، حضرت مولانا سمیع الحقؒ سے میرا بہت قریبی تعلق رہا ہے اس کا تقاضا تھا کہ ان کے احسانات کے بوجھ کا کچھ حصہ کم کر سکوں۔

بتوفیق اللہ

سید سلمان ندوی (حال مقیم جنوبی افریقہ) ۱۵ر ستمبر ۲۰۲۲ء

کلماتِ تشکر

مولانا حامد الحق حقانی

(نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

الحمدللہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

حضرت والد ماجد شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ عہد حاضر کے عظیم المرتبت شخصیت، بے پناہ خصوصیات، صفات اور کمالات کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، مصنف، ادیب، کامیاب اور مدبر سیاستدان تھے، شعر وادب سے لے کر میدان کارزار تک، درس وتدریس سے لے کر آئینی و دستوری ترامیم کی جدوجہد تک، درس حدیث سے لے کر "تفسیر لاہوری" کی ترتیب وتدوین تک، سینٹ اور پارلیمنٹ میں آواز حق سے لے کر عالمی میڈیا کے ساتھ دو ٹوک مکالموں تک الغرض دینی، علمی، سیاسی، جہادی اور تصنیفی شعبوں میں کوئی ایسا شعبہ نہیں جہاں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام نہ دیئے ہوں، آپ نے جہد مسلسل کی ایک روشن تاریخ رقم فرمائی اور ہر میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے۔

آپؒ نے اپنی شہادت سے چند برس قبل امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تفسیری افادات پر کام شروع فرمایا تھا اور شب وروز انتھک محنت کی بدولت اسے تکمیل تک پہنچایا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور اپنی زندگی ہی میں اس عظیم کاوش کو کتابی شکل میں نہ دیکھ سکے۔

بہرحال! برادرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب کی زیر نگرانی مولانا محمد فہد صاحب اور "مؤتمر المصنفین" کی پوری ٹیم نے دن رات محنت کی اور اس کی نظر ثانی، تخریج وتصحیح وغیرہ کرکے یہ عظیم علمی اور تفسیری ذخیرہ منصۂ شہود پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ حضرت والد ماجد شہیدؒ کی دیرینہ تمنا اور آرزو تھی جسے ان حضرات نے عملی جامہ پہنایا اس پر میں خانوادہ حقانی اور پوری حقانی برادری کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اس تفسیر کو قبولیت سے نواز کر نسل نو کی رہنمائی کا ذریعہ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ اور والد ماجد شہیدؒ کے رفع درجات کا وسیلہ بنائے۔ (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ

(سابق مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن وسابق صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

(یہ تقریظ و تاثرات ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت شہیدؒ کے حین حیات میں بھیجے تھے)

برادرِ گرامی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حفظہ اللہ ولی کامل حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کے خلف الرشید، ملک کی ممتاز دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم، جمعیت علماء اسلام (س) کے سربراہ اور دیگر کئی پلیٹ فارموں سے ملک کی عملی سیاست کے سرگرم رہنما ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے علمی ذوق کو از ابتدا تا حال تاباں رکھا ہوا ہے، آپ کے عملی مشاغل علمی سرگرمیوں پر اثر انداز نہیں ہوتے، مختلف علمی کاموں سے کسی نہ کسی درجے میں جڑے رہتے ہیں اور علمی دنیا میں قیمتی جواہر پاروں کا اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اکابر سے اکتسابِ فیض میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی بلکہ دنیا بھر کے مختلف اہل علم سے افادہ واستفادہ کا مفید تعلق بڑی شان سے نبھاتے رہے اور نبھانا جانتے بھی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ اس مفید تعلق کو رہتی علمی دنیا تک محفوظ رکھنے کا مشکل کام بھی بحسن وخوبی نبھانا جانتے ہیں، جس کی ایک تابندہ مثال مشاہیر کے ساتھ آپ کے مراسلاتی تعلق اور اس کے مآثر علیہ کا مجموعہ ہے، جو کچھ عرصہ قبل کئی ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر علمی دنیا کیلئے قیمتی سوغات کے درجہ پر فائز ہو چکا ہے، حال میں آپ کے ایک خط کے ہمراہ نادر نایاب اور گنج گراں مایہ نمونہ کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ مولانا گرامی ولی کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تفسیری افادات کے ایسے قیمتی مجموعہ کو منظر عام پر لانے کیلئے کوشاں ہیں، جو اب تک امالی کی صورت میں آپ کے پاس محفوظ تھا، جسے آپ نے ۱۹۵۸ء سے تا حال محفوظ رکھا ہوا تھا، اس تراثِ علمی کی حفاظت، وہ بھی اتنے طویل عرصہ تک مولانا سمیع الحق صاحب کی ہمت، علمی شغف اور نوادر کی قدردانی کا ثبوت

اور تفسیر لاہوری حضرت امام لاہوریؒ کی تابندہ کرامت ہے۔ امید یہی ظاہر کی جاری رہی ہے کہ یہ مجموعہ تقریباً پندرہ جلدوں میں مرتب ہوگا اور علمی حلقوں میں کئی اعتبار سے منفرد و ممتاز ثابت ہوگا۔

ایک تو یہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی تفسیر کا منہج ولی اللہی ہے، جو درحقیقت اسرار و حکم اور نکتہ بیانی کا الہامی ولدنی سلسلہ ہے، یہ حق تعالیٰ کا خاص فیضان ہے، جو تفسیری مأخذ کے طور پر عقل سلیم اور فطرت سلیمہ کی استمداد سے متعارف ہوا ہے۔

دوسرے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی تفسیر روایتی مناہج کی مکمل پاسداری کے علاوہ احکام و افکار کی سماجی تطبیق کا مظہر بھی ہوا کرتی تھی، بایں معنی یہ مجموعہ تفسیر کی نظری ابحاث سے آگے عملی میدان کے مصباح ہدایت بھی ثابت ہوگا۔

تیسرے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا درس تفسیر، قرآنی مضامین و مباحث کی تحلیل و تجزیہ کا مرقع ہوتا تھا، جو آپ کے علاوہ شاید ہی کہیں ملتا ہو، اس لئے یہ مجموعہ دور ہائے تفسیر پڑھانے والے شیوخ، ترجمہ و تفسیر کی تدریس سے وابستہ مدرسین، طلباء اور عوام کیلئے یکساں مفید ہوگا، اس ہمہ جہتی کے ساتھ اردو تفاسیر میں یہ قیمتی اضافہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو مفید عام و خاص بنائے، اس کاوش کے سارے شرکاء و معاونین کو دونوں جہانوں کی بھلائیوں سے نوازے، اس محنت کو حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا صدقۂ جاریہ اور ہمارے مولانا ممدوح کیلئے توشۂ آخرت بنائے اور ہم سب سمیت جملہ مسلمانوں کو اس قیمتی ذخیرہ سے حصہ یاب ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین!

وصلی اللّٰہ علیہ وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین

بندہ

(مولانا) عبدالرزاق اسکندر

تقریظ

حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی

(مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ امابعد

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ایک عہد ساز شخصیت تھے، احقر کا حضرت کے ساتھ بڑی محبت وعقیدت کا تعلق رہا، کئی اسفار میں ہم ساتھ ساتھ رہے، یادوں کا ایک سلسلہ ہے جو مولانا کے ساتھ قائم ہے جو پھر کسی موقع پر بیان کروں گا۔ حضرت مولانا شہیدؒ کی جہاں اور قابل قدر و قابل رشک خدمات ہیں وہیں مولانا کی قرآن کریم سے والہانہ محبت ہے جس کی خاطر مولانا اکوڑہ خٹک سے لاہور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورہ تفسیر میں اپنے والد صاحب (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ) کی اجازت سے تشریف لے آئے اور پھر یہ کہ مولانا لاہوریؒ کے دروس کو نہ صرف سنا، سمجھا بلکہ اُسے محفوظ بھی کیا۔

بعدازاں مولانا شہیدؒ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان تفسیری افادات ونکات کو عام کیا جائے تاکہ دیگر حضرات بھی اس سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود اس پر کام جاری رکھا مگر اس کی تکمیل سے قبل ہی داعی اجل کا بلاوا آ گیا پھر عزیزم مولانا راشد الحق حقانی سلمہ نے خود اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا اور بہترین انداز میں اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا (فللّٰہ الحمد) ان شاء اللہ دس جلدوں میں یہ تفسیر جہاں علماو طلبا اور اس فن سے شغف رکھنے والوں کے لئے فائدہ مند ہوگی وہیں امید واثق ہے کہ مرحوم کے لئے باعث روح تسکین اور رفع درجات کا سبب بنے گی۔ اللہ جل شانہ اس تفسیر کے آغاز سے منظر عام پر لانے تک جن جن حضرات نے بھی اس میں حصہ لیا ہے سب کو اپنی بارگاہ سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے قرب کا ذریعہ بنائے۔ آخر میں دعا ہے اللہ جل شانہ اس پورے خاندان کو اسی طرح دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے خصوصا میرے بھائیوں جیسے حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ العالی کو صحت و عافیت عطا فرمائے ہر شر، حسد اور فتنہ سے ان کی اور پورے خاندان کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محتاج دعا

حافظ فضل الرحیم (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) ۲۲ر ستمبر ۲۰۲۲ء

تقریظ

حضرت مولانا حنیف جالندھری صاحب

(ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى اله وصحبه أجمعين أما بعد:

"تفسیر لاہوری، درسی افادات حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ" اردو تفاسیر کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ اور عظیم الشان تفسیری کاوش ہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا نام نامی پاک وہند کے عشاق قرآن میں نمایاں ترین ہے، پاکستان بننے کے بعد یہاں پر دورہ تفسیر کو رواج دینا اور زندگی کے آخری لمحات تک قرآن وتفسیر قرآن کی خدمت سے وابستہ رہنا آپ کی حیات مبارکہ کا وہ لازوال باب ہے جو ہمیشہ قابل رشک رہے گا، آپ سے تفسیر قرآن کا ذوق حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد ہیں، ان میں ایک اہم نام حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا بھی ہے، طالب علمی کے دور سے مولانا موصوف نے حضرت شیخ التفسیرؒ کے درسی افادات کو جمع کرنا شروع کیا، ان افادات کا جب ایک معتد بہ حصہ جمع ہو گیا تو آپ ان افادات کو مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے، سیاسی وتعلیمی سرگرمیوں، سفر وحضر اور انتظامی مصروفیات کے باوجود یہ مبارک کام جاری رہا، تاہم زندگی نے وفا نہ کی اور آپ شہید ہو کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے اجل خلفاء وتلامذہ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا، حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب مدظلہ کی جہد مسلسل واخلاص کی برکت سے یہ اہم ولازوال تفسیری منصوبہ اپنی انتہا کو پہنچ کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ امید واثق ہے کہ قرآن پاک سے محبت رکھنے والے باذوق قارئین، دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ اس کاوش سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور مؤلفؒ کیلئے دعا گو رہیں گے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شخصیت، کارنامے اور تفسیری خدمات اتنی نمایاں ہیں کہ ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ راقم نے یہ چند سطور برادرم مکرم حضرت مولانا راشد الحق سمیع حقانی مدظلہ کی خواہش اور اس عظیم کار خیر میں ثواب حاصل کرنے کیلئے پیش خدمت کی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو نافع بنائیں اور اہل علم کو اس سے زیادہ زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرما کر مؤلفؒ کے رفع درجات کا سبب بنائیں (آمین یارب العالمین)

والسلام: (مولانا) محمد حنیف جالندھری ۱۱/اکتوبر ۲۰۲۲ء

تقریظ

حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری صاحب

(پوتا وگدی نشین امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

الحمد للّٰه وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء أما بعد

میرے دادا جان امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی شخصیت، دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کسی تعارف کے محتاج نہیں، اسلام اور ملک کیلئے آپ کی سنہری خدمات تاریخ کا ایک روشن باب اور آپ کی زندگی ہمارے لئے اور پوری امت کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں درس قرآن اور دینی مدارس میں دورہ تفسیر کی روایت قائم کرنے میں امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا بنیادی کردار ہے، آپ کی ساری زندگی قال اللہ وقال الرسولؐ کی صدا بلند کرنے میں گزری اور عمر بھر قرآن مجید کی لفظاً ومعناً خدمت کی، آپ کی اسی محنت اور جہد مسلسل کا نتیجہ تھا کہ ملک کے گوشے گوشے میں قرآنی تعلیمات عام ہوئیں، آپ نے عامۃ الناس کو قرآن مجید سمجھانے کے علاوہ علمائے کرام کے لئے بھی تین ماہ پر مشتمل دورہ تفسیر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں دور دراز علاقوں کے اہل علم شرکت کرکے "علوم لاہوریؒ" سے فیضیاب ہوجاتے، جامعہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں چالیس سال تک درس قرآن اور دورہ تفسیر قرآن کراتے رہے، شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ بھی اس درس میں شرکت فرماتے اور دوسروں کو بھی اس میں شرکت اور استفادے کی ترغیب دیتے۔

اس خطہ میں دورہ تفسیر قرآن کی روایت آپ ہی کے مرہون منت ہے، تفسیر میں آپ کی شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہیں تاہم آپ کے اجل تلامذہ میں سے ایک اہم نام حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا بھی ہے، ویسے دادا جان حضرت لاہوریؒ اور اکوڑہ خٹک کا آپس

میں بہت گہرا علمی و روحانی رشتہ ہے، حضرت لاہوریؒ کا تعلق اکوڑہ خٹک سے اور اکوڑہ خٹک کا تعلق شیرانوالہ سے قدیم چلا آرہا ہے، دارالعلوم دیوبند میں حضرت لاہوریؒ کے جانشین اور صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ سے شرف تلمذ نصیب ہوا تھا، اسی طرح حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو حضرت لاہوریؒ سے تلمذ کا رشتہ تھا، خانوادۂ حقانی اور خانوادۂ لاہوری میں استادی اور شاگردی کا رشتہ بہت پہلے سے چلا آرہا ہے، ہمارے حضرت لاہوریؒ اور والد گرامی کا حضرت مولانا شیخ عبدالحقؒ اور جامعہ حقانیہ سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی، حضرت مولانا عبدالحقؒ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں ہمارے ہاں (۱۹۵۸ء میں) دورۂ تفسیر کے لئے بھیجا۔

آپ دوران درس حضرت لاہوریؒ کے تمام تفسیری نکات لکھ لیتے اور اسے محفوظ کرتے اور پھر کچھ عرصہ قبل انہوں نے اسے مرتب کرنے کا تہیہ کیا، کئی سال تک اس پر کام کرتے رہے حتیٰ کہ شدید بیماری کے دوران بھی اس پر کام کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کی یہی آرزو اور تمنا تھی کہ میری زندگی ہی میں یہ تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا کہ یہ تفسیر آپ کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی اور آپ جام شہادت نوش کر گئے، اب اس تفسیر کی اشاعت کی نوبت آئی۔ برادرم مولانا راشد الحق سمیع اور مولانا شہیدؒ کے شاگرد مولانا محمد فہد حقانی نے شب و روز اس پر نہایت جانفشانی اور عرقریزی سے کام کیا اور جہد مسلسل کے بعد اب اس عظیم تفسیری کاوش کی اشاعت کی سعادت انہی کی حصے میں آئی، میں مولانا راشد الحق سمیع اور آپ کی پوری ٹیم کو خراج تحسین اور مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے ذریعے سے پوری دنیا میں علم، نور، بھلائی اور نیکی پھیلے گی (ان شاء اللہ) اللہ اس تفسیر کو حضرت لاہوریؒ، والد گرامیؒ اور مولانا شہیدؒ کے لئے رفع درجات کا وسیلہ اور مولانا راشد الحق سمیع اور آپ کی ٹیم کو مزید ترقیات کا ذریعہ بنائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا مغفور اللہ

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

الحمدللّٰہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل بھیجے اور انہیں آسمانی کتابوں سے نوازا، ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ونبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے، یہ کتاب قیامت تک کے انسانوں کے لئے مشعل راہ اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، قیامت تک کے لئے یہ ہر قسم کے تحریف سے محفوظ ہے، علماء ومشائخ امت اس کتاب کی درس وتدریس اور افہام وتفہیم کا ہر دور میں اہتمام فرماتے ہیں، نیز قرون اولیٰ سے اب تک تقریباً ہر زبان میں اس کی تفاسیر لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

ہمارے مخدوم ومکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری خصوصیات سے نوازا تھا، ان میں آپ کا سب سے بڑا وصف حق گوئی وبیباکی تھا جس کا اظہار آپ قلم وزبان کے ذریعے فرماتے تھے، قرآن مجید سے آپ کی محبت بھی نرالی تھی، ترجمہ و تفسیر آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے پڑھا تھا، جس میں آپ کے ہمراہ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی رحمہ اللہ بھی تھے، آپؒ نے اپنے استاد کے افادات کو قلمبند کیا اور اسے شائع کرنے کا عزم شہادت سے چند سال پہلے کیا، کتابت مکمل ہونے کو تھی کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے، عزیز القدر صاحبزادہ مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے اپنے ''موتمر المصنفین'' کی ٹیم بالخصوص مفتی محمد فہد کے ہمراہ اس عظیم تفسیر کو مکمل کروایا اور اب علم تفسیر سے محبت رکھنے والے حضرات پر احسان کر کے شائع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور اس تفسیر کو قبولیت ومقبولیت عطا فرمائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا عبدالحلیم المعروف (دیر بابا جی)

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ، تلمیذ خاص حضرت امام لاہوریؒ)

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد!

میرے شیخ، میرے مربی اور میرے استاد امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا خاص فہم عطا فرمایا تھا، علمائے دیوبند کا ان کی طرف خاص رجحان تھا، اکابر و مشائخ اپنے بچے شعبان ورمضان اور شوال میں بھی پورے سال کے لئے قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر سیکھنے کے لئے بھیجتے تھے، میرے محسن و مربی استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ بھی اپنے تلامذہ و متعلقین کو وہیں شیرانوالہ گیٹ لاہور بھیجتے تھے، خود مجھے بھی ان کے پاس بھیجا تھا، اپنے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ دونوں حضرات کو شعبان ورمضان کے دورۂ تفسیر کے لئے انہی کے پاس بھیجا، مولانا شیر علی شاہ صاحبؒ تو رمضان میں واپس آگئے اور مولانا سمیع الحقؒ شوال میں بھی وہیں رہے اور قرآن مجید کا پورا ترجمہ و تفسیر حضرت لاہوریؒ سے پڑھا، آپؒ پر حضرت لاہوریؒ کی خصوصی توجہ اور شفقت تھی۔

مولانا سمیع الحقؒ کو اللہ نے لکھنے کے جس اعلیٰ ذوق سے نوازا تھا اسی کی بدولت انہوں نے پورے دورہ تفسیر کو قلمبند کیا، آپ سے پہلے اور بعد میں بھی حضرت لاہوریؒ کے بعض شاگردوں نے ان کے کچھ درسی افادات لکھے اور شائع بھی کئے مگر جو جامعیت حضرت شہیدؒ کے مرتب کردہ تقریر میں ہے وہ بہت کم دوسری تقاریر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مولانا شیر علی شاہ صاحبؒ نے اپنی تقریر ''زبدۃ القرآن'' کے نام سے (ایک پارہ) شائع کی تھی، مولانا شہیدؒ اپنے دیگر علمی وسیاسی مصروفیات کی وجہ سے نظر ثانی نہ فرما سکے، عمر کے آخری حصہ میں انہیں اسے مرتب کرنے کا خیال آیا تو کتابت کروائی، ابھی مکمل ہونے میں کم ہی وقت رہ گیا تھا کہ دستِ اجل نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے صاحبزادہ مولانا راشد الحق سمیع صاحب کو کہ انہوں نے اپنے عظیم والدؒ کے علمی کاموں کو مکمل کیا اور اپنے عظیم والدؒ کے تذکرہ سوانح پر ماہنامہ ''الحق'' کے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل نمبر شائع کیا۔ اب دس جلدوں میں ''تفسیر لاہوری'' شائع کر رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو قبول فرمائے اور میرے شیخ حضرت لاہوریؒ، میرے دوست مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور ان کے معاونین کیلئے نجات کا ذریعہ بنائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا محمد ادریس حقانی

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

الحمدللّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ أما بعد!

علمی زندگی میں مجھے بہت سے اساتذہ کرام سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، جن میں شہید ناموس رسالت حضرت مولانا سمیع الحقؒ کا نام ومقام بہت بلند ہے۔ اُن کے دروس میں علمی، ادبی اور تحقیقی فن نمایاں ہوتا، صحابہ کرامؓ کے مقام رفیع کو اُجاگر کرتے، لطائف وظرائف، اسلاف کے واقعات وحکایات، بزرگان دین اور اساتذہ کرام کے حالات سنا کر درس کو چار چاند لگ جاتے۔

آفاق را گردیده ام مہر بُتان و رزیده ام

بسیار خوباں دیده ام اما تو چیزے دیگری

حنفی مسلک، اکابر علمائے دیوبند کی اتنی صاف، شستہ، مدلل اور واضح ترجمانی میں نے کسی اور جگہ نہیں دیکھی۔ آپ کا علمی تعمق وگہرائی بہت زیادہ تھی، آپ ”کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، مذہبی معاملات، سیاسی مسائل، مدرسہ کے امور اور تصنیف وتالیف کے صعب مراحل کو ضعف وعلالت کے باوجود بخوبی سرانجام دیتے تھے، عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کے باوجود مطالعہ کتب اور قلم وقرطاس سے ناطہ نہیں توڑا، اپنی یومیہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر تفسیر لاہوری کا کام کرتے تھے کیونکہ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے آپ کو عشق کے درجے تک عقیدت ومحبت تھی۔ آپ نے غالباً ۱۹۵۸ء میں حضرت لاہوریؒ سے مکمل قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھا اور اپنے درس کے دوران اس کے حوالے بھی دیا کرتے تھے لیکن افسوس کہ طباعت سے قبل اپنی مطلوب ”شہادت“ پا کر ہم سے رخصت ہوئے......

لوگ ڈھونڈتے ہیں خاک میں سونا

ہم نے سونا سپردِ خاک کیا

مجھے صاحبزادہ مولانا راشد الحق سمیع نے حضرت شہیدؒ کی تفسیر لاہوریؒ کی ایک جلد بھیجی، میں نے اسے بغور پڑھا تو تحقیق و تدقیق میں اپنی مثال آپ پایا، اتنی آسان اور شستہ زبان میں ہے کہ درمیانے درجے کا طالب علم بھی اس سے بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ برادرم مولانا راشد الحق سمیع حقانی صاحب نے اس کی ترتیب و طباعت میں شبانہ روز جدوجہد اور بہت زیادہ مشقت کی ہے اور اپنے والد صاحب کی شہادت کے بعد بہت زیادہ محنت کی اور اس تفسیر کی تکمیل و اشاعت کے لئے ہروقت فکرمند رہتے، اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازے اور اپنے عظیم والد کے باقی ماندہ تصنیفی و تالیفی اور علمی کاموں کو پائے تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں اپنے والد شہیدؒ کے علوم و معارف کا صحیح جانشین بنائے۔ (آمین)

حضرت لاہوریؒ کی تفسیری خصوصیات بہت زیادہ ہیں میری کیا مجال کہ اس پر کچھ عرض کروں، بجز دعا کے کیا لکھ سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کی اس تفسیر کو قبولیت عامہ سے نوازے اور ان کے لئے، ان کے اساتذہ و والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی

(استاد الحدیث و رئیس دار الافتاء جامعہ دار العلوم حقانیہ)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ اشرف و افضل انسان کو بنایا، اسی شرف و فضیلت کی وجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اطاعت ہے، مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوب اس وجہ سے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب اتاری اس کی عملی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے کتاب الٰہی کی تفسیر فرمائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بھی اللہ تعالیٰ نے وحی سمجھنے کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔

ہمارے اکابر میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کا جو اعلیٰ وصف عطا فرمایا تھا، وہ آپ کے ہم عصر علماء میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے، ان کا دورۂ تفسیر بہت مشہور ہوا کرتا تھا، میرے محسن و مربی امام الشہداء حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے انہی سے پوری تفسیر قرآن پڑھی تھی اور سب سے بڑھ کر اپنے استاد کے ایک ایک لفظ کو لکھ کر محفوظ قرطاس کر دیا تھا، حضرت شہیدؒ نے زندگی کے آخری ایام میں اسے مرتب کرنا شروع فرمایا تھا، عزیزی مفتی ظہور احمد کو بھی کمپوزنگ و کتابت میں شریک کار بنایا تھا، بہت تیزی سے کام جاری تھا اور آخری مراحل میں تھا کہ حضرت کو شہید کیا گیا، ان کی شہادت کے بعد ان کے فرزند مولانا راشد الحق سمیع (مدیر "الحق") نے اس کی بقیہ کتابت اور نظر ثانی وغیرہ کے مراحل کی سرپرستی فرمائی اور اب یہ تفسیر عوام و خواص کے ہاتھوں میں جانے کے لئے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صاحب افادات حضرت لاہوریؒ، مرتب حضرت الاستاد شہید، معاونین و مصححین اور قارئین کے لئے دنیا و آخرت کا بہترین توشہ و وسیلہ بنائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ

(مہتمم، ومدیر ماہنامہ ''العصر'' جامعہ عثمانیہ پشاور)

قریب دور میں گزرنے والے رجال اللہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ بیک وقت امام الصوفیاء اور قدوۃ المفسرین تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر اور آپ کے خصوصی تلامذہ ومستفدین پر تصوف کا رنگ غالب رہا، میں نے خود حضرت لاہوریؒ کو دیکھا نہیں لیکن آپ کے خوشہ چین کی محفل سے ضرور باریاب ہوا ہوں۔ حضرت تھانویؒ اور علامہ آلوسیؒ ''مسائل السلوک'' کے لیے الگ الگ عنوان کا اہتمام کرتے ہیں لیکن حضرت لاہوریؒ کی پوری تفسیر کے پیچھے ایک قطب الارشاد کا ذہن کارفرما ہے، ایسے اہل اللہ کی زبان سے نکلی ہوئی حق بات قیامت تک آنے والوں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہیں اور ہر دور میں اس کی ترجمانی کے لئے خاص شخصیات کا انتخاب ہوتا ہے جو گذشتہ رجال اللہ کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں۔ مولانا رومیؒ اسرارِ طریقت اور رموزِ معرفت کے بارے میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہین بگو کہ ناطقہ جو می کند — تا بقرنی بعد ما آبی رسد
گرچہ ہر قرنی سخن آری بود — لیک گفت سالفان یاری بود
نہ کہ ہم توریت وانجیل وزبور — شد گواہ صدق قرآن ای شکور

(۱) ہاں ہاں اسرارِ طریقت اور رموزِ معرفت بیان کرتے جاؤ کیونکہ یہ درحقیقت قوت ناطقہ بالفعل نہر کھودرہی ہے کہ ہم سے صدی بعد پانی آئے گا۔

(۲) اگرچہ آئندہ زمانے میں (بھی) رموزِ معرفت بیان کرنے والے ہوں گے مگر متقدمین کی کہی ہوئی باتیں تائید کریں گی۔

(۳) اے شکرگزار بندے! کیا توریت، زبور اور انجیل قدیم ہونے کے باوجود قرآن کے گواہ نہیں؟

حضرت لاہوریؒ کی قرآن فہمی کی ترجمانی کے لئے جن لوگوں کا انتخاب ہوتا ہے، ان کی شخصیت میں تدین اور ذہن میں خدا ترسی کے آثار دیکھے جاتے ہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ کی تفسیر سمجھنے کے لئے صوفی بننا ضروری ہے لیکن میرے خیال میں خشک صوفی بننے سے ترجمانی کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ قرآن فہمی کے حوالے سے اس کی قلبی کیفیت کا مرتبہ احسان تک پہنچنے، باطل کے مقابلے کے لئے شجاعت و بہادری اور معاشرتی ضروریات کا ادراک ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم راہِ ہدایت کی طرف ہر زمانے میں ہر طبقہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

اکیسویں صدی میں زندگی کے آخری ایام میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا ایک تسلسل ہے اور میرے خیال میں زندگی کے آخری دور میں ان شاء اللہ حضرت لاہوریؒ کی ترجمانی کا حق ضرور ادا ہوگا کیونکہ اس سائنسی دور میں آپ کے ترجمان کیلئے تین خوبیوں سے متصف ہونا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) علمی رسوخ: میرے تو استاذ تھے لیکن ایک عام آدمی بھی اگر حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی محفل میں بیٹھ جاتا تو آپ کی علمی عظمت کے معترف ہونے کے بغیر مجلس سے نہ اٹھتا، میں نے کئی محافل اور مجالس میں مشکل سے مشکل مسائل پر بحث کرتے ہوئے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان ایسی رائے پیش کرتے ہوئے دیکھا کہ اہل محفل کے لئے ان کے بیان کو اعلامیہ بنانے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں رہتا، ہاں! کیوں نہ ہو آپ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے علوم کے امین تھے اور ہم اس کے گواہ ہیں کہ حضرت مولانا عبدالحقؒ کی زندگی میں آپ نے ایک معتمد بیٹے ہونے کے طور پر اپنے آپ کو منوایا بلکہ زندگی میں کئی بار آپ پر اعتماد کر چکے ہیں، دارالعلوم حقانیہ کا ایوانِ شریعت (دارالحدیث) کی ہر اینٹ آپ کی علمی عظمت کا گواہ ہے تو علومِ لاہوریؒ کے حامل بننے کے لئے ایسی شخصیت کا ہونا ضروری تھا جو آپ کے علوم و معارف تک رسائی حاصل کر سکے، پہلے استاذ کی شخصیت کو سمجھے اور پھر ترجمانی کرے۔

(۲) روشن دماغی: پیغامِ لاہوریؒ پہنچانے کے لئے ترجمان کی روشن دماغی کا ہونا بھی ضروری تھا تاکہ وہ معاشرے کے تقاضوں سے آگاہ ہو کر معاشرے کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اظہار مافی الضمیر کر سکے، اس کے لئے نشیب و فراز بھری حالات سے گذرنا بھی ضروری ہے بحمداللہ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے پارلیمنٹ میں ربع صدی کے قریب رہتے ہوئے ''شریعت بل'' کا جو مقدمہ لڑا، حق کی جو آواز بلند کی، اس سے آپ کی روشن دماغی اور حالات

حاضرہ سے نمٹنے کی صلاحیت واضح ہے بلکہ اسی راہ میں جان دیتے ہوئے بزبان حال کہہ رہے تھے ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' دارالعلوم حقانیہ کے تعلیمی اور انتظامی امور میں مجھ جیسے سیہ کار کو شرکت کا موقع دینے پر میں نے یہ محسوس کیا کہ حضرت شہیدؒ بہترین منتظم تھے اور روشن دماغی کی وجہ سے معاملہ فہم قائد تھے کسی مسئلہ پر آپ کی نظر کو دور کی دکھائی دیتی، کئی سالوں کے بعد آنے والے خطرات کو بھانپ لیتے پھر یہ بھی ہے کہ سیاسی میدان سے وابستہ رہنے کی وجہ سے آپ بڑے تجربہ کے مالک تھے۔

(۳) صلاحیتِ تعبیر: چونکہ حضرت لاہوریؒ اردو زبان میں درس قرآن فرماتے تھے اس لئے آپ کی ترجمانی کے لئے آپ کی زبان میں مہارت ضروری تھا یہ تیسری خوبی بھی حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ میں بدرجہ اتم موجود تھی کہ بفضل اللہ ایک پختون معاشرے میں رہتے ہوئے اردو ادبیت اور اردو زبان دانی تو آپ کا خاصہ رہا آپ کی اس خوبی پر بڑے بڑے علماء اور ادباء ناز کرتے رہے اور ڈنکے کی چوٹ پر اہلِ زبان سے موازنہ کر کے فخر کرتے، ماہنامہ ''الحق'' کے نصف صدی سے اشاعت آپ کی اردو ادبیت اور زبان دانی کی بڑی دلیل ہے۔

بحمداللہ ان تین خوبیوں سے لیس ہو کر آپ نے حضرت لاہوریؒ کی ترجمانی کا حق ضرور ادا کیا ہوگا اگر آپ کی زندگی میں یہ تفسیر شائع ہوتی معلوم نہیں کہ اس وقت یہ تفسیر کیا رنگ لاتی! لیکن اللہ تعالیٰ برادر محترم حضرت مولانا راشد الحق سمیع سلمہ اللہ کو دنیوی واخروی سعادتوں سے نوازے جو حقانی خاندان کی خدمتِ دین کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی یہ امانت بڑی دیانت داری سے امت کو پہنچا رہے ہیں اور بقول مولانا رومیؒ صدیوں تک بعد میں آنے والوں کے لیے سرمایہ رہبری فراہم کر رہے ہیں۔

میرے خیال میں حضرت مولانا راشد الحق سمیع کی یہ خدمت دارالعلوم حقانیہ کی عظمت میں یقیناً اضافہ کا سبب ہوگا بلکہ پوری حقانی برادری خاص کر متوسلینِ حضرت لاہوریؒ سے بڑے احسان کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ آئندہ بھی حقانیہ کے پلیٹ فارم سے آپ کو بہتر سے بہتر خدمات کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

تاثرات

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

(مہتمم جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ)

(یہ قیمتی تحریر اور تاثرات حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے حین حیات میں حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے ماہنامہ ''الحق'' کے لئے ارسال فرمائے تھے)

حامداً و مصلیًا! برصغیر میں جو افراد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور امام احمد علی لاہوریؒ کے مشن بالخصوص ان کے قرآنی علوم ومعارف کے اسلوب کے ترجمان تھے، ان میں آخری نشانی کے طور پر استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ہیں، آپ نے امام لاہوریؒ کے مشن اور تفسیر کے پرچم کو تھامے ہوئے ہیں۔ عوارض وامراض کے ہجوم اور پیرانہ سالی کے باوجود ان کے علم، قلم، تحریر اور انفرادیت کی لَو سے بزمِ تفسیر لاہوری، زندگی کی حرارت اور اُجالے کا احساس دلانے میں کامیاب ہے۔ امام لاہوریؒ کی تعلیم وتربیت، درس وتدریس قرآن، علم وعمل اور فکر وفہم کے وہ آخری چراغ ہیں، جن کی ذات میں امام لاہوریؒ کے تمام تفسیری علوم ومعارف سمٹ آئے ہیں، تصنیف وتالیف، مکاتیب مشاہیر اور خطبات مشاہیر کے بعد امام لاہوریؒ کی تفسیر کی ترتیب وتالیف اور علمی کمالات نے ان کے ارد گرد اپنا حصار قائم کرلیا ہے۔

امام لاہوریؒ کے تفسیری افادات کی حفاظت واشاعت کے حوالے سے جس طرف بھی دیکھئے اب وہی ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں، وہ تمام تفسیری خدمات اور قرآنی علوم ومعارف کے فروغ کی مساعی جو کبھی لاہور میں موجود مولانا احمد علی لاہوریؒ کے امتیازات تھے اب وہ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ کی شخصیت کا حصہ ہیں، میں نے جن بڑوں کو دیکھا اور جن اکابر کی

زیارت وملاقات کی سعادت سے بہرہ ور ہوا، ان میں حضرت مولانا سمیع الحق کا انداز، رنگ اور ان کی ادائیں دوسروں سے مختلف ہیں، قومی وملی خدمات، اتحادِ امت کی مساعی، وحدتِ امت کی تگ ودَو، ملکی سالمیت کی حفاظت، عالمی دہشتگردی کا تعاقب، ملک کے ایک بڑے اور عظیم ادارے کا اہتمام، پینتیس (۳۵) سال سے پارلیمنٹ میں نفاذِ شریعت کی جنگ اور عمل وکردار کی ان تمام تر عظمتوں کے باوصف زندگی سادگیوں کی ایک ایسی مثال ہے جہاں تصنع، کروفر اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دم مارنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ جب بھی ملنے جاتا ہوں اپنے تمام قلمی مسودات بالخصوص ''تفسیر لاہوریؒ'' کی اب تک مرتب کردہ تینوں جلدوں کی کتابت شدہ تمام کا پیاں میز پر رکھ دیتے ہیں، ملتے ہیں تو اتنے والہانہ اور مشفقانہ انداز سے کہ سفر کی تھکان سے چور جسم، کثرتِ کار، ہجومِ افکار اور مسائل کے انبار سے بوجھل روح اطمینان، سکون اور راحت کی اس لذت سے آشنا ہو جاتی ہے جو کم ہی نصیب بنتی ہے، تفسیری حوالے سے ان کی گفتگو میں مٹھاس اور ذائقہ ایسا جس کی کیفیت کو الفاظ کی کوئی بھی ترتیب ادا نہیں کر سکتی ادھر بولنے اور ساتھ ساتھ لکھنے کا ایک مخصوص انداز، ہونٹوں کو کاٹنے کی ادا، زبان کو ایک دائرے میں حرکت دیتے رہنا، آنکھوں کی چمک اور لہجے کی دھنک سے فرحت واحساس کے پھول مہکنے لگتے ہیں۔ عمر کی ۸۰ ویں منزل میں قدم رکھ چکے ہیں مگر ان کا حافظہ اسی طرح قوی، ان کی یادداشت جوان، ان کا علم مستحضر، ان کی معلومات مکمل اور ان کے لہجے زبان اور تحریر کی کاٹ آج بھی تلوار کی کاٹ ہے، اپنے وقت کے عالمِ اسلام کی ہر بڑی شخصیت کو انہوں نے دیکھا۔ ہر علمی، ادبی اور سیاسی انسان ان کے سامنے رہا، صاحبِ علم، صاحبِ قلم، صاحبِ حکومت اور صاحبِ زبان افراد کے وہ ہم نشین رہے یا قریب سے گذرے اس لئے فرقِ مراتب اور فرقِ کمال کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

ان دنوں جبکہ وہ امام لاہوریؒ کی تفسیر کی تکمیل میں مگن رہتے ہیں، جب بھی حاضری ہوتی ہے یا چند گھڑیاں ان کی صحبت میں بیٹھنے کو میسر ہو جاتی ہیں تو خود کو محبتوں اور شفقتوں کی دنیا میں معمور پاتا ہوں اور ایسے لگتا ہے کہ اللہ پاک نے امام لاہوریؒ کے تفسیری علوم ومعارف ان کے سینۂ بے کینہ میں منتقل کر دیئے ہیں، اب خیر سے ان کا خامہ تفسیری افادات کی ترتیب وتالیف میں چوکڑیاں بھر رہا ہے اور یہ آج کی بات نہیں تقریباً ۶۵ سال سے ان کا قلم ادب وصحافت اور فکر وتحقیق کے میناروں کا وقار اور حسن ہے اور تفسیری حوالے سے تو ان کے قلم کی روانی کا یہ عالم ہے جب دوسرے تھک جائیں، نڈھال اور مضمحل ہو کر بیٹھ جائیں وہاں سے ان کی اُبتدا اور سفر کی

شروعات ہوتی ہیں، یکساں انداز، زبان پر قدرت، اسلوب وادا میں انفرادیت، بیان میں رفعت وشوکت، وقار اور متانت، امام لاہوریؒ کے طرزِ گفتگو کو طرزِ تحریر کے سانچوں میں ڈھالنا، جیسے چاہیں تقریر کو تحریر میں ڈھال دیں اور وہی ادائیگی کا بہترین اسلوب قرار پائے۔

میرا یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ امام لاہوریؒ کی تفسیرات پر ان کی نظر کا مقابلہ فی الوقت کوئی دوسری نظر نہیں کرسکتی، میرے سامنے حضرت کی مرتبہ جلدیں ہیں، عنوانات، بغلی سرخیاں، ترتیب وتالیف الغرض تالیفِ تفسیر کا حق انہوں نے خوب خوب ادا کر دیا ہے۔ "تفسیر لاہوری" پر ان کا کام ایک ادارے کے کام سے آگے ہے۔ امام لاہوریؒ کے حوالے سے تمام تر مسودات، فضلاء کی تحریرات اور خود امام لاہوریؒ کے افادات کو انہوں نے کھنگال کر رکھ دیا ہے۔ تفسیری میدان میں بھی متعلقہ علوم پر بھرپور گرفت ان کا مزاج ہے، اس باب میں بھی وہ کسی تساہل اور رعایت کے روادار نہیں، مناسب موزون اور مدلل طریقے سے گرفت کرتے ہیں، اطراف وجوانب سے بھی بے خبر نہیں رہتے۔

اس وقت تفسیر امام لاہوریؒ کے مرتب کردہ جلدوں کے مسودات میرے سامنے ہیں جو صاحبِ تفسیر کی طرح مرتب کی وسعتِ علمی، ژرف نگاہی اور تحقیق وعرق ریزی کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے وہ نمونے ہیں جنہوں نے ان کو اس دور کے مفسرین امت کی پہلی صف میں کھڑا کر دیا ہے، بلاشبہ آج وہ نہ صرف حقانی فضلاء بلکہ علمائے دیوبند کے ایک باکمال فرد، ایک برگزیدہ شخصیت، علم وفضل کا عنوان اور کردار وعمل کی اعلیٰ مثال ہیں اور اس دور میں جب ایک کے بعد ایک چراغ بجھ رہا ہے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔

۳ر ستمبر ۱۹۳۶ء میں گلستانِ حیات ان کے وجود کی خوشبو سے مہکا، اس خوشبو کی علمی، قلمی، ادبی اور تفسیری حکمرانی کا دور جاری ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں دعا ہے کہ پوری صحت مندی کے ساتھ ان کے تفسیری علم وفضل اور قرآنی فکر ونظر کی قندیلیں بھی روشن رہیں اور "تفسیر لاہوریؒ" کا خاص مشن بحسن وخوبی تکمیل پذیر ہو۔

تقریظ

مولانا قاری محمد عبداللہ

(سابق سینئر امیر جمعیت علماء اسلام بنوں)

میرے لئے یہ بات ہی بہت عجیب کیفیت کی حامل ہے کہ میں تفسیر لاہوریؒ کے حوالے سے کچھ تحریر کروں، ایک طرف ضعف و بیماری کا اثر ہے تو دوسری طرف حضرت امام لاہوریؒ کی عبقری شخصیت ......جبکہ ایک طرف شہید ناموس رسالتؐ مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی آرزوئے ناتمام......اور اس کے اوپر عزیزی مکرم مولانا راشد الحق سمیع صاحب کا پرزور اصرار......

ان تمام کیفیات کے ہوتے ہوئے کوئی کیا لکھ سکتا ہے، بہرحال! بندہ کی طرف سے معذرتیں پیش ہوئیں مگر والعذر عند کرام الناس مقبول کا عذر اور روایت یہاں چل نہ سکیں۔

پاک و ہند میں ترجمہ اور تفسیر کی روایت خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے شروع ہوئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم و معارف کو اُن کے فرزندوں، شاگردوں نے چاردانگ عالم میں پھیلا دیا اور موقع کی مناسبت اور حالات کے تناظر میں جس کام کی ضرورت پڑی تلامذہ شاہ ولی اللہؒ اور اکابرین امت نے اس میں بھرپور حصہ لے کر خوب حق ادا کر دیا ہے۔ یوں علوم شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک جا پہنچا، انہوں نے اپنی زندگی کو علوم شاہ ولی اللہؒ کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کئے رکھا اور بیشمار تلامذہ اُن سے فیضیاب ہوئے اور جب امت کو قرآن فہمی اور رموز قرآن کی معرفت کی ضرورت پڑی تب ایک ہستی شیخ التفسیر حضرت امام احمد علی لاہوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے منتخب فرمایا، حضرت دین پوریؒ کے جمال حضرت امروٹیؒ کے جلال، مولانا سندھیؒ کی فکر شیخ الہندؒ کی فراست، شیخ مدنیؒ کی جامعیت کا صوری و معنوی مرقع و شاہکار اگر کوئی اس دھرتی پر ہوسکتا ہے تو وہ حضرت شیخ التفسیر کی ذاتِ گرامی تھی۔ درس قرآن اور درس تفسیر کے حوالے سے حضرت لاہوریؒ اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے، مراداتِ قرآنی نہایت سادہ، عام فہم انداز میں پڑھاتے تھے جس میں تکلف اور تصنع کا شائبہ تک نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ سننے والوں کا جذبہ عمل بیدار ہوتا تھا اور نورِ معرفت دل میں اترتا تھا، حضرت لاہوریؒ قرآن کو اس قطعیت کے ساتھ پیش کرتے تھے کہ قرآنی جلال کے سامنے کسی احتمال اور کسی لچک کی کوئی راہ نہ ملتی۔ حضرت امام لاہوریؒ کے شاگرد حضرات یہ کہا

کرتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ سے درس قرآن سن کر ذہن وفکر پر نہ کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھا اور نہ ذکر وعمل کے باب میں کوئی مشکل یا طبعی رکاوٹ محسوس ہوتی تھی، حضرتؒ بیان فرماتے اور یوں محسوس ہوتا گویا نسلِ انسانی کی عملی ہدایات کے لئے وحی بھی اتر رہی ہے۔

بہر حال! جس طرح امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو حضرت لاہوریؒ کی صورت میں ایسا شاگردِ رشید ملا جس نے شاہ ولی اللہ اور مولانا سندھیؒ کے علوم ومعارف سے تشنگانِ علم کو مستفید کرایا، اسی طرح مولانا لاہوریؒ کو بھی مظلوم شہید مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی صورت میں ایک اجل تلمیذ نصیب ہوا کہ جنہوں نے حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد ان کے علوم ومعارف کو محفوظ اور زندہ جاوید کر دیا۔ شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا محبوب مشغلہ درس وتدریس کیساتھ ساتھ تصنیف وتالیف بھی رہا، انکے سارے کارناموں میں تصنیف وتالیف کا کام سب پہ بھاری ہے۔ انہوں نے امت کیلئے بہت بڑا علمی ورثہ اور سرمایہ چھوڑ دیا ہے زندگی کے آخری ایام میں اسی تصنیفی میدان میں انہوں نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، وہ کارنامہ ''تفسیر لاہوریؒ'' کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس عظیم کارنامہ کو منظر عام پر لانے کے لئے میں شاگردِ رشید مولانا راشد الحق سمیع کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے دن رات محنت ولگن کے ساتھ اپنے عظیم والد ماجد کی نا تمام خواہش وتمنا کو بڑے سلیقے اور محنت سے منصۂ شہود پر لانے میں کامیاب ہوئے ہیں، میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ بڑے لوگوں، علمی شخصیات اور مہتممین حضرات کے صاحبزادے اگر مزید نئے علمی کام نہ کر سکیں صرف اپنے بزرگوں کے سابقہ کام کو برقرار رکھیں تو یہ خود اپنی جگہ ''بڑا کارنامہ'' ہوتا ہے لیکن عزیزم مولانا راشد الحق سمیع نے تو اپنے والد ماجد کے تمام علمی وتصنیفی کاموں اور خصوصاً دارالعلوم حقانیہ کو جدید تعمیرات وتعلیمات کے قالب میں جس خوبصورتی اور احسن انداز میں ڈھالا ہے یہ میرے اُس تجزیئے واندازے سے زیادہ بڑھ کر ہے اسی طرح مولانا محمد فہد حقانی بھی قابل صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے استقامت کے ساتھ اس پر شب وروز کام کیا اور یہ عظیم سعادت حاصل کی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم تفسیری کاوش کو امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے، حضرت لاہوریؒ ومولانا سمیع الحق شہیدؒ کے لئے رفع درجات کا وسیلہ بنا دے اور اس کے مرتبین کے لئے دنیاوی اور اخروی نجات کا باعث بنے (آمین)

اسیرِ عقیدت حضرت مدنیؒ وآزادؒ: محمد عبداللہ (۱۳؍اکتوبر ۲۰۲۲)

تقریظ

حضرت مولانا فیض الرحمٰن حقانی

(استاد حدیث جامعہ حقانیہ)

الحمدلله الذى أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا، والصلاة والسلام على أشرف خلقه وأعز رُسله سيدنا ونبينا محمد وعلى اله وصحبه أجمعين، أفضل صلاة وأزكى تسليم، أما بعد:

بندہ ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے جید اساتذہ کرام سے استفادہ کا موقع دیا تھا جو کہ علم کی گہرائی اور وسعت میں سمندر، اونچائی اور بلندی میں پہاڑ، چمک دمک اور روشنی میں شمس وقمر اور کواکب تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

بلاشک بندہ کے تمام اساتذہ کرام علم وعمل اور حسن اخلاق میں اپنی مثال آپ تھے اور فارسی کی مشہور کہاوت ہے "ہر گلے را رنگ و بوئی دیگر است" کے مصداق تھے اور مناسب ہے کہ فرزدق کا یہ شعر ان کے حق میں پڑھا جائے

أولئك آبائى فجئنى بمثلهم
إذا جمعتنا ياجرير المجامع

من جملہ ان اساتذہ کرام میں استاد محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ایسی شخصیت تھی جس کی صفات وکمالات اور علمی جامعیت کے بیان سے زبان فصیح و بلیغ اور قلم ادیب ومضمون نگار قاصر ہیں۔ استاد محترم کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن جمال کے ساتھ ساتھ

باطنی اخلاق حسنہ سے مالا مال فرمایا تھا،علم وکمال،تواضع ،عجز وانکساری،حلم و بردباری،عدل وانصاف،سخاوت وشجاعت، دریا دلی ،سماحت،خندہ پیشانی ،خوش خلقی اور شفقت ومحبت گویا ایک مجموعہ تھے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابونواس نے ان کے حق میں یہ شعر پڑھا تھا......

لیس على الله بمستنكر

أن يجمع العالم في واحد

برادر محترم صاحبزادہ راشد الحق سمیع صاحب نے فرمایا کہ حضرت الاستاد شہیدؒ کی ''تفسیر لاہوری'' پر آپ بھی چند کلمات قلمبند کریں، بندہ کی زبان پر بے ساختہ یہ شعر جاری ہوا

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

نسیم صبح تیری مہربانی

آمدم بر سر مطلب جو کہ ''تفسیر لاہوری'' پر کچھ کلمات لکھنا تھا اس کے متعلق میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب افادات رئیس المفسرین حضرت لاہوری کے ہوں اور ضبط وتالیف استاد محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے قلم سے ہو تو شیخ سعدیؒ کے اس شعر کا مصداق ہوگا......

وصف ترا گر کنند ور نکنند اهل فضل

حاجت مشاطه نیست روئے دلا رام را

استاد محترم کی خواہش تھی کہ اپنی زندگی میں اس تفسیر کو مکمل کرلوں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ یوں منظور تھا کہ آپ تکمیل تفسیر کی آرزو کے ساتھ میرے دربار میں حاضر ہوں۔

ما كل ما يتمنى المرء يدركه

تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

اللہ تعالیٰ صاحبزادہ مولانا راشد الحق سمیع اور آپ کے تمام معاونین کو دنیا اور آخرت کی خوشیاں نصیب فرمائے کہ حضرت شہیدؒ کی وفات کے بعد انتھک جدوجہد اور محنت کرکے ''تفسیر لاہوری'' کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور حضرت شہیدؒ کی روح کو خوش کردیا ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

(مولانا) فیض الرحمٰن حقانی

تاثرات

حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ (شالی امریکہ)

(یہ تاثرات حضرت شہیدؒ کے زمانہ حیات میں لکھے گئے تھے)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کو سنوار کر انسان کو خلیفہ اور اپنا بندہ بنایا۔ اس کو عقل سے نوازا، جس کی اساس پر وہ کائنات کو اپنے فائدے کے لئے اپنی تخلیق اور وجود میں آنے کے وقت سے استعمال کر رہا ہے۔ اس عقل ہی کی اساس پر اللہ تعالیٰ نے اسے مکلف بنایا کہ وہ اللہ کی اطاعت کا پابند ہے اور یہ پابندی کس طرح ہو گی؟ اس کے لئے اللہ کریم نے وقتاً فوقتاً انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان کے قلوب صافیہ پر وحی کا نزول فرمایا تاکہ وہ انسانوں کو اس وحی کی اساس پر راستہ بتلائیں اور یہ وحی وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ کی اساس پر ان تین طریقوں سے آتی رہی۔ اب القائی اور کلامی وحی تو سارے رسل کو آتی رہی البتہ ان میں سے بعض کو اللہ کریم نے کتب اور صحف بھی دیئے۔ یہ کتب اور صحف بھی بعض کو مکتوب کی صورت میں ملے اور بعض کو کلامی صورت میں۔ ان کتب و صحف میں سب سے آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم دیا گیا جو خاتم الکتب اور اکمل الکتب ہے جس میں ساری سابقہ کتابوں کی اساسی تعلیمات بھی موجود ہیں اور آنے والے اوقات کے لئے ماخذ علوم بھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اوتیت علم الأولین والآخرین فرمایا کہ مجھے اولین و آخرین کا علم دیا گیا یعنی سابقین کے علوم کا نچوڑ اور آنے والوں کے لئے ماخذ استنباط و استخراج دیئے گئے فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کہ اس میں ساری کتب قیمہ موجود ہیں، یا اس قرآن کریم کی تشریحات و تفصیلات اور استنباطات اور استخراجات ہیں اور مقصد و حاصل سب کا ایک ہی بات کہ کس طرح قرآن فہمی حاصل ہو تاکہ اوقات احوال و ظروف

کے حوالے سے انسانوں کو ہدایت نصیب ہو، اللہ سب کو جزائے خیر دے۔ عبارتنا شتیٰ و حسنك واحد

البتہ ان میں سے بعض علمائے کرام نے منقول کو معقول کو معقول اور معقول کو محسوس بنا کر پیش کیا اور انسان فطری طور پر معقول اور پھر محسوس سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، برصغیر میں یہ الہامی طریقہ حضرت حکیم الہند الامام شاہ ولی اللہ کو القاء کیا گیا، یوں تو برصغیر میں بسنے والے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث تمام مکاتبِ فکر حضرت حکیم الہند کو اپنا مسند مانتے ہیں اور علمائے دیوبند تو سارے کے سارے حضرت مسند الہند کے تلامید میں آتے ہیں کہ ان کی سند فطرت الامام سے جا کر ملتی ہے قرآن میں بھی اور حدیث میں بھی اور بہت سوں نے آپ کے فلسفہ وافکار پر کام بھی کیا لیکن ان میں سب سے قابل ذکر کام حضرت امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ہے کہ قرآن کریم اور تصانیف حضرت شاہ ولی اللہؒ آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا یعنی سفر وحضر میں بھی حضرت سندھی کا رخت ہوتا پڑھتے بھی رہے، پڑھاتے بھی رہے، لکھتے بھی اور لکھواتے بھی تھے پھر یہ کہ آپ تو چوبیس سال تک افغانستان اور روس، ترکی، جرمنی اور حرمین شریفین میں رہے اور یوں سفر وسیلہ ظفر آپ مختلف ثقافتوں، تہذیبوں اور نظاموں کا مطالعہ ومشاہدہ بھی کرتے رہے اور یوں ان کے ذہن میں وسعت آگئی اور ذہن میں وسعت ہو تو تحریرات وتقریرات اور تشریحات استنباط میں بھی وسعت ہوگی البتہ وہ جو یہ وسعت نہیں رکھتے ان کے اذہان میں یہ باتیں سموتی نہیں لہٰذا وہ اس کو کسی نفسیاتی بیماری پر حمل کرتے ہیں۔

بہرصورت! حضرت سندھیؒ کے حلقہ تلمیذ میں تو قدیم وجدید علوم کے حاملین پھرتے لیکن جدید والوں کو قدیم کے مصطلحات واطلاقات کا کما حقہ علم نہ ہوتا لہٰذا وہ بسا اوقات حضرت سندھیؒ کی بات ایسے انداز سے نقل کر جاتے جس سے ظاہر بات ہے کہ شرعی تصورات کے خلاف ہو تو علماء علوم قدیم ان سے اختلاف کرتے اور علوم قدیم کے حاملین کو آپ کے بعض فلسفیانہ اطلاقات کا کما حقہ علم نہ ہوتا تو وہ بھی مضطرب ہو جاتے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ کی ذات ہمیشہ متنازعہ رہی لیکن شیخ التفسیر حضرت مولانا لاہوریؒ کا حضرت سندھیؒ سے ایک اور قسم کا تعلق تھا، ایک تو حضرت لاہوریؒ کی والدہ کا حضرت سندھیؒ سے عقد ہوا تھا اور حضرت سندھیؒ کی ایک بیٹی جو آپ کی

دوسری اہلیہ سے تھیں ان سے حضرت لاہوریؒ کا عقد ہوا تھا اور حضرت لاہوریؒ آپ کے ساتھ لازم ملازم تھے یعنی وہ حضرت سندھیؒ کی باتوں کو مشاہدات کی اساس پر سمجھ لیتے۔

آپ نے حضرت سندھیؒ کے دروس تفسیر اور دروس حجۃ اللہ البالغہ کے آمالی لکھے تھے اور آپ ان آمالی کی روشنی میں تفسیر پڑھاتے، حضرت سندھیؒ کے بقول امام شاہ ولی اللہؒ عقل، نقل اور کشف کے امام ہیں، آپ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بھی اسی طرح امام ہیں، شاہ عبدالقادرؒ کشف النقل کے اور شاہ رفیع الدینؒ عقل ونقل کے امام ہیں، جبکہ دوسرے طبقے میں شاہ اسماعیلؒ عقل و نقل کے اور مولانا عبدالحئیؒ صاحب عقل و نقل کے دوسرے درجے میں ہیں۔ بہر تقدیر! حضرت سندھیؒ اور بعد ازاں حضرت لاہوریؒ دونوں ایک بار علم عقل ونقل اور کشف کے جامع مانے گئے۔

حضرت لاہوریؒ کی تفسیر میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ استاد محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ جو خود صاحب علم اور صاحب قلم ہیں، نے حضرت لاہوریؒ سے تفسیر کا استفادہ کیا اور اب دورانِ درس اس نے جو کچھ قلم بند کیا تھا یا دوسرے احباب نے کیا اس پر آپ نے کام شروع کیا، جس کی پہلی جلد انہوں نے از راہ کرم مجھے عنایت فرمائی کہ اس کا مطالعہ کر کے اپنی رائے دیں، اب اصاغر اکابر کے کام پر کیا رائے دیں گے، سوائے اس کے کہ شاہ صاحب کا فلسفہ حضرت سندھیؒ نے سمجھا اور حضرت لاہوریؒ نے سیکھا حضرت سندھیؒ سے اور مولانا سمیع الحق صاحب نے اس پر کام کر کے ایک تفسیر کی شکل میں جمع کیا۔

واقعی یہ بہت بڑا کام ہے اور مولانا سمیع الحق صاحب اس قسم کے بڑے کام کرتے رہتے ہیں۔ خطبات مشاہیر اور خطوط مشاہیر کئی سارے مجلدات بھی اس قسم کے بڑے کام ہیں۔ اس پیرانہ سالی اور امراض لاحقہ میں ایسے کام کرنا یقیناً آپ ہی کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ صحت وعمر طویل سے نوازے اور آپ کے مساعی کو محبوبیت اور قبولیت سے نوازے (آمین)

قاضی فضل اللہ

(شمالی امریکہ)

تاثرات

مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

(جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

(یہ تاثرات حضرت شہیدؒ کے عین حیات میں بھیجے گئے تھے)

قرآن کریم حق تعالیٰ شانہٗ کا معجزاتی کلام ہے، اس کے اعجاز کا ایک متواتر ثبوت یہ بھی ہے کہ قرنِ اول سے تا حال اس کلام معجز کے اسرار وحِکم اور معانی ومطالب کے بحر ذخار سے علماء راسخین اپنے اپنے دامن بھرتے چلے آرہے مگر کوئی بھی اس بحر ذخار کی تہہ تک رسائی کا دعویٰ نہیں کر سکا، لاکھوں کی تعداد میں تفاسیر وجود میں آنے کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ سکا، نہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے عجائب وغرائب میں میری کوشش ہی انتہا ہے، باوجودیکہ بعض خاصانِ الٰہ پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے افاضہ خاص کا معاملہ بھی رہا۔

ہاں! یہ ضرور ہوا کہ ہر لاحق نے سابق کی تعبیر وتاویل کے لیے انداز والفاظ کی ندرت کا سہارا لینے کی کوشش بہرحال جاری رکھی، یہ سلسلہ جب بارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں داخل ہوا تو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) کے ذریعہ قرآن کریم کی تفہیم کے منفرد انداز متعارف ہوئے۔ حضرت شاہؒ نے قرآن کریم کی تفہیم، تعبیر اور تاویل کے لیے سابقہ تفسیری اسالیب سے ہٹ کر قرآن میں تدبر واعتبار کا ایک ایسا انداز دیا جو نہ صرف قرآنی تعبیر کی نئی نہج تھی، بلکہ قرآنی تعبیر کے لیے کسی نئی نہج کی گنجائش کا عملی ثبوت بھی تھا، تاہم آپ کی اختیار کردہ نئی نہج کی جدت کے مسلّم بننے کے لیے تعبیر وبیان تک محدود ہونے کی شرط یہاں بھی نظر انداز نہیں رہی، بلکہ آپ کی آراء، تاویلات اور توجیہات کو مقام حجت پر ماننے کے لیے اہل علم نے باقاعدہ شرط رکھی خود شاہ صاحبؒ کی وصیت بھی تھی کہ آپ کی آراء قبولِ اخبار کے مسلمہ اصولوں اور روایات کے اعتباری معیارات سے متصادم نہ ہوں چنانچہ اس نہج پر حضرت شاہ صاحبؒ کی محنتِ شاقہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص رہنمائی ومعونت شامل حال رہی اور شاہ

صاحبؒ کا قرآنی تدبر، باعتبار کسبی علوم پر مستزاد، وہبی ولدنی علوم سے آراستہ و پیراستہ بھی رہا ہے
حضرت شاہ صاحبؒ فرط جذبات میں تجلیات ربانیہ سے استفاضہ اور براہ راست تلمذ قرآنی سے
تعبیر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز
کے ایسے عجائب وغرائب مجھ پر منکشف فرمائے ہیں جو شاید اس سے قبل بہت کم لوگوں پر منکشف
ہوئے ہوں، مثلاً بنا دین، توجیہ، تنقیح علوم خمسہ، خواص القرآن اور "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن"
میں تقریب، تخصیص اور تعمیم وغیرہ کا التزام شاہ صاحبؒ کا منفرد امتیاز ہے (الفوز الکبیر)

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے یہ درس ملتا ہے کہ عجائب قرآنیہ تک رسائی کے لیے کسبی
و وہبی علوم کا دروازہ وسیع تر ہے۔ ان عجائب قرآنیہ کو کسی بھی نے تعبیری تصرف میں محفوظ و منتقل کرنا
نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ قرآنی اعجاز کا مظہر بھی ہے۔

بہر حال حضرت شاہؒ نے جب قرآن حکیم کو اپنے غور و فکر کا محور بنایا تو اس کی بدولت
ہندوستان میں یہ سنت حسنہ قائم ہوئی کہ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کو مستقل دینی مشغلہ کے طور پر
اپنانا قرآن حکیم کا لازمی حق ہے، چنانچہ آپ کے اس تفسیری ذوق کو آپ کے نامور صاحبزادگانِ
گرامی نے بھی خوب خوب نبھایا، آپ کے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" کے
تقریباً ۵۵ سال بعد آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۰ھ) نے موضح القرآن
کے نام سے ۱۲۰۵ھ میں بامحاورہ اردو ترجمہ لکھا جو قرآن کریم کا سب سے اولین اردو ترجمہ تھا،
ترجمہ کے ساتھ مختصر ضروری فوائد بھی رقم فرمائے تھے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ ہونے کے باوجود مدلول
قرآنی کے قریب تر ہے، مدلول قرآنی کو محاورہ زبان پر قربان کرنے کی خرابی سے مبرا ہے۔

دوسرا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۳ھ) نے کیا جو
تحت اللفظ ترجمہ تھا، یہاں ترجمہ کے لفظ کو قرآن کے لفظ کے قریب رکھنے کا اہتمام ملحوظ رہا تاکہ کم
استعداد والے لوگ لفظی ترجمہ بآسانی سمجھ سکیں، اسی دور میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث
دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۹ھ) نے ۱۲۰۸ھ میں فارسی زبان میں قرآن کریم کی مبسوط تفسیر لکھنا شروع کی
جو حقائق و معارف میں بلاشبہ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کے ہم پلہ تھی مگر وہ پوری نہ ہو سکی، اس کا کچھ
حصہ تفسیر عزیزی کے نام سے متداول ہے۔ الغرض ہندوستان میں ترجمہ و تفسیر کا سنگ بنیاد حضرت
شاہ صاحبؒ اور ان کے صاحبزادگانِ گرامی نے رکھا پھر یہ فکر حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منتقل ہوئی
اور انہوں نے مالٹا کی قید کے دوران تنہائی کے مراقبوں اور سوچوں کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا کہ امت کا

راہِ زوال سے واپس لانے کے لیے قرآن تعلیم کو اپنی تدریسی مہمات کا محور بنانے کی ضرورت ہے، اس فکر بالکرامت کے نتیجہ میں آپ نے دوران قید ہی قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر لکھنا شروع فرمایا، جو بعد میں آپ کے نامور شاگرد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تکمیل کے ساتھ متعارف و متداول ہوا۔ اسی طرح حضرت شیخ الہند کے ایک اور نامور شاگرد حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۳۲۵ھ میں بیان القرآن لکھی، جسے اردو تفاسیر میں وہی مقام حاصل ہے جو عربی تفاسیر میں تفسیر جلالین کو حاصل ہے، جو اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں ثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئی ہے۔ (ماخوذ از مقدمہ معارف القرآن حضرت کاندھلوی)

قرآن کریم کو مستقل جداگانہ امتیازی اہمیت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا رواج جب عام ہوا اور اہل علم واصحاب دانش نے حضرت شیخ الہند کی تشخیص کے مطابق امت کو راہِ زوال سے بام ترقی کی طرف لانے کے لیے قرآنی تعلیم، درسِ قرآن اور ترجمہ وتفسیر کی اہمیت کا جہاں ادراک کیا، وہاں اس اہم کام کی آڑ لے کر تجدد پسندوں کی ایک بڑی کھیپ نے قرآن کریم کو اپنے تجدد پسندانہ مغربی یا استشراقی افکار کی ترویج وتبلیغ کا ذریعہ بھی بنالیا، جس کے نتیجے میں اعتزال قدیم نئی تعبیر کے ساتھ فکری وبا بننا شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں حمید الدین فراہی کا مدرسۃ الاصلاح اور سرسید احمد خان کا مکتب فکر طاقت ور فکری وعلمی اور فلسفی فتنے کے طور پر رونما ہوئے جنہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے نام پر تاویل وتحریف کا فریضہ تا مرضیہ ادا کیا اور قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن سے ہم رنگ یا تابع محض ثابت کرنے کی خدمت انجام دی۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے بقول ان آزاد مفسروں کی ہمہ تن یہ کوشش رہی کہ لفظ عربی ہوں اور معنی مغربی ہوں اور یورپ کے ملحدین کے خیالات کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلایا جائے۔ یہ گروہ قرآن کریم کا مترجم اور مفسر نہیں بلکہ یورپ کے نفسیاتی تمدن کا مترجم ہے۔ حضرت کاندھلویؒ اپنی معارف القرآن کی تالیف کا مقصد بھی یہ بتاتے ہیں، اس فتنہ سے مسلمانوں کو بچایا جائے، آپ کی کوشش رہی ہے کہ مغربیت وعصریت کے نفسانی تقاضوں سے مرعوب ہوکر قرآن کریم کے مدلول اور مفہوم کو نہ بدلا جائے۔ نیز فراہی صاحب، خان صاحب اور اس ڈگر کے جدت پسند مغربی افکار کے علمبرداروں سے دفاع کے لیے علمائے دیوبند میں سے مولانا عبد الحق حقانی دہلویؒ (متوفی: ۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۷ء) نے اکابرِ دیوبند کی ہدایت پر ''فتح المنان فی تفسیر القرآن'' المعروف بہ ''تفسیر حقانی'' لکھی اور مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ نے ''تفسیرِ ماجدی''

میں مغرب زدہ لوگوں کے افکار کاسدہ اور تحریفاتِ باطلہ کی نشان دہی کو خاص ہدف بنایا، ان کے علاوہ خود دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۱۳۴۸ھ میں مجلس معارف القرآن (اکیڈمی قرآن عظیم) کے نام سے باقاعدہ مستقل شعبہ قائم کیا گیا تھا، جس کا مقصد قرآن حکیم کے معارف ومحاسن، اسرار وحکم اور احکام وآداب کو تعبیر کی جدت وسہولت کے ساتھ عام کرنا تھا، نیز عصری مسائل کو قرآن حکیم کی روشنی میں حل کرنا اور قرآن حکیم سے رہنمائی وروشنی حاصل کرنے کی ترغیب اور امنگ پیدا کرنا ہدف تھا۔

اس شعبہ کے لیے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی زیر نگرانی مختلف اکابر نے کام کیا، پھر اسی فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرزِ تعلیم سے وابستہ مدارس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی طرح باقاعدہ شیخ التفسیر کا ایک عہدہ مقرر تھا، دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ التفسیر کے طور پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا نام ملتا ہے، آپ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران فجر کے بعد دورہ میں درسِ قرآن دیتے تھے، درمیان میں کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے بعد دوبارہ ۱۹۳۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت قاری محمد طیب کی دعوت پر دوبارہ شیخ التفسیر کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے۔

ہمارے حضرت بنوریؒ ڈابھیل اور پھر ٹنڈوالہٰ یار میں ابتدائی طور پر شیخ التفسیر کے عہدے سے مصروفِ خدمت رہے تھے، حضرت بنوریؒ نے اپنی تالیف لطیف یتیمة البیان فی مقدمة مشکلات القرآن میں تفسیر کے بنیادی اصول وآداب کے علاوہ تفسیر کے جدید وقدیم مناہج میں سے مفید ومضر تفاسیر کی نشاندہی کے لیے کئی تفاسیر اور ان کے تفسیری اسلوب کا تعارف بھی کرایا ہے، بالخصوص ہندوستان کے مفسرین اور ان کی تفاسیر کا سیر حاصل تذکرہ فرمایا ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں قرآن حکیم کی تفسیری خدمت کی معیاری کوششوں کے علاوہ تحریفی کاوشیں بھی بمقدارِ وافر رہی ہیں۔ تفسیر کے نام پر تحریفِ قرآن کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے علمائے دیوبند نے جہاں تحریری وتقریری انداز میں قرآن حکیم کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کا فرض نبھایا، وہاں مستقل تدریسی مشغلہ اور ''دورۂ تفسیر'' کے نام سے بھی خدمات انجام دیں۔

متحدہ ہندوستان میں ولی اللٰہی انداز میں قرآن کریم کو اپنے تدبر واعتبار کا محور بنانے والوں میں ایک نامور ہستی مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی گزرے ہیں، جو اپنے تحریکی مشاغل اور ان

کے اثرات کے باوجود وہ اس کوشش میں سرخرو ہو کر گئے کہ قرآن کو مستقل طور پر دیگر علوم و معارف سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے۔ آپ کی یہ فکر آپ کے تفسیری ذوق اور فکری شعور کے ساتھ حضرت لاہوریؒ کے اس سوز و گداز سے درج ہوگئی جو سوز انہیں حضرت شیخ الہندؒ اور اکابر دیوبند سے منتقل ہوا تھا، چنانچہ حضرت امام لاہوریؒ نے تقریباً ۱۹۲۱ء میں لاہور میں دورۂ تفسیر کا باقاعدہ آغاز فرمایا، جس میں دیوبند اور دیگر مدارس کے فضلاء شریک ہوتے تھے۔ (پرانے چراغ، ندویؒ)

آپ کے تلامذہ نے آپ کے دورۂ تفسیر کی جو خصوصیات ضبط فرمائی ہیں، ان میں روایتی تفسیری انداز کی نمایاں خصوصیات، ربطِ سور، ربطِ رکوعات، ربطِ آیات، خلاصۂ مضامین، مضامین کے عناوین، اسبابِ نزول کی نشان دہی اور تذکیر کی مختلف جہات کے علاوہ خاص امتیازی بلکہ الہامی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے قرآن کریم کو ایک نظری کتاب سے زیادہ عملی دستورِ حیات کے طور پر سمجھانے کی تحلیلی انداز میں کوشش فرمائی تھی، جس کا حاصل یوں بنتا ہے کہ قرآن کریم ایک مسلمان کی عملی زندگی کا تین جہات سے احاطہ کرتا ہے: انفرادی زندگی، عائلی زندگی اور تمدنی زندگی جس کی تعبیر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم سے یوں مستعار لی گئی ہے: تہذیب الاخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدنیہ، تہذیب الاخلاق کے زیرِ عنوان خالق و مخلوق کے باہمی تعلق اور اس کے لوازم سے بحث ہوتی ہے، تدبیرِ منزل کے تحت ان احکام و آداب کی نشان دہی کی جاتی ہے، جو مسلمان کے گھر اور اس کے متعلقات یعنی اقارب یا اجانب میں سے اہل دیوان، اہل محلہ یا قریبی سوسائٹی سے متعلق ہوں، ایسے مباحث کو اجاگر کرنا تدبیرِ منزل کا معنون ٹھہرتا ہے۔

مسلمان انفرادی زندگی سنوار کر جب عائلی زندگی اور سماجی زندگی میں مثبت قدم رکھتا ہے تو اس کی اگلی منزل ریاستی ہے، جسے انسان کے سماجی عروج کی آخری منزل بھی کہتے ہیں، اس مرحلے کے لیے قرآنی تعلیمات کی نشاندہی ''سیاستِ مدنیہ'' کے زیرِ عنوان کی جاتی ہے، اس میں قوم و ملت کی ریاستی زندگی کے طور طریقے بتائے جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد حضرت شاہؒ کے ہاں قرآنی علوم کی خماسی تقسیم یعنی علم الأحکام، علم المخاصمة، علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ اور علم التذکیر بالموت وما بعد الموت' کا استعمال و استفادہ بھی حضرت لاہوریؒ کے درس اور درسی افادات میں مناسب انداز سے جھلکتا ہے۔

بہرکیف! قرآن حکیم کو جب اس تطبیقی، ترکیزی، تحلیلی اور استنباطی انداز سے پڑھا اور پڑھایا جائے تو یقیناً یہ انداز قرآن کریم کی جامعیت اور عالمگیر افادیت کا عملی ثبوت ہوگا۔ درسِ

قرآن کریم کی یہ خصوصیت دیگر شیوخ تفسیر کے دورہائے تفسیر میں شاید دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ اس لیے یہ بڑی ہی غنیمت ہوگی کہ حضرت لاہوریؒ کے تفسیری افادات کو اس انداز سے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ خدمت اُمتِ مسلمہ کے لیے بالعموم اور علماء وطلباء دین کے لیے بالخصوص تعلیمی و تدریسی میدان میں عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور قرآن کریم کے دروس کے نام پر بعض فرسودہ عنادی طرزِ تفسیر اور عامیانہ تجدد پسندی کی لغویانہ حرکتوں سے نجات بھی مل جائے گی (ان شاء اللہ)۔

ہمیں یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی اور ہم اس خوشی میں دیگر علماء وطلباء کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ کے دورۂ تفسیر سے مستفید ہونے والوں میں سے آپ کے ایک نامور شاگرد، پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ عملی مشاغل اور سیاسی ہنگامہ آرائی کی زد میں رہنے کے باوصف، علمی دنیا کے بلند مقام سے نواز رکھا ہے، جسے محض حق تعالیٰ شانہٗ کا فضل اور مولانا موصوف کے عظیم، باکرامت ولی، پدرِ مکرم مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کی زندہ کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ہمارے بزرگ وشیخ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دیدمجدہم کے نام ایک تفصیلی خط بھیجا، جس کے ہمراہ حضرت لاہوریؒ کے تفسیری افادات کے مسودے کا ابتدائی نمونہ بھی شرفِ نظر ہوا، اس مراسلت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم نے ۱۹۵۸ء میں حضرت لاہوریؒ سے دورۂ تفسیر پڑھا تھا، دورانِ درس آپ کے تفسیری افادات کو جمع بھی فرماتے رہے جو ایک مسودہ کی شکل میں محفوظ ہوگئے تھے، اس مجموعہ کو مرتب و مدون کرنے کا دیرینہ داعیہ، جب روبعمل ہونے لگا، تو اس مجموعہ کے سن تسوید سے دو چار سال قبل اور دو چار سال بعد کی امالی سے استفادہ بھی کیا گیا اور حسب ضرورت حضرت لاہوریؒ کے مطبوعہ علمی افادات سے رہنمائی بھی لی گئی۔

اس طرح یہ مجموعہ بحمداللہ تیار ہو چکا ہے، توقع ظاہر کی گئی ہے کہ محنتِ شاقہ کا یہ ثمرہ تقریباً پندرہ جلدوں میں منظر عام پر آئے گا، جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے الہامی ولدنی افادات سے آراستہ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے الاعتبار والتاویل سے معمور ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس معتمد ومستند طریق سے جب ہمیں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سندھیؒ کے افادات وافکار پڑھنے کو ملیں گے تو ان بزرگوں کے نام پر فکر ولی اللّٰہی جیسے نیم جان فتنوں کی دروغ بافتگی کے تار وپود اُدھڑ جائیں گے (ان شاء اللہ) وھو الموفق لکل خیر ومبشر لکل عسیر۔

حضرت لاہوریؒ کے ترجمہ ''قرآن عزیز'' اور ''درس قرآن'' کے متعلق اکابرین ومشاہیر کی بطور تبرک تقریظات وتاثرات

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ''قرآن عزیز'' کے عنوان سے قرآن مجید کا انتہائی سلیس اور آسان ترجمہ کیا ہے اور ''تفسیر لاہوری'' میں ہم نے ''قرآن عزیز'' کے اس ترجمے کومن وعن شامل کیا ہے چونکہ سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط اور دورکوعات کے درمیان مناسبت اور تعلق، سورت کا خلاصہ اور رکوع کا خلاصہ ایک جدید چیز تھی اور یہ طرز وطریقہ اکثر تفاسیر میں نہیں پایا جاتا، اس وجہ سے حضرت لاہوریؒ نے اس مترجم قرآن مجید کا مسودہ استاذ العلماء مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) اسوۃ الفقہاء حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (صدر جمعیت علماء ہند)، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ (دارالمصنفین اعظم گڑھ)، حضرت مولانا سلطان محمودؒ (مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی) اور دیگر بزرگوں کی خدمت میں پیش کی اور حضرت لاہوریؒ نے ان سے عرض کیا کہ اس مسودہ کا معائنہ فرمائیں۔ ان بزرگوں نے ''قرآن عزیز'' کو پسند فرمایا اور اس پر تقریظات لکھیں، اس کے علاوہ بھی حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن اور قرآنی خدمات کے حوالے سے اس زمانے کے اہل علم نے اپنے تاثرات قلمبند کئے جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ، حضرت مولانا خالد محمودؒ، ڈاکٹر سید عبداللہؒ قابل ذکر ہیں۔

تقریظ

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

سب سے عظیم الشان معجزہ جناب سرور کائنات حضرت خاتم الانبیاء سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا اور سب سے بڑا انعام اپنے بندوں پر حضرت رب العالمین جل وعلیٰ شانہٗ کا یہ قرآن عظیم الشان ہے جو کہ تمام کتب اور صحف سابقہ کا مہیمن اور جملہ انبیاء و رسل کے علوم کا جامع ہے جس شخص کو اس میں سے کوئی بھی حصہ ملا وہ اس کے لئے حظ وافر اور انتہائی خوش قسمتی کا سامان ہے اور کیوں کر نہ ہو یہی تو وہ حبلِ متین ہے جو کہ خلق اور خالق کے مابین بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا کا کام دیتی ہے اور یہی تو وہ بحرِ ذخّار حقیقی ہے جس کے بیش بہا موتی حسب ارشاد لا تنقضی عجائبہ ختم ہونے پر نہیں آتے ہر چند کہ متقدمین اصحاب معارف و یقین نے اپنی آخری قوت تک اس کی خدمات میں صرف کر دیں مگر متاخرین نے آکر دکھلا دیا کہ لاکھوں درر گراں مایہ اس بحر ناپیدا کنار کے قعر میں پھیلے ہوئے اب تک موجود ہیں جن پر کسی غواص کے ہاتھوں کا گزر تک نہیں و لنعم ما قیل کم ترك للآخر: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان:۲۷)

ہزار ہزار تبریک کے مستحق لوگ ہیں جو اپنی عمر گراں مایہ کو اس کی خدمت میں صرف کرنے میں دریغ نہیں فرماتے اور ہزار ہزار ملامت کے مستحق وہ اشخاص ہیں جو اپنی گردنیں اس کتاب عزیز لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم سجدہ:۴۲) کے سامنے جھکاتے ہیں اور نہ اس میں غور و خوض کرتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ و اسعدہ علی قلل المرادات المرضیہ ووقاہ کو عنایات ازلیہ کی نظر انتخاب نے ازل ہی سے چن کر اس عظیم الشان امر کیلئے مسبوق بالحسنٰی قرار دے دیا تھا جن کی

جد و جہد اور جان فشانیاں بفضلہٖ تعالیٰ عرصہ دراز سے اس چمنستان میں بار آور ہو رہی ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدة: ٥٤)

میں نے مولانا موصوف کی یہ تحریر درباہ ربطِ آیاتِ قرآنیہ وایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی بحمد اللہ نہایت مفید اور کار آمد تحریر پائی دلچسپ صحیح و ضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو بہت زیادہ آسانی کے ساتھ درر گراں مایہ ہاتھ آسکیں گے میری نظر سے کوئی مضمون ایسا نہیں گزرا جو کہ مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف ہو یا اس پر کوئی گرفت ہو سکے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ اگر لوگ اس عجیب وغریب تحریر کو غور و خوض کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے تو کتاب اللہ کے سمجھنے کا بہت بڑا فرض ادا کریں گے۔

آخر میں مولانا موصوف کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دارین میں ان کو سرخرو اور کامیاب فرمائے اور اپنی لقاء اور رضوان کے اعلیٰ درجات سے ان کو مالا مال کرے آمین

واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد والہٖ وصحبہٖ وسلّم

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

خادم العلم بدار العلوم دیوبند

تحریر ۱۴ر جمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

الحمد للّٰہ وکفٰی والصلاۃ والسلام علٰی عبادہ الذین صطفٰی اما بعد!

قرآن مجید وحکیم کا اعجاز مفردات وترکیب اور مقاصد وحقائق کی جملہ وجوہ سے ہے مفردات میں قرآن مجید وہ کلمہ اختیار کرتا ہے جس سے اوفی بالحقیقۃ واوفی بالتمام ثقلین نہیں لا سکتے مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر توفی کا اطلاق درست نہ تھا کیوں کہ انکے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے روح توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہیں ہو سکتی قرآن مجید نے موت پر توفی کے لفظ کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض، اس حقیقت کو ایک کلمہ سے کشف کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا، ترکیب وترتیب جیسے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ (الانعام: ۱۰۰) ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی وجعلو الجن شرکآء اللّٰہ لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون 'جن' پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا یا لینا ہے جیسا علمائے کرام نے اسمائے حسنی کے شروع میں لکھا ہے مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہیے جن سے مبدأ ومعاش ومعاد اور فلاح ونجاح دنیا وآخرت وابستہ ہو حقائق سے میری مراد وہ امور غامضہ ہیں جن سے عقول وافکار قاصر رہے اور تجاذب جوانب اور نزاع عقلاً باقی رہا جیسے مسئلہ خلق افعال عباد کہ عبد ربط اپنے فعل سے کیا اور کیسے کیا اور اسی فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے قرآن مجید اس مقام میں ایسی تعبیر اختیار فرمائے گا کہ جس سے اوفی بالحقیقت طوق بشر سے خارج ہو، قرآن حکیم کی لاکھوں تفسیریں لکھی گئیں اور ہر طرح اور ہر ہی پہلو سے خدمت کی گئی......

وعلی تفنن واصفیه بوصفه

یفنی الزمان وفیه ما لم یوصف

لا تفنی عجائبه اب چونکہ زمانہ کا اور دور ہے اور تقریر و تحریر کا نیا طریقہ مقاصد قرآن حکیم کی خدمت مناسب ضرورت وقت شروع ہوئی جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری مدظلہ کی خدمت ظہور میں آئی جو عاجز نے متفرق دیکھی یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ماضی و مستقبل میں اس کی نظیر ناممکن ہے مگر یہ کہنا بیجا نہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی خدمت جناب ممدوح سے لی اور اب ان شاء اللہ العزیز عوام وخواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کر سکیں گے اور ترجمہ پڑھانے والے حضرات بہت سی مشکلات سے رہا ہو جائیں گے، میرے نزدیک خدمت قرآن کریم کا یہ ایک نیا دور ہوگا اور ربطِ آیات و مقاصدِ رکوعات کا ایک نیا باب۔ حق تعالیٰ جناب موصوف کے صحیفۂ اعمال میں اس ذخیرۂ حسنہ کو ودیعت رکھے اور اہل اسلام کو پڑھنے پڑھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

احقر

محمد انور کشمیری عفی عنہ،

۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

(صدر جمعیۃ العلماء ہند)

الحمد للہ و کفٰی والصلاۃ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

قرآن حکیم کی خدمت خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو مسلمان کے لئے سعادت اور ذخیرہ آخرت ہے بالخصوص جب کہ وہ خدمت امت مرحومہ کو قرآنی معارف سے روشناس کرانے والی اور قلوب میں فہم قرآن کی رغبت پیدا کرنے والی ہو حضرت فاضل علامہ احمد علی صاحب نے جس صورت سے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے یہ ان شاء اللہ تعالٰی مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہوگی اور ان کے قلوب میں قرآن مجید کی تلاوت کی رغبت اور مضامین قرآنیہ پر غور کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا قوی ترین وسیلہ ثابت ہوگی، میں نے اس کو جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا اور اس طرز کو مفید اور سہل اور اقرب الی الفہم پایا، میری نظر میں کوئی بات مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں آئی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی مخلصانہ خدمت کو قبول فرما کر مسلمانوں کو مستفید و بہرہ مند کرے۔ (آمین)

والحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علٰی رسولہ محمد والہ وصحبہ اجمعین ـ

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

۲۱ محرم ۱۳۵۰ھ نیو سنٹرل جیل ملتان

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ

(دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا)

مسلمانوں کی سعادت کا اصلی سرمایہ قرآن پاک ہے مسلمان جب تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہے ان کی دینی و دنیاوی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا لیکن ایک مدت کے بعد زمانہ کے مُرور زبان کی اجنبیت اور رسمی کتابوں کی کثرت اور رسوم و رواج کی پابندیوں نے اس سرمایہ سے پوری طرح فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا یہ دیکھ کر علمائے حق نے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور اس کی تفسیریں لکھیں یہ ترجمے تفسیروں کے ضمن میں ہوتے تھے اس قسم کی سب سے پہلی کوشش کا سراغ چوتھی صدی ہجری میں بخارا کے سامانی سلاطین کے عہد میں ملتا ہے ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ میں امام زاہدی کی فارسی تفسیر کے ترجمے نے سب سے زیادہ ہر دل عزیزی حاصل کی اس کے قلمی نسخے اب بھی ملتے ہیں نویں صدی ہجری میں ملاّ حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی نے سب سے زیادہ اہمیت حاصل کی اور بہت کثرت سے اسلام کے مشرقی ملکوں میں اس کا رواج ہوا اور اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخے گھر گھر پھیل گئے۔

عین اس وقت جب ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی قوت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا حکمتِ الٰہی نے اس غرض سے کہ اس آفتاب کے غروب سے مسلمانوں کے قلوب میں تاریکی نہ پھیلنے پائے ایک اور آفتاب نکالا جس نے اس وقت سے لے کر آج تک اس ملک کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھا ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور ان کے اخلاف شاہ صاحب نے عوام کے لئے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا اور خواص کے لئے قرآن پاک کے علوم پر متعدد رسائل لکھے شاہ صاحب کے بعد ان کے صاحب زادوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اردو میں قرآن پاک کی تفسیر موضح القرآن لکھی اور اردو میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ کیا جو اپنی گوناگوں صفات کی بنا پر آج تک بے مثال ہے، شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اور حواشی کی اصلی خوبی کا اصلی اندازہ وہی لگا

سکتا ہے جس نے خود قرآن پاک کے سمجھنے کی تھوڑی سی کوشش کی ہو، شاہ صاحب کے حواشی موضح القرآن اپنے اختصار کے باوجود فہم مطالب میں بے حد معین ہے اور ان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو فہم قرآن کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے بخشا تھا۔

قرآن پاک کے علوم میں سب سے زیادہ قیمتی اور نازک علم آیات اور سورتوں کے باہم ربط و تعلق کا ہے امام رازیؒ اور بقاعیؒ نے اس پر بہت کچھ محنت کی ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس پر کافی غور خوض کیا ہے ہمارے زمانہ میں مولانا حمید الدین صاحب فراہی (صاحب نظام القرآن) اور مولانا عبید اللہ صاحب سندھی خاص ذکر کے قابل ہیں دونوں مدت تک اتحاد مذاق کے باعث کراچی میں باہم ملتے جلتے رہتے تھے مولانا عبید اللہ صاحب کے درس نے متعدد باکمال پیدا کیے جن میں سب سے پہلی جگہ مولانا احمد علی صاحب (امیر انجمن خدام الدین) کو حاصل ہے موصوف نے اس درس میں جو کچھ پایا اس کو وقف عام فرمایا۔

انجمن خدام الدین کے مخلص و باہمت ارکان شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے قرآن پاک کی طباعت واشاعت کا سامان کیا جس میں یہ متفرق فیوض و برکات یکجا کر دیئے گئے ہیں قرآن پاک کے اس نسخہ میں ترجمہ حضرت مولانا احمد علیؒ کا اور ساتھ ہی حضرت موصوف نے قرآن پاک کے آیات کے ربط و تسلسل کی پابندی کے ساتھ جو حواشی لکھے تھے اور جو مستند علمائے عصر کی نگاہوں سے بار بار گزر چکے تھے ان کا اضافہ کیا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر کے حواشی پر جس نے دقت کی نظر ڈالی ہے اس کو معلوم ہے کہ انہوں نے آیات کے ربط و تسلسل کا خاص خیال رکھا لیکن افسوس ہے کہ ان کے یہ حواشی بہت مختصر تھے اور پورے قرآن پر بالتزام جن میں ربط و تسلسل کے رموز واسرار منکشف ہوجاتے ہیں اور مختصر لفظوں میں آیات کے وہ حقیقت پرور مطالب سامنے آجاتے ہیں جن سے تفسیر کی بڑی بڑی کتابیں خالی ہیں ان حواشی کی خاص خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں مسلمانوں کی موجودہ بیماریوں کے علاج کی طرف خاص طور سے اشارے کئے گئے ہیں اور ان کے قوائے عمل کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محشی کو جزائے خیر دے اور مسلمانوں کو اس ترجمہ اور حواشی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔

والسلام

کتبه المستعین باللہ القوی

سلیمان الندوی، ۱۱ شوال ۱۳۵۳ھ

تاثرات

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

میری زندگی میں وہ بڑا مبارک اور بڑی سعید گھڑی تھی، جب مولانا احمد علی لاہوریؒ (امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور) سے نیاز حاصل ہوا اگر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا، خدا شناسی اور خدارسی، راہ یابی اور راست روئی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق خدا کے نام کی حلاوت و مردان خدا کی محبت اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور ہم عامیوں کے لئے یہی بہت بڑی دولت اور نعمت ہے بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے، وحشت کلکتوی نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنی شعر میں کی ہے.....

نشان منزل جاناں ملے نہ ملے　　　مزے کی چیز ہے یہ ذوق جستجو مرا

مولانا احمد علی لاہوریؒ کا نام سب سے پہلے خواجہ عبدالحی فاروقی سے سنا، خواجہ صاحب میرے بھائی مرحوم کے دیوبند کے ہم سبق تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ہندوستان میں دو مایہ ناز شاگرد تھے اور ان کے طرز تعلیم اور مسلک تفسیر کے حامل و امین تھے اور اس میں ان کے صحیح جانشین مولانا احمد علی لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحیؒ فاروقیؒ تھے اور اس میں سب سے زیادہ کامیاب، وفادار اور جاں نثار شاگرد یہی دو (مولانا احمد علی لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحیؒ فاروقیؒ) تھے، اول الذکر نے لاہور میں بیٹھ کر تقریباً نصف صدی اس کی اشاعت کی، مدارس عربیہ کے فضلاء کی بدولت جن کیلئے انہوں نے صرف ڈھائی تین ماہ کا نصاب بنایا تھا اور جو ان مدارس کی تعطیل کے زمانہ میں ان سے استفادہ کے لئے آئے تھے، یہ درس قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا، یہ درحقیقت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تقویٰ اور روحانیت اور اخلاق و ایثار کی برکت تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درس قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا انہی کے سر ہے، دوسرے شاگرد رشید خواجہ عبدالحیؒ فاروقیؒ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ (جو پہلے علی گڑھ میں تھا پھر دہلی منتقل ہوا) کو اپنی کوششوں کا مرکز بنایا، ان کے درس سے کم لیکن ان کی تفسیری تصنیفات سے اس کا علمی حلقہ میں زیادہ تعارف ہوا، خواجہ صاحب مولانا احمد علی لاہوریؒ کا نام بڑے احترام سے لیتے، ان کے درس اور مجالس میں ان کا تذکرہ آنا غیر متوقع بات نہ تھی، اس لئے

جہاں تک قیاس کام کرتا ہے مولانا کا سب سے پہلے نام اہمیت کے ساتھ انہی سے سنا۔

مولانا کے درس کے تین اہم بڑے مرکزی مضمون تھے، پہلا عقیدہ توحید کی وضاحت جو ہر قسم کے مشرکانہ اثرات و رسوم سے پاک تھی اور جس میں ان کا طرز مولانا اسماعیل شہیدؒ سے بہت ملتا جلتا تھا، نیز انہیں کے ایک دوسرے نامور معاصر اور بزرگ مولانا حسین علی الوانیؒ کے طرز تفسیر اور انداز تبلیغ سے بہت ملتا جلتا تھا، یہ چونکہ خود اپنے خاندانی مسلک کی ترجمانی اور تائید تھی، اس لئے ان کے دل نے اس کا خوب ذائقہ لیا اور دماغ نے اس کو پورے طور پر قبول کیا۔

دوسرا مرکزی مضمون اہل اللہ کے مؤثر اور دلآویز واقعات بالخصوص اپنے سلسلہ کے مشائخ کا دل پذیر بکثرت تذکرہ، مولانا اپنے سلسلہ کے مشائخ کی محبت میں بالکل سرشار تھے اور جیسا کہ محبت کا قاعدہ ہے، وہ ان کے تذکرہ کیلئے کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر لیتے تھے، وہ جس وقت ان کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ میں پانی بھر آیا ہے اور وہ کسی نہایت شیریں اور محبوب چیز کا مزہ لے لے کر ذکر کر رہے ہیں، ان کے دو روحانی مربی و شیخ تھے، مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ اور خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اور جس وقت ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہر بن مو سے تشکر و امتنان اور محبت و عقیدت کا چشمہ ابل رہا ہے اور کسی نے ان کے دل کا ساز چھیڑ دیا ہے، سامعین کے دل ان تذکروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ قدرتاً یہ عقیدت و محبت ان کے دل سے سننے والوں کو منتقل ہوتی تھی اور بجلی کے کرنٹ کی طرح دوسروں کے جسم و جان میں بھی دوڑ جاتی تھی۔

تیسرا مرکزی مضمون جذبۂ جہاد، بغض فی اللہ اور انگریزوں سے شدید دشمنی اور نفرت کا مضمون تھا، جو بار بار درس میں آتا تھا اور خود قرآن مجید کی آیات ان کی رہبری کرتی تھیں، میرا نشو و نما اس وقت تک علمی و ادبی فضا اور ندوہ کے ماحول میں ہوا تھا، خاندان میں بھی انقلاب زمانہ اور انگریزی تعلیم کے اثر سے یہ تذکرے بہت کم رہ گئے تھے، حقیقتاً مولانا ہی کے درس سے اس نئی دنیا سے آشنائی پیدا ہوئی اور معلوم ہوا کہ علم و مطالعہ، فکر و نظر اور ادب و شعر کے علاوہ کچھ مقاصد و حقائق اور کچھ لذتیں اور ذائقے ہیں اور انسانوں کی کوئی قسم ایسی بھی ہے جس کیلئے دین صرف خبر نہیں بلکہ نظر، یا دریافت نہیں یافت کا معاملہ ہے۔

سر دیں مارا خبر او را نظر او درون خانہ ما بیرون در

''دین کے راز ہمارے لئے خبر اور مرد حُر کے لئے نظر کی حیثیت رکھتے ہیں، گویا وہ گھر کے اندر ہیں اور ہم دروازے سے باہر ہیں''

تاثرات

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ

حضرت لاہوریؒ کا قرآن مجید کے ساتھ عشق وجذب اور شوق وشغف بھی قابل رشک تھا، آپ نے ساری زندگی قرآن کی اشاعت واذاعت اور ابلاغ وتبلیغ میں گزاری اور منصب انذار وتبشیر کو پوری ثقاہت ووجاہت سے نبھایا۔ بندہ ہیچمداں جب قطب زمان، مفسر قرآن مولانا حسین علیؒ سے دورہ تفسیر اور حدیث شریف کی چند کتابیں پڑھ کر رئیس المحدثین مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے استفادہ کی غرض سے عازم ڈابھیل ہوئے تو حضرت لاہوریؒ کی زیارت وملاقات کا شرف بھی نصیب ہوا، وہاں میں نے شیخ التفسیرؒ کے معمولات کا عجیب وغریب روح پرور منظر دیکھا، حضرتؒ کے ہاں دورہ تفسیر شروع تھی، طلبائے کرام کا جم غفیر کی مسجد تنگ دامنی کی شکایت کر رہا تھا، بندہ نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور حلقہ درس میں شریک ہو کر خوشہ چینی کی سعادت وشرف حاصل ہوا، سورۃ لقمان کا درس سنا تو یہ استفسار بھی کیا کہ حضرت! وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ سے ماقبل ومابعد حضرت لقمانؑ کا بیان ہے لہٰذا اس آیت کا ماقبل ومابعد سے کیا ربط ہے؟ جس کا شیخ التفسیرؒ نے بہت دلنشین جواب دیا تھا، حضرتؒ نے قرآن کا جو با محاورہ سلیس ترجمہ فرمایا یہ اپنی مثال آپ ہے، ترجمہ کے اندر ہی کئی اشکالات کو رفع فرما دیئے ہیں، یہ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی کی روشن دلیل ہے اور اس قابل ہے کہ سکولوں اور کالجوں کے اندر اس کو نصاب میں شامل کیا جائے لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میرے شیخ مولانا حسین علیؒ کو حضرت لاہوریؒ سے فریفتگی وشیفتگی کی حد تک محبت تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت لاہوریؒ کے دورہ تفسیر سے فارغ ہو کر جو طلباء حضرت شیخ کی خدمت میں آتے تھے تو حضرت شیخ گھنٹوں کے گھنٹے حضرت لاہوریؒ کے حالات وواقعات اور درس وتدریس کے مشاغل ومعمولات کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے تھے، اسی طرح ایک دن یہ تذکرہ خیر جو چھڑا، آدھی رات بیت گئی لیکن یہ ایمان افزا تذکرہ جاری رہا، حضرت لاہوریؒ کو بھی حضرت شیخ سے والہانہ محبت وعقیدت اور ارادت تھی۔ یہ بات بلا شک وارتیاب کہی جا سکتی ہے کہ حضرت لاہوریؒ وقت کے ایک مفسر، محدث، فقیہ، مجاہد اور عارف کامل تھے، انکی شخصیت پر اسلاف واخلاف، اکابر، واصاغر سب کو ناز ہے، وہ اپنے اسلاف کی روایات کے حامل وامین تھے۔

تقریظ

حضرت مولانا سلطان محمودؒ

(مدرس مدرسہ فتح پوری)

جس روز سے قرآن حکیم کا نزول دنیا میں ہوا ہے اسی وقت سے علمائے امت مرحومہ التحیات والتسلیمات نے اس خدمت کو ذریعہ نجات سمجھ کر اپنا نصب العین قرار دے رکھا ہے اور ہر زمانے میں حسب استطاعت اس کی خدمت کرتے رہے ہیں چنانچہ جس قدر تراجم وتفاسیر وجود میں آئی ہیں وہ اس قدر ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے دیکھنے میں اپنی تمام عمر صرف کر دے تو بھی ان سب کو نہیں دیکھ سکتا مگر باوجود اس قدر کثرت تراجم وتفاسیر کے چند اشیاء کی کمی باقی تھی جس وجہ سے بہت طبائع کو قرآن مجید سن کر اطمینان وسیری حاصل نہیں ہوتی تھی اور قرآن شریف کی امتیازی شان نمایاں نہیں ہوئی تھی اور اس قدر تراجم وتفاسیر دیکھنے کے باوجود ہر شخص اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا کہ اسلام کی ترقی وتنزّلی کے ذرائع واسباب کیا ہیں اور وہ کون سے اصول وقوانین تھے جن کی پابندی سے مسلمانوں کا عروج آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا مگر خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کی اس نے اپنی رحمت خاصہ سے اس کمی کے دور ہونے کا منظر بھی دکھایا اور اس خدمت سراپا سعادت کا قرعہ ازلی علاّمہ وقت مولانا احمد علی صاحب کے اسم گرامی پر واقع ہوا تھا لہٰذا یہ خدمت ان کی ذات بابرکت سے ظہور میں آئی میں نے علاّمہ موصوف کی اس تفسیر کو اوّل سے آخر تک نہایت غور سے دیکھا ہے اور دیکھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے:

(۱) اوّل سے آخر تک کوئی بات ایسی نہیں پائی جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہو۔

(۲) ربطِ آیات اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کی نظیر زمانہ ماضیہ میں معدوم الوجود ہے۔

(۳) مطالب و مضامین قرآن حکیم کی تشریح میں خیر الکلام ما قلّ و دلّ کے مطابق اختصار بھی ہے اور باوجود اختصار کے پیرایہ بیان نہایت سہل و سلیس ہے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

(۴) اصولِ اسلام و ترقی و تنزّل کے اسباب اس خوبی سے واضح کیے ہیں کہ کوئی الجھن باقی نہیں چھوڑی، قرآن شریف کی ایک امتیازی شان پیدا کر دی ہے، پڑھنے والی کی طبیعت کو کامل سیری حاصل ہو جاتی ہے نزول قرآن مجید کی جو اصلی غرض تھی کہ اہل اسلام کو ایک مکمل دستور العمل دیا جائے اس کی بے مثل تشریح ہے۔

(۵) جو حضرات فرض تبلیغ کو اپنے ذمہ لئے ہوئے ہیں ان کیلئے بے نظیر سرمایہ ہے

(۶) زمانہ موجودہ کے لحاظ سے ہر طبقہ کو مفید خصوصاً نئی روشنی کے دلدادہ حضرات کو از حد مفید و مرغوب الطبع واقع ہو گی۔

الحاصل جو کمی باقی تھی وہ بحمد للہ کامل طور پر رفع ہو گئی ہے اور یہ رحمت الٰہیہ کا ایک نیا دور ہے جو عنقریب ان شاء اللہ العزیز دنیا میں ایک نیا رنگ لائے گا، علاّمہ موصوف کی یہ خدمت نجاتِ اخروی کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے، اب میں دعا کرتا ہوں کی خداوند تعالیٰ انکی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اہل اسلام کے قلوب میں اس کی مقبولیت کا بیج بودے۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِ العالمین

خادم العلماء سلطان محمود غزنوی غفرلہٗ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی،

رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

تاثرات

محقق العصر ڈاکٹر مولانا علامہ خالد محمودؒ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی اپنی ذات میں ایک شخصیت نہیں ایک ادارہ تھے، ایک واقعہ نہیں ایک تاریخ تھے، خدمت دین میں ایک صاحب طرز اور بے عمل صحرا میں ایک بے لوث اسلامی آواز تھے، آپ گرد وپیش سے متاثر نہیں گرد وپیش کو اثر دینے والے تھے، مریدوں کی دولت کا مرکز نہیں خود بے نواؤں کی خبر لینے والے تھے، آپ کی دعوت قرآن پاک کی پکار اور آپ کی ہمت ایک مجاہد انہ للکار تھی، آپ میں نظر وفکر، علم وعمل، تقویٰ وذکر اور ہمت وسیاست کے گراں قدر جوہر یک قالب جمع تھے، فضائل اخلاق کے یہ موتی علیحدہ علیحدہ تو کئی جگہ دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کا شیرازہ ایک شخصیت سے بندھا ہوا کہیں کہیں نظر آتا ہے۔

ہندوستان میں پہلا ترجمہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فارسی میں کیا تھا، آپ کے بعد آپ کے بیٹوں شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن کریم کے لفظی اور بامحاورہ اردو ترجمے کئے، یہ تراجم وقت کے بولتی شہادت تھے کہ اس وقت غیر عربی دان لوگوں کو بھی قرآن پاک کے گرد جمع کرنا ضروری ہو گیا تھا، شاہ ولی اللہؒ کی اسی فکر کے ترجمان مولانا عبیداللہ سندھیؒ تھے، آپ کو قرآن پاک سے عشق تھا، مولانا سندھیؒ قرآن کریم کو کتاب انقلاب سمجھتے تھے حضرت شیخ الہند نے آپ میں قرآن فہمی کا عجیب ذوق پیدا کر دیا تھا، قرآن کریم کی سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد اپنے جن طلبہ کو یاد کرائے، ان میں مولانا احمد علی لاہوریؒ سرفہرست تھے، آپ نے اپنے حلقہ اثر میں یہ ذہن پیدا کیا کہ فقہ وحدیث کی جملہ تعلیمات سب قرآن پاک کے گرد ہی گردش کرتی ہیں اور سب اسی اجمال کی تفصیل ہیں، جدید تعلیم یافتہ مسلمان اور ان کی نئی نسلیں قرآن پاک کے آگے کسی قسم کی لب کشائی نہ کر سکتے تھے، نہ کوئی مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے اس مرکز علم سے کنارہ کر سکتا تھا، حالات کا تقاضا تھا کہ مسلمان

کو قرآن کریم کے گرد جمع کیا جائے اسی قرآن دعوت کو لے کر مولانا احمد علیؒ لاہور آئے اور پھر لاہوری ہی ہو کر رہ گئے آپ کی زندگی کا محور یہی کتاب انقلاب تھی۔

قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر کے ساتھ آپ قرآن پاک کے اعتبار وتاویل سے بھی خوب واقف تھے، ان مضامین پر آپ کی گہری نظر تھی، قرآنی دعوت میں عصر حاضر کے مصداق تلاش کرنے میں آپ کو بڑی مہارت تھی، آپ انہیں تفسیر کے نام سے نہیں الاعتبار والتاویل کے عنوان سے ذکر کرتے تھے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن پاک کا ایک مختصر اور جامع حاشیہ تحریر فرمایا آپ نے اس میں سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد نہایت ایجاز اور سادہ زبان میں ترتیب دیئے جہاں جہاں مضمون ایک موضوع پر جمع دکھائی دیئے ان کی موضوع اور مفصل فہرست آپ نے حاشیہ قرآن سے بطور مقدمہ شامل فرمائی، عصری تقاضا تھا کہ اختلاف سے ہر ممکن پرہیز کی جائے، اس نے اس لئے آپ نے ترجمہ قرآن پر ہر مسلک کے علماء کی تائید حاصل کی، آپ کی پوری کوشش تھی کہ قرآن پاک کا ایک مجموعی حاصل قوم کے سامنے رکھ سکیں، آپ جب یہ سارے مسودے تیار کر چکے تو انہیں لے کر دیوبند پہنچے، دیوبند میں ان دنوں محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا دور دورہ تھا، آپ نے یہ سب مسودات ان حضرات کے سامنے رکھ دیئے اور بتایا کہ انہوں نے یہ قرآنی محنت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں سرانجام دی ہے، مولانا سندھیؒ پر یہ چونکہ سیاسی افکار غالب تھے، اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ خالص دینی نقطہ نظر سے بھی اس قرآنی خدمت کا جائزہ لیا جائے، اگر اکابر دیوبند اس کی تصدیق فرما دیں تو وہ اسے شائع کر دیں گے، وگرنہ وہ یہ مسودات یہیں چھوڑ جائیں گے پھر ان کی انہیں کوئی حاجت نہ ہوگی، اکابر نے ان کی تصدیق کی اور حضرت شیخ التفسیر مرکز دیوبند سے تصدیق لے کر لاہور واپس ہوئے اس ترجمے اور تحشیے کی اشاعت کی اور نہ صرف اشاعت کی بلکہ درس وتدریس میں بھی قرآن کریم کا ذوق ہزاروں مسلمانوں کے دل ودماغ میں اتار دیا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کے ساتھ تقویٰ وتواضع سے بھی خوب مالا مال کیا تھا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو روزانہ درس قرآن سے عجیب شغف تھا، آپ کی تمنا تھی کہ جس دن میری وفات ہو اس دن کا درس قرآن بھی میں نے دیا ہو، آپ کا انداز بیان بہت سادہ سلیس اور رواں دواں ہوتا تھا، حقائق و معارف اور نکتہ آفرینیاں آپ عام مجالس میں پسند نہ فرماتے تھے، آپ کی رائے تھی کہ ان باریکیوں سے ذوق و یقین میں تو ضرور اضافہ ہوتا ہے لیکن عملی زندگی کو کوئی تازیانہ ہمت نہیں ملتا، الٰہی پیغام اصل میں زندگی کا درس ہے، ایک راہ عمل ہے، حقائق و معارف اس میں ضمنی طور پر آتے ہیں، انہیں موضوع اور مقاصد کے طور پر اپنانا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریق نہ تھا، آپ کے اس سادہ انداز بیان میں عجیب تاثیر تھی اب تک نہیں سنا گیا کہ آپ کے حلقے کا کوئی شخص پھر کبھی اس حلقے سے پھرا ہو، جدید تعلیم یافتہ طبقے پر آپ کے اس سادہ بیان کے گہرے نقوش اترتے، علامہ علاؤالدین صدیقی (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اور ڈاکٹر سید عبداللہ (سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) جیسے جدید تعلیم یافتہ حضرات پر دینی چھاپ شیرانوالہ کے اسی حلقہ قرآن سے لگی تھی، اس درس میں بیسیوں آدمی کاغذ قلم لے کر بیٹھتے اور پورے درس کو قلم بند کرتے پھر یہ تحریرات آگے چلتیں اور معلوم نہیں لاہور میں کتنے گھر تھے جن میں وہ درس دہرایا جاتا اور سننے والوں کو ابدی سچائی اور حیثیت خداوندی کی دولت ملتی۔

آپ فارغ التحصیل علمائے کرام کو ہر سال دو ماہ میں پورا قرآن پاک پڑھا دیتے تھے، یہ دورہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فکر اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی قرآنی بصیرت کا پوری طرح آئینہ دار تھا، یہ دورہ رمضان سے شروع ہو کر ذوالقعدہ پر ختم ہوتا، ختم پر آپ انہیں وہ سند عطا فرماتے جس پر محدث کبیر امام العصر مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے دستخط ہوتے، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ علماء کی یہ جماعت کوئی نئی جماعت نہیں بلکہ یہ سب قافلہ حضرت شیخ الہندؒ کے دم قدم سے رواں دواں ہے۔

تاثرات

ڈاکٹر سید محمد عبداللہؒ (پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

مولانا احمد علی لاہوریؒ سے پہلے لاہور میں عام سطح کے مخاطبوں کیلئے درس تفسیر کا کچھ زیادہ رواج نہ تھا، البتہ دینی مدرسوں کے طلبہ تفسیر جلالین یا بیضاوی سبقاً سبقاً مختلف استادوں سے پڑھا کرتے تھے یا پھر مثنوی روم کا درس بسلسلہ وعظ ہوا کرتا تھا مگر ان مشاغل کی حیثیت جزدی تھی، جہاں تک مجھے معلوم ہے، لاہور میں شاید سب سے پہلے باقاعدہ درس کا آغاز ۱۹۱۲ء کے قریب کے زمانے میں ایک انگریز دشمن عالم مولوی عبداللہ پشاوری نے کیا، یہ بزرگ افغانستان کے شاہزادگان ایوب شاہ وغیرہ سے قریبی تعلقات رکھتے تھے اور بڑے زوردار بزرگ تھے، چنانچہ آئے دن انگریز حاکموں کے زیر عتاب آتے رہتے تھے لیکن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس سے درس قرآن کی ایک مقبول روایت پیدا ہوگئی، چنانچہ ۱۹۲۰ء کے بعد لاہور کی کئی مساجد میں قرآن مجید کا درس عام جاری ہوگیا، جس زمانے کا ذکر میں کررہا ہوں اس کے تین سلسلہ ہائے درس خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا نجم الدین، حضرت مولانا غلام مرشد، ان تین درسوں کی اپنی اپنی انفرادی خصوصیات تھیں، حضرت مولانا غلام مرشد کا درس فقیہانہ عالمانہ ہوتا تھا، وہ دینی مسائل کی عقلی اور جدید تعبیر سے زیادہ سروکار رکھتے تھے، ان کا مقصد جدید تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک کا رفع کرنا تھا، وہ علامہ ''آلوسی'' کی روح المعانی سے اکثر استناد کرتے تھے اور علامہ القرطبی اور تفسیر کبیر امام رازیؒ وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھاتے اور قرآن مجید کی عقلی حکمتوں کا سکہ بٹھا دیتے۔

مولانا نجم الدین بھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے فیض یافتگان میں سے تھے وہ عرصے تک پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے استاد رہے، ان کا نقطہ نظر اہل بلاغت کا تھا، وہ علم کلام کی آمیزش سے، ایک نیم عقلی نیم بلاغی پیرایہ اختیار کرتے چنانچہ لوگ ان سے بھی بہت استفادہ کرتے تھے لیکن حضرت مولانا کا درس تفسیر چیزے دیگر تھا، اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے انداز کی تمدنی معقولاتی تعبیر اور قرآن مجید کی مخصوص اجتماعیاتی روح (جس کا تعلق اقوام کے عروج وزوال اور ان کے اسباب وعلل سے ہے) بطور خاص نمایاں ہوتی تھی، اس کے ہمراہ وقت کے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر تبصرہ بھی ہوتا اور اس کے حوالے سے اجتماعی بیداری کا پیغام دیا کرتے تھے، یہ ان کے درس کا عام انداز تھا لیکن ان کا ایک درس

خاص بھی ہوتا تھا، جس میں وہ ولی الٰہی تفسیر کی روشنی میں مخصوص اصطلاحات فن استعمال کر کے رموز تفسیر سمجھایا کرتے۔ غرض ہمارے مولانا، مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے طریقوں کے امتزاج سے تفسیر کا ایک اسلوب خاص پیدا کرتے تھے، ان کا ارشاد تھا کہ قرآن مجید کے سب اجزاء میں ایک ربط اور تسلسل ہے، اسی لئے وہ مضامین و مطالب کی توضیح کے وقت آیت زیر بحث کا آیات ماسبق سے سلسلہ جوڑا کرتے تھے، جہاں ربط ظاہری نظر نہ آتا تھا، وہاں وہ ربط مخفی کا سراغ لگاتے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کا ایک حصہ کسی دوسرے حصے کی تفسیر ہوتا ہے، اس لئے کسی دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنے سے پہلے خود قرآن مجید کے اندر ہی سے توضیحات تلاش کرنی چاہئیں۔

حضرت مولانا صرف ونحو واشتقاق و معانی کے حوالے سے بہت کم بات کیا کرتے تھے ان کا زیادہ زور اسلام کی تمدنی حکمتوں کے بیان پر ہوتا تھا، اسلام سے قبل کی اقوام کے اسباب زوال کا ذکر کر کے موجودہ مسلمان اقوام کی مماثل کمزوریوں کا تذکرہ کرتے تاکہ موجودہ مسلمانوں کو عبرت ہو، جب کبھی وہ ایسے موضوع پر آتے تو ان کی تقریر میں جذبے کا رنگ پیدا ہو جاتا، وہ اپنے عصر کے مسلمانوں کو دعوت فکر دیتے تھے اور فرمایا کرتے کہ ایسا وقت آسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق امت محمدیہ طابق النعل بالنعل یہود کی پیروی کرنے لگیں گے، فرماتے تھے کہ قرآن مجید میں تذکیر بھی ہے، موعظہ بھی اور وعید بھی، دنیا بھی ہے اور آخرت بھی اور پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاحوں میں بات کرتے ہوئے تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بآیات اللہ اور تذکیر بایام اللہ کا ذکر فرماتے، حضرت مولانا حدیث سے بھی فائدہ اٹھاتے اور روایات الصالحین کا تذکرہ بھی کرتے تھے، ایک دو مرتبہ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت مولانا پر غیبوبیت طاری ہو جاتی اور حلقہ درس سے الگ کسی اور سے باتیں کرتے لگتے، ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا حالت تھی؟ جواب میں تامل کیا پھر فرمایا کہ مجھے حضرت دین پوری نے یاد فرمایا تھا، اس قسم کی حالت میں درس کا ربط ٹوٹ جاتا تو بحال ہونے پر مطالب گذشتہ کا ماحصل ایک بار پھر سنا دیتے، تب آگے بڑھتے، درس کے دوران مسلمانوں کے احساسات دینی کے زوال کا ذکر آتا تو نتیجہ یہ نکالتے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کا ایک سبب تو انتشار اور ضعف جذبہ دینی ہے مگر اس کے ساتھ ہی مغرب پرستی اور تجدد کا مرض اس قوم کو کھاتا جا رہا ہے لیکن چونکہ ان کے درس میں مغربی تعلیم کے حاملین بھی کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے اس لئے اس ذکر میں وہ قدرے نرمی اور ملائمت لہجہ اپناتے تاہم بہت کچھ کہہ گزرتے تھے۔

مرتب تفسیر

تفسیر لاہوری کا منہج اور اہم خصوصیات

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے لاہور آنے کے فوراً بعد ۱۹۱۷ء میں قرآن مجید کا درس شروع کیا اور تا دم زیست اس کو جاری رکھا، سب سے پہلے آپ نے دو آدمیوں کو قرآن کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا، ان میں ایک تو مولانا عبدالعزیز (سریانوالہ بازار لاہور) تھے جو دکانداری کرتے تھے اور دوسرے میاں عبدالرحمٰن جو سریانوالہ بازار لاہور میں امام مسجد تھے۔

حضرت لاہوریؒ کے درس تین قسم کے ہوتے تھے:

(۱) عوام الناس کے لیئے جو کہ فرض نماز کے بعد عمومی درس قرآن کی شکل میں ہوتا تھا۔

(۲) جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے جو کہ مخصوص ایام میں دس پندرہ روز کے لیے ایک مختصر کورس کی شکل میں ہوتا تھا۔

(۳) دینی مدارس کے فضلاء وعلماء کے لئے جو کہ شعبان، رمضان اور ذیقعدہ کے تین ماہ تک جاری رہتا تھا اور اس میں برصغیر پاک وہند کے مختلف شہروں اور علاقوں سے منتہی طلبہ اور علماء شرکت کیا کرتے تھے، یہ درس مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے مخصوص رنگ لئے ہوئے ہوتا تھا، اس میں ہر سورت کا مرکزی مضمون بیان کیا جاتا تھا جسے ''عمود السورۃ'' کا نام دیا جاتا نیز ہر رکوع کے مضامین کا خلاصہ چند جملوں میں بتایا جاتا اور اس کا ماخذ بھی بیان کیا جاتا یہ سب کچھ شرکاء کو زبانی یاد کرنا پڑتا، حضرتؒ کے درس کی تین خصوصیات ایسی تھیں جو شرکائے درس پر اپنا خاص اثر رکھتی تھیں، عقیدہ توحید، اسلاف کے ایمان افروز واقعات اور جذبہ جہاد۔

حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن کا یہی کمال اور خوبی ہے کہ اس کے سننے اور سنانے والے کی زندگی میں تبدیلی اور انقلاب رونما ہو جاتا ہے، حضرت لاہوریؒ نے اپنے اساتذہ و مشائخ سے جو کچھ حاصل کیا اور مطالعہ قرآن سے جو کچھ اخذ کیا اسے اپنے مخصوص طرز پر قلم بند

کیا اور بڑے اہتمام سے 1927ء میں مترجم قرآن شریف شائع کیا، جس میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ اور اپنے قلمبند کردہ تفسیری نکات کو حواشی کی صورت میں شامل کیا، یہ مترجم قرآن شریف مع حاشیہ ''تفسیر القرآن العزیز'' کے نام سے ملتا ہے جسے ''انجمن خدام الدین'' شیرانوالہ گیٹ لاہور نے شائع کیا ہے۔

دورہ تفسیر

1924ء میں انجمن خدام الدین کی نگرانی میں مدرسہ ''قاسم العلوم'' قائم ہوا، اس مدرسے میں سالانہ نصاب کے علاوہ دورہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا، تین ماہ میں پورے قرآن کی تفسیر مکمل کروادی جاتی تھی، اسی دورہ تفسیر کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ دورہ حدیث کے اختتام پر جب فارغ التحصیل ہونے والے علماء کو سند فراغت دیتے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اب اگر قرآن مجید کے اسرار و رموز اور دین و شریعت کی مصلحتوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور باطنی ترقی چاہتے ہو تو لاہور کے ایک کامل اور مکمل ولی اللہ و شیخ وقت کے سامنے تین ماہ تک زانوتلمذ تہہ کرو، اس دورہ تفسیر میں شرکت کے لیے کسی نہ کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل ہونا ضروری تھا، دورہ تفسیر رمضان، شوال اور ذیقعدہ کے تین مہینوں میں ختم کیا جاتا تھا، درس وتدریس میں مندرجہ ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی تھی، اعتقادات، معاشرت، سیاست، اعمال، اخلاق، اصول، تدبیر منزل، قانون، معاملات اور تمدن اسلام کی تمام ضروریات کا حل کتاب اللہ کی مدد سے سمجھ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسلک سے آدمی باہر نہ جائے۔ پورے تین ماہ میں پورے قرآن کی تفسیر پڑھادی جاتی تھی، اس کے بعد شائقین حضرات کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تدوین کردہ فلسفہ شریعت (جو حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے) پڑھایا جاتا، یہ درس دن میں تین چار گھنٹے تک جاری رہتا، روزانہ سبق سے امتحان ہوتا اور سبق کے بعد تکرار کرنا بھی ضروری تھا، دوران سبق طلبہ ضروری مسائل کا تجزیہ کر لیتے تھے، انجمن خدام الدین شرکائے درس طلباء کے کھانے پینے، رہنے کے اخراجات خود برداشت کرتی، دورہ کے اختتام پر امتحان لیا جاتا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے دینی اور مذہبی کارہائے نمایاں

حضرت لاہوریؒ خود دورہ تفسیر کی ابتدا میں مقدمہ تفسیر کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ

یہاں جو کچھ بیان کیا جائے گا حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی نہج پر ہوگا، حقیقت میں یہ سب کچھ حضرت سندھیؒ کی جامعیت علوم، قرآنی علوم میں کمال بصیرت اور عالمی سیاست پر عمیق نظر کی بدولت ہے اوران کی سالہا سال کی دماغی محنت اور تجربہ ہائے دراز کا نتیجہ ہے، یہ عظیم الشان خدمت انہوں نے امروٹ شریف (ضلع سکھر) کی مسجد میں معتکف بیٹھ کر سرانجام دی تھی اگر کسی کو اس سے کوئی نئی چیز سمجھ میں آجائے تو چشم ماروشن دل ماشاد۔

حضرت لاہوریؒ کی تحریر شدہ کا پیاں

حضرت لاہوریؒ فرماتے کہ میں روزانہ ایک دستہ کاغذ کا لاکر اس پر لکھ لیتا تھا، 1915ء میں جب مولانا سندھیؒ اپنے استاد و مربی شیخ الہندؒ کی ایماء پر افغانستان تشریف لے جارہے تھے تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ وہ تحریر شدہ کاپیاں مجھے دے دیں، میں نے معذرت پیش کی کہ یہ تو میرا سارا علم ہے، خدا نے کام لینا تھا، میں حضرت کے ارشادات لکھ کر دہراتا اور یاد کرتا تھا۔

فضلائے کرام کو دورہ تفسیر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

ایک تو یہ کہ تمہیں جلالین اور بیضاوی شریف پڑھنے کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ کی دوبارہ ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس لئے کہ تم نے اب تک جلالین اور بیضاوی شریف کے ضمن میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، قرآن مجید کو سامنے رکھ کر آپ نے ترجمہ نہیں سیکھا، قرآن شریف پر بنفسہٖ غور نہیں کیا بلکہ تفاسیر کے ضمن میں ترجمہ کو تبعاً پڑھا، صرفی ونحوی الجھنوں میں پھنس کر قرآنی تعلیمات سے بے خبر رہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ فقہائے عظام کا مسلمہ قانون ہے کہ مورد اگرچہ خاص ہوتا ہے مگر حکم عام ہوتا ہے اور دوران علت پر دوران حکم ہوتا ہے یعنی کسی آیات کا نزول، اگرچہ کسی واقعہ خاص میں ہوتا ہے مگر الفاظ کے عموم کی وجہ سے اس کا اجراء ہر جگہ ہوسکتا ہے، آپ نے اس نقطۂ نگاہ سے قرآن مجید پر کبھی غور نہیں کیا یعنی مورد خصوصی کو قواعد عمومی میں منتقل کرنا ایک اہم ضابطہ ہے آپ کوان چیزوں کی ضرورت ہے، جلالین اور بیضاوی میں یہ چیزیں نہیں ملتیں، میرا مقصد ان کتابوں پر تنقید نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمایا مدت مدید سے لاکھوں افراد ان کتابوں کو پڑھ چکے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، درس نظامی میں یہ کتابیں شامل ہیں ان کے بغیر کوئی مولوی نہیں بن سکتا لیکن معاف کیجئے! ان کے متعلق یہ تو نہیں کہا گیا ھوالاول والآخر ان کتابوں میں تو صرف لفظی اور معنوی تحقیق ہے ان میں منتہائے مقصد نہیں، یہی وجہ ہے

کہ آپ حضرات کو ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی قرآن مجید کے علوم و معارف سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ضرورت تدبر فی القرآن

اہل اسلام کو معلوم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض خصوصیات سے مشرف فرمایا گیا، مثلاً وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے، بخلاف دیگر انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ خاص خاص خطے کے لوگوں، قبیلوں اور قوموں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، چنانچہ بیک وقت متعدد جگہوں پر انبیاءؑ بھیجے گئے، مثلاً مدین میں شعیب علیہ السلام تھے تو مصر میں موسیٰ علیہ السلام تھے، ایسے ہی لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام مختلف مقامات پر ایک ہی زمانہ میں مبعوث کئے گئے بخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی ازیں سبب قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر خاص خاص قوم اور کہیں خاص خاص مقام والوں اور کہیں خاص ایک شخص کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مفسرین نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مورد خاص اور حکم عام ہوتا ہے چنانچہ سورۃ النور میں ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ ایسے ہی سورۃ الفیل اور سورۂ لہب میں خاص خاص واقعات کی طرف اشارہ ہے مگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حکم عام ہے تاکہ اقوام عالم کو مخاطب من القرآن کیا جائے وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ کے صحیح مفہوم کو ادا کیا جائے۔

تفسیر کی تین اقسام

تفسیر فسر سے مشتق ہے فسر کے معنی واضح اور روشن ہونا ہے فن تفسیر کو بھی اسلئے تفسیر کہتے ہیں کہ اس میں قرآن کے معانی و مطالب کو اس طرح واضح کر کے ظاہر کر دیا جاتا ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے، تفسیر کی تین اقسام ہیں (۱) تفسیر صحیح (۲) تفسیر بالرائے (۳) تفسیر بالاعتبار والتاویل

(۱) تفسیر صحیح

تفسیر صحیح وہ ہے جو کہ قواعد عربیہ یعنی صرف، نحو اور لغت کے خلاف نہ ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنیت اسلام کے خلاف نہ ہو، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ''تفسیر عزیزی'' میں سورۂ قیامۃ کی تفسیر کے ذیل میں تفسیر صحیح کی یہی تعریف نقل کی ہے۔

(۲) ## تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے وہ ہے کہ کوئی مبتدع اپنی ایجاد شدہ چیز کی سینہ زوری سے آیات قرآنیہ کیساتھ تائید کرائے حالانکہ اس کی مخترع (من گھڑت) چیز قواعد عربیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان مبارک (خیر القرون) کی ذہنیت کے خلاف ہوتی ہے جیسے کہ غلام احمد قادیانی مردود آیت خاتم النبیین سے اجراء نبوت ثابت کرتا ہے اور سینہ زوری سے وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ سے تائید کرتا ہے کہ یہاں آخرت مضاف الیہ ہے، مضاف محذوف کے لئے، ای و بنبی الاخرۃ ھم یوقنون ایسے ہی سورۂ جمعہ میں ھوالذی بعث فی الامیین میں لفظ اخرین لفظ امیین پر عطف ہے تو باعث ایک اللہ تعالیٰ ہے اور مبعوث بھی ایک رسول ہے اور مبعوث الیہ دو ہیں (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ اور (۲) اسکے مابعد قیامت تک کے لوگ لیکن مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ مبعوث بھی دو ہیں، ایک پہلے زمانے میں آیا تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا یعنی قادیانی جو بعد کے لوگوں میں آئے گا تو یہ تفسیر بالرائے ہے کہ قواعد عربیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان مبارک (خیر القرون) کی ذہنیت کے خلاف ہے۔

بہرحال! عربی بہت وسیع زبان ہے، ایک ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں، سیاق وسباق کے بدلنے کی وجہ سے معنی بھی بدل جاتے ہیں جو تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہو اس سے بڑھ کر اور کوئی تفسیر ہو نہیں سکتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق خود منزل قرآن فرماتے ہیں وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو قرآن مجید سمجھائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی زندہ تفسیر تھے، ان کے اقوال وافعال نے قرآن مجید کا عملی نمونہ دنیا کو بتایا ہے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کان خلقه القرآن اور اللہ تعالیٰ نے خود تصدیق فرمائی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یہ اِنْ اور اِلَّا حصر کے لئے ہیں، اگر معانی اور الفاظ دونوں اللہ کی طرف سے ہوں تو وحی جلی (متلو) ہے اور اگر معانی کا القاء اللہ کی طرف سے ہو اور الفاظ نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو تو وحی خفی (غیر متلو) ہے تو جو تفسیر اصحاب نبی کے فرمان کے خلاف ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہوں تو وہ مراد الٰہی نہ ہوگا اگرچہ قرآن تعریف سے برآمد ہو، پس اگر کوئی آدمی صلوٰۃ کا معنی دعا کرے تو ہم فوراً کہیں گے کہ

اس نے انکار کیا ہے کیونکہ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا نہیں بلکہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے کہ اس میں قیام، رکوع اور سجدہ ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے ناجائز ہے، من تکلم فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ یعنی جس نے قرآن کو اپنی رائے سے کلام کیا اور وہ اس کلام میں حق کو پہنچا مگر پھر بھی اس نے غلطی کی کہ اپنی رائے کو قرآن میں دخل دیا۔

تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں

اس کی کئی صورتیں ہیں جو شریعت اسلام میں ناجائز اور حرام ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے والا ایک ایسا شخص ہو جو اہلیت نہ رکھتا ہو، محض اپنی رائے اور من مانی سے تفسیر کرنا شروع کر دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آیت کی تفسیر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال اور افعال سے صراحتاً ثابت ہے مگر وہ شخص اس کو نظر انداز کر کے محض اپنی عقل سے معنی بیان کرنا شروع کر دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی آیت کی کوئی صریح تفسیر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول نہیں، ان میں لغت اور زبان وادب کے اصول کو پامال کر کے تشریح بیان کرنا شروع کر دے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جو شخص قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرنے کے لئے اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور وہ اجتہاد کرنے لگ جائے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ قرآن کے متشابہات کی تشریح وتوضیح کا علم سو فیصد اللہ کو ہے، ان کی تشریح وتوضیح، جزم اور وثوق سے شروع کر دے اور اس پر مصر ہو۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ جہاں پر اللہ نے تفسیر کرنے میں عقل اور فکر کو اجازت دی ہے وہاں قطعی دلائل کو نظر انداز کر کے محض اپنی عقل سے تفسیر کرنا شروع کر دے اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو یقینی طور سے باطل قرار دے اور اپنی ذاتی رائے کو یقینی طور سے درست کہے۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ قرآن کی ایسی تفسیر کرے جس سے قرآن کے اجماعی، مسلّم اور طے شدہ احکام مجروح ہونے لگیں۔

یہ سب صورتیں تفسیر بالرائے کی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب قسموں کو اس حدیث پاک میں جمع فرمایا: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار۔

(۴) تفسیر بالاعتبار والتاویل

تاویل اول سے مشتق ہے اول بمعنی رجوع کردن (رجوع کرنا) اور مفسرین کی اصطلاح میں تفسیر بالتاویل سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی آیات محتملہ کی ایسی تفسیر کی جائے جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالف نہ ہو، صرف الکلام عن الظاهر الى احتمال غير مخالف لكتاب الله وسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا تفسیر بالتاویل والاعتبار "استنباط الاحکام العامة من النصوص الخاصة" قرآن میں جو حالات وواقعات مذکور ہیں، ان کو اپنے اوپر چسپاں کرنا اور اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا کیونکہ اول کے معنی رجوع کرنا یعنی کتاب اللہ کو اپنی طرف رجوع کر کے لانا، لان القرآن نزل لكل قوم أينما كانوا من غير خصوصية مصر وعصر كأنه نزل الينا من اللوح المحفوظ فالتفسير بالتاويل والاعتبار جائز بل ضروری للعلماء الماهرين فى علوم الكتاب والسنة کیونکہ قرآن مجید کا صحیح فائدہ اور مقصودی چیز اُس کے بغیر سمجھ میں آ نہیں سکتی، آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ کتاب اللہ کو سمجھ کر خلق خدا کو سمجھائیں اور لوگوں کو سمجھانے کیلئے آپ کو تفسیر بالاعتبار والتاویل کو استعمال میں لانا ہوگا، مثلاً آپ سورۃ الفیل کی تفسیر بیان کر رہے ہیں پس آپ اگر مکمل واقعہ سنائیں کہ ابرہہ شاہ حبشہ کا گورنر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے اس نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تھی کیونکہ اس نے اپنا کعبہ بنالیا تھا، لوگوں کو اس کی عبادت وتعظیم پر مجبور کرتا تھا مگر وہ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے سوچا کہ جب تک بیت اللہ کو نہ مٹایا جائے تب تک میرا بنایا ہوا کعبہ کامیاب نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے اس کو پرندوں کے ذریعے شکست دی، اسی طرح اگر آپ پورا قصہ سناتے چلے جائیں تو تفسیر کا حق تو ادا ہو جائے گا مگر اصلاح خلق نہ ہوگی، عوام کو کوئی فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی خاص سبق حاصل ہوگا جب تک کہ اس آئینہ میں قوم کو اپنی صورت نہ دکھائی جائے کہ یہ چھوٹی سی سورت اس مقصد کیلئے اتاری گئی ہے، اس کا موضوع یہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، خلاصہ کا ماخذ فلاں آیت ہے، مثلاً یوں کہا جائے کہ سورت کا عنوان اور موضوع یہ ہے کہ توہین شعائر اللہ سے ذلت لازمی ہے اور ماخذ اس سورت کی پہلی آیت ہے تو اب عوام کو یہ معلوم ہوگا کہ جو کوئی بھی شعائر اللہ کی توہین کریگا، وہ ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوگا اور یہ ایک قانون کی شکل میں ہر اُس شخص پر منطبق ہوگا جو کتاب اللہ یا بیت اللہ یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، نماز اور دیگر شعائر اللہ کی توہین کر رہا ہو۔

دوران علت کی بناپر دورانِ حکم

اسی طرح ابولہب کا قصہ بیان کرنے سے سورۂ لہب کی تفسیر ہو جائے گی مگر لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ کلمات قرآنیہ صرف ابولہب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یا اور کوئی بھی اس کا مصداق بن سکتا ہے؟ جب موضوع اور خلاصہ بیان ہو جائے تو لوگوں کو قانون کلی معلوم ہو جائے گا جس کا تعلق خاص فرد سے نہ ہوگا بلکہ دوران علت کی بناء پر دوران حکم ہوگا۔

چار مبادی

چار مبادی میں نے اب تک تمہید (حضرت مولانا نے مبادی میں یہ بھی فرمایا تھا کہ قرآن مجید کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو فطرت سلیمہ رکھتے ہوں) میں چار مبادی بیان کئے۔ (۱) ایک تو یہ کہ تمہیں ترجمہ قرآن مجید کی ضرورت دوبارہ کیوں محسوس ہوئی؟ (۲) تفسیر صحیح (۳) تفسیر بالرائے (۴) تفسیر باعتبار والتاویل

تفسیر کی بنیاد، شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ

پانچویں بات یہ ہے کہ میں جو چیز آپ کے سامنے ذکر کروں گا اس کی بنیاد امام المفسرین حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ پر مبنی ہوگی، خداوند قدوس نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو قرآن وحدیث کے اسرار ورموز، علوم ومعارف کا بہت ہی وسیع وعمیق علم عطا فرمایا تھا، میں تو کہتا ہوں الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ کو پڑھ کر پھر قرآن کا ترجمہ اگر کوئی پڑھے تو تب سمجھ میں آئے گا کہ قرآنی مقاصد وتعلیمات کیا ہیں؟ اس الہامی کتاب کے فلسفے اور حکمتیں کیا ہیں؟

میرے ترجمہ کا مأخذ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ اور طرز تفسیر ہوگا، ان کی نظیر ہندوستان میں پیدا نہیں ہوئی تو جو کچھ معروضات ہوں گی وہ عقل وفلسفہ سے متعلق ہوں گی اس میں عوام کے لئے بھی ایک خاص قسم کی دلچسپی ہوتی ہے، یہاں لاہور میں گھر گھر سکول ہے، کئی کالجز اور بے شمار سکولز ہیں، لاہور انگریزیت کا مرکز اور گڑھ ہے، یہاں بیضاوی شریف کی توجیہات سے کام نہیں چلے گا، یہاں عقلی اور فلسفی توجیہات کو تسلیم کیا جائے گا اور یہ توجیہات حجۃ اللہ البالغہ کو پڑھنے سے سمجھ میں آئیں گی اگر چار مہینے طالب علم مزید وقف کریں تو حجۃ اللہ البالغہ پڑھ سکیں گے، پنجاب میں ہر جگہ علماء درس قرآن شروع کر لیتے ہیں مگر چند روز کے بعد وہ درس بند ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ عقل اور فلسفہ کی روشنی میں ترجمہ نہیں کرتے۔

میرا (احمد علی) مسلک یہ ہے کہ تفسیر کرتے وقت فوائد عربیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک (خیر القرون) کی ذہنیت سے باہر نہ جائے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اصول (جو کہ حجة الله البالغه میں مندرج ہیں) کے موافق قرآن کریم کو حل کیا جائے کیونکہ انگریز پلید نے ذہنیت مسلم بگاڑ کر رکھ دی ہے، چنانچہ جاہل یورپ زدہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو اُن بدوؤں کے لئے آیا ہے جو اونٹ چرایا کرتے تھے ہم تو تعلیم یافتہ ہیں تو اگر قرآن کریم کو شاہ ولی اللہؒ کے قوانین کے مطابق حل کیا جائے تو موجودہ ذہنیت اس کو طوعاً و کرہاً قبول کریگی کیونکہ شاہ صاحبؒ تمام ارکان اسلام کو دلائل عقلیہ کیساتھ ثابت کرتے ہیں کہ انسان لاچار ہو کر بول اُٹھتا ہے کہ تمام احکام شرعیہ عقول کے مطابق ہیں، حالانکہ شاہ صاحب حکم کے ثبوت میں آیت یا حدیث کا نام تک نہیں لیتے مگر ان احکام ثابت شدہ بالکتاب والسنة کو دلائل عقلیہ سے بوجہ اتم ثابت کرتے ہیں۔

فائدہ

شاہ صاحبؒ کے فلسفہ شریعت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سنت اللہ یہ آ رہی ہے کہ مربوب کی حاجت پیش ہونے سے قبل حاجت پوری کرنے کی چیزیں مہیا فرما دیتا ہے مثلاً مرض سے پہلے ادویہ تیار ہیں، اسی طرح دیگر اشیاء حاجات مہیا ہونے سے قبل مہیا ہیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ انگریزیت کا دور آئے گا اور ذہنیت بگڑ کر برباد ہوگی تو اس حکمت کی بنا پر شاہ صاحب کو قبل ازیں پیدا کر کے ان کو عقل سلیم عطا فرمائی جس کا اندازہ ان کی تصنیف لطیف حجة الله البالغه کے پڑھنے سے لگایا جا سکتا ہے اور اُن سے حجة الله البالغه کی تصنیف کا کام کرایا تا کہ یورپ زدہ لوگوں کو شکست ہو کر مسلک باطل سے راہ راست پر لایا جائے۔

ضرورت ربط آیات

چھٹی بات ربط آیات کے متعلق ہے آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید تیئس سال کے عرصہ میں حسب ضرورت نازل کیا گیا، کبھی پوری سورت نازل ہو جاتی اور کبھی سورت کا کچھ حصہ، کبھی ایک آیت یا دو آیت نازل ہوتیں اور روایات سے ثابت ہے کہ بیک وقت متعدد سورتوں کا نزول جاری رہتا تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت سے متصل کر دو، فلاں سورت میں لکھ دو اور یہ نہیں ہوتا تھا کہ سب کو ایک جگہ کیف ما اتفق جمع کر دیا تھا، ان ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ آیات کا آپس میں خاص ربط و تعلق ہے،

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فلاں آیت کے بعد اس آیت کو لکھا جائے ورنہ اگر دو آیتوں یا دو سورتوں میں کوئی خاص مناسبت اور علاقہ نہ ہوتا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: (کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو) کا کیا مقصد ہوتا، اسی طرح بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اور بعض لمبی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کے مضامین مختصر اور بعض کے مضامین طویل ہیں گویا لمبی سورتوں میں چھوٹی سورتوں کے اجمال کی تفصیل ہے جس سے دو سورتوں کے درمیان ربط ظاہر ہوتا ہے اور یہی متفقہ عقیدہ ہے کہ آیت اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یعنی جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق آیتوں کو مرتب اور ہر سورت کو اپنی جگہ پر لکھوادیا، اس سے پہلے آپ جلالین اور بیضاوی وغیرہ پڑھ چکے ہیں مگر ان کتب متداولہ نے ربط آیات کی اس خدمت کو سرانجام نہیں دیا اور نہ آپ نے اس کے متعلق کبھی غور کیا۔

ربط کی متعدد اقسام

ربط کی مختلف اقسام ہیں ربط بین السور (دو سورتوں کے درمیان باہمی ربط) ربط بین الآیات (دو آیتوں کے درمیان باہمی ربط) ربط بین الجملتین (دو جملوں کے درمیان باہمی ربط) ہر سورت کی ابتدا و انتہا میں باہمی مناسبت و ربط، ایک سورت کے خاتمہ اور ابتدا میں باہمی ربط۔

تقسیم سور، ترتیب سور، تعین و تقسیم سور

تقسیم سور، ترتیب سور و تعیین سور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ یہ فلاں سورت ہے، مکی مدنی سورتوں کا امتیاز بھی وقت نزول سے ہوا ہے۔

مکی سورتیں اور مدنی سورتیں

جو سورتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی سورتیں شمار ہوتی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے وہ مدنی سورتیں کہلاتی ہیں، بنابریں سورۃ النصر (جو حجۃ الوداع میں بمقام منیٰ نازل ہوئی) مدنی سورت کہلاتی ہے۔

سورتوں کی ترتیب توقیفی

البتہ ترتیب سور میں علمائے کرام کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک سورتوں کی ترتیب

توقیفی ہے اور بعض کے نزدیک غیر توقیفی ہے مگر محققین کے نزدیک جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر و برکت میں ہوئی تھی، حفاظ نے اس وقت قرآن مجید کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا جو اَب موجود ہے اور آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کو برقرار رکھنے کے لئے جبریل علیہ السلام رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دور کیا کرتے تھے اور آخیر رمضان المبارک میں دو بار دور کیا تاکہ ترتیب کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھا جائے تو تقسیم سور اور ان کی تعین سے ضروری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سورت کو دوسری سورت سے جدا کرنے اور ہر ایک کے لئے الگ نام رکھنے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہوگی، اس خاص تقسیم کا کوئی منشا ہوگا اور دونوں سورتوں کے درمیان مابہ الامتیاز ہوگا، جس کی وجہ سے علیحدہ سورتیں بن گئی ہیں۔ بنا بریں ہر سورت کا خلاصہ دوسری سورت کے خلاصہ اور موضوع سے جدا ہوگا، چنانچہ ہر سورت کا خلاصہ، ہر رکوع کا خلاصہ اور پھر اس خلاصہ کا مأخذ عرض کرتا رہوں گا کہ یہ خلاصہ کہاں سے اخذ ہے؟ فلاں نمبر آیت سے یا فلاں نمبر آیت سے اور اس پر مزید ہم یہ اضافہ کریں گے کہ ہر آیت کا خلاصہ نکالیں گے۔ (از: اَمالی درس قرآن لاہوریؒ)

خلاصہ سورت

حضرت لاہوریؒ کمال بصیرت کیساتھ اولاً ہر سورت کا خلاصہ اور مرکزی مضمون از حد اختصار کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، ان کے بیان کردہ خلاصہ جات رکوع و سورت دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ کس قدر لطیف و عمیق ہیں؟ دیکھنے والا ہی ان لطائف کا اندازہ کر سکتا ہے، مخصوص احوال کے رکوع و سورت کے نتائج بھی بیان فرماتے ہیں اور اسکے لطیف نکات سے انسان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور قرن اول سے متعلق آیتوں اور سورتوں کا انطباق حالات حاضرہ پر بھی بخوبی کرتے ہیں، اس طرح مخصوص عنوان کی بدولت ہی پوری سورت کا جامع خلاصہ سامنے آجاتا ہے، حالات حاضرہ پر انطباق و تطبیق سے اس کی جامعیت سمجھ میں آجاتی ہے کہ آج بھی جو فرد یا طبقہ اسی طرح کے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، آج بھی اس کا انجام پہلے والوں کی طرح ہوگا، اس طریقہ پر سور قرآنیہ سے اصولوں کا استخراج و استنباط اور ان کا انطباق آپکے نمایاں خصائص تفسیر میں سے ہے۔

موضوع سورت

سورتوں کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ آپ اکثر جگہ سورتوں کے مرکزی موضوع کا تعین

کرتے ہیں جو بڑا معنی خیز اور جامع ہوتا ہے، کسی جگہ مختصر عنوان دے دیتے ہیں جو سورت کے جملہ مشمولات کا احاطہ کیے ہوتا ہے، آپ کی قرآن فہمی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ بڑے جامع انداز میں سورت کا موضوع متعین کرتے ہیں جو سورت میں مذکور آیات کا مقصود و خلاصہ ہوتا ہے، آیات کا دیگر متعلقہ موضوعات کا بخوبی خلاصہ پیش کیا گیا ہے، اس میں جو صوری و معنوی ربط ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں دیگر موضوعات سور بھی اسی طرح کی تفسیری لطافتوں کے حامل ہیں۔

خلاصہ رکوع

حضرت لاہوریؒ ہر رکوع کا خلاصہ بڑے التزام کے ساتھ محض چار پانچ لفظوں میں لکھتے ہیں حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن کی خصوصیت اور قرآنی بصیرت کا اندازہ ان کا خلاصہ رکوعات سے لگایا جا سکتا ہے، اس طریقہ تفہیم کی بدولت قرآن مجید کا ہر رکوع ماقبل و مابعد سے مربوط ہو جاتا ہے اور اس ربط کی بدولت بہت سے اشکالات از خود رفع ہو جاتے ہیں اور قرآن فہمی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

تفسیر لاہوری: منہج اور اہم خصوصیات

پہلی خصوصیت

تفسیری خصوصیات میں جو خصوصیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ یہی ہے کہ قرآنی تعلیمات اور تفسیر کو ارشادات قرآنیہ کے ظاہری معانی اور مراد پر مرتب فرما کر ان سے بطور تاویل ان مسائل کا استنباط کیا جائے جن کا تعلق جہانبانی اور حکمرانی سے ہے، مثال ملاحظہ ہو

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: ۱۲۹)

"اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص کرو سو تم بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری لٹکی ہوئی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

خلاصہ مضمون متعدد بیویوں کی حالت میں یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ سب کے ساتھ یکساں دلی محبت ہو، تاہم یہ ضروری ہے کہ کوئی مرد صرف ایک ہی بیوی کی طرف نہ جھک

بغیر ہونی ناممکن ہے، شاید یہی حکمت ہے کہ قرآن عزیز نے ذکر اللہ کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، جب اللہ کا ذکر ہو اور قرب مالک حقیقی سے مشرف ہو جائے تو اب اگر مقاصد پورے ہوتے ہوئے نظر آئیں تو شکر ادا کرنا ضروری ہے اور کبھی اس کی حکمت مقاصد کے پورے نہ کرنے کی متقاضی ہو تو اب صبر کرنا بھی تہذیب الاخلاق کا رکن اعظم ہے، صبر اور شکر دونوں کا مرجع تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے، جس سے کمال محبت پیدا کرنے کیلئے بار بار اسی کے دروازے پر دست سوال دراز کرنا ضروری ہے، جب اس تعلق سے ربط حقیقی پیدا ہو جائے تو پھر محبوب حقیقی اور معبود حقیقی کا ادب فرض ہے۔

تیسری خصوصیت

حضرت لاہوریؒ نے ربط آیات ربط سورت بلکہ رکوعات کے ربط میں مخصوص انداز اپنایا ہے جو مختصر سے مختصر ہونے کے باوجود اس قدر جامع ہے کہ چند کلمات میں کئی صفحات کا مضمون سمو دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الانعام کی ابتدا میں نہایت ہی لطیف پیرایہ میں سورۃ الانعام کا ربط سورۂ مائدہ اور دوسری سابقہ سورتوں کے ساتھ بیان فرمایا اور پھر سورۃ الانعام کی تعلیمات کا سارا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ مجوسیوں کی اجمالی تعلیمات کا استحصار بھی ہو گیا اور یہ حضرت کی قرآن فہمی کا انداز ہے جیسا کہ فرمایا کہ مجوس کا عقیدہ ہے کہ خالق دو ہیں، (۱) خالق خیر، جسے یزدان کہتے ہیں، (۲) خالق شر، جسے اہرمن کہتے ہیں۔ اس سورت میں اس خیال باطل کی تردید کی جائیگی سبق توحید (جو کہ سابقہ سورتوں میں گزر چکا ہے) پختہ کرایا جائے گا، پختگی توحید کے لئے اتباع کتاب اللہ کرایا جائے گا اور ابراہیم علیہ السلام کے نمونے کو توحید پرستی میں پیش کیا جائے گا (واللہ اعلم)

چونکہ سورۃ البقرہ میں یہودیوں کے غلط عقائد کی اصلاح تھی اور سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت مسیح علیہ السلام کی اصلاح تھی اور پھر سورۃ النساء میں الوہیت مسیح علیہ السلام کی تردید اور پھر اس غلط عقیدے کی اخروی قباحت کو بیان فرمایا کہ قیامت کے دن سوائے مسیح ابن مریم علیہ السلام کے اور کسی بھی نبی علیہ السلام سے ایسی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ ان سے ہوگی اور اس نوعیت تک ان کو اس غلط عقیدہ والی امت نے پہنچایا جو کہ ان کو معبود اور ان کی والدہ کو معبودہ قرار دیتے تھے۔ جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت عرب کے بعض علاقوں اور سارے فارس میں دین مجوسیت کا غلبہ تھا، اس لیے قرآن عزیز جو کہ اصلاح عالم کے لئے نازل فرمایا گیا، اس سورۃ الانعام میں دین مجوسیت کی تردید فرمائی کہ خالق خیر اور خالق شر ایک ہی ذات ہے۔

روحانیت اور مادیت کا خالق وہی وحدہ لاشریک ہے چنانچہ حضرت لاہوریؒ سورۃ الانعام کی ابتدائی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ روحانیت کا خالق ہے اسی طرح مادیت کا بھی خالق ہے نور اور ظلمت دونوں کا بنانے والا وہی وحدہ لاشریک ہے، کفار (مجوسی) خیال کرتے ہیں کہ نور کا وہ خالق ہے اور ظلمات کا خالق تو دوسرا ہے۔ آیت نمبر ۲ کی تفسیر اور ربط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں کئی درجہ طے کرا کر مٹی سے بنایا اور ایک مدت تمہارے رہنے کی مقرر فرمائی اور اگر اللہ اپنے علوم مرتبت کے باعث غیر نورانی چیز کو ہاتھ نہ لگانا چاہتا تو مٹی جیسی حقیر شے سے انسان کو کیسے بناتا لیکن چونکہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں، اس لئے ہر چیز کو خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے بناتا ہے۔

چوتھی خصوصیت

چونکہ قرآن عزیز کی تمام تعلیمات کا جوہر اور خلاصہ تعلق باللہ ہے یعنی انسان کو یہ بات سمجھائی گئی کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اسی کا حکم اس کائنات پر نافذ اور جاری ہے، اس لئے انسان اپنی ہر دو حالتوں (خوشی اور غم) میں اپنا تعلق محسن حقیقی حق تعالیٰ کے ساتھ رکھے، کسی بھی وقت اس کے تعلق اور ذکر سے غافل نہ ہو۔

حضرت لاہوریؒ نے قرآن عزیز کی کئی آیات کی تاویل اور استنباط سے اس بنیادی عقیدے کو ثابت فرمایا جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی پہلی ہی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: دنیا میں صفات الٰہیہ کے غیر متناہی مظاہر ہیں، سب سے پہلے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی جس مظہر الٰہی سے انسان کا تعارف ہو جاتا ہے، وہ مظہر صفت ربوبیت ہے، مثلاً دنیا میں آتے ہی جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو روتا ہے جب ماں کا پستان منہ میں لے لیتا ہے تو چپ ہو جاتا ہے بلکہ اس مظہر ربوبیت (ماں) سے یہاں تک مانوس ہو جاتا ہے کہ سخت رو رہا ہو اور ماں ساتھ آ کر لیٹ جائے تو چپ ہو جاتا ہے، گود میں اٹھائے تو مطمئن نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو کائنات انسانی کی سب سے بڑی محسنہ ماں کے اطوار اور تعلقات کی تمثیل سے سمجھاتے ہوئے خالق حقیقی اور بندے کا ربط اور اعتماد استوار کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: اس آیت میں عاقل بالغ انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان! مظہر ربوبیت کے ایک ادنیٰ سے نمونے کے ساتھ جب تمہیں اتنا انس ہے تو تمہیں منبع ربوبیت کے ساتھ بطریقہ اولیٰ انس ہونا چاہیے، جو سارے جہاں کا حقیقی رب ہے۔

پانچویں خصوصیت:

شیخ التفسیرؒ کی تفسیر اور ربط آیات کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ربط آیات میں اگر ربط کی صورتیں ایک سے زیادہ سمجھ میں آسکیں تو یہ قرآنی تعلیمات کی عالمگیری اور افادیت عامہ کے لئے نظیر بن سکتی ہے، اس لئے آپ نے ربط آیات میں ایک سے زیادہ وجہ ربط ومناسبت کو بیان فرما کر تعلیمات قرآنیہ کی افادیت کو عام فرمایا جیسا سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۱ میں فرمودہ چند احکام کا ربط بیان کرتے ہوئے فرمایا: شرک نہ کرو اور تعلق باللہ درست رکھو وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا تعلق بالخلوق ٹھیک رہے، مخلوق میں سے یہ بالادست کی مثال ہے۔ انسان کی خوبی تمیز کرنے کا یہ موقع ہے کہ جو بے طمع محسن ہیں، ان پر احسان کرے اور ان کے ساتھ برائی کا کبھی وہم بھی نہ کرے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ تعلق بالخلوق میں یہ زیردست کا قانون ہے، بھوک کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرنا پہلا ترجمہ ہے، جس طرح زمانہ جاہلیت میں رائج شدہ، یہ تو جسمانی قتل ہوا اور دوسرا ترجمہ یعنی روحانی قتل ہے جو ساری دنیا کے لئے ہے، یہ ہے کہ اگر کوئی فقط رزق کمانے کے لئے اولاد کو معمولی پیشوں میں قید کر رکھتا ہے اور اس کو حسب الفطرت پڑھنے، تعلیم الٰہی دلانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم اٹھانے سے روکتا ہے اور بچوں کو غیر اسلامی تہذیب سکھانا اور بے حیائی وغیرہ کی تعلیم دینا یہ روحانی قتل ہے، یہ بات مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہے، ان دونوں سے منع فرمایا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔ مسطورہ بالا تفسیر اور اس کے بعد تاویل میں حضرتؒ نے ارشادات قرآنی کی روشنی میں یہ مسائل مرتب فرمائے:

(۱) شرک سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ معبود حقیقی سے جو کہ خالق اور مالک ہے اور تمام انعامات کا عطا کرنے والا ہے، اسی کے ساتھ تعلق قائم رہے، توحید پر ایمان کامل، یہ حقوق اللہ میں سے بڑا اور اہم حق ہے۔

(۲) حقوق اللہ کے بعد دوسرا حق جو ایک مسلمان کے متعلق ہے وہ حقوق العباد کہلائے جاتے ہیں، حقوق العباد کی حکمت کو آپ نے تعلق بالخلوق کے ساتھ تعبیر فرما کر اس حکمت کو اجاگر فرمایا

(۳) حقوق العباد میں سے مقدم تر حقوق خاندان اور برادری کے ہیں جن میں سے والدین کو بالادست فرما کر حدیث نبوی کی صحیح ترجمانی فرمائی اور اولاد کے حقوق کو زیردست کا قانون قرار دے کر ان کے بدنی تحفظ کو والدین کا فریضہ قرار دیا، دوسرے ترجمے میں بطور تاویل عموم

تربیت کا معنی لیا جس سے اولاد کا تحفظ جانی، روحانی، ایمانی اجاگر ہو کر قرآن عزیز کی آیت نمبر ۶ سورہ تحریم کا مفہوم ادا ہو رہا ہے، جس میں ارشاد فرمایا قُوٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے۔

چھٹی خصوصیت

جیسا کہ قرآن عزیز کا یہ اعجاز مسلم ہے کہ اس کے ارشادات کی تفسیر طویل سے طویل تر بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ ابن النقیب حنفی کی مرتبہ تفسیر قرآن عزیز ۴۰۰ مجلدات میں ہیں اور مختصر سے مختصر کلمات میں بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ جلال الدین محلیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ کی مرتبہ تفسیر جلالین ہے، حضرت لاہوریؒ کا طریقہ تعلیم اور تدریس یہ تھا کہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں بھی قرآنی معارف کے متلاشی کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کر لیں، اس لئے حضرت لاہوریؒ نے نہایت ہی احتیاط اور کمال حزم کے ساتھ قرآن عزیز کی تمام سورتوں بلکہ رکوعات کا خلاصہ بیان فرمایا۔ جس سے ربط اور حکمت قرآنی دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ حدید کے متعلق ارشاد فرمایا، سورۂ حدید کا موضوع سورت، طریق، حصول سلطنت ہے اگر عزت چاہتے ہو تو عزیز کی تابعداری کرو، اس سورت کے پہلے رکوع کے خلاصے میں ارشاد فرمایا کہ اگر عزت اور غلبہ چاہتے ہو تو فنا فی ارادۃ اللہ ہونا اور دوسرا انفاق فی سبیل اللہ کرنا سیکھو، اسی طرح تمام چھوٹی اور بڑی سورتوں کی تفسیر اور حکمت ارشادات قرآنی کو مختصر الفاظ میں ارشاد فرمایا جو آپ کے ترجمہ اور تفسیر کی خصوصیت ہے، پہلی مرتبہ جو مترجم قرآن حکیم شائع کیا گیا اس میں ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا تھا اور تفسیر حضرت شیخ مولانا لاہوریؒ کی تھی تو اردو پرانی ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کا ترجمہ سمجھنے میں کافی دقت ہوتی تھی۔ اس لیے دوسری طباعت میں حضرت لاہوریؒ کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا، مترجم قرآن عزیز محشی کا صفحہ نمبر ۴ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ پہلی طباعت میں طبع کیا گیا لیکن پرانی اردو کے بہت سے الفاظ چونکہ آج کل متروک الاستعمال ہیں اور موجودہ اردو دان اسے نہیں سمجھ سکتے، اس لئے حضرتؒ نے قرآن حکیم کا آسان اور بامحاورہ ترجمہ خود فرمایا جو تمام دینی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا اور تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے اس سعی مشکور کی تعریف و توصیف کی۔

تصحیح عقائد اور اصلاح رسوم

مولانا لاہوری رحمہ اللہ چونکہ حق گوئی اور استقامت کا پرتو تھے تو وہ ہر دو درس قرآن

میں صحیح عقائد قرآنی اسلوب میں کرتے تھے، ہر طرح کے باطل ادیان کا رد قرآن وسنت اور افکار شاہ ولی اللہؒ کے روشنی میں پیش فرماتے تھے اور اسی طرح موجودہ باطل نظریات کا بھی پردہ چاک کر کے اس کا اسلامی محاکمہ پیش کرتے تھے اور علاقائی غلط رسوم و بدعات کی تردید بھی مصلحانہ انداز میں پیش فرماتے تھے اور وقت کے حکمرانوں کی غلط روش پر ان کی اصلاح احوال پر بھی توجہ دیتے تھے اور پوری جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ نصائح فرماتے چونکہ مولانا کی زندگی خدا ترسی، قرآن فہمی، حب رسول اور انسان دوستی کی تابندہ مثال تھی اور اس کے ساتھ درویشی، استغنا اور حق گوئی بھی ان کا وصف خاص تھا انگریز استعمار پر نقد ورد پاکستانی حکمرانوں کے غلط اور خلاف شرع اقدامات پر تنقید وہ بلا خوف لومۃ لائم فرماتے تھے۔

فقہی مسائل کا استنباط

حضرت لاہوریؒ عالم اجل تھے، فقہ میں ان کی دلچسپی تھی اور بالخصوص فقہ حنفی کے فلسفہ اور اس کے اصولوں کے ماہر و متخصص تھے، اس لئے جہاں قرآن مجید میں انسانی مسائل سے متعلق آیات آتی ہیں وہاں مولانا اپنے مخصوص انداز میں فقہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں مثلاً عائلی زندگی کے حوالے سے نکاح رضاعت طلاق اور میراث وغیرہ امور میں مولانا مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے فقہی استنباط اور فقہ حنفی کے اصولوں سے استخراج نتائج کرتے ہیں، ان مسائل میں کبھی آپ فقہائے احناف کی رائے کی تائید کرتے ہیں اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور بعض مقامات پر فقہائے احناف کے موقف و دلائل کے راجح ہونے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ بتاتے ہیں کہ فقہ حنفی کو ان معاملات میں قرآن کی مؤیدات میسر ہیں ایسے میں مولانا لاہوریؒ کا فہم قرآن اور فقہی تفہیم کی وسعت بیک وقت ہمارے سامنے آتی ہے اور مولانا اپنے خاص کلامی انداز میں آیات قرآنیہ اور فقہ حنفی کے فلسفہ میں توافق اور تطابق پیدا کرتے ہیں ایسے میں متعلقہ آیات کی توضیح کے حوالے سے آپکی تفسیر کا عنوان مسائل مستنبط ہوتا ہے، مولانا خود ایک اجتماعی فکر رکھتے تھے اسلئے وہ فقہی مسائل سے اجتماعی وسیاسی استدلال بھی پیش کرتے ہیں اور عائلی مسائل اور اجتماعی وسیاسی معاملات میں کس لطافت کیساتھ موافقت ومطابقت پیدا کرتے ہیں

حکیمانہ انداز

قرآن کریم کی اپنی ایک الگ شان ہے، اس کے مباحث میں جو اشارے اور کنایے

ہیں ان کو سمجھنا اور ان کی ایسی توجیہ کرنا جو دافع اشکال ہو اور قاری قرآن کو اطمینان قلبی کی کیفیت بھی عطا ہو اس تفسیر میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں حضرت لاہوریؒ قرآنی مقامات کی ایسی حکیمانہ توضیح کرتے ہیں جو دافع اشکالات ہوتی اور ہر مقام کو نہایت حکیمانہ بصیرت سے حل فرماتے ہیں، حضرت کو قرآن مجید کی تفسیر پر ایسا عبور تھا کہ دوسرے حضرات کے ہاں اس طرح کی آمد کم ہی نظر آتی ہے، حضرت کا انداز یہ تھا کہ آیات کریمہ تلاوت فرما کر اس کا اردو ترجمہ بیان فرماتے اس کے بعد اس کی صرفی، نحوی اور ادبی جامعیت و بلاغت کا ذکر فرماتے پھر شان نزول اور متعلقہ احادیث نبویہ ارشاد فرماتے اس کے بعد سب سے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان عنوان ''الاعتبار والتاویل'' کے تحت حالاتِ حاضرہ کی پیدا شدہ گتھیوں کو اس آیت کریمہ سے حل فرماتے، حضرت لاہوریؒ اس امر پر خاص زور دیا کرتے کہ اس آیت کریمہ میں میرے اور آپ کے لئے کیا سبق ہے؟ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ درس سننے والے ہی اس کی قدردانی اور اعتراف کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

علوم و معارف ولی اللّٰہی کی ترجمانی

حضرت لاہوریؒ کا خصوصی وصف جو اپنے معاصرین سے ان کو ممتاز کرتا ہے وہ امام شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی بصیرت کو اول تا آخر اپنے اندر سمو لینا ہے، چنانچہ آپ کی تفسیر میں شاہ صاحب کی فکر کا عکس غالب و نمایاں ہے، شاہ صاحب کی مخصوص قرآنی اصطلاحات جیسے تذکیر بآلاءِ اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر بالموت و بما بعد الموت اور مخاصمہ بالیہود، مخاصمہ بالنصاریٰ، جابجا نظر آتی ہیں، تفسیر میں مولانا کو جہاں بھی شاہ صاحب کی وسعت فکر و نظر اور اجتماعی نظم و سیاست کے حوالے سے نکات ملے مولانا ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ولی اللّٰہی علوم و معارف سے خصوصی استفادہ کے اثرات

شاہ صاحب کے فکر و فلسفہ میں جو وسعت، تعمق اور جامعیت کی شان ہے، اس سے استفادہ کے سبب دین کے ہر شعبے کی جامع تعبیر کی جا سکتی ہے جس کی بدولت باہمی انتشار و افتراق پر قابو پا کر معاشرے کی عملی فکری اور اصلاحی و جامع تعمیر و تطہیر کی جا سکتی ہے مولانا لاہوریؒ چونکہ مولانا سندھیؒ کے شاگرد ہیں، اس لئے حضرت لاہوریؒ کے ہاں علوم و معارف ولی اللّٰہی سے اخذ و استفادہ وسیع بنیادوں پر کیا جاتا ہے کہیں معیشت و اقتصاد کی بحث ہو یا اجتماعیت و سیاست کا کوئی

شعبہ ہو، ان کے درس و تفسیر میں فکر ولی اللّٰہی پس منظر میں صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ شاہ صاحب جس طرح فلسفیانہ انداز میں بات سمجھاتے ہیں اور مسلسل عقلی دلائل دیتے ہیں حضرت لاہوریؒ بھی ان کے تتبع میں اسی طرح کا کلامی اور عقلی انداز اختیار کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ جیسا تطبیقی انداز اور اسلوب

مختلف ومخالف آراء میں باہم مطابقت پیدا کرنا شاہ صاحب کا خاص فن ہے کبھی کبھی یہ تطبیق فقہی معاملات میں پیش آتی ہے اور کہیں فہم قرآنی میں اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو جدت وندرت کے ساتھ ساتھ دین ودنیا میں مطابقت پیدا کردے حضرت لاہوریؒ بھی اسی انداز سے پیش فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی علمی اصطلاحات کا استعمال

حضرت لاہوریؒ کا قرآنی بصیرت کے حوالے سے ایک خصوصی مرجع شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی ہے، انکی فکر کا عکس مولانا لاہوریؒ کے ہاں بدرجہ اتم واکمل پایا جاتا ہے اور شاہ صاحبؒ کی اصطلاحات کو اکثر جگہ استعمال کیا جاتا ہے مولانا لاہوریؒ اپنے درس قرآن اور ترجمہ میں اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں جیسے الفوز الکبیر میں علوم خمسہ کی اصطلاح اور شاہ صاحبؒ کی دیگر جامع اصطلاحات کو اپنے درس مین جابجا استعمال کرتے ہیں جس کثرت وتواتر سے آپ نے ولی اللّٰہی اصطلاحات کا استعمال اور ان سے استفادہ کیا ہے شاید ہی کسی دیگر مفسر نے اس وسعت کیساتھ اخذ واستفادہ کیا ہو۔

مخاصمہ کا ولی اللّٰہی انداز

الفوز الکبیر میں مذکور علوم خمسہ میں ایک علم علم المخاصمہ بھی ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے مخاصمہ بالیہود، مخاصمہ بالنصاری اور مخاصمہ بالمنافقین کے انداز کی وضاحت اور اس کی متعدد قرآنی امثلہ پیش کی ہیں حضرت لاہوریؒ نے اپنے درس تفسیر میں کہیں مخاصمہ کی اصطلاح استعمال کی ہے اور کہیں اس مخاصمہ کے انداز سے استفادہ کیا ہے بادی النظر مین یوں لگتا ہے کہ جیسے علوم ولی اللّٰہی سے استنباط کیا جارہا ہے بعض مقامات میں جامع اختصار کے ساتھ علوم ولی اللّٰہی سے استفادہ صاف نظر آرہا ہے، اسی طرح منافقین اور نصاری کے ساتھ ولی اللّٰہی انداز کے مخاصمے کی کئی امثلہ آپ کی تفسیر میں موجود ہیں۔

١ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ٥

آیاتُہا ٧ رُکُوعُہا ١

المنزل ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ

جزا کے دن کا مالک۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

نَسْتَعِيْنُ ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ

ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ

ع ١

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾ ع

گمراہ ہوئے۔

سورۂ فاتحہ کے مباحث

خلاصہ: یہ سورت تمام قرآن حکیم کے مضامین کا اجمالی نقشہ ہے۔اللہ کے مقبول بندوں کے راستے پر آنے کی تلقین اور مردودین (گمراہوں) کے راستے سے ہٹ جانے کی تلقین۔

(۱) توحید

(۲) رسالتؐ

(۳) مجازات (قیامت)

ماخذ: توحید: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مجازات: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

رسالتؐ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

مردودین: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اسمائے سورۂ فاتحہ

۱: فَاتِحَةُ الْكِتَابُ: وَسَمِّيتُ بِذَلِكَ لأنه تُفْتَحُ قِرَاءَ ةُ اَلقُرآنِ بِهَا لَفظاً وَتُفْتَحُ بِهَا الكِتَابَةُ فِيْ الْمُصْحَفِ خطاً وتُفْتَحُ بِهَا الصَلوَات (کتاب سے مراد قرآن مجید ہے) چونکہ اس سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے اور نماز میں بھی افتتاح قرأت اسی سے ہوتی ہے اور حدیث میں بھی ہے لَاصَلوٰة لِمَنْ لَمْ يَقْرَأ بِفَاتِحَة الكِتَابَ (البخاری:۷۵٦) "جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی" اس لئے اس کو فاتحة الکتاب نام دیا گیا۔

۲: سورة الحمد: لأن فيها ذكر الحمد اس میں حمد ذکر ہے اور شروع بالحمد ہے اور حدیث میں بھی ہے لا صلوة لمن لم يقرأ في كل ركعة الحمدلله وسورة (ابن ماجه: ١٦٠)

۳: أم الكتاب یا أم القرآن: سورۃ فاتحہ قرآن کے تیس پاروں کا ملخّص (خلاصہ) ہے وأم اصل كل شيئ اس لئے اس کو أم القرآن یا أم الكتاب کہتے ہیں، حدیث میں ہے لاصلوة لمن لم يقرأ بأم القرآن (مسلم) اس میں اجمال ہے اور باقی قرآن میں اس کی تفصیل ہے یہ اصل ہے باقی مضامین فرع ہیں۔

۴: السبع المثاني: سميت بذلك لأنها تثنى في كل ركعة وقيل نزلت مرتين مرة بمكة ومرة بالمدينة وقيل سميت بذلك لأنها استثنيت لهذه الأمة فلم تنزل على أحد قبلها ذُخراً لها سات آیتیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، ایک قول کے مطابق یہ سورۃ دو دفعہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں اس لئے اس کو مثانی کہا گیا یعنی مثانی جمع مَثْنیٰ کی بمعنی دو دو اور بعض کہتے ہیں یہ سورت اسی امت کا خاصہ ہے، پہلی امتوں میں کسی پر یہ نازل نہیں ہوئی، اسی امت کے لئے محفوظ کی گئی تھی۔

۵: الوافية: ولوقرأ من سائر السور نصفها في ركعة ونصف الآخر في ركعة لأجزأه ولو نصفت الفاتحة في ركعتين لم يجز یعنی پوری ہونے والی، نماز کی ہر رکعت میں سورت فاتحہ پوری کی پوری پڑھی جاتی ہے اور سورتوں میں تفریق و تقسیم ہے مگر فاتحہ میں نہیں یعنی اس کا کچھ حصہ پڑھنا اور کچھ نہ پڑھنا جائز نہیں۔

۶: الكافية: لأنها تكفي عن جميع القرآن، وسائر القرآن لا يكفي عنها والفاتحة تكفي عن جميع القرآن قرآن کے تمام مضامین پر اجمالی نظر ڈالنے کے لئے کافی ہے اور پورا پورا نقشہ اس سورت سے طالب علم کے ذہن میں آجاتا ہے۔

۷: سورة الكنز: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورۃ فاتحہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۸: سورة الشفاء: فاتحة الكتاب شفاء من كل داء (دارمي) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

۲: سورة الحمد: لأن فیها ذکر الحمد اس میں حمد ذکر ہے اور شروع بالحمد ہے اور حدیث میں بھی ہے لا صلوة لمن لم یقرأ فی کل رکعة الحمدللّٰہ وسورة(ابن ماجه: ١٦٠)

۳: أم الکتاب یا أم القرآن: سورۃ فاتحہ قرآن کے تیس پاروں کا ملخّص (خلاصہ) ہے وأم اصل کل شیئ اس لئے اس کو أم القرآن یا أم الکتاب کہتے ہیں، حدیث میں ہے لاصلوة لمن لم یقرأ بأم القرآن (مسلم) اس میں اجمال ہے اور باقی قرآن میں اس کی تفصیل ہے یہ اصل ہے باقی مضامین فرع ہیں۔

۴: السبع المثانی: سمیت بذلك لأنها تثنی فی کل رکعة وقیل نزلت مرتین مرة بمکة ومرة بالمدینة وقیل سمیت بذلك لأنها استثنیت لهذه الأمة فلم تنزل علی أحد قبلها ذُخراً لها سات آیتیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، ایک قول کے مطابق یہ سورۃ دو دفعہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں اس لئے اس کو مثانی کہا گیا یعنی مثانی جمع مثنیٰ کی بمعنی دو دو اور بعض کہتے ہیں یہ سورت اسی امت کا خاصہ ہے، پہلی امتوں میں کسی پر یہ نازل نہیں ہوئی، اسی امت کے لئے محفوظ کی گئی تھی۔

۵: الوافیة: ولوقرأ من سائرالسور نصفها فی رکعة ونصف الآخرفی رکعة لأجزأه ولو نصفت الفاتحة فی رکعتین لم یجز یعنی پوری ہونے والی، نماز کی ہر رکعت میں سورت فاتحہ پوری کی پوری پڑھی جاتی ہے اور سورتوں میں تفریق وتقسیم ہے مگر فاتحہ میں نہیں یعنی اس کا کچھ حصہ پڑھنا اور کچھ نہ پڑھنا جائز نہیں۔

۶: الکافیة: لأنها تکفی عن جمیع القرآن، وسائر القرآن لا یکفی عنها والفاتحة تکفی عن جمیع القرآن قرآن کے تمام مضامین پر اجمالی نظر ڈالنے کے لئے کافی ہے اور پورا پورا نقشہ اس سورت سے طالب علم کے ذہن میں آجاتا ہے۔

۷: سورة الکنز: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورۃ فاتحہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۸: سورة الشفاء: فاتحة الکتاب شفاء من کل داء (دارمی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

۹: سورۃ تعلیم المسئلة: اللہ نے اس میں مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے کہ اس طریقہ سے مانگو۔

۱۰: سورۃ الأساس: لکل شیء أساس وأساس القرآن الفاتحة سورت فاتحہ تمام مضامین قرآن کے لئے بمنزلہ تخم و بیج کے ہے اور بقیہ قرآن بمنزلہ شجر کے، اس میں اجمال ہے اور اس کی ساری تفصیل قرآن میں ہے۔

اصلاحِ عقائد کے بعد اعمال کا ترتب

اب سوال ہوگا کہ یہ سورت کس طرح تمام قرآن مجید کے مضامین کا خلاصہ اور اجمال ہے؟

جواب: یعنی یہ اصلاحِ اعتقادات اور اصلاحِ اعمال، پہلے اعتقادات کی اصلاح کرنا، اعتقادات کو درست کرنے کے بعد اعمال کا ترتب اس پر ہوتا ہے۔ إن الأعمال اللتی تترتب علی هذه الاعتقادات فهی مقبولة عندالله والأعمال اللتی لم تترتب علی هذه الاعتقادات فهي مردودة (عقائد پر اعمال کا ترتب عنداللہ مقبول ہے جن اعمال کا اعتقادات پر ترتب نہ ہو وہ مردود ہیں)

عقائد میں تین عقائد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) توحید: یعنی خدائے تعالیٰ کو ذات وصفات میں وحدہ لا شریك ماننا۔

(۲) رسالتؐ: سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کو سچا اور آخری رسول ماننا۔

(۳) مجازات: یعنی یوم الجزاء اور قیامت کا قائل ہونا۔

وكان مشركوا القريش مخالفين فی هذه الثلاثة (۱) ماكانوا يعتقدون التوحيد بل كانوا مشركين (۲) وماكانوا يعتقدون أن محمدا رسول الله (۳) وماكانوا يعتقدون البعث بعد الموت كماقال ابولهب تبا لك. سائر اليوم ألهذاجمعتنا وهذه الاعتقادات الثلاثة التوحيد الرسالة والمجازات هی اساس القرآن من اعتقد هذه الاعتقادات الثلاثة تصير أعماله مقبولة مشرکین مکہ ان تینوں عقائد کی مخالفت کرتے تھے توحید کے قائل نہ تھے بلکہ مشرک تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی نہیں مانتے تھے نہ بعث بعد الموت کے قائل تھے، جیسا کہ ابولہب نے کہا کہ (العیاذ باللہ) ہمیشہ کیلئے تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس بات کیلئے جمع کیا ہے؟ جبکہ یہ تینوں عقیدے قرآن کی اساس ہیں جس شخص کے یہ تینوں عقیدے درست ہوں اسکے اعمال مقبول ہیں اور جس کے یہ تینوں عقیدے درست نہ ہوں تو اسکے اعمال مردود ہونگے اور یہ تینوں فاتحہ میں موجود ہیں (توحید، رسالتؐ، مجازات) اور یہ ہے سارے قرآن کا خلاصہ۔

صالحین اور مردودین کے واقعات برائے نمونہ وعبرت

اعمالِ صالحہ تب کریں گے جب یہ عقیدہ ہو کہ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر: ۳۸) ''ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے'' جہاں انبیاء اور صالحین کے قصص کا ذکر آیا ہے تو اس کی پیروی کرنی چاہیے اور یہ قصص نمونے دکھلانے کی خاطر مذکور ہوئے ہیں، قصص اعمال کے لئے نمونہ دکھلانا ہے۔ حضرت مریمؑ کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ عورتوں کو اس قسم کی صفات اختیار کرنی چاہئیں اور فرعون اور قوم لوط کا ذکر اس لئے ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلنے سے بچیں، اعمال کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ نمونہ نہ ہو تو قرآن کریم میں اصلاح عقائد کے ساتھ ساتھ عاملین (صالحین) اور مردودینِ بارگاہ الٰہی کے قصے مذکور ہیں تا کہ مقبولینِ بارگاہ الٰہی کی پیروی کی جائے اور مردودینِ بارگاہ الٰہی کی پیروی سے احتراز کیا جائے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۰) ''یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی سو تو ان کے طریقہ پر چل۔''

دین اصولاً ایک ہے اور شرائع مختلف

تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اصولاً ایک ہی ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجة اللہ البالغة میں ایک باب قائم کیا ہے باب أن أصل الدين واحد والشرائع والمناهج مختلفة ''اصل دین ایک ہے اور شرائع اور مناہج مختلف ہیں'' مثال بیان کی ہے کہ أبوهم واحد وأمهاتهم شتى ''والد ایک اور مائیں مختلف'' ہیں۔

تین بنیادی عقائد

اعمال صالحہ تب معتبر ہیں جب اعتقاد توحید، رسالت اور مجازات کے بارے میں صحیح ہو اور یہ فاتحہ میں موجود ہیں۔

(۱) معتقدات: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ ہے توحید

(۲) مجازات: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

(۳) رسالت: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہاں مقبولین دربار الٰہی کا اجمالاً ذکر ہے۔ تفصیلاً اور جگہوں میں ذکر ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۰) اور دوسری جگہ ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ(النساء:٦٩) یہ قرآن کا خلاصہ ہے:
(۱) اعتقادات درست ہوں (۲) مجازات پر ایمان ہو (۳) رسالتؐ پر یقین ہو تو اعمال صالحہ کا اس پر ترتب ہوگا۔ ان عقائد کے بعد قرآن میں غور کرنے سے منشاءِ الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلم کلمہ گو کو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے نقشِ قدم پر چلنا اور مردودینِ بارگاہ الٰہی کے راستے سے ہٹنا چاہیے، یہ تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے، اب اس کو ذہن نشین کر کے سارے قرآن پر غور کیجئے تو یہی بات سامنے آئے گی یعنی اگر یہ تین چیزیں سمجھ میں آجائیں اور انسان کا حال بن جائیں تو تمام دین سمجھ میں آسکتا ہے کیونکہ جس وقت انسان کا تعلق باللہ وبالرسول ٹھیک ہوجائے اور مجازات کا سبق قلب میں خوب جاگزیں ہوجائے تو پھر باقی احکام پر عمل سہولت اور آسانی سے ہوسکتا ہے لیکن توحید، مجازات اور رسالتؐ جو کہ تعلیم قرآن کے بنیادی اصول ہیں، انہیں اختیار کرنے کے بغیر قرآن مجید سے کبھی کوئی مستفید نہیں ہوسکتا۔

مکی اور مدنی تعلیم میں فرق

مکی اور مدنی تعلیم میں فرق یہ ہے کہ مکہ میں توحید، رسالتؐ اور مجازات کی تعلیم تھی یعنی مکی سورتوں میں زیادہ تر یہ تین مضامین بیان کئے جاتے ہیں بعض میں توحید ہی توحید نظر آرہی ہے کیونکہ مکہ میں توحید کے منکر تھے کہتے تھے مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص:٧) ''ہم نے یہ بات اپنے پچھلے دین میں نہیں سنی یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے۔'' تو اللہ کی طرف سے اِنَّ اِلٰھَكُمْ لَوَاحِدٌ (الصٰفٰت:٤) ''البتہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔'' کا اعلان کیا جارہا ہے بعض میں قیامت اور بعض میں رسالت کا مضمون آرہا ہے اور مدینہ میں قواعدِ فروعیہ کی تعلیم ہے یعنی مدنی سورتوں میں احکامات کا ذکر ہے۔

قرآن کا خلاصہ عقائد واعمال کی درستگی

عقائد واعمال کو درست کرنا یہ تمام قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور عقائد باطلہ ومشرکین سے بچانا اور توحید کو اپنانا قرآن کریم کے مضامین کی روح ہے۔ اقوام نوح، صالح، شعیب، لوط علیہم السلام اور قومِ فرعون وغیرہ کے قصص اسی غرض سے بیان کئے گئے ہیں کہ عقائد کا صحیح تعلق آجائے یعنی قیامت کا دن جزاء وسزاء کا دن ہے انسان اگر صحیح طور پر سورت فاتحہ پر ہی عمل شروع کردے تو اس سے انسان شرک میں مبتلا نہیں ہوسکتا مثلاً قارون کے متعلق آتا ہے کہ اس کو کہا گیا

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص:۷۷) ''اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' تو اس بد بخت نے جواب میں یہ کہا کہ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصص:۷۸) '' کہا یہ تو مجھے ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے'' فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص:۸۰) ''پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا'' یہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ امت محمد یہ ان خرافات سے بچا کرے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمان شرک کے نام سے کوسوں دور بھاگتا ہے، مسلمان سے جو چاہو کرالو مگر شرک کا نام آئے تو گھبراتا ہے لیکن شیطان اپنے مکر کی وجہ سے ایسی صورت تجویز کرتا ہے کہ بظاہر شرک معلوم نہیں ہوتی مگر واقعتاً وہ شرک ہوتا ہے، اسی طرح اگر مسلمان کو یہ پتہ چل جائے کہ اس فعل میں شرک لازم آتا ہے تو ہرگز وہ اس کے نزدیک نہیں جائے گا۔

توحید کا بیان اور بعض خرافاتی عقیدے

جب لوگوں کو توحید سمجھنی ہوتی ہے اور ان کو شرکیہ عقیدوں سے منع کرنا ہوتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں شاباش ''وہابی مولوی صاحب'' یعنی مذاق اڑاتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں ایک نعت خواں کہتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

شریعت کا ڈر ہے تمہیں صاف کہہ دوں
خدا خود رسول خدا بن کے آیا

اب اس میں رہا کیا؟ نعت خوان شریعت سے کیسے ڈریں وہ تو یہ کہنے سے کافر ہو گیا پھر شریعت کا اسے کیا خوف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع (بخاری: ج ۲ ص ۱۰۸۸) یعنی تم اگلوں کی مکمل پیروی کرو گے، جو پورا ہو کے رہا بعض بیہودہ لوگ تعریف میں بہت غلو کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں......

درود و سلام است بے انتہا
کہ ظاہر بشر بود بباطن خدا (العیاذ باللہ)

عرش پہ تھا مستوی ہو کر
اور اتر آیا مصطفیٰ ہو کر

حالانکہ ان لوگوں پر یہ قرآن نہ پڑھنے کی وجہ سے خدا کی پھٹکار ہے لیکن ان لوگوں نے خود بھی قرآن مجید نہیں پڑھا اور اگر پڑھتے تو لوگوں کی اصلاح کرتے اور شاعروں کی ان بے ہودہ گوئیوں پر ہمت افزائی نہ کرتے، کھانے میں نمک نہ ہو تو کھانا امیروں کا ہو یا غریبوں کا وہ کھانا بے لطف ہوتا ہے اسی طرح قرآنی تعلیمات سینوں میں نہ ہوں تو وہ سینے بے لطف اور بے نور ہوتے ہیں، ایک لحاظ سے پنجاب بدترین خطہ ہے یہاں جھوٹے نبی پیدا ہونے کے دعویدار سامنے آئے، منکرین حدیث یہاں پر پائے جاتے ہیں اور شرک و بدعات کے مراکز یہاں بن گئے ہیں، ایک اور شاعر کہتا ہے کہ...... (العیاذ باللہ)

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

دوسرا کہتا ہے...... (العیاذ باللہ)

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمدؐ
محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

حالانکہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" کیونکہ اگر نبی کی تعریف میں غلو کرو گے تو خدا ٹھہرا لو گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری تعریف حد سے زیادہ نہ کیا کرو، ایک روایت میں آیا ہے کہ کسی یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف کی تو ایک مسلمان نے اس کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کو فضیلت دے رہا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ڈانٹا اور فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو وہ نبی ہیں کہ میں جب قیامت میں اٹھوں گا تو وہ مجھ سے پہلے عرش کے پایہ کے ساتھ ہوں گے، معلوم نہیں کہ اُن پر قیامت کی غشی طاری ہوئی ہوگی یا کوئی اور وجہ ہوگی ایسا مضمون تقریباً احادیث میں آتا ہے تو نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں غلو کرتے ہوئے ابن اللہ بنا دیا، اس لئے گمراہ ہوئے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے درس اور صحبت کے اثرات

مقبولین کے نقش قدم پر چلنا اور مردودین سے بچنا تمام قرآنی مضامین کا خلاصہ ہے یہ چیزیں حضرت سندھیؒ کی آغوش تربیت میں رہ کر سیکھی تھیں، مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دہلی میں مدرسہ ''نظارۃ المعارف'' کی بنیاد رکھی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کلکتہ میں ''دارالارشادؒ'' کی بنیاد رکھی، مولانا ابوالکلام آزادؒ چھ مہینہ میں سورۃ فاتحہ پڑھاتے تھے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ چھ مہینہ میں تمام قرآن کریم پڑھاتے تھے لیکن جو بات مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تلامذہ میں نمایاں ہوتی تھی وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے تلامذہ میں نظر نہیں آتی تھی تو اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ایک مولوی قصوری صاحب (مولانا محمد علی قصوری) پڑھ کر دہلی میں آئے تو انہوں نے اقرار کیا کہ جو اثر مولانا ابوالکلامؒ کی صحبت میں مہینوں سے پیدا ہوتا ہے، وہ اثر مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے چند منٹوں کی صحبت میں پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سندھیؒ کو انگریز لوگ اسکیم ساز مولوی کہتے تھے۔

سورۃ فاتحہ میں ذکر شدہ اصول کا متبع مومن ہوگا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ میں توحید کا مضمون ہے، مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ میں مجازات کا مضمون ہے، اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں رسالت کا ذکر ہے کیونکہ عَلَيۡهِمۡ میں انبیاءؑ بھی شامل ہیں وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا (النساء: ٦٩) ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا فرمانبردار ہو تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبی، صدیق، شہید و صالح ہیں اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے احسان ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔'' اس میں مقبولینِ بارگاہِ الٰہی کے مسلک پر چلنا اور غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ سے مردودین بارگاہ الٰہی کے راستے سے ہٹنا آ گیا یہ سورت کا اجمال ہے جس میں اختصار ہی ہوتا ہے اور تفصیل آگے آئے گی من کان متبعاً لهذا الأصل الذی ذکرت فی الفاتحة فهو مؤمن یعنی جو سورۃ فاتحہ میں ذکر شدہ اصول کی اتباع کرے گا وہ مومن ہوگا۔

فاتحہ میں تمام قرآن مجید کا اجمال

جس طرح پیپل کا درخت اپنے معمولی بیج کے اندر اجمالاً موجود ہے اسی طرح تمام قرآنی مضامین اجمالاً سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں، ان عقائد اور اس نظام الاوقات (پروگرام) کے مطابق اگر کوئی چلے تو اسے کامیابی حاصل ہوگی اس کو نجات کا تمغہ ملے گا من كان كذلك فهو ناج فی الأخرة ای من کان متبعاً لهذه الأصول التي ذكرت في سورة الفاتحه اجمالا فهو مؤمن ناج کی سند اُسے ملے گی۔

ربوبیت، اولین مظہرِ قدرت الٰہی: ربط آیات اور تفصیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ہر چیز جو قابل حمد وستائش ہے وہ دراصل قدرت الٰہی کے حسن و جمال کا مظہر ہے، پردۂ عدم سے صفحۂ ہستی پر لانے والا وہی ہے یعنی سب سے پہلے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی جس مظہر الٰہی صفت سے انسان کا تعارف ہوتا ہے وہ صفتِ ربوبیت ہے۔ مثلاً دنیا میں آتے ہی جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو روتا ہے جب ماں کا پستان منہ میں لے لیتا ہے تو چپ ہو جاتا ہے بلکہ اس مظہر ربوبیت سے یہاں تک مانوس ہوتا ہے کہ بہت رو رہا ہو اور ماں آ کر پاس لیٹ جائے تو چپ ہو جاتا ہے، گود میں فقط اٹھالے تو مطمئن نظر آتا ہے۔

صفتِ ربوبیت کا ذکر انس اور محبت پیدا کرنے کے لئے

اس آیت میں عاقل بالغ انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان! مظہر ربوبیت کے ادنیٰ سے نمونے کے ساتھ جب تمہیں اتنا شدید انس ہے تو تمہیں منبع ربوبیت کے ساتھ بطریق اولیٰ انس ہونا چاہئے جو سارے جہان کا حقیقی مربی ہے بلکہ تمہیں مجاز سے نظر ہٹ کر ہر نعمت کیلئے حقیقی مربی کا شکر بجالانا چاہئے، اسی لئے یہاں اس صفت کو ذکر کیا گیا ہے نہ کہ جبّار اور قہّار تا کہ انس پیدا ہو جو کہ موجب ستائش ہے وہ ذات تمام اجناس اور تمام انواع اور ہر قسم کی تربیت کرنے والی ہے اور اسی تعلق کو مضبوط بنانے کیلئے آگے مضامین آئیں گے تو تمام مخلوقات کی ضروریات کی وہی ذات کفیل ہے خواہ وہ زمین ہو یا آسمان یا ان کے درمیان ساری حمد وستائش کا لائق وہی ہے لہٰذا سب سے توڑو اور ایک سے جوڑو، اسی طرح تمام مخلوقات کی حاجات کا حاجت روا صرف اللہ جل شانہ ہے لہٰذا رب العالمین کہلانے کا مستحق صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

تسبیح اور حمد کے درمیان فرق

نعمت کے مقابلے میں حمد عام ہے اور شکر خاص ہے، تسبیح کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ کی قدرت کا مظہر ہے وہ جمیع نقائص سے پاک ہے اور حمد کا معنی یہ ہے کہ جو خوبی اور حسن ہے یہ تیری ہی قدرت کا کرشمہ ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شرِ محض کسی چیز کو پیدا نہیں کیا کوئی نہ کوئی فائدہ اس میں ضرور ہوتا ہے مثلاً سانپ بچھو، بخاراتِ غلیظہ کثیفہ سے پیدا ہوتے ہیں تو یہ اگرچہ انسان کے دشمن ہیں مگر یہ فائدہ بھی ہوا کہ بخاراتِ کثیفہ پر انسان قادر نہ تھا تو اللہ نے ان بخارات کو متشخص کرا کر انسان کو اس پر قادر کیا کہ جوتے لاٹھی سے مار کر ان کو باہر پھینک دے، بخارات سے نجات ہو گئی۔

اللہ صفاتی نام نہیں بلکہ اسم علم ہے

لِلّٰهِ: الله علم لذات الواجب الوجود المستجمع لجيمع صفات الكمال المنزه من النقص والزوال یعنی وہ پاک ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے اور ہر ایک شے اسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے، وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتی ہے، یہ خدا کا صفاتی نام نہیں بلکہ اسم علم ہے۔

مقصد انسانی کو سمجھنا

رَبِّ: اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً نشوونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا، انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کیلئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں فنا ہو جائے یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اُس کے ذہن میں نہ آئے، یہ انفرادی درجہ تکمیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوقات ''عالم'' ہے

الْعٰلَمِيْنَ: عالمین عالم کی جمع ہے، وكل شئى ما سوى الله فهو عالم اللہ تعالیٰ کے سوا یہ تمام مخلوقات عالم ہے پھر اس میں کئی انواع ہیں، عالمِ جن، عالمِ ملائکہ، عالمِ انس، اس لئے عٰلَمِيْنَ جمع کا صیغہ ذکر ہوا اور وہ ہر ایک عالم کی پرورش اس کے مناسب اعلیٰ طریقے سے فرماتے ہیں، مثلاً نباتات غیر متحرک اور مرکوز فی الارض ہیں یعنی چل پھر نہیں سکتے تو ان کا حق اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے کہ ان پر بارش برسا کر سیراب کیا جاتا ہے۔

نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو

اور حیوانات چل پھر سکتے ہیں تو ان کے لئے اشیائے خوردنی و دیگر ضروریات کے لئے چیزیں مہیا کر دی ہیں حیوانات خود جا کر اُن کو استعمال کرتے ہیں، بعض جنگلوں میں ہرنی بیس بیس میل سے پانی پینے آتی ہے۔

عالمِ سفلی وعلوی کی ہر قابل حمد چیز عرضی نہیں

اصل میں قابل تعریف وتحسین ہر چیز قدرت الٰہی کا مظہر ہے، اس تحسین وحسن ذاتی و عرضی کا منبع اللہ کی ذات ہے کہ اس نے حسن اس میں ڈالا، صانع قابل ستائش ہونا چاہئے نہ کہ مصنوع، تمام کائنات میں جو حسن وخوبی ہے وہ اللہ نے پیدا فرمائی ہے خواہ وہ ذات میں ہو یا عرض میں، ہر وہ چیز جو قابل تحسین ہے وہ خلاق العلیم کی قدرت کا مظہر ہے، ان تمام محاسن وکمالات کا منبع رب العالمین جل مجدہ کی ذات ہے کہ اس نے اس میں حسن ڈالا ہے کان اللہ ولم یکن معہ شئی ہر چیز میں قابل تعریف فقط اللہ ہی ہے۔ سارا نظام خواہ علوی ہو یا سفلی اس میں جو چیز تعریف وتوصیف کے قابل ہے وہ سب اللہ کی حمد کے مظاہر ہیں، سورج، چاند، ستاروں کو یہ روشنی اللہ ہی نے بخشی ہے......

حمد را با تو نسبتی است درست
بر در ہر کہ رفت بر در تو ست

لٰہذا وہ صانع بھی ہے اور ساتھ ہی وہ رب العالمین بھی ہے، تمام مصنوعات کا حسب ضرورت مربی وکفیل بھی ہے۔ پنجابی میں ضرب المثل ہے جو جنتی (پیدا کرتی) ہے وہ پالتی بھی ہے جب خالق وہی ہے تو تربیت بھی کرے گا، بنانے والا وہی ہے تو حاجت روائی بھی کرے گا، کائنات کا حسن اس کے حسن کا جلوہ ہے کائنات میں حسن اُس نے تقسیم فرمایا، مخلوقات کا حسن ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے، جب تمام مصنوعات اس نے پیدا کی ہیں اور اس میں حسن بھی اس نے ڈالا تو تربیت بھی وہی فرمائے گا، وہ ہر چیز کی مناسب تربیت فرماتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ اور خیر کثیر میں علم لدنی

حجۃ اللہ البالغہ کے پڑھانے میں باطن کو بھی دخل ہے، ظاہر وباطن کے لحاظ سے کامل، اسے پڑھا سکتا ہے، فلسفہ شریعت اسی میں آ گیا ہے بہرحال! جو صاحب علوم ظاہریہ وباطنیہ کی

طاقت رکھتا ہے تو وہ اس کی تدریس کرے کیونکہ اس مضبوط کتاب میں شرعی فلسفہ ہے، شاہ صاحبؒ کی ''خیر کثیر'' بہت مغلق کتاب ہے، اس کو مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ خوب پڑھا سکتے تھے، اس کے پڑھانے والا اب کوئی نہیں میں (احمد علی) نے ایک دن شاہ انور شاہؒ سے ''خیر کثیر'' پڑھانے کی درخواست کی تو فرمایا، میں اس قابل تو نہیں ہوں لیکن آپ ارادہ کر کے آئے ہیں تو فعلي الرأس والعين (تو آپ کی درخواست سر آنکھوں پر) خیر کثیر میں علم لدنی ہے اور حجة الله البالغة بھی مشکل کتاب ہے، تمام علوم متداولہ سے فراغت کے بعد کہیں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے لئے چار مہینے بالکل دینے ہوتے ہیں اور اس کے پڑھنے کے بعد آدمی شریعت کا فلاسفر بن جاتا ہے، اس کی پہلی فصل میں منطق کی ضرورت پیش آتی ہے جنس، فرد وغیرہ کی اصطلاحات ہیں۔

رحمت عمومی و خصوصی

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ : اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ میں سے رحمٰن و رحیم بھی ہیں، یہ دونوں رحمت سے مشتق ہیں مگر مابہ الامتیاز دونوں میں یہ ہے کہ رحمان عمومی رحمتوں کا مظہر ہے اور رحیم خصوصی رحمتوں کا یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دو حصے ہیں۔

(۱) رحمت عمومی (۲) رحمت خصوصی

(۱) رحمت عمومی (رَحْمٰنِ) جو مؤمن، کافر، مشرک سب پر یکساں ہے مثلاً رزق سب کو دیتا ہے

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود:٦)

''اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اس کی روزی اللہ پر ہے۔''

وكُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (بنی اسرائیل : ٢٠)

''ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری بخششوں سے مدد دیتے ہیں اِن کو بھی اور اُن کو بھی، تیرے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔''

ان آیات کے لحاظ سے اور منبع ہونے کے لحاظ سے رحمٰن یعنی ضروریات زندگی سب کو مہیا فرماتا ہے مطعومات، مشروبات، ملبوسات، مرکوبات، منکوحات، ادویہ علاج وغیرہ سب کیلئے یکساں ہیں۔

(۲) رحمت خصوصی (رَحِیْم) کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو رحیم کہا جاتا ہے اور یہ صفت صرف مومنوں کے ساتھ مختص ہے یعنی ایمان، مغفرت اور بخشش صرف مومن بندوں کے لئے ہے، اس کی مثال جیسا کہ کفار کہتے تھے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: ۳۱)

''اور کہا کیوں یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی سردار پر نازل نہیں کیا گیا؟''

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: ۱۲٤)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ پیغمبری کا کام کس سے لے۔''

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدہ: ٥٤)

''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے۔''

کارخانہ عالم بے نتیجہ نہیں چھوڑے گا

اسی طرح اللہ کی ذات رحیم ہے انبیاء اور صالحین پر، امانت دیانت تمام اعمال صالحہ اعتقاد صحیحہ کے بعد رحمت خصوصی میں داخل ہیں اور دونوں مختص بذات اللہ تعالیٰ ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ ہر عقل مند جب کوئی کام کرتا ہے، فرض کریں کہ کوئی تجارت کرتا ہے تو آخر میں ضرور اس کی پڑتال کرتا ہے، کام کر کے اسے بے نتیجہ نہیں چھوڑتا، اپنے کام کے نتیجہ کو ضرور دیکھتا ہے، اناج کھائے جاتے ہیں، ہزاروں واقعات روزانہ رونما ہو رہے ہیں تو یہ ایک زبردست کارخانہء عالم جو چل رہا ہے اُسے وہ کس طرح بے نتیجہ چھوڑ دے گا۔

رحمتوں میں فرق کی عمومی اور خصوصی مثالیں

اسی طرح اولاد دینا، ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا رحمت عمومی میں شامل ہیں جیسے والد اور والدہ اگرچہ دونوں رحیم ہیں مگر ان کی رحمت میں فرق ہے والد میں رحمت کلی ہے یعنی اس کا یہ خیال ہے کہ بالفعل اس کو جو کچھ تکلیف بھی ہو لیکن اس کی آنے والی زندگی کی حالت سدھر جائے اور یہ ہمیشہ کیلئے آسائش میں رہے اور دنیا کی زندگی اپنے ہم عصروں میں عزت سے بسر کر سکے اسی جذبہ کے تحت بعض اوقات باپ بیٹے کو استاد کے سپرد کرتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ہماری اور گوشت تمہارا اور والدہ کی رحمتِ جزئی ہے یعنی اس کی طبیعت کا یہ تقاضہ ہے کہ بالفعل اس کو راحت پہنچے مثلاً کھانا اچھا ہو اور پوشاک نہایت اعلیٰ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ماں یہ چاہتی

ہے کہ میٹھی نیند سوئے، مارنا تو دور کی بات ہے کوئی اسے گھورنے بھی نہ پائے۔ اگر استاد کبھی بچے کو تھپڑ مارے تو اسے کوستی ہے اور بددعائیں وغیرہ بھی دیتی ہے۔

والدین کی عمومی وخصوصی رحمتیں محدود مگر رب کی غیر محدود

والد کی صفت عامہ کا منبع صفت رحمٰن ہے اور والدہ کی رحمت خاصہ کا منبع صفت رحیم ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ تمام مخلوقات میں تقسیم کیا ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ایک کم سو (ننانوے) اپنے پاس رکھے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو مربی حقیقی ہے دونوں قسم کی تربیت کرتا ہے۔ ضرورت حالیہ کو بھی پورا کرتا ہے اور ضرورت استقبالیہ کا بھی لحاظ رکھتا ہے اور والد کی رحمت محدود ہوتی ہے یعنی اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ زندگی اچھی طرح گزر جائے اور مرنے کے بعد وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا، اسی طرح والدہ کی رحمت اور شفقت بھی محدود ہوتی ہے کیونکہ اس کی رحمت اکثر مولودگی اور بڑے ہونے تک رہتی ہے اور شادی کے بعد اکثر اختلاف ہو جاتا ہے کیونکہ اول تو جس وقت لڑکا شادی کرتا ہے تو اس کی توجہ والدہ سے ہٹ کر اپنی زوجہ کی طرف ہو جاتی ہے اور اگر توجہ باقی بھی رہے تو اتنی نہیں رہتی جو پہلے تھی، اس لئے والدہ کی شفقت اور رحمت بھی پہلے جیسے نہیں رہتی اور اگر بالفرض رہے بھی تو مرنے تک رہے گی بخلاف رب کی رحمت حقیقی کے جو غیر متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا برزخ میں خیال رکھے گا اور میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی، اس لئے اس جگہ ایسے رشتہ کو ذکر کیا گیا ہے کہ جس سے اُنس اور محبت پیدا ہو اور الجبار اور القہار جیسی صفات کو ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دونوں موجب انس و محبت نہیں ہیں اور ربوبیت بھی ایسی صفت عامہ ہے کہ ضرورت عاجلہ اور آجلہ اور حالیہ اور استقبالیہ کو پورا کرتی ہے اور وہ غیر متناہی ہے عامہ اور خاصہ یعنی سامان فرحت اور دیدار الٰہی اور وہ بھی ابدالاباد تک کو شامل ہوگی۔

رحمت عمومی کا تعلق جسم سے اور خصوصی کا روح وقلب سے

ایمان واسلام ایسی چیزیں ہیں جو رحمت خصوصی میں شامل ہیں جس کا نتیجہ جنت ہے، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء:٦٩) ”اور جو شخص اللہ اور اس کے

رسول کا فرمانبردار ہو تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں۔'' یہ افضال خداوندی میں سے ہیں رحمت عمومی کا تعلق جسم سے ہوتا ہے اور خصوصی کا روح سے، ایمان فعل قلب ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: ١٤) ''بدویوں نے کہا ہم ایمان لے آئے ہیں کہہ دو تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو تو تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

دونوں رحمتوں کا منبع ذات باری تعالیٰ ہے صرف حیثیات اور اعتباراتِ رحمت کا فرق ہے، سب کا مصدر اللہ کی ذات ہے، کہیں اگر صفت محیی کا ظہور ہو تو کہیں صفت ممیت کا ہو گا کہ وہ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کہا گیا ہے وہ مجازاً ہے، یہاں تک صفات ثلاثہ آچکے پس اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت دنیا میں موجود ہیں۔

صفتِ مالکیت مرجع مخلوق ہونے کی متقاضی

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: اس میں دو قرأتیں ہیں مالِك و مَلِك دنیا والوں کے آپس میں جو تعلقات ہیں وہ تین قسم کے ہیں، ایک اصول (مقدم) آباء یعنی دادی اور دوسرا اصول ماں یعنی نانی اور تیسرا بیرونی تعلق یعنی بادشاہ، اندرونی تعلق والدین سے وابستہ ہے اور بیرونی تعلق کہ ہم ایک بادشاہ کے زیر سایہ ہیں، اطاعت والدین اور اطاعت بادشاہ انسان کا فطرتی جذبہ ہے، فطرتی اس کو کہتے ہیں جو کہ رعیت کی رضامندی سے تخت نشین ہوا ہو، اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے بچپن میں ہر انسان اپنے نفع پانے اور شر سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے والدین کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن جب بڑا ہو جاتا ہے اور کاروبار کا سلسلہ چلاتا ہے تو پھر اپنے حقوق کی نگہداشت کیلئے جس مظہر ربوبیت کی طرف رجوع کرتا ہے وہ بادشاہ عادل ہے اگر اس کی کوئی حق تلفی کرے تو بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے مگر یہ اس بادشاہ کا حق ہے جو متغلب نہ ہو اور جب بادشاہِ مجازی کی اطاعت فطرتی ہے تو بادشاہِ حقیقی کی اطاعت بطریق اولیٰ فطرتی ہو گی۔

صفات ثلاثہ کا نتیجہ قیامت کی شکل میں

دنیا میں بھی اُسی ہی کی صفات حمیدہ کا ظہور ہے اور عالم آخرت میں بھی اُس کی صفات کا ظہور ہوگا، لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ سب کہیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کافر ومومن سب بول اٹھیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یہی ہے توحید کا نور کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اُسی کا ظہور ہے، دنیا میں بھی ظاہری و باطنی رحمتیں اُسی کی ذات میں ملتی ہیں تو پھر عبادت بھی اُسی کی کرنی چاہئے۔ اب اِن صفات ثلاثہ یعنی ربوبیت الٰہی، رحمانیت اور رحیمیت کے تصور کرنے کے بعد خود بخود یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ قیامت آئے گی، قیامت کے بغیر نتیجہ نہیں نکل سکتا، اس کا نتیجہ تب نکلے گا جب جہان ختم ہو جائے۔ حدیث میں ہے من سن سنةً حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها ومن سن سنةً سيئةً فعليه وزرها ووزر من عمل بها (الترمذی: ح ٢٦٧٥) ''خیر کا راستہ کھولنے والے کو اس کے اپنے اور سارے عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا اور شر کا راستہ کھولنے والے کو اس کے اپنے اور سارے عمل کرنے والوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔'' تو نیکیوں اور بدیوں کا سلسلہ قیامت تک ختم نہیں ہوتا نیکی اور بدی دو متوازی چیزیں ہیں، ایک جگہ سے ابتداء اور ایک جگہ تک انتہا فطوبىٰ لعبد جعله الله مفتاحا للخير ومغلاقا للشر (مشکوۃ: ج٣، ص١٤٣٧) ''مبارک باد اس شخص کو جسے اللہ نے خیر کھولنے والا اور شر کو روکنے والا بنایا۔''

اچھائی اور برائی کی بنیاد ڈالنے والے کا بدلہ

جتنے قتل دنیا میں کئے جا رہے ہیں ان میں سے ہر ایک کا گناہ قابیل کے سر پر ڈالا جا رہا ہے، اسی طرح جو نیکی کی بنیاد ڈالے تو بنیاد ڈالنے والے کا اجر بڑھتا جائے گا، نیکی کرنے والے کے اجر میں شامل کر دیا جائے گا، ابھی چودھویں صدی ہے نیکی اور برائی کا سلسلہ جو جاری ہے پندرھویں صدی والوں کو چودھویں صدی کے لوگ پہنچائیں گے، چودھویں صدی والے پندرھویں صدی والوں کو نیکی یا برائی منتقل کریں گے تو لازمی طور پر عقل فیصلہ کرتی ہے کہ جس ذات نے اس جہان کی ابتدا کی ہے وہ اس کا نتیجہ بھی برآمد کرے گا۔ اس لئے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا الانسان عبد الاحسان جب آپ کہہ چکے کہ لا رب إلا هو تو اب بندگی اسی کی کرنی ہوگی۔

انسان کی اصلاح کیلئے حضرت شاہ صاحبؒ کے چار نکات

اصلاح کیلئے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ جزا و سزا کو مانا جائے ورنہ انسان اصلاح پر مجبور

نہیں ہوسکتا، حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ انسان میں چار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) انبعاث من النفس: ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو کہ انسان سے کام کرواتی ہے۔

(۲) عود إلى النفس: پھر اس کام کے کرنے سے نفس پر عکس پڑ جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ بُرے عمل سے دل پر سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے، اگر توبہ کی اور عمل صالح کیا تو وہ نقطہ سفید ہو جاتا ہے ورنہ بُرے اعمال کرتے کرتے قلب بالکل سیاہ ہو جاتا ہے تو یہی عکس عمل ہے۔

(۳) تشبث بذيل النفس: یہ عمل انسان کے دامن سے چمٹ جاتا ہے جس سے انسان وہ کام باآسانی اور ہمیشہ کے لئے کر سکتا ہے مثلاً حفظ قرآن و کتابت وغیرہ۔

(۴) إحصاء النفس: جو اعمال انسان کرتا رہتا ہے وہ محفوظ کئے جاتے ہیں (یعنی محفوظ ہو جاتے ہیں)

تنبیہ: کافروں کا عقیدہ ہے کہ انسان ختم ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

بادشاہِ حقیقی کی رہنمائی اور بندگی

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ: سب کچھ اللہ ہی کا ہے تو ہم بھی اُسی کے ہی ہیں، ہم اُس کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اس ہی سے استعانت (مدد کی طلب) کریں گے کہ دونوں طرح کی ربوبیت میں اُس ہی کے محتاج ہیں کیونکہ سب کچھ اُس کے قبضہ میں ہے، عبادت بھی تیری ہی کریں گے اور آئندہ بھی حاجات کے لئے تیرا ہی دروازہ کھٹکھٹائیں گے جیسے کسی شخص کا تعلق براہ راست کسی بادشاہ سے ہو جائے تو وہ کسی اور آدمی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا بلکہ اس کو جو بھی ضرورتیں پیش آئیں گی براہ راست بادشاہ سلامت سے عرض کرے گا بلکہ کسی کے آگے دست دراز کرنا اپنی کسرِ شان سمجھے گا تو چونکہ ہمارے سارے تعلقات بادشاہ حقیقی سے وابستہ ہیں تو ہم کو بھی چاہئے کہ سوائے بادشاہ حقیقی کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ کہ براہ راست مجھ سے مانگا کرو میں تمہیں دیتا رہوں گا۔

عبادت کی تفسیر و تفصیل معلوم کرنے کیلئے صراط مستقیم کا مطالبہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ: جب ہم نے جذبہ فطری کے تحت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا اقرار کر لیا تو پھر رہنمائی بھی اسی کی چاہئے، قاعدہ یہ ہے کہ جب تک اس کا مافی الضمیر معلوم نہ

ہو جائے عبادت کی تفصیل وتفسیر معلوم نہ ہو تو کس طرح عبادت کریں؟ اس لئے اُسی کی ذات سے مطالبہ کیا گیا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہ جس میں اعوجاج (ٹیڑھا پن) نہ ہو۔

صفات ثلاثہ توحید کا مقتضیٰ

جب ایک منصف مزاج انسان ان مذکورۃ الصدر مظاہر ربوبیت کی قدردانی اور عزت افزائی اپنا فرض منصبی خیال کرتا ہے تو ان کے منبع اصلی خدائے قدوس وحدہ لاشریک کی اطاعت بطریق اولیٰ فرض سمجھے گا بلکہ حقیقت میں مستحق شکریہ فقط وہی ہوگا۔ اس آیت میں اِسی کا اعلان ہے اور جب زمین وآسمان کے چلانے والے مولیٰ حقیقی عزاسمہٗ سے انسان کا براہ راست تعلق ہے تو دوسرے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے کیوں نہ اس سے ہی مدد کی درخواست کی جائے،
جب انسان نے یہ اقرار کرلیا کہ ہم اللہ کی ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کے مظہر ہیں تو لازمی طور پر بحیثیت تقاضائے فطرت یہ اعلان کرنا پڑا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اللہ کا مقرر کردہ نظام

جب ہم اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے ہیں اور وہ ہمارا حقیقی آقا ہے تو ضروری ہے کہ ہماری زندگی کا ہمارے حقیقی آقا (اللہ تعالیٰ) کی رضا کے مطابق نظام الاوقات اور زندگی کا پروگرام ہو تو اس لئے کہا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ خط مستقیم دو نقطوں کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا فاصلہ ہوتا ہے اور صرف یہی خط بندے کا خدا کے پاس پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (الانعام: ۱۵۲) اور صراط مستقیم وہ نظام حیات ہے جو اللہ نے بندوں کیلئے مقرر کیا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ انسان کو جو تعلیم دی جاتی ہے تو وہ اس تعلیم کو اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہنا سکتا جب تک کہ وہ عملی نمونہ نہ دیکھے، عملی طور پر جب کوئی رہنما ہادی نہ ہو تو اس ہدایت پر عمل نہیں کیا جاسکتا، عالم بھی جب حج کو جاتا ہے تو اپنے لئے وہاں معلم مقرر کرلیتا ہے، علم کے بعد بھی عملی نمونہ دکھلانے کی ضرورت ہے تو یہ اھدنا ہوا۔

صراط مستقیم مقبولین کا راستہ اور اس کا عملی نمونہ

تخیل اور کہنے سے پورا پتہ نہیں چلتا صراط مستقیم والوں کا عملی نمونہ چاہئے جو اسوۂ حسنہ ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عملی نمونہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں رکھا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (النساء: ٦٩) "اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا فرمانبردار ہو تو وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء اور صدیقین اور شہیداء اور صالحین ہیں اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں۔"

تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن مجید میں اگر ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں اور یہ سب سے عمدہ تفسیر ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ایک مجمل امر کی تشریح فرمائی ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیان

تفسیر القرآن بالحدیث

ایک تفسیر القرآن بالحدیث ہے کہ حدیث قرآن کے کسی مجمل امر کی وضاحت فرماوے یہ تفسیر کا دوسرا درجہ ہے۔

تفسیر باقوال الصحابة رضوان اللّٰه علیهم اجمعین

ایک تفسیر القرآن باقوال الصحابہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی آیت کی تفسیر فرماویں یہ تیسرے درجے کی تفسیر ہے تو یہاں اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر سورۂ نساء میں ذکر ہے وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (النساء: ٦٩) ہمیں اپنے مقبولین کا راستہ بتا جو تیرے محبوب ہیں ان کا نمونہ بھی بتا جو تجھے راضی کر چکے ہیں ہمیں بھی ان کے راستے پر چلا اور جو تجھے ناراض کر چکے ہیں اُن کے راستے سے ہمیں بچا کیونکہ ساتھ وہ (شیطان) بے ایمان بیٹھا ہوا ہے، جو قسم کھا کر کہتا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (ص: ٨٢) "تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا" اور اسی طرح رسالت والوں کا راستہ بتا پھر تو کہتا ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ جیسا کہ نوح، ہود، صالح، ابراہیم علیہم السلام ہیں، ان مقبولین کے راستے پر چلا اور ان کے مقابلہ میں جو مردودین گزرے ہیں ان کے راستے سے ہم کو بچا وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (الذریات: ٤٩) مقبولین بھی ہیں اور مردودین بھی۔

آقا کی تابعداری

اب جب غلام مجازی اور فانی کا اپنے مجازی اور فانی مولیٰ سے یہ تعلق ہے کہ وہ غلام مجازی اپنے مولی مجازی کی مرضی کے سوا ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا بلکہ اس کی نماز بھی قبول نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے تو جب تک وہ واپس نہ آئیگا تو اس کی نماز ٹھیک نہیں ہے إذا أبق العبد لم تقبل له صلاته (مسلم ح:١٢٤) جس وقت غلام مجازی پر مولیٰ مجازی کے اتنے شدید حقوق ہیں تو مولیٰ حقیقی کے بطریق اولیٰ ہوں گے اور جب ہم نے تیری غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال دیا اور تیری عبادت اور استعانت کا اقرار کر لیا کہ وہی معبود حقیقی ہے مستعان بھی وہی ہے اور حقیقی معبود بھی وہی تو تو ہی اب ہمیں سیدھا راستہ بتلا تا کہ ہم اس پر چل کر تیری بارگاہ میں پہنچ جائیں تو کہا گیا اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ اور ہادی (حضورؐ) جو ہدایات پیش کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوں گے۔

عوام الناس پر محسوس اور ظاہری چیز کا زیادہ اثر

یہاں تک توحید و رسالت اور مجازات کا بیان نہایت واضح طریقہ سے ثابت ہو گیا جس کے لئے اس سورت کو ام الکتاب والقرآن کہا گیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجة الله البالغه میں بیان فرمایا ہے کہ نماز اس ہیئت کذائیہ (مخصوص ظاہری صورت) سے کیوں ادا کی جاتی ہے کہ انسان کی فطرت کا مقتضا یہ ہے خصوصاً عوام الناس کہ ان پر محسوس اور مبصر چیز کا اثر زیادہ پڑتا ہے بہ نسبت غیر محسوس و غیر مبصر کے اور چونکہ نماز کی یہ ہیئت کذائیہ محسوس و مبصر ہے تو اسی طرح نماز کی ادائیگی کا حکم صادر ہوا جیسا کہ اور لوگ (جو مشرک ہیں) ایک بت بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا اعتبار کر کے اس بت کی پوجا کرتے ہیں اس جگہ بھی ایک محسوس نمونہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ہمیں راستہ دکھائے اور ایسے لوگوں کا جن کا آگے بیان آتا ہے نہ دکھائے، اس لئے کہا گیا اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ یعنی انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہید اور صالحین جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا (النسا: ٦٩)

منعم علیهم کا باہمی فرق مراتب

ان میں باہمی فرقِ مراتب ہے نبی دنیا میں عملی نمونہ کی خود نظیر ہوتا ہے نبی کی مثال عمل

میں اس کا ثانی نہیں ہوسکتا ہر کام میں مثلاً ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت مدینہ منورہ میں کچھ شور ہوا کہ باہر سے کوئی دشمن آرہا ہے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو کر باہر نکلے اتنے میں دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات ہے اور گھوڑے کی ننگی اور برہنہ پیٹھ پر سوار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں تلوار تھی اور سامنے سے چلے آرہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہے واپس چلو (البخاری، ح:۲۹۰۸)

نبی کا مقام

نبی تو أزهد الناس اور أقرب الناس إلى الله تعالىٰ وأخشى الناس من الله یعنی دیانت، امانت، شفقت علی الخلق وغیرہ اوصاف حمیدہ میں اپنی مثال آپ ہوتا ہے حاصل یہ کہ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک جامع الصفات ہے اور ان صفات خداداد کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام مادر زاد اخلاق حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل چالیس سالہ زندگی مشرکین مکہ میں گزاری، اوصاف حمیدہ سے محمود ہوتے ہوئے کسی مشرک کی کیا مجال تھی کہ طوعاً وکرہاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت، راست بازی، صلہ رحمی اور غریب پروری کا اقرار نہ کرتا، چنانچہ بخاری شریف کے دوسرے صفحے میں غار حرا کی حدیث آتی ہے کہ جبریلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین بار معانقہ کر کے بدن کو دبایا حضورؐ نے فرمایا کہ فَغَطَنِی اور پھر تیسری بار فرمایا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ ہو کر حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور زملونی زملونی فرما کر اوڑھنی مانگی، چنانچہ کچھ وقت بعد حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: كلا والله ما يخزيك الله ابداً إنك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المغدوم و تقری الضیف وتعین علی نوائب الحق(البخاری،ح:۳) اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپؐ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپؐ تو کنبہ پرور ہیں، بیکسوں کا بوجھ اپنے سر پر لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپؐ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپؐ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہونے سے قبل اوصاف حمیدہ سے موصوف ہوتے ہیں۔

نبی اللہ کی مرضی اور صدیق نبی کی مرضی کا مظہر کامل

غرض یہ کہ نبی ہر عمل میں اپنی نظیر خود ہوتا ہے نبی کے بعد درجہ ہوتا ہے صدیق کا، نبی مظہر اتم ہوتا ہے باری تعالیٰ کی مرضیات کا اور صدیق مظہر اتم (عکس جمیل) ہوتا ہے نبی کا، شہید مظہر ہوتا ہے قوت عملیہ کا، غصہ کے وقت علم اور جہل کا امتیاز ہوجاتا ہے مثلاً دو بھائی ہیں ایک جاہل اور دوسرا عالم ہے۔ جاہل کے غصہ کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ لڑ مرنا چاہے گا بخلاف عالم کے کہ وہ تدبیر سے کام نکالے گا

صدیق کی صداقت

صدیق میں استعداد و صلاحیت نبی کے لگ بھگ ہوتی ہے مگر نبی بالفعل متصف ہوتا ہے اور صدیق موصوف بالقوۃ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کی طرف سے کوئی فرمان آیا نہیں اور صدیق نے قبول کیا نہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے جو بات بھی نکلتی، صدیق اکبرؓ فوراً اس کی تصدیق کرتے اور دل میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ معراج کے واقعہ میں ابوجہل نے ابوبکر صدیقؓ کو کہا کہ تمہارے نبی نے تو آج یہ کہا ہے کہ میں رات کو بیت المقدس سے ہوتے ہوئے آسمانوں پر گیا تھا اور پھر واپس آ گیا تو صدیقؓ نے جھٹ سے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو بالکل سچ ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان کچھ ملال آ گیا تھا تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو ذرا ڈانٹا کہ یہی میرا ایک دوست ہے جس نے ہر بات میں میری تصدیق کی، اس کو بھی تم نہیں چھوڑتے، اس کو بھی ستاتے ہو۔

ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے الگ الگ انداز اور مثالیں

مثلاً صلح حدیبیہ ہے کہ فاروق اعظم کو سخت شرائط کے سننے سے چین نہیں آتا کبھی حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں وہاں سے بھی مرضی کے خلاف جواب ملتا ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں تو وہاں سے بھی طبیعت کے موافق جواب نہیں ملتا تو تنگ ہوئے بغیر خاموشی کے چارہ نظر نہیں آتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جواب ملتا ہے کہ کیوں نہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ پھر ہم ایسی شرائط کو کیوں قبول کریں؟ خیر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب ملا مگر دیکھو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق اور جاں نثار اور دیوانے، صدیق اکبرؓ زیادہ مطمئن ہیں بنسبت فاروق اعظمؓ کے، ان کی طبیعت میں بے چینی نہیں ہے، وہ دوررس نگاہ کے مالک تھے باوجود زیادہ عشق نبوتؐ

کے خاموش ہیں، سمجھتے تھے کہ فتح اسی میں ہے، نبی موجود ہیں خود ایسی شرائط منظور کرنا، بارگاہ نبویؐ سے ہو رہا ہے پھر اس میں ہم بولنے کے مجاز نہیں۔

منافق کے جنازے کے موقع پر حضرت عمرؓ کی شان جلالت

ایسے ہی دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی بن سلول کا جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کچھ تعرض نہیں کرتے مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر روتے ہیں اور دامن مبارک زور سے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یارسول اللہ! کیا آپ اس منافق جس نے اپنی زندگی آپ کی اور دین الٰہی کی مخالفت میں گزاری ہے اس کی آپ نماز جنازہ پڑھاتے ہیں (البخاری، ح: ۱۲۶۹) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہیں مگر انہیں معلوم ہے کہ اس میں بھی کوئی راز مخفی ہے، دونوں واقعات میں صدیقؓ خاموش ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو دل و جاں سے تسلیم فرما رہے تھے، چنانچہ وہی صلح سبب فتح مکہ ہوئی اور اس جنازہ کے سبب کئی لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس مضمون کو ادا کرتے ہوئے قلعہ اسلام میں داخل ہوئے جس کو بلبل شیراز نے اس شعر میں ادا کیا ہے......

دوستان را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمنان نظر داری

آپ کی وفات کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان جمال

ایسا ہی واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تلوار ہے اور زبان پر جاری ہے کہ جس شخص نے کہا کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر غرق ہیں مگر وہاں صدیق اکبر موجود نہ تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی روانہ کیا کہ صدیق کو بلا لاؤ، قاصد جاتا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہے گا کہ وفات پا چکے ہیں تو میں اس کی گردن جدا کردوں گا یعنی قتل کروں گا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور باہر نکلے، انصار کی مجلسیں شروع ہیں، کوئی کیا کہہ رہا ہے اور کوئی کیا، ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا إن محمداً قد مات من كان يعبد محمدا فان محمداً قد مات ومن كان يعبدالله فان الله حيى لايموت (البخاری، ح: ۳۶۶۷)

''بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں تو جو محمد کی عبادت کرتے تھے وہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) تو وفات پا چکے اور جو اللہ کی بندگی کرتا ہے تو وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا'' غرض یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ تھا ورنہ یہ کہا جائے گا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے محبت نبویہ میں بڑھے ہوئے تھے حالانکہ صدیق اکبرؓ کو فضیلت اور سبقت حاصل تھی۔

صدیقؓ کی فضیلت اہلسنت کی نظر میں

اہل سنت والجماعت کا مسلمہ مسئلہ اور عقیدہ ہے کہ نبی کے بعد اگر درجہ ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے، خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت والی رات کا اجر مجھے مل جائے اور میری تمام عمر کے اعمال اس کے عوض میں لے لئے جائیں پھر بھی یہ کم ہیں بہ نسبت اس رات کے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں گذاری تھی تو یہ کیا ہے؟ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ ہے جو محبت میں ہزار ہا درجہ زیادہ تھے۔

ابوبکر صدیقؓ اور حفاظت دین

صرف ایک مرتبہ اپنی اصلی حالت پر آئے تھے جب قبائل عرب زکوٰۃ دینے سے انکار کر چکے تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلتے ہیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اتنی شدت نہ کریں اسلام نیا ہے لوگ بگڑ جائیں گے، اس وقت صدیق کا جواب دیکھئے! فرماتے ہیں کہ انت جبار فی الجاهلية وخوارهم فی الاسلام تم جاہلیت میں تو اتنے بہادر کہلاتے تھے اور اسلام میں اتنے بزدل ہو گئے ہو، اس کے بعد ان کا بھی شرح صدر ہوتا ہے چنانچہ ساتھ مل کر قبائل عرب پر چڑھائی کرتے ہیں خدا کا احسان سمجھئے اگر اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں باگ ڈور ہوتی تو شدت جذبات کی وجہ سے بڑا نقصان ہو جاتا، کبھی ایک حکم کو وقتی ضرورت کے تحت معاف کرتے۔ غرض یہ ہے کہ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کارنامے تھے کہ قیامت تک اسلام جاری رہے گا، اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جو اونٹ باندھنے کی رسی بھی زکوٰۃ میں دینے سے روکیں گے وہ اُسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تو میں جہاد کروں گا (البخاری، ح: ۱۴۰۰) یہ صدیقؓ کی شان ہے جس کو بیان کیا جا چکا ہے۔

شہید کی قوت عملیہ

شہید میں نبی کی قوت عملیہ کا عکس تو پورا ہوتا ہے مگر قوت علمی کا عکس کم ہوتا ہے، شہید کی شان یہ ہے کہ باطنی طاقت کو دیکھا تو مر مٹنے پر آمادہ ہے لہٰذا شہید کی قوت قوت عملیہ صدیق سے کم ہوتی ہے مگر پھر بھی بعد از صدیق اقرب الناس الی النبی ہوتا ہے، صدیق میں یہ درجہ کم نہیں ہوتا بلکہ اس کے قبضہ میں ہوتا ہے، یہ طاقت شہید میں بھی ہوتی ہے کہ وہ نہیں ٹھہر سکتا، صالحین، شہداء سے کم درجے پر ہوتے ہیں، جن کے مدارج مختلف ہیں۔

مردودین کی دو قسمیں ہیں یہود و نصاریٰ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ : اب توحید کے مقابلہ میں شرک، ایمان کے مقابلہ میں کفر، حق کے مقابلہ میں باطل اور سنت کے مقابلہ میں بدعت کا ذکر ہو رہا ہے۔ مردودین کی دو قسموں کا ذکر ہے، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں ان کے مغضوب ہونے پر آیت قرآنی بھی دال ہے یعنی یہود جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں چنانچہ فرمایا جاتا ہے اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرة: ۸۷) "جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ (حکم) لایا جسے تمہارے دل نہیں چاہتے تھے تو تم اکڑ بیٹھے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کیا" وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۲) اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران: ۱۸۱) "اور جو انہوں نے انبیاء کے ناحق خون کیے ہیں۔"

نبی کا قاتل اور مقتول دونوں بدبخت ہیں

وہ انبیاء کے موہن (توہین کرنے والے) تھے اس لئے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ جن کے بارے میں ابلیس نے کہا لَاُغْوِيَنَّهُمْ ، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں بطور مثال کے یہود ہیں یعنی یہود غیر قابل اصلاح ہیں، پہلے ایک قاعدہ پیش نظر رہے کہ جو شخص نبی کا قاتل ہو یا مقتول نبی ہو دنیا میں اس سے بڑھ کر بدبخت کوئی نہیں ہے، اب دیکھئے کہ اس جماعت نے نبیوں کو بھی قتل کیا اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہدایت کا راستہ بند کر دیا کیونکہ نبی دنیا کیلئے ہادی ہوتا ہے نفس قتل مومن کے متعلق کتنے زوردار اور سختی کے الفاظ قرآن عزیز نے بیان فرمائے: وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

عَظِيمًا(النساء:۹۳) "اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے" یہ قتل مومن کا گناہ ہے اور نبی کا قتل معاذ اللہ یہ کتنا بڑا جرم ہے اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے جرموں میں فرق

ضَآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں، ان کا جرم یہود سے کم تھا اس لئے ان کے حق میں ضَآلِّيْنَ کا لفظ استعمال فرمایا اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنانے لگے تھے یہود کے ساتھ ضد کی بناء پر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمارا نبی تو تمہارے نبی سے اعلیٰ ہے تو انہوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا کہ یہ ہمارا نبی تو بالواسطہ خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ پھر ہمارا نبی تو بلاواسطہ خدا کا بیٹا ہے، بلاواسطہ پیدا ہوا ہے وہاں تو نسب کا سلسلہ بھی ہے اور یہاں تو واسطہ بھی نہیں ہے، غرض یہ کہ ضد کی بناء پر کہہ گئے تھے کیونکہ یہود نے کہا کہ ہم نے تمہارے نبی کو سولی پر چڑھایا ہے اور قتل کر کے دفن کر دیا تو نصاریٰ کے پاس اور دلیل تو کچھ بن نہ سکی تو انہوں نے کہا کہ اگر سولی دی گئی ہے تو پھر اپنی تمام امت کے گناہوں کے عوض سولی دی گئی، قرآن کا فیصلہ اگر انہیں معلوم ہوتا تو صاف جواب دیتے مگر قرآن بعد میں آیا اور فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء:۱۵۷) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء:۱۵۸) غرض یہ ہے کہ نصرانیوں نے یہود کے مقابلے میں بطور ضد کے کہہ دیا اور اس میں سختی یہاں تک ہوئی کہ خدا کہنے لگے اس لئے ان کے متعلق اتنی سختی نہیں کی لہٰذا ضَآلِّيْنَ سے مراد نصرانی ہیں کیونکہ وہ راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، جیسے سر سید احمد خان نے ایک غیر مسلم کے جواب میں بعض چیزوں کا جواب دیا چونکہ ان کی اپنی تعلیم اچھی نہیں تھی اس واسطے گمشدہ اور گمراہ کہلایا جاتا ہے، یہ خدا کے نافرمانوں کے حالات ہیں۔

نصاریٰ نے محبت رسول میں غلو کیا تو گمراہ ہوئے

وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں بطور مثال کے نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں وہ دونوں سامنے تھے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ (البقرة:٦١) مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا نمونہ یہود اور ضَآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں کیونکہ اس وقت مسلمان ان کو پہچانتے تھے، ان کے پاس زیادہ رسول نہیں آئے تھے۔ صرف ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف مبعوث

کئے گئے تھے لیکن انہوں نے محبت میں غلو اور افراط کیا اس لئے ضَآلِّیْن ہو گئے تو ہم کہتے ہیں کہ اے اللہ! یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں سے بچا یعنی پکی گمراہی سے بھی اور کچی گمراہی سے بھی۔

نجران کے عیسائیوں کا مناظرہ

نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مناظرہ شروع کر دیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے ان میں ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ تھا مناظرہ میں فیل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی ان کے ساتھ مباہلہ کرنے کا اعلان کیا کہ دونوں فریق ایک میدان میں اپنے تمام افراد خاندان کے ساتھ حاضر ہوں اور خوب تضرع والحاح کے ساتھ دعا کریں کہ ہم میں جو بھی جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی لعنت اور عذاب نازل فرماویں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے؟ نصاریٰ نے باہمی مشورہ کے بعد مباہلہ سے انکار کر دیا اور بھاگ گئے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ دو بڑے گمراہ فرقے تھے اس لئے ان دونوں کو بطور مثال مردودین میں ذکر کر دیا گیا۔ اے ہمارے مولیٰ! ہمیں مَغْضُوْبِیْن اور ضَآلِّیْن سے بچا، اب اگر کوئی سارے قرآن مجید میں غور اور تدبر کرے تو تمام قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنانا، منعم علیہم کے راستہ پر چلنا چلانا اور مردودین کے راستے سے بچنا بچانا اس لئے سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے۔

حضورؐ کا وصف عبدیت

ضروری ہے کہ رسالتؐ کے بارے میں بھی عقائد مخترعہ (من گھڑت) نہ ہوں پوزیشن صاف ہو تو فرمایا کہ رسالتؐ سے مراد ایسی رسالتؐ ہرگز نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں رسول خدا کو خدائی کا درجہ نہیں دینا چاہئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا (الجن:۱۹) "اور جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر جمگھٹا کرنے لگتے ہیں" رسول اللہ عبداللہ ہے اللہ نہیں، قرآن پڑھنے سے ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مضاف اور مضاف الیہ میں تغایر ضروری ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مُرْسِلُ (اسم فاعل) اور مُرْسَلُ (اسم مفعول) میں فرق ہے، قرآن میں آپؐ کو رسول کہا گیا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (التوبۃ:۳۳) سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى

بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (بنی اسرائیل : ۱) ان آیات کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات سے رسالت کی پوزیشن صاف ہوجاتی ہے، قرآن مجید پڑھنے سے ایمان درست اور عقیدہ صاف ہوجاتا ہے لکل شیئ خاصة وللقرآن خواص عديدة لاتعدولاتحصىٰ ولايعلم تعدادتلك الخواص الاالله وخاصة الشيئ ما يوجد فى الشيئ ولايوجدفى غيره ''ہر چیز کی خاصیت ہوتی ہے قرآن کے بے حساب خواص ہیں جسے اللہ ہی جانتا ہے اور کسی شئے کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس شئے میں پایا جاتا ہو اور اس کے غیر میں نہ پایا جاتا ہو۔''

بعض مولویوں کے غلط عقیدے

بعض مولوی قرآن پاک نہ پڑھنے کی وجہ سے ان غلط عقیدوں کی لعنت میں مبتلا ہیں حالانکہ قرآن پڑھنے سے صحیح ہدایت اور نور آجاتا ہے، عیسائی بھی عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے یہ غلط عقیدے قرآن کی تعلیمات سے روگردانی کی سزا اور پھٹکار ہے۔ دوران درس ایک طالب علم نے کہا کہ بعض لوگ حضور علیہ السلام کو نور کہتے ہیں تو حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ سورج، چاند، ستارے نور نہیں؟ تو پھر ان میں اور نبی میں کیا فرق ہوا؟

علماء کا شر اور خیر متعدی

بين العلم والهداية عموم وخصوص مطلقاً اى ليس كل عالم مهدى بل بعض العلماء مهديون الا ان شرالشر شرالعلماء وخير الخير خير العلماء علماء کا شر متعدی ہوتا ہے عالم جب گمراہ ہوتا ہے تو کئی اوروں کو بھی گمراہی کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور جاہل تو خود گمراہ ہوتا ہے اگر عالم صحیح معنوں میں عالم بن جائے اور قرآن پاک اور سنت خیر الانام کی صحیح طور پر اشاعت کرے تو پھر کائنات کی ہر ایک چیز اس عالم کیلئے دعا گو اور ثناء خواں ہوتی ہے حتی الحيتان فى جوف الماء ''مچھلی دریاؤں میں ان کے لئے دعائیں مانگتی ہیں'' یہ خیر والے ہوں تو ان کے درجہ کا خیر بھی کوئی نہیں اور جو شریر ہوں تو دنیا و مافیہا کی ہر چیز ان پر لعنت بھیجتی ہے۔

صراط مستقیم کا مصداق علم میں قرآن اور عمل میں سنت خیر الانام

صراط مستقیم کی دنیا میں صحیح مصداق علم کی صورت میں فقط قرآن اور عمل کی صورت میں فقط سنت نبویؐ ہے، ان بے شمار غلط راستوں کے سلسلے میں غیر مسلم اقوام کے راستے تو الگ رہے خود کو مسلمان کہلانے والوں میں بھی اس قدر گمراہ کن، حق وصداقت سے ہٹانے والے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کے کھلم کھلا مخالفت کرنے والے موجود ہیں اور حیرانگی اس چیز کی ہے کہ ان گمراہ کن راستوں کی طرف دعوت دینے والے محبان رسول کہلاتے ہیں اور خدارسیدہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مسلمانو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں اعلان ہے: وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء: ۱۱۵) جو شخص رسول اللہ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کے ہاں ہدایت واضح ہو چکی ہے اور مومنین (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تابعداروں) کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلے گا ہم اُسی راستہ کے سپرد کر دیں گے جس پر وہ جا رہا ہے اور (آگے چل کر) اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

دین کے نام پر بلانے والوں کی قسمیں

دین کے نام پر بلانے والوں کی دو قسمیں ہیں، علمائے کرام اور صوفیائے کرام اور پھر ان دو قسموں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں خدا پرست علمائے کرام اور گمراہ کن علماء، خدا پرست صوفیائے عظام اور طالب زر فقراء مسلمانوں کا فرض ہے کہ کھرے کھوٹے علماء اور سچے اور جھوٹے فقیروں میں تمیز کریں، سچے علمائے کرام اور سچے صوفیائے عظام کا دامن گیرا اپنے آپ کو بنائیں، اگر تمیز کئے بغیر کسی کا دامن پکڑ لیا تو ممکن ہے کہ وہ گمراہ کن اور فریبی فقیر خود بھی جہنم میں جائے اور انہیں بھی ساتھ لیجائے۔

کھرے اور کھوٹے کی تمیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قرآن کا علم پڑھایا اور قرآن حکیم پر عمل کر کے مسلمانوں کو دکھایا، قرآن مجید کا مطلب سمجھانا اور چیز ہے جسے تعلیم کتاب کہا جاتا ہے اور اس تعلیم کا رنگ چڑھانا اور چیز ہے جسے تزکیہ نفس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلم بھی تھے اور مزکی بھی، حضور انور (فداہ ابی وامی) کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی اس مقدس خدمت کو دو گروہوں نے اپنے ذمہ لے لیا، تعلیم کتاب کا فرض علمائے کرام انجام دینے لگے اور تزکیہ نفس کا کام صوفیائے عظام نے اپنے ذمہ لے لیا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں عالم فقط وہ ہو سکتا ہے جو عالم قرآن ہو اور صوفی وہ ہے کہ نہ صرف قرآن کی تعلیم اس کا اپنا حال ہو بلکہ قرآن کی تعلیم کا رنگ دوسرے پر چڑھانے میں باکمال ہو، اب کھرے عالم کی پہچان کیلئے دو علامتیں دیکھی جائیں کہ عالم قرآن ہو، علم قرآن خلق خدا کو

پہنچائے اور اس کی صحبت میں تعلیم قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کے خیالات میں ایسی تبدیلی نظر آئے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر نظر آتی تھی مثلاً لوگ شرک سے متنفر توحید کے دلدادہ، کفر سے منحرف، ایمان کے فریفتہ، بداخلاقی سے دور، اخلاق حمیدہ سے آراستہ، خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے، شریعت کا لحاظ رکھنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شوق رکھنے والے بن جائیں۔

سچے فقیر کی علامت

سچے فقیر کی علامت یہ ہے کہ اس کا تصوف شریعت کے تابع ہو، اس کی صحبت میں نفس امارہ مغلوب ہو جائے، خواہشات نفسانی مقصود نہ رہنے پائیں جو حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اس کے قبول کرنے میں نفس چوں چرا نہ کرنے پائے اور دنیا و مافیہا کی رکاوٹوں کی ذرا پروانہ ہو۔ غرضیکہ قرآن پاک میں جو قال تھا وہ اس باخدا کی صحبت میں طبیعت کا حال بن جائے، کوئی انسان صورت شیطان سیرت نظر آئیں گے جو فقیری کے دام میں پھنسا کر عام لوگوں کو شیطان کی جماعت میں داخل کرائیں گے، اتباع شریعت سے خود بے بہرہ ہوتے ہیں اور مریدوں میں بھی یہی زہر بھرتے ہیں، ان کے پاس رہ کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ انہیں خلاف شرع کاموں کا بڑا شوق ہوگا اور شریعت کی توہین بھی ہو جائے تو انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی مثلاً طبلہ اور سارنگی کے دلدادہ قوالی کے عاشق، حقہ کے بڑے مشتاق، بھیک مانگ کر بھی اپنے بزرگوں کے بھنڈارے (جوگیوں، سنیاسیوں کی جگہ) کرنے کو نہایت ہی اشد ضروری خیال کرنے والے ان کے تکیہ کے قریب والی مسجد بھی غیر آباد مگر تکیہ بڑا پر رونق اور آباد۔ مسجد میں کربلا کا نظارہ اور تکیہ میں ٹھنڈے گھڑے موجود ہیں۔ مسجد میں چٹائی ندارد اور اگر ہے تو ٹوٹی پھوٹی اور تکیہ میں عمدہ اور صاف صفیں بچھی ہوئیں۔

عالم ربانی کی پہچان

عالم ربانی وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید ہو اور دوسرے ہاتھ میں سنت خیر الانام ہو، ہم فروع میں حنفی ہیں ہم مسائل سب سے پہلے قرآن مجید سے لیتے ہیں اگر اس میں نہ ملے تو پھر سنت خیر الانام کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں وہاں بھی نہ ملے تو پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار ڈھونڈتے ہیں، وہاں بھی نہ ملے تو فقہائے کرام ائمہ مجتہدین کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ ایک مسئلہ قرآن مجید میں ہو تو پھر حدیث شریف میں رجوع کی ضرورت نہیں مثلاً

فرضیت نماز وزکوٰۃ اور اگر قرآن مجید میں نہ ہو تو پھر حدیث شریف کی طرف آنا ہوگا جیسے تعداد رکعات اور مقادیر زکوٰۃ وغیرہ۔

پورے قرآن مجید کا نقشہ سورہ فاتحہ میں

اس سورت میں تمام قرآن مجید کا نقشہ آجاتا ہے یعنی تعلق باللہ اور شوق اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قصص مغضوبین اور اخبار مطیعین اور اس میں قیامت کا بھی ذکر ہے گویا مبدأ و معاد دونوں کا ذکر آ گیا، مبدأ خدا کی ذات ہے اور معاد قیامت ہے اور اسی طرح اس میں توحید بھی اور رسالت اور مجازات بھی آ گئے ہیں اور توحید بھی ایسی کہ ستائش کے لائق بھی وہی اور ربوبیت کے لائق بھی وہی اور سب ضرورتوں کا ملجا و مأویٰ بھی وہی۔

خلاصہ

مضامین قرآن مجید جو فاتحہ میں آئے ہیں وہ عقائد میں توحید، رسالت، مجازات تین چیزیں ہیں اور اعمال میں مقبولین بارگاہ الٰہی کی راہ پر چلنا اور مردودین بارگاہ الٰہی سے بچنا خلاصہ ہے۔ اس لئے فاتحہ ام الکتاب کہلاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تقلید، مولانا عبدالحقؒ اور دیگر اکابرؒ کا ذکر

امام اعظمؒ کے ہم مقلد ہیں فروعات میں جب قرآن وحدیث کی مرادات تک نہ پہنچ سکیں تو پھر فقہاء کے دروازے پر آئیں گے۔ ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اپنی سمجھ سے بالاتر امام ابوحنیفہؒ کے ذہن کو سمجھے ایک طالب العلم نے کہا اگر ان کے ہاں بھی نہ ملے تو فرمایا پھر ملتان میں مولانا خیر محمد صاحبؒ، اکوڑہ خٹک میں مولانا عبدالحق صاحبؒ، لاہور میں مفتی محمد حسنؒ کراچی میں مفتی محمد شفیعؒ بیٹھے ہیں ان کے ہاں جایا کرو۔

سورۃ البقرۃ

سورۃ البقرۃ کا خلاصہ

خلاصہ مضامین سورۃ البقرہ

سب سے پہلے تمام سورت کے مضامین کا خلاصہ (پارہ الٓمّ سے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ کے دورکوع تک) مناظرہ بالیہود، پھر اس کے بعد سورۃ البقرہ میں پانچ ابواب آئیں گے۔

پہلا باب: تہذیب اخلاق (اس کے ذریعے افراد کی اصلاح ہوتی ہے)

دوسرا باب: تدبیر منزل (اس کے ذریعے خاندان اور کنبے کی اصلاح ہوتی ہے)

تیسرا باب: سیاست مدنیہ (اس سے اقوام کی اصلاح ہوتی ہے) اس کے دو حصے ہیں۔

☆ ملک گیری (یعنی ملک کو کیسے فتح کیا جاتا ہے؟)

☆ ملک داری (نظام مملکت کو کیسے چلایا جائے؟)

چوتھا باب: ملک داری (فتح کے بعد مفتوح قوم کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟)

پانچواں باب: خلافت کبریٰ (ساری دنیا میں بڑا بادشاہ مسلمان ہو، اگر کوئی اور ہوگا تو وہ بھی اس کے ماتحت ہوگا۔)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ٥٥) ”اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کریگا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور انکے لئے جس دین کو پسند کیا ہے اسے ضرور مستحکم کردیگا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے وہی فاسق ہوں گے“ یہ تقسیم اور شعبے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کے ہیں۔

قرآن دین اور سیاست کا مجموعہ

دنیا کو جس ترقی کی ضرورت ہے، اس کو بھی قرآن سکھاتا ہے اور آخرت کی زندگی جن چیزوں سے سنورتی ہے، وہ بھی قرآن مجید سکھاتا ہے۔ نصاب تعلیم کی کتابوں سے یہ چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں، میں (احمد علی) نصابِ تعلیم کا مخالف نہیں ہوں اور اپنے بیٹوں کو بھی یہی نصاب پڑھایا ہے، میں اوپر لے جانا چاہتا ہوں، قرآن پاک صرف تسبیح اور نماز نہیں سکھاتا بلکہ سیاست بھی سکھاتا ہے، قرآنی تعلیمات کو جاننے والے سیاست دان کبھی شکست نہیں کھاتے۔

تقسیم ابواب سورۂ بقرہ

☆ سورت کے پہلے اٹھارہ رکوع مناظرہ مع الیهود ہے۔

☆ رکوع نمبر ۱۹ میں باب تہذیب الاخلاق ہے، یہاں سے قرآن کی اصلی تعلیم شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے ان اخلاق کو پیش کیا جاتا ہے جو انفرادی حیثیت سے ہر انسان میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

☆ رکوع نمبر ۲۰ تدبیر منزل: اس میں پانچ اقسام ہیں، پہلی قسم کمانے کے اصول (کیسے کمایا جائے؟)

☆ رکوع نمبر ۲۱ میں دوسری قسم صَرف کرنے کے اصول (کیسے خرچ کیا جائے؟)

☆ رکوع نمبر ۲۲ میں تیسری اور چوتھی قسم نظام فوجداری، نظام دیوانی۔

☆ رکوع نمبر ۲۳ میں پانچویں قسم اشاعتِ تعلیم، یہ پانچوں مسائل باب تدبیر منزل کے تحت میں آئیں گے۔ قانون اصلاح معاملات یہ بھی ۲۳ کے تحت میں آئیں گے۔

☆ رکوع نمبر ۲۴ میں سیاست مدنیہ یعنی ملک گیری کا نظام۔

☆ رکوع نمبر ۲۵ میں ملک گیری کے تحت اور اقسام الحجاج

☆ رکوع نمبر ۲۶ میں تمہید قتال کے بعد اعادہ حکم قتال۔

☆ رکوع نمبر ۲۷ میں مسائل متفرقہ متعلقہ بالقتال، شروع باب پنجم ملک داری

☆ رکوع نمبر ۲۸۔۲۹ میں احکام ملک داری۔

☆ رکوع نمبر ۳۰۔۳۱ میں بھی ملک داری۔

☆ رکوع نمبر ۳۲ میں قانون اختتام ملک گیری اور ملک داری کے بعد اقدام عمل یعنی ابتدا کیسے ہوگی؟

☆ رکوع نمبر ۳۳ میں انتخاب امیر کے بعد خود امیر کا لوگوں سے امتحان لینا اب امیر انتخاب کرے گا کہ ذمہ داری کس کو دے؟ نالائق اور لائق کو الگ الگ کرے گا پھر دیانتدار اور لائق آدمیوں کو حکومت کے مختلف کاموں پر نگران مقرر کرے گا۔

خلیفہ امیر منتخب ہو کر میرٹ پر ذمہ داریاں سونپے گا

☆ رکوع نمبر ۳۴ میں ضرورت خلافت، فرائض خلیفہ، خلیفہ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ حفاظت توحید میں اپنی اور اپنے متبعین کی جان اور مال خرچ کر دے۔

خلیفہ کی دیگر ذمہ داریاں

☆ رکوع نمبر ۳۵ میں واقعاتِ مؤیدہ توحید کی نشر واشاعت بھی خلیفہ ہی کے ذمہ ہے۔

☆ رکوع نمبر ۳۶ میں فرائض معاونین خلافت اور انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط أربعة من الخمسة

☆ رکوع نمبر ۳۷ میں انفاق مال کی پانچویں شرط اور اہل علم کی فضیلت کی طرف اشارہ۔

☆ رکوع نمبر ۳۸ میں انفاق فی سبیل اللہ کی ضد یعنی سود خوری کی ممانعت۔

☆ رکوع نمبر ۳۹ میں قانون دَین (قرض)

☆ رکوع نمبر ۴۰ میں شورائی خلافت کا تعلق باللہ۔

یہ درج بالا تمام امور سورۂ بقرہ کا خلاصہ اور لب لباب تھا۔

سورہ البقرہ سے شرح صدر

جب تمام سورت کو تفصیلاً پڑھیں گے یعنی سورت بقرہ کو مکمل پڑھنے سے شرح صدر ہو گا، اس کے سارے مضامین سمجھ میں آجائیں گے، یہ تو قرآن مجید کا زور ہے، یہ کوئی قاضی اور حمد اللہ نہیں بولتا بلکہ اللہ کا کلام قرآن مجید بولتا ہے۔

خرافات دور کرنا اور نظام کو درست کرنا

قرآنی تعلیمات کی قوت سے حکمرانوں سے کہتا ہوں کہ مجھے ہر صوبے یا شہر میں ایک ہفتہ کیلئے گورنر (صاحب اختیار) بنادو، ایک ہفتہ لاہور کیلئے، ایک سرگودھا کیلئے، ایک گوجرانوالہ کے لئے، ایک پشاور کے لئے، ان شاء اللہ تمام صوبوں میں نظام درست ہو جائے گا، اس پر حکومت ڈر جاتی ہے کہ کہیں مولوی ہم سے اقتدار نہ چھین لے۔ ایک دفعہ میں نے جمعہ کی تقریر میں کہا کہ مجھے

لاہور کے اختیارات دے دیئے جائیں یعنی لاہور کا گورنر بنایا جائے تو یہ چکلے وغیرہ سب خرافات دور کر دوں گا، پولیس تھانے سے اعلان کرنے پر مجبور ہوں گے کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر نکل جائیں، اگر شادی شدہ آدمی چکلہ میں پکڑا گیا تو اسے باؤلے کتے کی طرح سنگسار کیا جائے گا اور جو غیر شادی شدہ ہیں، اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، قانون خداوندی کے مطابق فیصلے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ میرا پہلا حکم ہوگا۔

نظام حکومت ٹھیک کرنے کے لئے دوسرا اور تیسرا حکم

دوسرا حکم یہ ہوگا کہ شراب خانے بند کیے جائیں اور تمام شراب بہادی جائے اور سب برتنوں کو توڑ دیا جائے۔ تیسرا حکم یہ ہوگا کہ تمام لوگ کپڑے پاک رکھیں اور باجماعت نماز کی پابندی کریں جو بھی بڑا افسر وغیرہ نماز نہ پڑھے، اسی وقت اس کو ڈسچارج کر دیا جائے۔ اسی طرح دنیا کے اطراف سے مبارکبادیوں کا سلسلہ شروع ہوگا کہ مسلمانان پاکستان نے وہ کر دکھایا جس کیلئے پاکستان بنا تھا۔

اسلامی نظام کے نفاذ سے حکمرانوں کی گھبراہٹ

تیسرے دن لاہور کے ڈی سی صاحب وغیرہ آئے اور کہا کہ مولوی صاحب! دستخط کرو کہ آئندہ آپ سیاست پر نہیں بولیں گے، میں نے کہا کہ میں تو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بولتا ہوں، میں تو مذہب اسلام کا خادم ہوں، حکومت کا خیرخواہ ہوں، پاکستان کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں، ہماری کوشش ہوگی کہ یہاں پر اسلامی نظام نافذ ہو جائے، جس سے پاکستان مضبوط ہو جائے، اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوگی، چوری، ڈاکہ، قتل و غارت اور رشوت کی لعنت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اگر اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی نظام قرآن کے مطابق ہو جائے تو تمام فتنے دور ہو جائیں گے، قرآن مجید میں جان ہے اور بولنے والے میں جان قرآن مجید کی برکت سے آتی ہے، جیسے لوہا بول رہا ہے (لاؤڈ اسپیکر) ہم تو حکومت کو برادرانہ مشورہ دیتے ہیں کیونکہ ہم تو پاکستان کے خیرخواہ ہیں، ہم اس ملک کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کی مضبوطی صرف اسلامی نظام کی برکت سے ممکن ہے، کم از کم قیامت کے دن حکمران تو یہ نہیں کہیں گے کہ ہمیں کوئی سمجھانے والا نہیں آیا تھا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ

مسئلہ ختم نبوت: حکومت کا قادیانیوں کی حمایت میں کودنا

ختم نبوت کے مسئلہ میں ہم نے حکومت سے نہ براہ راست مقابلہ کیا اور نہ بحث کی، ہمارا مقابلہ تو قادیانیوں اور سر ظفر اللہ کے ساتھ تھا لیکن حکومت قادیانیوں کی حمایت میں کود پڑی۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔

اسلامی نظام سلطنت اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے کہ انسانوں میں بعض نفوس سبعیہ (درندہ صفت نفوس) ہوتے ہیں، یہ چور، ڈاکو وغیرہ اس میں شامل ہیں، اس سے بچنے کے لیے نظام سلطنت قائم کرنا پڑتا ہے، ان میں پھر ایک خلیفۃ المسلمین ہوتا ہے، اس کی طاقت سب سے بڑی ہے، اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا پھر کسی کو جرأت نہیں ہوتی، اسی طرح حکام میں بعض نفوس سبعیہ ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے ملک پر حملہ کرنے کی سوچتے ہیں کہ دوسرے کو مار کر اپنے قبضے میں لاؤں تا کہ ہم بڑے بادشاہ ہو جائیں، ہندوستان میں ۳۰۰ ریاستیں تھیں، سب پر انگریز کا راج تھا، کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا، یہ ہے ضرورت خلافت، شاہ ولی اللہؒ نے اس پر بحث کی ہے۔

⟨٢⟩ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ⟨٨٧⟩

اٰیَاتُھَا - ٢٨٦ رُکُوْعَاتُھَا - ٤٠

الجزء الاول (١)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

معانقة ١

الٓمّٓ ⟨١⟩ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ⟨٢⟩

الم۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⟨٣⟩ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ⟨٤⟩

آپ پر اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⟨٥⟩

وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ

بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ

تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں

وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ

اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے

ع ۱ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ ع

بڑا عذاب ہے۔

رکوع (۱)

خلاصہ: (۱) یہودکودعوة إلى الكتاب

(۲) أوصاف المتقين: إيمان بالغيب، إقامة الصلاة، إنفاق في سبيل الله، إيمان بما أنزل إليك و ما أنزل من قبلك

ماخذ: (۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:۲)

(۲) الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ(البقرة: ۳-۴)

بحث حروف مقطعات

الٓمّٓ: قرآن حکیم میں ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے، ان حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کی رائے مختلف ہے، بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار و رموز ہیں جن کی اطلاع کسی انسان کو نہیں دی گئی، یہ حروف بھی ان میں شامل ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کے معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہیں کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے اسرار و خفایا ہیں، بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں اور لا يعلم مراده إلا الله یہ جمہور مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور محققین کا مسلک ہے یعنی ان کے معانی و مطالب صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ(آل عمران: ۷)

متشابہات کے بارے میں ائمہ تفسیر کی آراء

وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ یہاں میم لکھا ہوا ہے وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم (أي وقف لازم) یعنی وقف لازم ہے، لفظ اللہ پر وقف لازم ہے اس وجہ سے علماء یہ کہتے ہیں کہ

حروف مقطعات کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، جمہور کہتے ہیں کہ سورہ آل عمران کی اس آیت میں وقف لفظِ اللہ پر ہے اور یہاں پر اصل اختلاف اس آیت کے وقف میں ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ وقف لازم کے بعد وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا جملہ اگرچہ الگ ہے لیکن وہ بھی اس پر عطف ہے کہ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ جانتے ہیں، محققین کہتے ہیں کہ اس آیت میں وقف رٰسِخُوْنَ پر ہے تو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم دونوں جانتے ہیں تو جمہور مفسرین ان کے پیچھے نہیں پڑتے۔

راسخین کے جاننے کی رائے سے اتفاق

محققین اس کا معنی بیان کرتے ہیں اور راسخین في العلم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کل من المتشابهات و المقطعات کلیهما جمیعا من عند ربنا تو راسخین کا ذکر خیر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتے ہیں، ورنہ عدم علم میں راسخون اور غیر راسخون دونوں برابر تھے۔ میں اسی کا قائل ہوں کہ جانتے ہیں۔

الخیر الکثیر کی اصطلاحات وھباً سمجھنے کی ہیں نہ کہ کسباً

الخیر الکثیر (حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف ہے) اس کتاب میں الف سے یا تک کے معانی لکھے ہیں، ایسی ادق (مشکل) اصطلاحات ہیں کہ میں خود بھی نہیں سمجھ سکا وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ مولانا سندھیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مدنیؒ پڑھا سکتے تھے، مولانا سندھیؒ نے دیوبند میں درجہ تکمیل کا آغاز کیا، جس نے حجة اللہ البالغة پڑھی ہو تو پھر وہ الخیر الکثیر بھی پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ علوم متداولہ پڑھ چکا ہو جو جانتے ہیں، وھبی طور پر جانتے ہیں، جو نہیں جانتے، کسبی طور پر بھی نہیں جانتے، الٓمّٓ کے معانی جو حروف مقطعات کے ہوں، اگر سمجھ میں آجائیں تو وہ اجمال ہوگا، اس تفصیل کا جو سورۂ بقرہ میں آئے گی۔

حروف تہجی کے بھی معانی ہیں اور محکمات کی طرح قدر مشترک رکھتے ہیں

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک جیسے ایک کلمہ کا معنی ہے، اسی طرح حروف تہجی کے معانی بھی ہیں جیسے ب، ت، ث تو جن کلمات میں ب ہو تو اگرچہ ان کلمات کے معانی آپس میں مغائر (مختلف) ہیں لیکن ان میں ایک معنی قدر مشترک بھی نکلتا ہے، اسی کو اہل عرب اشتقاق کبیر کہتے ہیں مثلاً غلب، ضرب، قبل، قلب، بخل ان کلمات کے معنی

اگر چہ مغائر ہیں لیکن چونکہ "ب" ہر ایک کلمہ میں موجود ہے، اس لیے ایک معنی قدر مشترک بھی ان کے درمیان ہوگا بسبب وجود با کے ان سب محکمات میں، اسی طرح حروف مقطعات میں بھی ہے، یہ حروف مقطعات ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں، جن کی تفصیل تمام سورت میں ہوتی ہے۔

پوری سورت الٓمّٓ کی تفصیل

تو الٓمّٓ اجمال ہے سوا دو پارے اس کی تفصیل ہے چونکہ یہ فن بہت مشکل ہے، اسی لیے مفسرین کہہ دیتے ہیں: و اللہ أعلم بمرادہ اور بعض حضرات کچھ بیان کرتے ہیں کہ الف سے مراد اللہ، لام سے مراد جبریل علیہ السلام، م سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ نزل ھذا القرآن بواسطۃ جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ نے یہ قرآن جبریل کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۔"

دنیا میں مخفف الفاظ کا رواج

انگریزی میں ریلوے کے لئے این ڈبلیو آر (NWR) کہتے ہیں جو خلاصہ ہے نارتھ ویسٹرن ریلوے بڑے نام کا، نارتھ سے N، ویسٹرن سے W، ریلوے سے R لیا، میرے نام احمد علی کو A A لکھیں گے، مخففات استعمال ہوتے ہیں اقوام میں چونکہ تفصیل آگے آرہی ہے لہٰذا سورۂ بقرہ کے مضامین کے الٓمّٓ میں اندراج کے بیان میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک کتاب

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ: یہ قرآن منزل من اللہ ہے یعنی یہ عظیم الشان کتاب لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے، جس میں کسی قسم کا شک نہیں، رَيْبَ نکرہ ہے اور لَا نفی جنس کا ہے، عربی گرامر کا قاعدہ ہے کہ جب نکرہ، نفی کے سیاق میں آجاتا ہے تو وہاں عموم ہوتا ہے یعنی اس کتاب میں کسی قسم کا شک نہیں نہ دینے والے کی طرف سے اور نہ لانے والے کی طرف سے اور نہ لینے والے کی طرف سے یعنی ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

ہجرت کے بعد پہلی سورت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کرنے لگے تو سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی، اس میں اصلاحِ یہود پیش نظر ہے جن کو یہ کہا گیا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کے نازل کرنے کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

مدینہ میں پہلے یہود کو حکمت اور قرآن کی طرف دعوت

یہود کو یہ بتانا ہے کہ جس طرح تورات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اولوالعزم پیغمبر ہیں، اسی طرح قرآن مجید بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اولوالعزم پیغمبر ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ایک مبلغ کی حیثیت سے پہنچے۔

سمجھدار مبلغ کی نشانی

قانون تو یہ ہے کہ جو سمجھدار مبلغ ہوگا وہ اس تجویز کو سب سے پہلے اہل دانش و معرفت کے سامنے پیش کرے گا پھر ان میں اہل علم ہوں گے، ان کو اپنا ہم خیال بنائے گا، جس وقت وہ تابع ہو جائیں گے تو باقی عوام کا طبقہ پھر جلدی تابع ہو جائے گا، مدینہ میں اہل علم مذہبی جماعت یہود کی تھی تو ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی گئی مگر ان میں دنیا کی لالچ نے امراض خمسہ پیدا کیے اور مسلمان نہ ہوئے ان امراض کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

یہود کا مادہ قابلیت انبیاءؑ کی مخالفتوں کی وجہ سے برباد

یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد البعثت تیرہ سال تک نبی الأمیین کہتے ہوئے مانتے چلے آرہے تھے چنانچہ تورات میں انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ مدینہ منورہ بنے گی، اسی خاطر کئی یہودیوں کے سلف مدینہ منورہ آکر جاگزیں ہوئے تاکہ ہم پہلے سے ان کی حلقہ بگوشی اور خدمت کیلئے تیار رہیں اور اُن کے طفیل ہمیں دشمنوں پر غلبہ اور فتح حاصل ہو سکے، جیسا کہ اس مضمون کی آیات بقرہ میں آرہی ہیں وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ:۸۹) ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے'' حاصل یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کا مادہ (قبول کی استعداد) چونکہ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی

مخالفتوں سے برباد ہو چکا تھا تو اس لالچ کے شکار ہوئے کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن جائیں تو پھر یہ سرداری اور تصرف جو اَب ہمارے ہاتھ میں ہے، نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آئے گا، ہم کو پھر کون پہچانے گا؟ اس طمع ولالچ میں آ کر ان کی مخالفت کرنے اور قسم قسم کے اعتراضات وخرافات بنا کر مذہب اسلام پر معترض بنے تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں مناظرہ شروع فرمایا اور اس رکوع میں دعوت الی الکتاب دی کہ آؤ موازنہ کرلیں تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم برحق ہیں، ہماری کتاب اور نبی برحق ہیں اور مذہب اسلام حق نہیں تو تم نے تورات پر عمل کیا اور متبعین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر عمل کیا اور اس کے نور سے منور ہوئے جو کہ قیامت تک کیلئے مشعلِ راہ اور ہدایت ہے۔

یہود کو دعوت الی القرآن

سورۂ بقرہ میں یہود کو قرآن مجید کی دعوت دی گئی کہ اے یہود! قرآن مجید پر ایمان لے آؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کو تسلیم کرو کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں اور قرآن پاک کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ ان کی تعلیمات نے متقین کی جماعت مہیا کی لیکن ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو اب باقی لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ کون ان میں صحیح مسلک پر ہے؟ کیونکہ ہر ایک مدعی ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے، لہٰذا ہم حق پر ہیں، یہود کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کتاب اللہ یعنی تورات ہے لہٰذا ہم حق پر ہیں تو پہلے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے۔

دعویٰ لَا رَيْبَ کیلئے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ دلیل

لَا رَيْبَ فِيهِ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہی نہیں لَا رَيْبَ فِيهِ یہ دعویٰ ہے، اس کے لئے دلیل هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ہے، یہ کتاب اللہ متقین (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں) کے لئے رہنمائی ہے، یعنی جو باغی ہیں اور شیوۂ کفر اختیار کر چکے ہیں وہ اسے دیکھتے بھی نہیں کہ تمہیں زندگی رضائے الٰہی کے لیے یوں بسر کرنی چاہیے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے طالب ہیں تو یہ قرآن ان کے لئے سراپا سرچشمہ ہدایت ہے۔

ضرر ونقصان اور گناہ کی جانب دعوت دینے والی چیزوں سے پرہیز

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ : اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز جعل النفس فی وقاية مما يخاف ہراس چیز سے بچنے کی کوشش کرنا جو اس کے لئے ضرر اور نقصان کا باعث ہو، حفظ النفس مما يؤثم گناہ کی جانب دعوت دینے والی چیزوں سے پرہیز کرنا، بہرحال! اس کتاب میں ایسی ہدایتیں اور بصیرتیں موجود ہیں جن پر عمل کرنے سے متقی تیار ہوتے ہیں اور کوئی شخص متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ قرآن کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لے۔

تورات وانجیل سے بطریق اولیٰ منزل من اللّٰہ کتاب

یہ کتاب بے راہ روں، باغیوں اور بدمعاشوں کے لئے رہنما نہیں ہے، یہ دلیل ہے لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ کیلئے کہ جیسے اور کتابیں منزل من اللّٰہ یعنی تورات اور انجیل وغیرہ جن اصولوں سے کتاب اللہ ہیں یہ قرآن مجید اُن اصولوں سے بطریق اولیٰ کتاب اللہ ہے یعنی کتاب اللہ کی یہ خاصیت ہے کہ اسکی تعلیم سے نہایت بااخلاق جماعت تیار ہوئی، کسی کتاب اللہ کی تعلیم سے تیار نہیں ہوئی، اسکے بعد اس کتاب سے تیار شدہ جماعت کے اخلاق واوصاف بیان کئے جاتے ہیں۔

ایں دایہ شیر دہ ایں جوان است

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ ایں دایہ شیر دہ ایں جوان است یعنی یہ جوان اس دایہ کا دودھ پی کر جوان ہوا ہے، یہ مطلب نہیں کہ جوان پہلے ہوا ہے اور اس دایہ کا دودھ اب پی رہا ہے بلکہ عہد طفولیت میں دودھ دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوی اور طاقتور بن گیا چونکہ اس کی جوانی اور توانائی ثمرہ ہے اس دودھ کا، اس لئے کہا گیا کہ شیر دہ جوان است تو اسی طرح صحابہ کرامؓ کی اگر اصلاح ہو چکی ہے تو قرآن کی تعلیم کی وجہ سے ہوئی ہے، ایسا نہیں کہ ان کی اصلاح پہلے ہو چکی ہو اور یہ پہلے سے مصلحین تھے اور قرآن اب نازل ہو رہا ہے، حالانکہ کتاب اللہ تو سارے جہاں کے لئے رہنما ہے، راہرو کیلئے بھی رہنما ہے لیکن صحیح رہنما متقین کیلئے ہے، ان کے لیے تو اتمام حجت ہے اور جب وہ بھی تذکیر بآلاء اللّٰہ وأیام اللّٰہ کی بنا پر سلیم الفطرت لوگوں کے راستے پر آجائیں تو ان کے لیے بھی رہنما ہوتا ہے۔

طبیب اور معالج کی پہچان اس کے مریضوں سے

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں شخص طبیب اور معالج ہے تو دیکھو اس کے مریضوں کی کیا کیفیت ہے؟ اور اس کے بیمار کس قدر شفایاب ہوتے ہیں؟ اسی اصول پر مذاہب وصحائف اور اسفار آسمانی کی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے اگر ایک کتاب کی تعلیم بہترین انسان بنادیتی ہے تو یقین کیجئے کہ وہ منزل من اللہ ہے ورنہ تحریف و تبدیل نے اس کے اثر کو زائل کر دیا ہے، اسی طرح اگر یہ متقی بن گئے ہیں تو اس کتاب کی تربیت کی وجہ سے ہوئے ہیں، بعض ان میں سے فی اول الحال سلیم الفطرت ہوتے ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوئے، ان کیلئے اولاً رہنما ہے اور ایک وہ ہیں جو پیغمبر کی کوشش ورہنمائی سے صحیح راستہ پر آجاتے ہیں، جس طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کہ اولاً اسلام کے مقابلہ میں جھنڈا ہاتھ میں ہوتا بعد میں اسلام کے عظیم فاتح ہوئے اور جو ممسوخ الفطرت ہوتے ہیں، ان کے لیے نہیں ہے۔

مومنین قرآن کی صفات

ہم نے جب یہود کے سامنے دعویٰ پیش کیا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ في تنزيله من الله تعالی تو اس کیلئے اب دلیل کے طور پر صفات مومنین بالقرآن کا بیان ہے، جب قرآن کا ایسا اثر ہو جو کتاب یہود (تورات) سے بدرجہا زیادہ اثر انداز ہو تو معلوم ہوا کہ جس طرح اثر اندازی کی بنا پر تورات کتاب اللہ ہوسکتی ہے اسی طرح قرآن کے اس سے بدرجہا اثر اندازی کی وجہ سے وہ بھی منزل من اللہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے اثر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اثر زیادہ ہو تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر ایمان لاتے ہو تو اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو بھی تسلیم کروگے۔

پہلی صفت: ایمان بالغیب وہ بھی صدیق اکبرؓ جیسی

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ: جس چیز کا ہمارے ظاہری وباطنی حواس ادراک نہیں کر سکتے وہ غیب ہے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان بالغیب کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو، دوزخ اور جنت کو دیکھا نہیں بن دیکھے ایمان لائے ہیں اور ایمان بھی ایسا پختہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں لو کشف الحجاب ما ازددت یقینا اگر پردے ہٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ سامنے

آ جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا یعنی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر اتنا یقین ہے کہ میں رب العالمین کی وحدانیت پر ایمان بالغیب لایا ہوں اور وہ اتنا مضبوط اور یقینی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا بالمشاہدہ دیدار ہو جائے تو سابقہ ایمان میں کوئی زیادتی نہیں آئے گی۔

متقی کن چیزوں پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں

حدیث شریف میں ہے ان تؤمن باللّٰہ وملٰئکتہٖ وکتبہ ورسولہ والیوم الأخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ (مسلم: ج۸) کہ تو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور ایمان لائے آخرت کے دن پر اور تم ایمان لائے اچھی تقدیر اور تکلیف دہ تقدیر پر کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ متقی مذکورۃ الصدر چیزوں کو بن دیکھے مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی باقاعدہ (بالالتزام) پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ بھی کرتے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ہے سب کو مانتے ہیں، ان مذکورۃ الصدر چیزوں کے علاوہ قیامت آنے پر یقین رکھتے ہیں یہ لوگ خدا تعالیٰ کے ہاں ہدایت یافتہ ہیں اور انہیں صفات والوں کے لئے نجات ہے، بالفاظ دیگر جنت کا داخلہ ہے، اپنی موجودہ مسلم قوم کے حالات کا اندازہ کیجئے کہ کتنے لوگ ان صفات سے متصف ہیں جو نجات دلانے والی ہیں یعنی دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی ہیں اور وہ مسلمان کتنے ہیں جو عباد الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں۔

غیروں کے ایمان سے موازنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وہم نشینی اور قرآن حکیم کی تعلیم و تربیت نے ایسے ارباب طہارت پیدا کر دیئے جن کا طغرائے امتیاز (عظمت کی نشانی) یہی تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل و حجت کے رسول کے آگے جھک گئے اور اللہ پر ایمان لائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سینا سے تورات لے کر آتے ہیں تو بنی اسرائیل کو اس پر ایمان لانے کو کہتے ہیں لیکن وہ جواب دیتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً "اے موسیٰ! ہم تب ایمان لائیں گے کہ آپ کے خدا کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں" حالانکہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے کئی معجزات دیکھے۔

بنی اسرائیل سے امت محمدیہ ؐ کا موازنہ

اب ہم سمجھانے کے لئے ذرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآنی فرمودات کا جائزہ لیتے ہیں کیونکہ مقارنہ اور موازنہ سے دو متوازن اشیاء کا باہمی فرق بخوبی معلوم ہو جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا دوسرا سال ہے، کفار مکہ نے ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرپرستی میں شام کو روانہ کیا جس میں ابوسفیان کے ہمراہ ساٹھ قریشی شریک تھے، اس قافلے کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی کارواں کا جتنا نفع حاصل ہو جائے اس سے ہر قسم کا اسلحہ خریدیں گے اور پھر اہل مدینہ پر حملہ کر کے ان کو نیست و نابود کریں گے، اس قافلے میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا تجارتی سامان تھا، یہ قافلہ شام سے واپس ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا، مہاجرین تو پہلے سے اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ چکے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے لبیک کہا۔

حضرات مقداد بن اسودؓ کا ولولہ انگیز خطاب

حضرات مقداد بن اسودؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا یا رسول اللہ! آپ حکم دیں ہم لڑائی میں آپ سے آگے ہوں گے، ہم آپ کے دائیں بائیں ہوں گے اگر آپ ہم کو سمندر میں کودنے کا حکم دیتے ہیں ہم اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں کودنے کا حکم دیتے ہیں تو ہم اس کو اپنی نجات سمجھتے ہیں، ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: ٢٤) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مقدادؓ کی اس ولولہ انگیز تقریر سے از حد مسرور ہوئے، چنانچہ تین سو تیرہ جانثار صحابہ کرامؓ رمضان المبارک کی ۱۳ر تاریخ ۲ر ہجری کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ۱۶ر رمضان المبارک کو میدان بدر میں پہنچے اور ۱۷ر رمضان المبارک کو کفار مکہ کے ساتھ عظیم معرکہ وجود میں آیا مقابلہ میں ایک ہزار کافر تھے اور ہر ایک کے پاس عمدہ تلوار نیزے اور تیر و کمان تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس صرف آٹھ تلواریں تھیں صحابہ کرامؓ نے ۷۰ بڑے بڑے سرداروں کو قتل کیا اور ۷۰ کو قیدی بنایا۔

قرآنی تعلیمات اور نبوی تربیت کی بدولت صحابہؓ کا قربانی کیلئے سر بکف تیار کھڑا ہونا

یہ قرآنی تعلیمات تھیں اور نبوی تربیت تھی کہ ایسے سرفروشوں اور جان نثاروں کو تیار کیا

جو اپنے مقدس پیغمبر کے اشارے پر قربانی کے لئے سربکف تیار کھڑے ہیں، پس جب تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے تو قرآن پاک بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جادووہ جو سر چڑھ کر بولے ...... ع عطر آن باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

دوسری صفت: اقامة الصلوة

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: لغوی طور پر صلوٰۃ کا لفظ دعا اور رحمت کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن نے اس کو ایک اصطلاحی معنی کیلئے مخصوص کر لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے اس کی تفسیر بیان کر دی ہے اور اب اس کا مطلب اسکے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ نماز ادا کریں، فرائض وواجبات، سنن ومستحبات کا خیال ہو، اوقات کی پابندی ہو اور تعدیل ارکان پیش نظر ہوں۔

تعمیل عبادات میں یہود سے موازنہ

سورۂ مزمل میں نصف شب تک نماز کا حکم صادر ہوا لیکن اکثر رات نماز میں گذر جاتی تھی جس کی اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتے ہیں اور یہود کی یہ حالت ہے کہ جب ان کو ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا کا کہا گیا کہ بصورتِ سجدہ کنندگان شہر میں داخل ہوں تو وہ سجدہ نہیں کرتے بلکہ یزحفون علی أستاههم کہ وہ بچوں کی طرح سرین کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے حِنطَةٌ فی شعیرة کہتے ہوئے داخل ہوئے فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (البقرة: ۵۹) ”پھر ظالموں نے بدل ڈالا کلمہ سوائے اس کے جو انہیں کہا گیا تھا سو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔“ مذکورہ آیت یہود کی اس حالت کی شاہد ہے، وہ تواضع اور انکساری کے بجائے تکبر اور اکڑ کر چلے اور ایک سجدہ تک نہ کر سکے بلکہ ہر بات میں الٹے ہوتے اور قرآن کریم کی ایسی تاثیر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت تو یہ ہے کہ کڑکتی دوپہر اور کڑاکے کی سردی میں حی علی الفلاح کی منادی سن کر راحت اور کاروبار کو خیر باد کہتے ہوئے مسجد میں سربسجود ہونے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، انہی کے بارے میں کہا گیا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: ۳۷) ”ایسے آدمی جنہیں سوداگری اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز کے پڑھنے

اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی'' اور اسی طرح صحابہ کرامؓ رات بھر کھڑے ہوتے عبادت کرتے جس پر اللہ خود تعریف کرتے ہیں تو دیکھو کہ قرآن مجید نے یہ رنگ پیدا کیا۔ جب تورات کتاب اللہ ہے تو قرآن تو بطریق اولیٰ کتاب اللہ ہے اور قرآن میں ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ(المزمل: ۲۰) ''بیشک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نماز تہجد میں) کھڑے ہوتے ہیں'' قرآن کی سمجھ اور اس پر ایمان وہ امت پیدا کرتی ہے جو رات کے وقت کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کر رہی ہے حالانکہ انکو حکم ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ(المزمل: ۲۰) اور وجوب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے جو کہ نَافِلَةً لَّكَ سے ظاہر ہے۔

تاثیر قرآن

جب قرآن کی برکت سے یہ رنگ چڑھا ہے کہ رات بھر عبادت اور سخت گرمی و سردی میں حی علی الصلوۃ سنتے ہی مسجد میں آنا تاثیر قرآن ہی ہے اور یہودیں یہ اثر تھا کہ وہ سجدہ کے بجائے چوتڑوں پر کھسکنے لگے، اسکے باوجود بھی قرآن کو کتاب اللہ کا درجہ نہ دینا گمراہی کی کھلی دلیل ہے، پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو یہ سمجھ لے کہ جس طرح میں حی علی الصلوۃ کے الفاظ سنتے ہی مسجد میں آ گیا ہوں ایسے ہی جب کبھی اسلام کو میری زندگی کی ضرورت ہوگی میں فوراً اپنے آپ کو پیش کر دونگا اور کوئی بھی چیز میرے لئے رکاوٹ کا باعث نہیں بنے گی۔

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے مکالمہ اور اگلی صدی تک قرآن پہنچانے کی مسؤلیت

ایک مرتبہ رات کو حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے پوچھا، آپ کی عمر کتنی ہے؟ میں نے کہا ۱۳۰۴ھ میں میری ولادت ہوئی، فرمایا میں ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوا، فرمایا آپ مجھ سے چھ سال بڑے ہیں، میرے تمام مرشد و اساتذہ تیرھویں صدی کی پیداوار تھے اور میں چودھویں صدی کا اور ان کی تعلیم و خطاب کو پہنچا رہا ہوں، اب آپ پندرھویں صدی میں اُن کو پہنچائیں تب جا کر سبکدوش ہوں گے۔

تیسری صفت: متقین کا جذبہ انفاق فی سبیل اللہ

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: متقین کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں قرآن نے ایسی جماعت تیار کی کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیلئے چندہ کی اپیل کی (چونکہ صحابہ کرامؓ میں عبادت کی بہت حرص تھی) تو اس وقت حضرت عمرؓ گھر کی ہر چیز کو آدھا کر کے لائے حالانکہ حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ میں آج حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ جاؤں گا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ سب کچھ لائے جس وقت سب نے مال لا کر حاضر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں کہ کیا لائے ہو؟ اور کیا گھر چھوڑ آئے ہو؟ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ الله ورسوله في بيتي "گھر میں اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں" صحابہ کرامؓ کا اعتماد علی اللہ اور توکل دیکھو کہ اپنے بازوؤں سے کماتے ہیں اور جس وقت مانگا جاتا ہے تو سب کا سب دے دیتے ہیں، بخلاف یہود کے کہ ان کو ذرا بھر بھی اعتماد نہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا تکلف اور بن مانگے دیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آج کے لئے لے لو اور کل کے لئے پھر لینا، انہیں اس پر اعتماد نہیں اور حرص کر کے ذخیرہ کرتے ہیں۔

حرص و بخل یہود کا خاصہ

اسی طرح جب یہود کو انفاق فی سبیل اللہ کا کہا جاتا تو کہتے إِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ أَغْنِيَآءُ (ال عمران: ۱۸۱) بخل، یہود کا خاصہ تھا، صحابہ کرامؓ انفاق میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے لہٰذا قرآن اور تورات بھی منزل من اللہ ضرور ہے، الغرض کہ وہ تو خدا تعالیٰ سے لینے میں بھی حرص کرتے علاوہ اس کے یہود کا بخل مشہور ہے، قرآن مجید کی تعلیم سے تو ایسی متوکل علی اللہ جماعت تیار ہوئی اور یہود تورات پر پورا عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان میں حریص اور بخیل جماعت پیدا ہوئی تو جس وقت تورات کو کتاب اللہ کہا جاتا ہے تو قرآن مجید کو بطریق اولیٰ کتاب اللہ کہا جائے گا۔

یہود کا احکامات الٰہیہ اور انفاق کا مذاق اڑانا

یہود ایسے احکامات خداوندی کا مذاق اڑاتے اور گستاخانہ کلمات کہتے کہ اللہ جب ہم سے مانگتا ہے تو کیا وہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں؟ جب یہودیوں کو حکم دیا جاتا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے فقراء اور مساکین پر خرچ کرو تو کہتے أَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ أَطْعَمَهٗ (یٰس: ۴۷)

''کہ ہم کیوں کھلائیں ایسے فقراء اور غریبوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے غریب پیدا کیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو ان کو بھی کھلاتا'' ہم کیوں مشیت خداوندی کے خلاف کریں، اپنے بخل کو چھپانے کے لئے اس حکم کا مذاق اڑاتے۔

چوتھی صفت: امت محمدیہ کا تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایسی ہے کہ پہلی کتابوں اور قرآن پر یکساں ایمان لاتی ہے صرف یہ کہ معمول بہ قرآن ٹھہراتی ہے اور تمام رسولوں پر بھی ایمان لاتی ہے اور ہماری تعلیم بھی یہی ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة:۱۳۶) اور یہود و عیسائی صرف اپنے انبیائے کرامؑ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے نبی کے بعد والے پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتے، جیسے یہود صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں، باقی انبیائے کرام علیہم السلام کو نہیں مانتے، عیسائی کہتے ہیں کہ ہم صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں، باقی انبیائے کرام علیہم السلام کو نہیں مانتے اور یہود تو اتنے تنگ ظرف ہیں، کہتے ہیں لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی (البقرة:۱۱۱) یعنی ہمارے بغیر جنت میں کوئی جا ہی نہیں سکتا۔

یہود کے برعکس مسلمانوں کی وسعتِ نظر

اس کے برعکس مسلمان کی وسعتِ نظر ہے کہتے ہیں: بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ (البقرة:۱۱۲) یہ وسعت نظری، سعادت اور جذبات قرآن کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، یہ حسن اتفاق ہے کہ ہم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پہلے پیدا کرتے تو صرف اسی پیغمبر پر ایمان لاتے، جب وہ پیغمبر جس کی صحبت کا اثر ہو رہا تھا، اسے مان رہے تھے تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صحبت کا ایسا اثر ہوا اس پر بھی انہیں بدرجہ اولیٰ ایمان لانا چاہئے تھا اور جب وہ نبی اور تورات منزل من اللہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن یقیناً منزل من اللہ ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی طرز تفسیر کا ایک نمونہ

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں بعض اوقات قرآن مجید میں جواب ہوتا ہے سوال مقدر کا، فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو ماقبل عبارت

سے کوئی خدشہ پیدا ہوتا تو آیت شریفہ سے اس کا تصفیہ فرما لیتے اور پھر اس خدشہ کو زائل کر دیا جاتا اور سوال کا ذکر نہیں کیا جاتا تاکہ عبارت میں طوالت نہ ہو جائے، یہ بھی تفسیر کی ایک طرز صحابہ نے رکھی، اس اصل کی بناء پر وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ جواب ہے سوال مقدر کا جو کہ ماقبل کی عبارت سے پیدا ہو رہا تھا، وہ یہ ہے کہ بعض اہل مکہ کا ایمان لانا کتب آسمانی کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ خود جاہل تھے، ہاں! اگر کوئی اہل علم (اہل کتاب) میں سے ایمان لاتا تو اس کا ایمان لانا کتب آسمانی ہونے پر دلیل ہو سکتی تھی، جیسا کہ مرزا علیہ ما علیہ کے مرید وہ لوگ ہیں جو علم شرائع سے بالکل جاہل ہیں، کوئی مستند عالم اس کا مرید نہیں ہوا بلکہ انہوں نے ان کی تکفیر کی ہے۔

واقعتاً مکہ میں سب سے پہلے ایمان ورقہ بن نوفلؓ لائے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ناواقف، "جاہل" اور ناخواندہ لوگوں کو اپنی جماعت میں داخل فرمایا، اگر کوئی اہل کتاب ان کی جماعت میں داخل ہوتا تو ان کا کمال مانا جاتا تو اس آیت سے اس سوال کا جواب سمجھا جا سکتا ہے، وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مطلب یہ ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفلؓ جیسے اولوالعزم صاحب علم و فضل نصاریٰ مکہ میں سے اور حضرت عبداللہ بن سلام جیسے علامہ یہود مدینہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ خدام میں داخل ہیں لہٰذا مکہ معظمہ میں رجال میں سے اول حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ لیکن واقعتاً مکہ میں سب سے پہلے ورقہ بن نوفلؓ ایمان لائے ہیں اور جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان لائے ہیں جو کہ یہود کے بڑے عالم تھے، پس ثابت ہوا کہ مکہ میں پہلا مومن اہل کتاب میں سے جو ایمان لایا وہ عالم ہے، اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی پہلا مومن اہل کتاب میں سے ہے۔ انصار جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اس کی وجہ یہی تھی کہ انصار تعلیم سے رنگے گئے تھے اور یہود کے مکاتب (مدارس) میں انصار کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔

قرآن کی صداقت اور نبی کی نبوت کو سب سے پہلے یہود نے تسلیم کیا

سب سے پہلے قرآن کی صداقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرنے والے یہود ہی تھے، جیسے وحی کے نزول کے وقت حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر ورقہ بن نوفلؓ کے پاس لے گئیں تو انہوں نے فرمایا: هذا الناموس الذی انزل علی موسیٰ

علیہ السلام تو غرض یہ کہ ابتداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے یہود ہی تھے، اسی طرح عبداللہ بن سلام کا واقعہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن کر تشریف لائے اور بطور آزمائش کے چند سوالات کئے کہ ان کا جواب بغیر نبی کے کوئی نہیں دے سکتا۔ چنانچہ سوالات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں اور عبداللہ بن سلامؓ جو یہود کے عالم تھے، مسلمان ہو جاتے ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہود کی حالت تو آپؐ نے ملاحظہ فرمائی کہ میرے متعلق پوچھیں کہ عبداللہ تم میں سے کس درجہ کا انسان ہے؟ بعد میں میرے ایمان کے متعلق پوچھنا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ عبداللہ کی تم میں کیا شان ہے؟ تو کہنے لگے کہ جناب عبداللہ شریف ہیں اور شریف خاندان کے ہیں اور شریف لڑکا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تمہارا کیا خیال ہے؟ تو کہنے لگے نعوذ باللہ! ایسا نہیں کریگا، اتنے میں وہ باہر نکلے اور کلمہ شہادت پڑھا تو کہنے لگے کہ شرنا وابن شرنا (البخاری: ج۳۹۳۸) بڑا شریر ہے اور اس کے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی ہیں۔ غرضیکہ آپ کی نبوتؐ پر ایمان لانے والے سب سے پہلے یہود ہی تھے تو معلوم ہوا کہ قرآن میں اور نبی کی مجلس میں تاثیر یقینی ہے لیکن مجلس میں نہ آنے کا کیا علاج ہو جب سنتے ہی نہیں ہیں تو پھر اس کیلئے ہدایت کیسے ہوگی؟ اثر کیسے ہوگا؟ اثر تو تب ہوگا کہ سنے بھی، حالانکہ انہوں نے تو اپنی حالت ہی ایسی بنا رکھی تھی کہ ہدایت نہیں پاتے، مجبول علی الکفر (کفر پر پیدا شدہ) نہیں لیکن سنتے نہیں۔

مسلمانوں کا شوق شہادت اور یہود کا جہاد سے فرار

مسلمانوں کے مقابلے میں یہود کی یہ حالت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بیت المقدس پر حملہ کرنے کیلئے کہا تو ان کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب ملا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: ٢٤)" تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" اور اسی طرح مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ چھوٹے بچے پیالۂ شہادت پینے کیلئے بیتاب ہوتے تھے جیسا کہ معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما کے قصے سے ظاہر ہے اور بدر کے موقع پر حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں ہوں گے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ سمندر میں کود و، ہم اس سے بھی اعراض نہیں کریں گے، پس تورات

سے اثر نہ لے کر وہ شہادت سے ڈرتے تھے، موت سے ڈرنے کی وجہ سے جہاد سے اعراض کرتے تھے اور قرآن نے صحابہؓ کو آخرت کا شوقین بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے، جیسا کہ واقعہ سے ظاہر ہے۔ غالباً میرے خیال سے کسریٰ نے جب چین کے بادشاہ سے مدد طلب کی تو چین کے بادشاہ نے جواب دیا کہ ایسی قوم کی اطاعت قبول کرو، جو موت کو زندگی پر ترجیح دیتی ہے، ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے کیونکہ قرآن نے لوگوں کے عقائد اور اعمال کی وہ اصلاح کی، جو یہود تورات سے حاصل نہ کر سکے۔

مدینہ کے یہودی قبائل کو پہلے اسلام کی دعوت دینے میں حکمت

اس سورت میں پہلے یہود کو اس لیے دعوت دی گئی ہے کہ وہ جانشین انبیائے کرام علیہم السلام سمجھے جاتے تھے، مدینہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، نصاریٰ کاشتکار تھے، معزز نہیں تھے اور جب کوئی عالم کسی شہر میں نو وارد ہو تو اگر شہر کے پرانے علماء اس کی عزت و احترام کرنے لگیں تو ایک گھنٹہ میں سارا شہر اس کا احترام کرنے لگے گا، اگر اس نو وارد عالم کے ساتھ مخالفت شروع کر دیں تو نو وارد عالم کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بہت رکاوٹیں پیش آجاتی ہیں۔ پس یہاں یہود کو اس لئے دعوت دی گئی کہ وہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے تو رکاوٹیں نہ ہونے کی وجہ سے اسلام جلد از جلد پھیل جاتا۔

مخالفت پر آیات نے قلعی کھول دی

اب ان کی مخالفت کی وجہ سے اس سورت میں وہ آیات نازل ہوگئیں، جو ان کی قلعی کھول دیتی ہیں کہ یہ ضدی اور ہٹ دھرم ہیں، جاہ و جلال کے طالب اور حریص ہیں۔ اس سے وہ اتنے ذلیل ہوئے کہ جاہل سے جاہل کو بھی یہ بات سمجھ آگئی کہ یہ حق پر نہیں ہیں اور جاہ و جلال کے طالب ہیں۔

اوصاف حمیدہ پر نتائج کا ترتب

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ : ای اولئك الموصوفون بتلك الصفات الخمسة علی هدایة من الله فقد أعطاهم الله وسام الشرف حیث قال أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ اب ان اوصاف حمیدہ پر نتیجہ کا ترتب ہے، یعنی ان اوصاف سے متصف ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی کا تمغہ مل رہا ہے، خدا کی طرف سے جو پیغام

آیا، اس پر چلنے والی یہی جماعت ہے أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ أي أولئك هم المهدیون وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ في الدنيا و الآخرة یعنی فلاح ان کی ذات سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کو فلاح کا تمغہ مل رہا ہے تو جہاں ان کی ذات موجود ہوگی، خواہ دنیا میں یا آخرت میں فلاح ان کے ساتھ ہے۔

دوزخ سے نجات پانے والوں کی چھ صفات

دوزخ سے نجات پانے والوں کی چھ صفات ذکر کی گئی ہیں، پہلی صفت یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر بن دیکھے ایمان لے آتے ہیں (یعنی مان جاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ٹھیک ہے) دوسری یہ کہ جو باقاعدہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں اور تیسری یہ کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محض اللہ کو راضی کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں (یعنی اس خرچ کرنے میں لوگوں کا دکھلاوا یا ان سے شاباش لینا یا واہ واہ کرانا یا الیکشن میں امیدوار بن کر لوگوں سے ووٹ حاصل کرنا مقصود نہیں) چوتھی یہ کہ اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکام نازل ہوئے ہیں انہیں بھی مانتے ہیں، پانچویں صفت یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، چھٹی قیامت کی آمد کو بھی دل سے مانتے ہیں۔

فلاح بمقابلہ ذلت: یہودیت کے اثرات

فلاح کا معنی یہ ہے کہ ان پر کسی کا رعب نہیں ہے اور بجز اللہ تعالیٰ کے اپنے آپ کو کسی کا محکوم نہیں سمجھتے بخلاف یہود کے کہ وہ ذلیل ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱) اور آج یہ حالت ہم مسلمانوں کی ہے کہ قرآن کے بھی محکوم ہیں کہ اگر اس کے خلاف کریں تو خداوند کریم (بادشاہ حقیقی) سے جوتے پڑتے ہیں اور ادھر تعزیرات ہند کے محکوم ہیں کہ اگر تعزیرات ہند کے خلاف کریں تو گورنمنٹ کی طرف سے مواخذہ ہوتا ہے اور یہی یہودیت کا اثر ہے العیاذ باللہ، یہ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ کے دعویٰ کیلئے دلائل تھے جو یہاں تک بیان ہوئے، مفسرین اسلاف کہتے ہیں کہ اس سورت میں یہود کو مخاطب کیا گیا ہے (انصار تو منقاد (فرمانبردار) پہلے ہی ہو چکے ہیں، بیعت عقبہ دو مرتبہ کرنے آئے، میں وہ جگہ دیکھ چکا ہوں) هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہاں بھی یہ مطلب ہے کہ متقی اس کتاب سے استفادہ کر کے متقی بنے ہیں۔

الفوز الكبير اور حجة الله البالغه سے قرآن فہمی میں آسانی

الفوز الكبير اور حجة الله البالغة پڑھنے سے قرآن سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے اور پڑھنے کے بعد لطف آتا ہے، جی چاہتا ہے کہ آپ کو پڑھاؤں، پہلے طلباء کو پڑھا چکا ہوں۔

دفع دخل مقدر

اس طرح الفوز الكبير میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آیات سابقہ سننے کے بعد اگر کوئی خدشہ وشبہ پیدا ہوسکتا ہے تو شبہ ذکر نہیں ہوتا ہے اور جواب آ جاتا ہے۔ منطق کی اصطلاح میں دفع دخل مقدر ہوتا ہے۔

تاثیر قرآن لازمی اور بے جان لاشوں کی صلاحیت ختم

اب یہاں ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ آپ نے تو یہ ثابت کیا کہ قرآن بڑا مؤثر ہے، اعلیٰ درجے کا مصلح ہے، خدارسیدہ بنانے کا کفیل ہے تو اب کسی کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ مکہ و مدینہ میں تو مخالف بھی تھے، اگر قرآن کی یہ تاثیر خصوصی ہے تو ان پر اثر کیوں نہ ہوا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر شدہ تاثیر اتفاقی معاملہ تھا، اگر یہ تاثیر لازمی ہوتی تو کیوں تیرہ سال تبلیغ کے باوجود کفار مکہ پر کوئی اثر نہ کیا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تاثیر قرآن لازمی ہے مگر وہ لوگ ممسوخ الفطرت اور بے جان لاشوں کی طرح ہوگئے تھے، جیسے ایک آدمی اپنی بینائی کو غلط دوائی استعمال کرنے سے کھو بیٹھتا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے اپنی قلبی بصیرت کو مفلوج کر دیا تھا، حدیث شریف میں ہے کل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه (موطا امام مالك: ح ۸۲۳)

ممسوخ الفطرت (مسخ شدہ فطرت) آدمی کی مثال کا ایک عقلی جواب

قاعدہ ہے کہ طبیب جتنا ہی حاذق (ماہر و تجربہ کار) ہو صرف اس مریض کا علاج کرسکتا ہے، جس میں جان باقی ہو، جب روح نکل گئی اور زندگی ہی نہ رہی تو پھر جتنا ہی حاذق اور شفاء الملک ہو، وہ علاج کرنے سے عاجز ہوتا ہے اس طرح بعض آدمی ممسوخ الفطرت ہو چکے ہوتے ہیں جن کی فطرت کا نور بجھ چکا ہو اور روحانی موت سے مر چکے ہوں اور وہ جان بوجھ کر اغراض دنیوی کے حصول کے لئے حق کی مخالفت کرتے رہتے ہوں اور مخالفت کرتے کرتے ان کی حس ہی ختم ہوگئی ہو تو پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور قرآن کا اثر ان پر نہیں ہوتا، ان کے دلوں پر ان کے

گناہوں نے احاطہ کر دیا ہوا ہے وَ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ (البقرۃ: ۸۰) گناہوں سے ان کا قلب سیاہ ہو گیا ہے، اب نور قرآن ان پر اثر نہیں کرتا۔

ممسوخ الفطرت کی دوسری مثال لوہے پر زنگ چڑھنے جیسی

ایک سیر لوہا زمین میں دفنایا جائے تو پہلے اس کی بالائی سطح پر زنگ چڑھ جاتا ہے، اگر اس کو فوراً صاف نہ کیا جائے تو پھر یہ اندر سرایت کرتا ہے اور پھر زنگ کو دور کرنا محال ہو جاتا ہے اور وہ لوہا زنگ ہی زنگ بن جاتا ہے، اسی طرح گناہ بالائی سطح پر اثر کرتا ہے، اگر جلد صاف نہ کیا جائے تو اندر سرایت کرتا ہے اور پھر حق کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا۔

مخالفت سے ادراکی قوت کا ختم ہو جانا: تیسری مثال

ممسوخ الفطرت لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت، دیانت وصداقت کو خوب جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے کئی معجزات کو دیکھ چکے ہیں، پھر بھی دیدہ و دانستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے ہیں اور مخالفت سے اپنی ادراکی قوت کو ختم کر چکے ہیں، جیسے مشاق قصائی کو کبھی رحم نہیں آتا، اس کی مشق ہو گئی ہے، کوئی احساس اس کو نہیں ہوتا، رحم اس کے دل سے سلب ہو گیا ہوتا ہے ورنہ فطرت میں تو کمزور پر رحم کرنا ہے لیکن مادہ رحم یا وہ مادہ ظلم کرتے کرتے سلب ہو گیا ہے۔ والد بچے کو بہلانے کیلئے چڑیا دے دیتا ہے پھر رحم کے جذبے سے اسے کہتا ہے اسے چھوڑ دو تو پیسے دے دوں گا، یہ فطری جذبہ رحم ہے۔

مجھے یاد ہے میں جب چھوٹا تھا تقریباً ۴، ۵ سال کا تھا کہ میرا ختنہ ہوا۔ والد صاحب نے مجھے بٹیر دیا پھر فرمایا اسے چھوڑ دو، میں تجھے پیسے دوں گا تو میں نے فوراً اسے چھوڑ دیا کیونکہ انسان میں فطرتاً رحم وشفقت کا مادہ ہوتا ہے۔

بار بار فطرت کی مخالفت کا نتیجہ روحانی موت: چوتھی مثال

فطرت انسانی میں رحم وشفقت کا مادہ ہے مگر خلاف فطرت کام بار بار کرنے سے جذبۂ رحمت فنا ہو جاتا ہے، جیسے چور، ڈاکو چوری اور ڈکیتی کرتے کرتے شقی القلب بن جاتے ہیں اور پھر ان کو کسی کے قتل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اس طرح کفر کرتے کرتے ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور احساس ہی نہیں ہوتا، فطرتی اوصاف اس صفت کی نقیض پر عمل کرنے کی وجہ سے ممسوخ ہو جاتے ہیں تو ہم جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، شاید واقع کے مطابق نہیں، ہم اس میں

جھوٹے ہیں کیونکہ یہ دعویٰ ہمارا صحیح اور مطابق واقعہ ہوتا تو ہم کو خلافة في الارض حاصل ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرآن بے شک سچا ہے، سورۂ حشر سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان عامل بالقرآن ہو اور پھر ذلیل ہو یہ اجتماع نقیضین ہے اور ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

بعض اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ : یہ بھی جواب، سوالِ مقدر کا ہے کہ ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تعلیم سے بعض اہل مکہ راہ راست پر آ گئے اور اس طرح بعض اہل کتاب بھی لیکن ان کا راہ راست پر آنا قضیہ اتفاقی تھا، بصیرت سے یہ ایمان نہیں لائے کیونکہ اگر ان کا ایمان لانا کتاب کی تاثیر اور تعلیم سے ہوتا تو جتنے اہل مکہ تھے سب ایمان لاتے نہ کہ بعض تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تاثیر عام نہیں اگر عام ہوتی تو کفار اہل مکہ سب حلقہ بگوش اسلام ہوتے، اب اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں اس شبہ کا جواب دیا جارہا ہے کہ جو کفار قرآن کی مبارک تعلیم سنتے تھے وہ مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور جو قرآن کی مبارک تعلیم سننے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بجائے سننے کے قراءت قرآن کے وقت شور مچایا کرتے تھے، جیسا کہ فرمایا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدة: ٢٦) ''تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں غل مچاؤ تا کہ تم غالب ہو جاؤ'' جب وہ قریب ہی نہیں آتے تھے تو قرآن کا اثر ان میں کس طرح نمایاں ہوتا لہٰذا وہ ممسوخ الفطرت ہو چکے ہیں سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ان کافر لوگوں پر برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض جب حکیم کے پاس آتا ہے تو مریض میں حکیم کے علاج کا اثر ظاہر ہوتا ہے جو نبض دکھا کر حسب منشاء حکیم علاج کرائے اور جو علاج نہ کرائیگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

حصول ہدایت کے تین طریقے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ : فرمایا کہ کفر کی ظلمت باہر اور ہدایت کا نور اندر نہیں جا سکتا، احساس فطری فنا ہو گیا، ہدایت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے، (۱) دل میں سمجھنے کی استعداد موجود ہو (۲) غور و فکر کی قوت موجود ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا، ان پر قرآنی آیات کا نزول ہو رہا تھا، ان کے مبارک ہاتھوں سے معجزات دیکھنے میں

آ رہے تھے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی جو صداقت و امانت و دیانت اور طہارت کی زندگی تھی اگر وہ لوگ معمولی سی بھی سمجھ رکھتے تو ایمان لے آتے۔ (۳) طریقہ ہدایت حاصل کرنے کا حاسہ بصر ہے، آنکھوں کے ذریعے سے مخلوقات خداوندی کو دیکھ کر رب العالمین جل جلالہ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ پر یقین آتا ہے......

ہر گیا ہے کہ از زمین روید   وحدہ لاشریک لہ گوید

ففی کل شئی لہ آیۃ   تدل علی انہ واحد

کانوں کے ذریعے بھی ہدایت حاصل ہوتی ہے، کانوں کے ذریعے حق بات سن کر ایمان لایا جاتا ہے، ان کافروں نے اپنے تمام حواسِ استفادہ کو ضائع کر دیا ہے تو یہ انکا قصور ہے

احکامات الٰہی کی مخالفت سے دلوں میں میل پیدا ہونا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (الصف:۵) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے اُن کے دِلوں کو پھیر دیا، یہ اس لئے کہ نبی کی نبوت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے احکام کی مخالفت کرنے سے زیغ فی القلوب پیدا ہوتا ہے، چنانچہ ان کے دلوں میں میل پیدا ہوا وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (البقرۃ:۹۶) آپ انہیں زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے اور ان سے بھی جو مشرک ہے ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش! اُسے ہزار برس عمر ملے، حالانکہ اُسے عمر کا ملنا عذاب سے بچانے والا نہیں اور اللہ دیکھتا ہے، جو وہ لوگ کرتے ہیں۔

آنکھوں پر پردہ، کانوں سے شنوائی اور قلب سے احساس حق کا سلب ہونا

وَّ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: آنکھوں پر پردہ ڈالا ہے، کانوں سے شنوائی، قلب سے احساس حق سلب ہو گیا ہے تو پھر انہیں قرآن کی روشنی سے کیا فائدہ؟ جب کسی کی بینائی ہی نہ ہو، ان سے دیکھنے کی توقع کرنا بے جا اور غلط ہے، کوئی نابینا سورج نہ دیکھے تو اس میں قصور سورج کا کیا ہوا کافر لوگ دیدہ دانستہ دنیوی اغراض کی لالچ و ہوس کے غلام بن گئے ہیں، یہ

حق بات کی مخالفت کرتے کرتے اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ چکے ہیں۔ اچھے اچھے دانشور اور علماء بھی دنیا کی لالچ میں آ کر بگڑ جاتے ہیں اور اسی طرح بظاہر ان کے حواس موجود ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں بیکار ہوتے ہیں، ان حواس کے ذریعے اپنے خالق کو نہیں پہچانتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مثل الذی یذکر ربه و الذي لایذکر مثل الحي و المیت(البخاری: ح ٦٠٤٤) "اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال زندہ اور نہ یاد کرنے والے کی مثال مردہ ہے" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ ہے۔

جرم کا ارتکاب ہی اُسے پھانسی دلواتا ہے نہ کہ حکم جج

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن سے جو لوگ بے خبر ہیں، وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب خدا نے مہر لگا دی تو ان کا کیا قصور ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مہر بعد میں لگائی ہے جب انہوں نے شرارت کی حالانکہ انسان کی اصل خلقت اسلام پر ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ(الروم: ٣٠) "اللہ کی دی ہی قابلیت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل نہیں" سے اور کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه او ینصرانه (موطاامام مالك ٨٢٣) سے سمجھا جاتا ہے جب انہوں نے شرک کیا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزا سے پیش آئے اور فساد فی الارض کیا تو اللہ نے اس کے بعد مہر لگا دی بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء: ١٥٥) "بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کے سبب سے مہر کر دی ہے سو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے" ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ (المنٰفقون: ٣) "یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی پس وہ نہیں سمجھتے" سے معلوم ہوا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب ملزم پر الزام ثابت ہو جاتا ہے اور عدالت اس کیلئے پھانسی کی سزا تجویز کر دیتی ہے تو جج یہ نہیں کہتا کہ اس ملزم نے فلاں وقت فلاں جرم کا ارتکاب کیا تھا، اب اس کا ثبوت ہو گیا ہے اور اس کو اس جرم کی وجہ سے پھانسی کی سزا دی جاتی ہے بلکہ کہتا ہے کہ میں اس پر پھانسی کا حکم دیتا ہوں، اپنی عظمت دکھانے کے لیے وگرنہ قاتل نے تو جج کے باپ کو قتل نہیں کیا ہوتا۔ اصل میں حاکم (جج) کا حکم اس کو قتل نہیں کرتا بلکہ اس کے جرم کا ارتکاب اس کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے یعنی جج مجرم کو سزا بسبب جرم دیتا ہے، شاہی زبان میں تفصیلات نہیں ہوتیں۔

مہلکات فطرت پر عمل کا نتیجہ ایک ذاتی مشاہدہ اور اپنی کہانی

لوگوں کی فطرت بگڑ جاتی ہے تو علماء کو جیلوں میں ڈال دیتے ہیں، دہلی میں مجھے انگریزوں نے گرفتار کیا، گرفتار کرنے والے گنگوہ شریف کے صاحبزادوں میں سے تھے، ایک صاحبزادہ تلاشی لے رہا تھا، وہ اوپر دیکھ رہا تھا، انگریز تو باہر چلے گئے، پولیس اور صاحبزادہ گھر کے اندر داخل ہوئے، میں نے سندات اکابر ایک نلکی میں بند کر کے اوپر گھاس پر لٹکا دیں کہ چوری نہ ہو جائیں کیونکہ یہ مجھے ہر چیز سے عزیز تھیں۔ صاحبزادہ نے اوپر دیکھا اور کہا یہ کیا چمک رہا ہے؟ میں نے اُتروا دیں، صاحبزادہ نے یہ ظلم کیا کہ کتابیں تلاشی کے بعد واپس کر دیں، سندات واپس نہ کیں۔ وہ سمجھا کہ ڈگری کی طرح یہ چھین لیں تو اس کی قابلیت ختم ہو جائیگی، اس کا خیال تھا کہ مولویوں کا علم بھی وکلاء کی طرح ہوگا، حالانکہ ہمیں سندات کی کیا ضرورت تھی؟ اس صاحبزادے نے انگریز اور کافروں کی خوشنودی کیلئے ایسا کام کیا، کوئی احساس اسے نہیں ہوا، فطری جذبات مہلکات پر مداومت کرنے سے ختم ہو جاتے ہیں۔

علم علماء کے سینوں میں ہوتا ہے

الحمدللہ علماء کے سینوں میں یہ علوم راسخ ہو گئے ہیں، کتابوں کے بغیر بھی قرآن وحدیث کے علوم پڑھا سکتے ہیں، اب ایسے مولوی وصاحبزادے کو ہم کیا کہہ سکتے ہیں جو انگریز کیلئے CID کے فرائض سرانجام دے، پہلے انگریز چوروں کے ذریعے ہمارے دفتر کی کتابوں کو لے گئے پھر گھر کی کتابیں پولیس والے لے گئے تو بعض مولوی (علمائے سوء) بھی دولت کمانے کی خاطر بگڑ جاتے ہیں۔

سزا جرم کی وجہ سے ہے مگر حکومت اور شاہ اپنی طرف نسبت کرتے ہیں

وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ : فطرت سلیمہ کو دانستہ گم کرنے کے بعد ان کیلئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ فطرت سلیمہ کا نور اپنی بداعمالی کی بناء پر بجھا چکے ہیں (جو عورتیں بدکاری کرتی ہیں، ان کا احساسِ حیاء ہی نہیں ہوتا اور باعفت عورت ایک ناخن کے بے پردہ ہونے کو موت تصور کرتی ہے)

بدکاری اس نے کی اور خَتَمَ اللّٰهُ کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ وحکومت اپنی حاکمیت اور (رٹ) کو ثابت رکھنے کے لئے کہتی ہے کہ اسے میں سزا دیتا ہوں، اصل سزا تو اسے جرم دیتا ہے، بدکاری کا ارتکاب یہ کرتا رہا، اس کی وجہ سے اس پر مہر لگا دی گئی، دراصل مہر ان کے اعمال ہی نے لگائی، شان حاکمانہ کی بنا پر خَتَمَ اللّٰهُ کہا گیا۔

رکوع 02

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ

حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔ اللہ اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں

اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ ط

حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور نہیں سمجھتے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

انکے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۱۱

کہ ملک میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۱۲

خبردار بے شک وہی لوگ فسادی ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ

اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لا جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنۡ

جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں خبردار وہی بے وقوف ہیں لیکن

لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَ

نہیں جانتے۔ اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور

اِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا مَعَكُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ

جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو

مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ فِىۡ

صرف ہنسی کرنے والے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ

طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا

وہ اپنی گمراہی میں حیران رہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے

الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى ۖ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَمَا كَانُوۡا

گمراہی خریدی سو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور

مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِى اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ

ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب

اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِىۡ

آگ نے اس کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی بجھا دی اور انہیں

ظُلُمٰتٍ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا

اندھیروں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ نہیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ

لوٹیں گے۔ یا جیسا کہ آسمان سے بارش ہو جس میں اندھیرے اور

رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

گرج اور بجلی ہو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾

کڑک کے سبب سے موت کے ڈر سے دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جب ان پر چمکتی ہے تو

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

تو ان کے کان اور آنکھیں لے جائے بے شک اللہ

ع ٢ ١٣ ٢ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ع

ہر چیز پر قادر ہے

رکوع (۲)

خلاصہ: أمراض المنافقين و أقسامهم

ماخذ: (ا) خداع: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ

(۲) عناد بالإسلام: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

(۳) فساد في الأرض: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ

(۴) سفاهة: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

(۵) استهزاء على الدين: اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

منافقین پر اثر نہ ہونے کی وجہ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ: باعتبار ربطِ آیات کے یہ بھی جواب ہے سوال مقدر کا کہ مکہ والے تو اس لیے ایمان نہیں لائے کہ انہوں نے قرآن مجید سنا ہی نہیں مگر اعتراض مدینہ والوں پر ہے کہ مدینہ میں بعض لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے، قرآن مجید سنتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ضال وغیر ہادی کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ قرآن میں تاثیر نہیں، اگر تاثیر ہوتی تو یہ لوگ سن کر ایمان لاتے لیکن جب اور لوگ قرآن مجید سنتے تو یہ لوگ اس میں شور مچاتے تا کہ اس پر وہ غالب آ جائیں، حالانکہ کافروں کو یقین تھا کہ قرآن سننے والوں میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، پھر وہ اسلام کا شیدائی بنتا ہے، انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کرلیا کہ قرآن کو نہ سنا جائے تو یہاں یہ شبہ ہو رہا تھا کہ چلو مشرکینِ مکہ پر اس لئے اثر نہ ہوا کہ وہ قرآن مجید سننے سے دور رہے مگر منافقین تو دن رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن سنتے رہے اور نمازوں میں بھی شریک ہوتے رہے، ان کے دلوں پر قرآن مجید نے کیوں اثر نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں ذاتی تاثیر نہیں ہے (نعوذ باللہ من ذلك)

سوال مقدر کا جواب

اس کے جواب میں یہ امراض بیان ہوئے کہ ان کے دل میں وہ عقیدت نہیں ہے جو کہہ رہے ہیں اور اسی طرح یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ (المائدۃ:٤١) ''جاسوسی کرتے ہیں وہ دوسری جماعت کے جاسوس ہیں جو تجھ تک نہیں آئی'' اور دوسری جگہ ان کا اقرار ہے قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ''تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی کرنے والے ہیں'' اِن آیات میں جواب دیا جا رہا ہے کہ قرآن مجید ہدایت ہے اور ہدایت دوا ہے گمراہی کی۔

منافقین کے دلوں میں پانچ بیماریاں

منافقین کے دلوں میں پانچ بیماریاں موجود ہیں، یہاں صرف اجمالی ذکر ہے، آیات میں تفصیل آئی گی۔

(۱) خداع: دھوکہ بازی

(۲) عناد بالإسلام: اسلام کے ساتھ دشمنی

(۳) فساد في الأرض: زمین میں فساد

(۴) سفاھة: دوسروں کو بیوقوف سمجھنا

(۵) استهزاء علی الدين: دین کے ساتھ مذاق کرنا

لہٰذا جب منافقین کے دلوں میں یہ بیماریاں موجود ہیں اس وقت تک یہ قرآنی دوائی ان کی شفایابی اور صحت افزائی کے لئے کارگر نہیں۔

قرآن کب مؤثر اور فائدہ مند ہوتا ہے؟

دوائی تب مفید ہوتی ہے کہ معدے میں کیموس (وہ رقیق شے جو معدہ میں کھانا ہضم ہونے کے بعد پیدا ہو) فاسد نہ ہو جب یہ بیماریاں اُن سے نکل جائیں گی تو قرآنی دوا اِن میں اثر کرلے گی لیکن اگر منافقین بغرض تعلیم آتے اور ان کو فائدہ نہ ہوتا تو پھر کہہ سکتے کہ قرآن مجید مؤثر نہیں لہٰذا یہ کتاب آسمانی نہیں، پس اِن کی مثال آج کل کے سی، آئی، ڈی والوں کی طرح ہے کہ وہ خلافت کے جلسوں میں شریک بھی ہوتے ہیں اور تقریریں بھی سنتے ہیں لیکن ان پر اثر بالکل

نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس غرض کے لیے شریک ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ تو گورنمنٹ کے لیے آتے ہیں تاکہ تقریریں سن کر رپورٹ تحریر کریں یا ان کی مثال اس بیمار کی ہے کہ جو منہ میں دوا لے کر معدہ میں نہیں جانے دیتا بلکہ تھوک دیتا ہے اگر اس کو شفا نہ ہو تو ڈاکٹر کے کمال میں تو کوئی نقص نہیں ہے، اسی طرح قرآن کی تعلیم میں بھی کوئی نقص نہیں ہے۔

پہلا مرض (خداع) دھوکہ بازی اور اس میں خود دھوکہ کھانا

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ: ان منافقین میں خداع کا مرض ہے۔ ان کے خداع ہی سے مسلمانوں کو دھوکہ ہوا وہ سمجھتے ہیں ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اس دھوکہ سے دنیاوی مفاد حاصل کرتے ہیں، اس ذو وجہی (دورُخی) اور دھوکہ دہی میں نقصان ان کا ہی نکلا، منافقوں کی یہ چالاکی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ وہ اپنے بے ہودہ خیال کے مطابق ایسا کر رہے ہیں، جب قلعی کھلے گی تو یہ دنیا میں ذلیل ہوں گے مسلمانوں کی نظروں سے گر گئے اور قوم فروش ہو گئے، چرب زبان ہیں اور قیامت میں جہنم رسید ہوں گے اب دھوکہ خود کھا گئے، مسلمانوں کو ان کے خیال میں یہ نقصان ہوا کہ مال غنیمت میں ان کے ساتھ شریک ہوئے یا سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ (المائدة: ٤١) جاسوسی اور غداری کی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں ان کے لیے جو کافر ہیں۔ مسلمان بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آتے تھے کہ راز لے کر ان کے ہاں لے جائیں جو انہیں شکاری کتے سمجھتے ہیں کہ چند پیسوں پر قوم فروشی کرتے ہیں دنیا میں بھی برباد اور آخرت میں بھی ذلیل ہوئے، نقصان ان ہی کا ہوا تو دراصل یہ بھی ممسوخ الفطرت ہیں، مسلمان ہوئے ہی نہیں تو وہی جواب ہے جو کفار مکہ پر عدم تاثیر کے بارہ میں کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کی مثال سرسبز باغ کی طرح ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کی مثال ایک سرسبز باغ کی طرح ہے جس میں ہدایت اور اتباع کتاب اللہ کے پھول نمایاں ہیں، جو شخص بھی آتا ہے اور اپنا قیمتی وقت نیک نیتی کے ساتھ خرچ کر کے ہدایت اور اتباع کے پھول لیکر سعادت دارین حاصل کرتا ہے لیکن منافقین روٴس الشیطٰن اپنی بدنیتی کی وجہ سے اس تجارت میں ناکام رہے۔

مسلمانوں کو دھوکہ دینا اس کے رب اور قائد کو دھوکہ دینا ہے

قاعدہ ہے کہ فتح اور شکست افسر اعلیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے تو تمام مسلمانوں کے افسر اعلیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افسر اعلیٰ خدائے قدوس یا مسلمانوں کے سرپرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرپرست اللہ تعالیٰ ہے۔ پس مسلمانوں کے ساتھ خداع اللہ تعالیٰ کے ساتھ خداع ہے تو اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب و الشھادۃ ہے، اس کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں؟ کسی جماعت کو دھوکہ اس کے مقتدائے اعظم کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے لہٰذا یہ منافق ظاہرداری میں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

فوج کی شکست کی نسبت بادشاہ کی طرف ہوتی ہے

فوج جب شکست کھاتی ہے تو اس شکست کی نسبت بادشاہ کی طرف ہوتی ہے۔ یہ لوگ جہاد کیلئے نہیں جاتے تھے اور غنیمت حاصل کرنے کیلئے بحیثیت مسلمان آتے تھے اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر غنیمت میں حصہ لیتے تھے، مشرک اور منافق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہی فہرست میں شامل ہیں لہٰذا اس کے دھوکہ دینے سے مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس دھوکہ کا وبال اُن پر پڑے گا وہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:١٤٥) ''بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے'' لیکن اس ضرر کا اس وقت انہیں علم نہیں ہے۔

دوسرا مرض: عناد بالاسلام ابن أبی کی مثال

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ: دوسری بیماری عناد بالاسلام کا بیان ہے، منافقین کے قلوب میں مرض ہے، یہ اسلام کی ترقی سے کڑھتے ہیں اور بیماری و غم میں ان کا اضافہ ہو رہا ہے ورنہ اُن کا ارادہ تو یہ تھا کہ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:٨) ''وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو اس میں سے عزت والا ذلیل کو ضرور نکال دے گا'' یہ رئیس المنافقین ابن ابی کے الفاظ تھا، جب اسلام مزید پھیل گیا وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر:٢) یعنی جوں جوں اسلام پھیلتا جا رہا تھا ان کی عداوت مزید بڑھتی جا رہی تھی اور ان کی بیماری میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا لہٰذا یہ جو کہتے ہیں کہ ہم خیر خواہِ اسلام ہیں، اس میں یہ جھوٹے ہیں، منافقین کی حالت

یہ ہے کہ خصائص حکومت تو اپنے اندر پیدا نہیں کرتے اور خواہشِ جہانداری کو ترقی دے رہے ہیں، مسلمان اگرچہ مفلس ونادار ہیں لیکن انہیں اپنی اصلاح کا خیال ہے۔

تیسرا مرض: فساد کرنا اور اسے اصلاح سمجھنا

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ : فساد فی الارض یعنی جب منافقین کو کہا جائے کہ تم نے یہ کیا شرارت دورُخی اور منافقت شروع کرر کھی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کی راز کی باتیں جا کر کفار سے کہہ دیتے ہیں تو وہ مسلمانوں کی چڑھائی کرنے سے پہلے سنبھل جاتے ہیں اور اس کو مصلحت تصور کرتے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں اور بادشاہ کی مملکت میں باغیوں سے ساز باز کرنا فساد فی المملکۃ ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملکت میں دشمنانِ اسلام یہود سے ساز باز اور ان کی حمایت کر رہے ہیں، بادشاہ یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا، یہ فساد فی الارض ہوتا ہے تو کہتے ہیں اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ کہ ہم تو (یعنی یہ کفر واسلام کو مساوی رکھنا چاہتے ہیں تا کہ باغی اور وفادار کے برابر حقوق ہوں لیکن یہ درحقیقت فساد فی الارض ہے) اصلاح کرنے والے ہیں۔

مصلح اور مفسد میں فرق

ہم ان منافقین کو کس بنا پر مفسد کہیں گے اور وہ کس بنا پر اپنے آپ کو مصلح کہتے ہیں؟ ہم تو اس بنا پر ان لوگوں کو مفسد کہیں گے کہ یہ منافقینِ اسلام کے دشمن یہود کے دوست اور یار تھے، یہ لوگ یہود کے لئے سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کا کام دیتے تھے سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ لَمۡ یَاۡتُوۡكَ یُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ (المائدۃ: ٤١) جھوٹ بولنے کیلئے جاسوسی کرتے ہیں وہ دوسری جماعت کے جاسوس ہیں، پس یہ اس بنا پر مفسد ہیں کہ وہ جس حکومت (مملکت اسلامیہ) کے ماتحت رہتے تھے، اس کے راز اس کے دشمن کو بتلاتے تھے، پس یہ باغی ہو گئے اور باغی مفسد ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اس بنا پر مصلح کہتے رہے کہ ہم یہ باتیں اس لیے پہنچاتے ہیں کہ یہود اور مسلمانوں کے درمیان باہمی ٹکراؤ اور تصادم نہ ہو جائے، یہ ظاہر میں کہتے لیکن دل میں اس بات کو اصلاح خیال کرتے کہ خفیہ پولیس کا کام دیکر اسلام کا شیرازہ بکھر جائے اور دین اسلام دنیا سے مٹ جائے، جب ظاہر میں اپنا یہ مقصد بتاتے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان لڑائی نہ ہو جائے، اس کو وہ اصلاح کہتے تھے تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اصلاح

نہیں بلکہ فساد ہے کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ دینِ حق ادیان باطلہ پر غالب آجائے، یہودیوں کے ساتھ ان کا ملنا اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اسکیم ان کے خلاف بنائی، انہوں نے جا کر انہیں مطلع کر دیا اور انہوں نے سد باب کر دیا۔

باغیوں کی مدد فساد ہوتا ہے

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ: منافقین دعویٰ صلح کا کرتے ہیں، یہ بیوقوف سمجھتے نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام، قرآن اور مملکت اسلامی کے دشمنوں سے ساز باز کرنا فساد فی الارض ہی ہے اور یہ حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے اور بادشاہ کی حکومت میں باغیوں کی حمایت کرتے ہیں کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں باغی ہیں اور یہ منافقین، باغیوں کی حمایت کرتے ہیں، یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ "جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حق بات پوری نہیں بتاتے تا کہ مبلغ بن جاتے بلکہ کچھ رد و بدل کر کے فساد پھیلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ سے اس کی تردید کر دی ہے۔

چوتھا مرض: سفاہت کو ہوشیاری سمجھنا

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ: جب ان کو خالص ایمان کی تلقین ہوتی ہے کہ جس طرح دیگر مسلمان ایک طرف ہو کر پورے اخلاص کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اسی طرح تم بھی اسلام لے آؤ، ایسا نہ کرو کہ اِدھر بھی یاری، اُدھر بھی یاری، یہ کیا دورنگی بنا رکھی ہے؟ ع دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہوجا

تو منافقین کہتے ہیں قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ مسلمان تو بیوقوف ہیں کہ یہودیوں سے دشمنی کر کے مخالف ہو گئے ہیں، ہم تو بہت ہوشیار ہیں، دونوں طرف سے کما رہے ہیں، یہاں جب مسلمانوں کو فتح ہو تو مالِ غنیمت میں حصہ لیتے ہیں اور اسی طرح کفار کو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے الگ ہو گئے اس لیے تمہیں فتح ہوئی، یعنی اِدھر یہود سے بھی اکتسابِ زر کرتے ہیں، مسلمانوں کی تلواروں سے بھی اپنی جانوں کو محفوظ کر دیا ہے اور یہود بھی ہمیں اپنا سمجھتے ہیں، دونوں پارٹیاں ہماری عزت کرتی ہیں، ہم مصلحت بین ہیں اور حکمت عملی سے کام لیتے ہیں، جس طرح اُحد میں ابن ابی کی جماعت نے کیا اس لیے ہمیں بھی کچھ دلوایئے، اُسے یہ ہوشیاری سمجھتے ہیں اور یکسوئی کو بے وقوفی سمجھتے ہیں یعنی صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کو بے وقوف سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، لوگوں کی مخالفت مول رکھی ہے، ہم تو ہر ایک کے ساتھ ظاہر داری اور مدارات سے کام لیتے ہیں تو یہ ظاہراً و باطناً اسلام کی حمایت کرنے کو سفاهة (بے وقوفی) خیال کرتے ہیں۔

حقیقی بے وقوفی

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ : حقیقتاً یہ منافقین خود بے وقوف ہیں، یہود کے ہاں بھی ان منافقین کی عزت اور وقار نہیں رہتا، وہ ان کو غدار تصور کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی، اسی طرح اعلیٰ طبقہ کے آدمی بھی ان کو ذلیل سمجھتے ہیں جیسے خفیہ پولیس والے کہ ان کو انگریز بھی ذلیل سمجھتے ہیں کیونکہ جو شریف آدمی ہوتا ہے وہ اپنی قوم کا بدخواہ ہرگز نہیں ہوسکتا اور وہ جس حکومت کے ماتحت رہتے ہیں، صرف پیسوں کی خاطر ان کے راز دشمن کے پاس لاتے ہیں لہٰذا یہ دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت میں جہنم رسید ہوں گے، دنیا میں مسلمانوں کی نگاہ میں قوم فروش بنے ہیں اور یہودیوں کی نظروں میں شکاری کتوں سے کم نہیں۔

منافقانہ روش کے مہلک نتائج سے بے خبر

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ : یہ منافق اتنے بے وقوف ہیں کہ وہ اپنی اس منافقانہ روش کے مہلک نتائج کو نہیں سمجھتے، یہ لوگ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھاٹ کے نہ گھر کے، نہ ادھر کے نہ ادھر کے، انہوں نے دنیائے فانی کے چند ٹکوں کی خاطر آخرت کی حیاتِ جاودانی کو خیرباد کہا تو حقیقت میں سُفَهَآء یہ منافقین ہیں کہ انہوں نے اپنی عزت اور وقار کھو دیا (ضائع کر دیا۔)

پانچواں مرض: دین سے استہزاء

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ : منافقین جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیاطین کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مسخرے کے طور پر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں، منافق ذو وجہین ہیں، مسلمانوں میں مسلمان بنتے ہیں اور اعدائے اسلام میں اُن کے ہی خواہ اور ہم مشرب بن کے رہتے ہیں، یہ ان کی پانچویں بیماری استهزاء على الدين ہے، ان کا خیال ہے کہ مسلمان ہماری اس دوہری پالیسی اور دورنگی کو نہیں سمجھتے، ہم دل میں مسلمانوں کے دشمن ہیں، صرف زبانی جمع خرچ کرکے ان کو بظاہر اپنی دوستی کا چکمہ دیتے ہیں تاکہ مسلمان ہماری جان و

مال پر ہاتھ نہ ڈالیں، شیاطین سے مراد ان کے سردار اور رؤسائے کفر وضلالت ہیں۔

منافقین کی اصولی غلط کاریاں

یہاں تک منافقین کی چند اصولی غلط کاریاں صاف کر دی گئیں۔

- ان کے ظاہر و باطن میں شدید اختلاف ہوتا ہے۔
- خداع و فریب ان کی عادت ہے۔
- جاہ طلبی ان کی غایت الغایات ہے۔
- مسلمان کی نسبت انہیں پورا یقین ہے کہ قرآن کے پابند رہ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔
- فرزندانِ اسلام کو غیروں کا غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔
- فساد پھیلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔
- مسلمانوں کو ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بین خیال کرتے ہیں
- جانی و مالی قربانی سے گریز کرتے ہیں۔
- تعلیمِ الٰہی کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرتے ہیں۔

سزا بصورت استہزاء و مہلت

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ : اللہ تعالیٰ ان کو استہزاء کی سزا دے گا، ان کو عذاب بصورت استہزاء ہوگا، فی الوقت ان کو مہلت ملی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے استہزاء ہوگی جو ان کے لیے سزا ہوگی، جیسے کوئی مضبوط آدمی کمزور آدمی کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر زور دیتا ہے، وہ مذاق سمجھتا ہے اور کمزور کی جان نکل جاتی ہے اور بعض نے دوسرا معنی لیا ہے کہ جب یہ منافقین حب الٰہی کی غرض سے نہیں بلکہ استہزاء و مذاق کے طور پر آتے ہیں تو وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کورے اٹھیں گے اور ان کو اسلام لانے کی توفیق ہی نہیں ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ شفقت نہیں کرے گا، اللہ ان سے محبت نہیں کرتا اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ یہ اپنی گمراہی میں حیران اور سرگرداں رہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح نہیں فرماتے اور بالفعل انہیں مہلت ملی ہوئی ہے تاکہ یہ سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

منافقین کی تجارت کا ثمن اور مبیعہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ: سردر

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فداہ أبي و أمي کے دربار میں منافقین کا حصہ دراصل ہدایت تھی لیکن شامت اعمال کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بجائے ہدایت پانے کے گمراہ ہوگئے، فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبة:۱۲۵) ''سوان کے حق میں نجاست پر نجاست بڑھا دی اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے'' ان مذکورہ بالا پانچ بیماریوں کے باعث ان منافقین کو نفع نہیں ہوا بلکہ نقصان اٹھایا یعنی جس طرح تجارت میں ثمن اور مبیع ہوتا ہے، یہاں منافقوں کا مبیع گمراہی ہے اور ثمن ہدایت ہے، انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے ثمن سے خریدا، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہدایت کو اختیار کرتے اور گمراہی سے دور رہتے تا کہ دارین میں سرخرو ہوتے اور عذاب الٰہی سے بچتے۔ حاصل جواب یہ نکلا کہ منافقین باوجود یہ کہ قرآن مجید سنتے ہیں پھر بھی گمراہ رہے، قرآن کا رنگ ان پر نہیں چڑھا۔ اس لئے اِن میں یہ پانچ بیماریاں موجود ہیں جب تک ان میں سے یہ بیماریاں دور نہ ہوں ان پر قرآنی تعلیمات اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

منافقین کی دو قسمیں

منافقین کی دو قسمیں ہیں، ایک نا قابل اصلاح اور ایک اصلاح کے قابل، پہلی قسم کا ماخذ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ہے کہ تمام حواس استفادہ ان کے سلب ہوگئے، دوسری قسم قابل اصلاح کا ماخذ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ معلوم ہوتا ہے ان کے حواس استفادہ ابھی سلب نہیں ہوئے۔ یہ قابل اصلاح ہیں اور پہلے قابل اصلاح نہیں، پہلی قسم نا قابل اصلاح وہ ہے جو اس درجہ اسلام کے دشمن ہیں کہ ان سے کبھی بھی نیکی کی توقع ہی نہیں ہوسکتی بلکہ وہ ہمیشہ اسلام کی تباہی و بربادی کی تجاویز سوچتے رہتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اپنی طبعی کمزوری سے مجبور ہیں، ہر اثر کو قبول کر لیتے ہیں، ہر زبردست شخصیت ان کو اپنے قابو میں لاسکتی ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ قرآن جس طرح پہلی جماعت کی پرواہ نہیں کرتا تو دوسری طرف سے بھی آنکھیں بند کرلے اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا کوئی راستہ تجویز نہ کرے، اگلی آیات میں دونوں کی تفصیل آرہی ہے۔

نا قابل اصلاح منافق کی مثال

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّاۤ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ

ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ : ان دونوں آیات میں منافقین کی اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے جو ایمان لے آئے اُن کو اسلام کی حقیقت اور حقانیت کا یقین ہو گیا (لیکن پھر بھی اسلام مخالف اقدامات سے باز نہ آئے) یہ مثال نا قابل اصلاح منافق کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھی نفاق دو قسم پر ہے: نفاق عملی اور نفاق اعتقادی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اية المنافق ثلاث إذا حدث كذب واذا وعد أخلف و إذا اؤتمن خان (البخاري: ج ٣٣) یہ نفاق عملی میں شامل ہے، ہر تحریک، ہر کام خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، اس میں دو قسم کے آدمی شریک ہوتے ہیں، بانی و ذمہ داران کار اور معاونین کار، ہر کارخانہ ایک سرمایہ سے چلتا ہے اور دوسرا کارکردگی سے، اسی طرح دینی مدارس میں مہتممین چندہ وخزانہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اساتذہ اور مدرسین کے ذمہ تدریس و پڑھائی ہوتی ہے اور طلبہ کو مطمئن کرنا ہوتا ہے اور طلبا کے ذمہ پڑھنا ہوتا ہے، اساتذہ سے کوئی چندہ نہیں کرواتا کیونکہ وہ خزانے کے ذمہ دار نہیں ہوتے، مجلس منتظمہ، مہتمم سے پوچھنے والی ہوتی ہے اور معاون ہوتی ہے۔ انگریز سیاہ وسفید کا مالک تھا خزانہ سے ملازمین کو تنخواہ لینی ہے۔ یہ دیکھنا کہ کتنا روپیہ ہے، کتنا نہیں اس کے ساتھ انہیں سروکار نہیں ہوتا۔

تحریکِ منافقین کا بانی اور سردار عبداللہ بن ابی

منافقین کی تحریک میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک منافقت کے بانی وہ بے ایمان عبداللہ بن ابی تھا، امور دنیوی میں مدینہ والوں کا ماوی و ملجا تھا، ہجرت کے بعد اوس وخزرج کے اسلام لانے کی وجہ سے وہ بھی مسلمان ہو گیا لیکن بعض لوگ جاہ طلبی کے مرض کے مریض ہوتے ہیں، اس کا خیال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عبادات کی تلقین کریں گے اور میں دنیاوی معاملات میں سردار رہوں گا لیکن اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس لیے واقعات اس کی مرضی کے خلاف رونما ہوئے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اس کی وہ عزت نہ رہی، اس لیے وہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکالنے کی سوچنے لگا۔

نفاق کی وجہ ہوس اقتدار تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے اس کی سیادت کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کو مدینہ کا سردار بنایا جائے لیکن اب تک تاج پوشی نہیں ہوئی تھی۔ جس وقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی اسلام لایا اس خیال سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک مذہبی آدمی ہیں، ان کو سیاست سے کیا تعلق؟ ملکی اقتدار تو ہمارا ہی رہے گا لیکن جس وقت یہ بالکل گر گیا اور لوگوں نے اس کی بات بھی نہ سنی تو اس میں بغض اور حسد پیدا ہوا اور اتنی سازش شروع کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی جماعت کو مدینہ سے نکالنے کے درپے ہوا لیکن یہ اپنی کوشش میں ناکام رہا، يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون: ٦٣) یہ تھا بانی نفاق جو اسلام کی حقانیت سمجھ کر بھی نفاق کی تحریک چلا رہا تھا، اس کے پیش نظر اپنا وقار تھا، پس ہدایت اس کے لئے کارگر نہیں ہو سکی۔

نا قابل اصلاح منافقین کے حواس کا بیکار ہونا

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ: منافقین اگرچہ ان کے ظاہری حواس درست ہیں لیکن جب انہوں نے حواس سے کام نہ لیا، کانوں سے حق نہ سنا، زبان سے حق کا اقرار نہ کیا اور بصیرت کی آنکھوں سے حق کو نہ دیکھا تو گویا ان کے حواس ہی بیکار ہو چکے یعنی ان کے حواس ایسے بجھے کہ دوبارہ ان کا روشن ہونا محال ہو گیا اور ان لوگوں کی منافقت کی وجہ سے ان کی استعداد بالکل ختم ہو گئی اور تمام قویٰ فیل ہو گئے ہیں۔ (یہ لوگ نا قابل اصلاح ہو چکے ہیں)

دوسرے نمبر کے قابل اصلاح منافقین کی مثال

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ: پہلے نمبر کے منافقین تو نا قابل اصلاح تھے، اب دوسرے نمبر کے منافقین کا تذکرہ ہے، جن کی حالت قابل اصلاح ہے، یہ لوگ اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے اِن مصیبتوں کا نشانہ بن رہے ہیں، اِن لوگوں کی مثال اُس شخص کی سی ہے، جو رات کے وقت کہیں جا رہا ہو اور موسلا دھار بارش ہو رہی ہو، چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہو، آسمانی بجلی چمک رہی ہو تو اس وقت چاہیے تو یہ تھا کہ وہ رَعْدٌ کی گرجدار آواز کی طرف دھیان دیتے اور سمجھتے کہ مزید بارش ہونے والی ہے، اس لئے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت تلاش کرتے جب بجلی چمکتی اس وقت اپنے بچاؤ کا راستہ دیکھتے اور جب اندھیرا ہو جاتا تو اس وقت محفوظ جگہ کی طرف چل پڑتے، اسلام تو اِن لوگوں نے قبول کر لیا مگر اب یہاں مشکلات کا سامنا

ہے، عزیز واقارب مال و جائیداد سے علیحدگی، جہاد و قتال فی سبیلِ اللہ کے لئے سر بکف پھرنا اور منہیات شرعیہ سے اجتناب، یہ قربانیاں اِن کو تکلیفوں میں مبتلا کئے ہوئے ہیں، یہ چونکہ طبیعت کے کمزور ہیں اس لئے ان کو دھمکی دی گئی کہ اگر اَب بھی اپنے کانوں اور آنکھوں سے کام نہ لیں گے تو اِن پر موت کا عالم طاری کر دیا جائے گا۔

دوسری قسم کے منافقین کی اصلاح ممکن ہے

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: منافقین کا پہلا گروہ تو اسلام کا شدید ترین دشمن ہے اس سے کسی خیر و صلاحیت کی توقع ہی رکھنی فضول ہے، البتہ دوسری قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ یہ اسلام کے دشمن نہیں تھے بلکہ پیسوں کی خاطر اُن کو رپورٹ دیتے، سمجھ اِن میں نہ تھی اور ان کے حواسِ استفادہ مسخ نہیں ہو چکے تھے، یعنی ممسوخ الفطرت نہیں تھے، اصل سازش و تحریک ابن ابی کرتا تھا، یہ معاون کار تھے تو بانی کار صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کا مصداق ہے لٰہذا اگر اِن کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے، رُشد و ہدایت اِن کے سامنے ہو، ممکن ہے کہ ترغیب و ترہیب سے وہ اپنے اندر عبرت و موعظت پیدا کر دیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں یعنی ان کی حسن سمع و بصر فنا نہیں ہوئی، ان پر نور کی جھلک پڑ جائے تو راہ دیکھ کر چل سکتے ہیں لیکن جہل کی وجہ سے معذور ہیں، فرق کے لئے درمیان میں مثالیں دیں کہ پہلی جماعت کا نور بالکل ضبط کر لیا گیا، دوسری کا ضبط نہیں کیا گیا، پہلے محاط بالظلمات (اندھیروں میں گھرے ہوئے) ہیں اور دوسرے محاط بالظلمات نہیں۔

رکوع 03

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ

انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ جس نے تمہارے لیے

لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا

پانی اتارا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے سو

تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنْ كُنْتُمْ

کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔ اور اگر تمہیں

فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو ایک سورت

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں بلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

سچے ہو۔ بھلا اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ

النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ

سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار

لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

کی گئی ہے۔ اور ان لوگوں کو خوشخبری دے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ

ان کے لیے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں

کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ

جب انہیں وہاں کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے

رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ

جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا اور انہیں ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں

اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٭ۙ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا

پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نہیں

یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ؕ فَاَمَّا

شرماتا اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَ اَمَّا

جو لوگ مومن ہیں وہ اسے اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

کافر ہیں سو کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب ہے اللہ اس مثال سے

وقف لازم

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ

بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت کرتا ہے اور اس سے گمراہ

اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ

تو بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے۔ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں

بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

ملک میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ

تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندہ کیا

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ

اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے پھر

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۗ وَهُوَ

آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ع

ہر چیز جانتا ہے

ع ۳ ۹ ۳

رکوع (۳)

خلاصہ: تذکیر بآلاء اللّٰه سے منافقین کی دوسری قسم (قابل اصلاح) کے قانون کا ذکر۔

ماخذ: الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرة:۲۲-۲۳)

قرآن کے تذکیرات ثلاثہ

قرآن مجید میں تین قسم کی تذکیرات آتی ہیں: تذکیر بآلاء اللّٰه، تذکیر بأيام اللّٰه اور تذکیر بما بعد الموت۔

(ا) تذکیر بآلاء اللّٰه: اللہ اپنی نعمتوں کو بیان کرکے لوگوں کو احکام الٰہی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

(۲) تذکیر بأيام اللّٰه: امم سابقہ کے ساتھ نافرمانی کرنے کی صورت میں جو سلوک ہوا، ان کے حالات سنا کر حاضرین کو احکام الٰہی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

(۳) تذکیر بما بعد الموت: مرنے کے بعد جو نتائج نکلنے والے ہیں وہ اعمال حاضرین کے سامنے رکھے جائیں کہ شاید اس سے ڈر کر اپنی اصلاح کرلیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار (الترمذی:ح ۲٤٦٠) ''قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے'' اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: مر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على قبرين فقال اما انهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان يمشي بالنميمة، و أما

الآخر فکان لایستتر من بولہ (مسلم: ح ۲۹۲) ان دو قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے مگر بظاہر چھوٹی باتوں کی وجہ سے کہ ایک چغل خوری کرتا تھا دوسرا پیشاب کرنے میں احتیاط نہیں کرتا تھا یعنی پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، اسی طرح وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (طٰہٰ: ۱۲۴)

ربطِ کلام موجب حُسن ہے تو ربطِ آیات بھی لازمی ہے

ہمارے ہاں جب کلام کا مربوط ہونا حسن ہے تو رب کا کلام کیوں بے ربط و بے حسن ہو حالانکہ ہر حسن سے اللہ تعالیٰ کا کلام مملوء ہے لہٰذا ربطِ آیات میں جوڑ ملانا ضروری ہے اور جوڑ ملانا پڑے گا، جس طرح انسانوں کے کلام میں جب ربط اور جوڑ نہ ہو تو کلام معیوب سمجھا جاتا ہے تو اللہ کا کلام جو فصاحت و بلاغت سے معمور ہے اور جملہ محاسن سے مزین ہے وہ کیسے بے ربط ہو سکتا ہے؟ مثلاً جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے بعد لکھ لو، یہ آیت فلاں سورت میں لکھ دو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیات میں باہمی ربط و مناسبت ہے۔

رکوع (۳) کا ماقبل کے ساتھ ربط

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: اس رکوع کا ماقبل کے ساتھ کیا ربط ہے؟ تو فرمایا کہ رکوع نمبر۳ کا ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ ماقبل میں منافقین کا ذکر تھا اور ان کے امراض خمسہ کا ذکر تھا اور پھر ان کی دو قسمیں بیان ہوئیں، ایک ناقابل اصلاح اور دوسری قابل اصلاح۔ اب خطاب اگرچہ عام ہے لیکن ربط کے لحاظ سے ہمیں قابل اصلاح منافقین کے ساتھ ملانا پڑے گا کہ ان کی اصلاح پیش نظر ہے اگر یہ رکوع مستقلاً شروع کیا جائے پھر خطاب عام ہی ہوگا تو یہاں ربط کے لحاظ سے منافقین نمبر۲ (قابل اصلاح) کو خطاب ہے، جن کے حواسِ استفادہ سلب نہیں ہوئے یعنی استفادہ کے لئے ان کے حواس خمسہ سلب نہیں ہوئے اس لئے ان کی اصلاح کے لئے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ

اسم ربوبیت مقام تذکیر کے لئے مناسب ہے

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ: اس اسم (ربّ) کو خاص خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ربوبیت مقامِ تذکیر کے مناسب ہے نہ قہار اور نہ جبار تو فرمایا کہ اے لوگو!

اُس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا یعنی تم کو اتنے واسطوں سے پیدا کیا اور تمہاری پیدائش کے لیے اتنی نسلیں چلائیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر یہاں تک سلسلہ پہنچایا، اب خلق احسان (یعنی پیدا کر کے احسان کیا) ہے، هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: ٦٠) تمہیں پیدا کیا اور اس کیلئے حضرت آدمؑ سے تخلیق کا سلسلہ چلایا۔ اس لیے کہ تم متقین کی فہرست میں آجاؤ، تمہارا وجود بھی نعمت، تمہارے اسلاف کا وجود بھی نعمت، نہ تم اپنی مرضی سے آئے نہ تمہارے بڑے اور نہ تم نہ تمہارے بڑے اپنی مرضی سے دنیا سے رخصت ہوئے، یہ سب سلسلہ قدرتِ الٰہی کے قبضہ واختیار میں ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اللہ تعالیٰ کے افعال جو دنیا میں کارفرما ہیں، تین قسم کے ہیں:

ابداع: بغیر مادہ کے چیز کا پیدا کرنا۔

خلق: ایک چیز اور شے کا دوسری چیز اور شے سے پیدا کرنا۔

تدبیر: اجتماع الأشياء المتضادة بحيث يكون أقرب إلى النظام المطلوب
متضاد چیزوں کو اکٹھا کر کے مطلوبہ نظام کی راہ ہموار کرنا۔

ربوبیت کا واسطہ دے کر عبودیت کاملہ کا تقاضہ اور انعام

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: لَعَلَّ اس جگہ غایت کے لیے ہے، تَتَّقُوْنَ، وقاية سے ماخوذ ہے، اتقی کا مجرد ہے، وقاية بمعنی نگہداشتن یعنی پرہیز کرنا تو پرہیز گاری شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز سے بچنا جو تعلق باللہ کو مکدر کرنے والی ہو۔

افادتك منى نعمآء ثلثة ۔ يدى ولسانى وقلباً محجّباً

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ربوبیت کا واسطہ دے کر اپنی غلامی چاہتے ہیں تو جس وقت غلامی کا حق ادا ہوگا تو تعلق باللہ صحیح ہوگا۔ اب نتیجہ عبادت یہ نکلے گا کہ تم مقبولین بارگاہ الٰہی بن جاؤ گے تو گویا تذکیر بآلاء اللہ سے ربط درست ہوجائے گا المتقي من يتقي نفسه عما نهى الله عنه متقی وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی منہیات سے بچائے۔ جب اس فہرست میں آجائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ

لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل : ۹۷) کا مصداق بن جائے گا اور ابدی کامیابی اور فلاح حاصل ہو جائے گی۔ نیکوکار مرد ہو یا عورت ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت دنیا میں اطمینان وسکون کی زندگی میسر ہوگی اور آخرت میں نعیم ومقیم دیدار الٰہی شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور لامتناہی لذتوں سے محظوظ ہوں گے۔ حدیث قدسی ہے کہ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (البخاری۳۰۷۲) مزید اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

زمین کا فرش ہونا اور آسمان کا چھت ہونا تذکیر بآلاء اللہ میں سے

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ: آگے پھر تذکیر بآلاء اللّٰہ ہے فرمایا کہ جس رب نے تمہیں یہاں لاکر کھڑا کیا اور وہ ذات جس نے سطح زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری پرورش کے لیے بارش برسائی، جب مکین بھی اسی کی پیداوار ہوں، ان کی ضروریات زندگی کا ذمہ دار بھی وہی ہو، مکان بھی اسی کا بنایا ہوا اور اسی طرح زندگی کے تمام اسباب بھی اُسی نے مہیا کردیئے تو زمین اگر آگ کی طرح گرم ہوتی یا پانی کی طرح نرم ہوتی تو پھر انسان اس پر کیسے بستے؟ لہٰذا یہ بھی تذکیر بآلاء اللہ ہے۔

شرک کی ممانعت

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ : یہ فاء فصیحیہ ہے، تذکیر بآلاء اللّٰہ کے لحاظ سے تم پرصرف اللہ تعالیٰ کی عبادت لازم ہے إذا كان كذلك جب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (جوتمہارا رب ہے) نے اتنی نعمتیں نازل فرمائی ہیں تو تم کو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کو معبود بنانا اور ساری حاجات بھی اسی سے مانگنی چاہئیں، جب خالق، مربی، محسن وہی ہے تو تم پر لازم ہے کہ جس کا کھاؤ اسی کا گاؤ، اِسی طرح اپنے آپ کو ہر اُس چیز سے بچانا جو تعلق باللہ میں خلل انداز ہو، یا اس میں تکدر پیدا کرے جیسے حدیث شریف میں ہے السمر بعدالعشاء قال ابن ماجه يعني زجرنا عنه نهانا عنه (ابن ماجه : ح ۷۰۳) یعنی عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصہ گوئی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کو قطع کرنے والی چیز ہے، ایسی اشیاء سے بچنا چاہیے، انسان کا دنیا میں آنے کی غرض اللہ سے تعلق پیدا کرنا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات بیان فرمائے۔

کفرانِ نعمت پر امتنانِ احسانات ضروری ہے

یہ قانون ہے کہ جب کوئی انسان کسی کے احسان کی قدر نہ جانے تو بوقت ضرورت وہ شخص اپنے تمام احسانات جو اس کے اوپر کیے ہوتے ہیں ان کو بیان کرتا ہے، دیکھو ہم نے تجھ پر فلاں موقع پر فلاں احسان کیا اور فلاں موقع پر فلاں احسان کیا مگر اس کے باوجود پھر بھی تو نے ان کی پروا نہیں کی۔ تجھ سے تو ہمارے خلاف بات ہونی ہی نہیں چاہیے تھی، اللہ تعالیٰ اپنے انعامات ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ زمین کو تمہارے نفع کے لئے بنایا اور اس سے فلاں چیز تمہارے لئے بنائی، آسمان سے تمہاری خاطر بارش برسائی، ان تمام انعامات کے ہوتے ہوئے تم سے کفر کیسے صادر ہوا؟ تم سے تو کفر کا صدور ہونا ہی نہیں چاہیے تھا، یہ بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ تم سے کفر صادر ہو تم ہمارے اتنے احسانات کو کیسے بھولے؟ اسی لئے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فرمایا۔

قرآن مجید کا عام کتابوں سے مختلف اسلوب

یہ یاد رہے فقہاء وغیرہ کی کتابیں جو بھی تصنیف شدہ ہیں اس میں انہوں نے علیحدہ علیحدہ باب قائم کئے ہیں کہ یہ صلوٰۃ کا باب ہے، یہ صوم کا، یہ زکوٰۃ کا اور یہ حج کا باب ہے لیکن قرآن مجید کا اسلوب اس طرح نہیں بلکہ ساتھ ہی دوسرے مضمون کو بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، مثلاً رغبت کا بیان ہے اس کے ساتھ ہی رہبت (ترہیب) بھی ذکر کر دیں گے یعنی جہاں جنت کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ جہنم کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن آیا ہی ہدایت کے لئے ہے، قرآن کی غرض ہی مخلوقِ خدا کی ہدایت ہے، اس لئے جنت کے بعد جہنم کا ذکر بھی کیا کہ اگر جنت میں نہ گیا تو جہنم کا مستحق ہوگا۔ ایک چیز کے ساتھ یعنی جنت اور دوزخ کو ذکر کیا تو ہم کہتے ہیں کہ کچھ اشیاء دین میں ناجائز تھیں وہ جنت میں جائز ہوں گی مثلاً شراب، ریشم کا پہننا، یہ پابندی وہاں نہیں ہوگی، یہ جنت کے انعامات جو بھی ہیں یہ اصلی انعام نہیں بلکہ اصلی انعام تو رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبة: ٧٢) ہے باقی تمام انعامات چاہے بیوی سے تعلق ہو حور و غلمان کی خدمات ہوں، چاہے میوہ جات وغیرہ ہوں یہ سب بطور مہمانداری کے ہیں، اصلی اور خصوصی انعام مذکورہ بالا ہے۔

عبادت کے لئے نظام صرف قرآن ہے

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ : تذکیر با لاء اللہ سے متاثر ہو کر اگر اللہ تعالیٰ سے ربط جوڑنا چاہتے ہو تو اتباع قرآن کرو مِمَّا نَزَّلْنَا کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ کفار کو بذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ تو جب ہم نے معبود اِلٰهٌ وَّاحِدٌ مانا اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی نفی کی اور یہ اقرار ہوا کہ بندگی اسی کی چاہئے تو اب عبادت کے لیے نظام چاہئے جو قرآن ہے کفار کہتے تھے کہ یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے تو اس واسطے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تمام فصحاء کو قرآن کا متبادل لانے کا چیلنج

اگر قرآن مجید کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کے بارے میں تمہیں شک ہے تو اس کے لیے فرمایا کہ اس کے متماثل بنانے کے لیے دنیا و مافیہا کو جمع کرو اور ایک چھوٹی سی سورت لے آؤ جس میں اس قسم کے محاسن ہوں جو کلام الٰہی میں موجود ہیں، یہ چیلنج دے دیا مگر اس تحدی کے مقابلہ میں کوئی نہیں آیا، ان کو اپنی عزت پیاری تھی کہ کہیں دھبہ نہ لگ جائے، انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ایک چھوٹی سی سورت بنانے پر بھی قادر نہ ہوئے، حالانکہ وہ اگر ایک مختصر سورت لے آتے تو بات ختم ہو جاتی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ کو واپس لے لیتے اور اُن کے بتوں کے خلاف ایک لفظ نہ بول سکتے اور مخالفین کو جھگڑوں اور مخالفتوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تو قرآن مجید کی سورتیں اور آیتیں تھیں، کافر اس کے مقابلے میں آپ کو کبھی ساحر کا طعنہ دیتے تھے، کبھی شاعر کا، کبھی کاہن کا، کبھی مجنون کا، قسم قسم کے حربے استعمال کرتے رہے، لمبے راستوں کو اختیار کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی میں پڑے رہتے۔

کبھی مکمل قرآن اور کبھی اس جیسی دس سورتوں کے لانے کا مطالبہ

قرآن مجید کی طرف سے ان کو مسلسل چیلنج دیئے جا رہے تھے، کبھی ان سے مکمل قرآن مجید جیسی کتاب لانے کا مطالبہ ہوتا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل:۸۸) اگر انس و جن سب کے سب مل کر قرآن مجید جیسا معجز کلام لے آئیں تو قطعاً اس جیسا کلام نہیں

لا سکتے۔ اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کرنے لگیں کبھی ان سے قرآن مجید جیسی دس سورتوں کا مطالبہ ہوتا ہے اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (ھود:۱۳) ''کیا کہتے ہیں کہ تو نے قرآن خود بنالیا ہے کہہ دو تم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلالو اگر تم سچے ہو'' اور کبھی ان سے ایک چھوٹی سی سورت کا مطالبہ ہوتا ہے، جیسا کہ اِس آیت فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ میں ہے، حالانکہ وہ اہل زبان تھے اور انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا، شعر و شاعری میں ان کو اچھی خاصی مہارت حاصل تھی لیکن ایک سورت کی تحدی و چیلنج پر بھی خوف ذلت کی بنا پر جمع نہ ہوئے کیونکہ مشرک تو تھے لیکن کلام کے اعجاز کو جانتے تھے۔ امرء القیس کی فصاحت و بلاغت سے کون واقف نہیں، اس نے زنا کے اوصاف و حالات قصیدہ میں لکھے ہیں اور اسی طرح عرب کے بڑے بڑے قادر الکلام فی البدیہ ارتجالی شعراء نے اپنا منظوم کلام فصاحت و بلاغت کی بنا پر خانہ کعبہ پر لٹکایا لیکن اللہ تعالیٰ اور قرآن کا یہ چیلنج قبول کرنے سے یہ آخر تک لاچار رہے مافی الضمیر بتلانے کے لئے قرآن ہی آیا تو جب نظریہ وحدانیت آلاء اللہ کی بنا پر مانتے ہو تو اس نظام الاوقات اور پروگرام پر بھی عمل کرو۔

عقلائے دنیا کے سامنے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت

زبان کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن مجید کا بے نظیر ہونا تو باشندگان عرب ہی سمجھ سکتے تھے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ زبان کے لطائف و خصائص کو اہل زبان ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شاعر پشتو میں اشعار پڑھے تو اس سے جو لطف ایک افغانی (پٹھان) کو حاصل ہوسکتا ہے وہ کسی ہندوستانی کو حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر اردو زبان میں کوئی ہندوستانی شاعر راحت رساں اور فرحت بخش اشعار پڑھے تو جو لطف ایک ہندوستانی کو حاصل ہوسکتا ہے وہ کسی افغانی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات شاعر کی نظم میں ایسے اشعار آجاتے ہیں کہ حاضرین ان کے بار بار پڑھنے کی درخواست کرتے ہیں، مکرر مکرر اور ایسے اشعار کی لطافت کی داد دیتے ہوئے اس شعر پر (اس انجمن یا جماعت کو جس کا جلسہ ہو) کا چندہ بھی ہو جاتا ہے، ہاں! اس دلیل کے علاوہ بھی قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں دنیوی زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی غرضیکہ ہر شعبہ حیات کے لیے مکمل دستور العمل موجود ہے۔ اس کے علاوہ تجردکی زندگی

اور متاہلانہ (خاندانی) زندگی کے بہترین قواعد پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ فیصلہ جات کے لیے عدالتوں کی رہنمائی بھی موجود ہے، بفضلہ تعالیٰ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر عنوانات پر بولنے والی کتاب دنیا کی سطح پر موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ دعویٰ بھی کر سکتے ہیں کہ ہر ایک عنوان پر جو قرآن مجید نے رہنمائی فرمائی ہے اس کے اندر جو فوائد مضمر ہیں ان کی نظیر بھی دنیا کی سطح پر نہیں پائی جاتی۔

زوردار الفاظ میں قرآن کا چیلنج

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ : قرآن مجید اپنے تحدی اور چیلنج کو کیسے زوردار انداز میں بیان کرتا ہے فرمایا کہ تم اپنے تمام مددگار جتنے حاضر ہیں خواہ وہ انسان ہوں خواہ ملائکہ ہوں یا جن ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ بھی حاضرین میں سے تھے تو استثناء کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا سب کو بلا لو تا کہ وہ تمہاری اس مشکل میں مدد کے لئے جمع ہو جائیں اور ان سے فقط یہی مطالبہ کرلو کہ وہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورت سی بنا لائیں۔

تصریف آیات

طریق تعلیم دو قسم پر ہے، ایک مثل کتب فنون جس میں تکرار بالکل نہیں ہوتا اور ایک بحث کا مسئلہ ہوتا ہے تو وہ دوسری بحث میں نہیں آئے گا یعنی طہارت کا مسئلہ کتاب البیوع میں نہیں آئے گا، دوسرا طریقہ فطرتی ہے، وہ یہ کہ ایک بات کو طرقِ مختلفہ سے بار بار بیان کیا جائے، تا کہ ذہن نشین ہو جائے جیسا کہ ایک واعظ کا قاعدہ ہوتا ہے۔ تعلیم قرآن مجید دوسری قسم سے ہے کہ تذکیر بآلاء اللہ سے اصلاح منافقین نمبر دوم (قابل اصلاح) مقصود تھی لیکن اس کے ضمن میں قرآن مجید کا ذکر آگیا۔

ساری قوت صرف کر کے ایک چھوٹی سی سورت کا مقابلہ نہ کرسکو تو مخالفت چھوڑ دو

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ: پس اگر تم اس جیسی چھوٹی سورت بھی نہ بنا سکو اور ہرگز نہیں بنا سکتے یہ ماسوائے اللہ کے کسی کے بس کی بات نہیں ہے، یہ کلام ربانی ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے تمہیں چار و نا چار ضرور ماننا پڑے گا جب تم سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورت نہیں بنا سکتے تو یقین کرلو کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور نبی کا معجزہ ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و خالقیت کو مان چکے ہو پھر بھی اس کی

اطاعت نہ کرو تو پھر دوزخ سے بچنے کے لئے کوئی اور تدبیر سوچ لو، اگر اُسے منزل من اللہ نہیں مانتے تو اس کا مقابل لاؤ کیونکہ اصلاح کے لیے اتباع کتاب کی ضرورت ہے اور وہ قانون قرآن مجید ہے تو اتباع کرو۔ اس لئے کہ اگر کوئی اتباع نہیں کرتا تو اس کو یہ سزا بھگتنی پڑے گی تو گویا یہ بدپرہیزی آخرت میں آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اگر ساری قوت صرف کر کے بھی ایک چھوٹی سی سورت کا مقابلہ نہ کر سکو تو سمجھ لو کہ یہ انسانی طاقت سے نہیں بلکہ خدائی طاقت سے ہو رہا ہے، پھر اس کی مخالفت چھوڑ دو تا کہ عذاب الٰہی سے بچ سکو۔

جہنم کے پتھر جہنم کی آگ

پھر آگ کی خاصیت بیان فرما دی کہ وہ ایسی ہوگی کہ اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، یہ ترہیب اور ڈراوا ہے، قرآن مجید میں ترہیب اور ترغیب دونوں یکے بعد دیگرے ذکر ہوتے ہیں......

درشتی و نرمی بہ ہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

انسان کے اخلاطِ اربعہ میں فساد کا نتیجہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان اخلاط اربعہ سے مرکب ہے: خون، صفراء، بلغم، سودا، اگر ان میں بے اعتدالی نمودار ہو جائے تو حرارت پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر بدن پر بھی معلوم ہوتا ہے اسی طرح شریعت بھی ارکان اربعہ سے مرکب ہے، طہارت، سماحت (سخاوت یعنی اسلام کے لئے جان و مال کی قربانی)، اخبات (قول وفعل کے ساتھ اللہ کے سامنے عاجزی)، عدالت اور اگر ان میں بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو حرارت پیدا ہو جائے گی اور یہ بصورتِ نار آخرت میں ظاہر ہوگی اور یہ نار اندر سے جلانا شروع کرے گی اور پھر اس کا اثر باہر آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (الھمزۃ:۷) اور وجہ یہ ہے کہ بے اعتدالی پہلے قلب میں پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کا اثر جوارح پر ہوتا ہے۔ اب آگے تبشیر و ترغیب سے کام لیا گیا ہے۔

تبشیر

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: چونکہ

قرآن مجید میں تقابلات بیان کئے جاتے ہیں، اس لیے پہلے انذار کا ذکر تھا اور اب تبشیر بیان کی جاتی ہے تو جو قرآن پر ایمان لائے اور قرآن کو دستور العمل و معمول بہ بنائے ان کو ایسے باغات کی خوشخبری دو جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو قرآن کریم کو نظام الاوقات مانتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں، ان کے لئے خوشخبری ہے عمل صالح وہ ہے جس میں رضائے الٰہی مطلوب ہو، اصل نعمت تو رضائے الٰہی ہے مگر عوام کو اس کی لذت کیا معلوم؟ طالب دنیا مؤنث، (طالب العقبیٰ مخنث) وطالب المولیٰ مذکر ورضوان اللہ الاکبر

مقصود رضائے الٰہی ہے جنت کی نعمتوں کا ذکر ترغیب کے لئے ہے

بعض روشن خیال لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان مولویوں کو حور وغلمان اور نعمائے جنت (جن کا ذکر آتا ہے) کے ذکر کے سوا اور کوئی کام نہیں ہر وقت بہشت اور حوروں کے ذکر سے دل کو بہلاتے ہیں تو اس واسطے اس مضمون کو عقل کی تھالی میں ڈالتے ہیں لہٰذا ان تمام نعمتوں کے ذکر سے نفس پرستی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ازدواج، کھانا پینا، میوہ جات یہ چیزیں تو بہشت کے مناسب نہیں ہیں تو جواب یہ ہے کہ نعمائے جنت فقط ماکولات، مشروبات وملبوسات میں منحصر نہیں بلکہ ان نعمتوں کا ذکر کثرت سے اس لئے آتا ہے کہ عموماً طبائع انسانی اسی کی مشتاق ہیں، اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدنیا سجن المؤمن وجنة الكافر جب دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے تو مومن کے لئے کوئی جنت بھی ہونی چاہیے لہٰذا خداوند کریم نے عالم عقبیٰ میں مومن کے لئے جنت تیار فرمائی ہے، اسی طرح مقصود بالذات رضائے الٰہی اور دیدار الٰہی ہے اور دیدار تو ہفتے میں یا مہینے میں یا سال میں موافق اعمال کے ہوتا رہے گا تو جنت کی مثال ایک شاہی مہمان خانے کی ہے جس طرح دنیاوی بادشاہوں کے مہمانوں کے لئے شاہی مطبخ میں سے ضیافت کا انتظام ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کے لئے (جو اس کے دیدار سے مستفید و مستفیض ہوں گے) جنت کو ایک قسم کا ضیافت خانہ تیار فرمایا تاکہ لوگ دیدار سے قبل و بعد اُس ضیافت خانہ سے کھائیں اور پئیں اور پُر لطف زندگی بسر کریں اور اسی طرح نعمائے جنت کا ذکر تو عام طبائع کو رغبت دلانے کے لئے کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان اشیاء کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں جیسا کہ سرکاری القاب کی قدر و قیمت تو خاص طبقہ سمجھتا ہے اور عوام تو یہ کہیں گے کہ ہمیں خان بہادر لقب کے بجائے گوشت پلاؤ مل جائے تو بہت اچھا ہے۔

جنت کے پھل دنیا کے پھلوں جیسی ہیئت مگر چکھنے اور ذائقہ میں مختلف

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا: دنیاوی کھانوں اور پھلوں میں انسانی اثرات کا دخل ہوتا ہے، جنت میں یہ بھی نہیں، پھر یہاں کے پھلوں میں طاقت بھی ہے، جان بھی، زور بھی، چہرہ سرخ ہو جاتا ہے تو وہاں کا کیا حال ہوگا؟ جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح شکل وصورت میں متماثل ہوں گے مگر چکھنے اور ذائقہ میں مختلف ہوں گے ما لاعين رأت و لا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر (البخاری ۲۰۷۲) ان نعمتوں کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسانی دل و دماغ کو خیال گزرا، اسی طرح سب سے بہتر خوراک پھلوں کی ہے جو لطافت پھلوں میں ہے وہ غلہ میں نہیں ہے، افغانیوں کا رنگ سرخ ہوتا ہے، اسی طرح کوئٹہ بلوچستان والے بھی سرخ وسفید ہوتے ہیں اور ان میں طاقت بھی زیادہ ہوتی ہے اس لئے کہ وہ پھل زیادہ کھاتے ہیں، ہم غلہ کھانے والوں کا رنگ کالا ہوتا ہے، گیہوں کو پیستے ہوئے چکی جلا دیتی ہے، جب آٹا نکلتا ہے تو کتنا گرم ہوتا ہے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہاں جنت کی روٹی ہوگی اگرچہ وہاں جنتی جو بھی چاہیں گے وہ چیز ملے گی، وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حم السجدة: ۳۱) وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الزخرف: ۷۱) قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرة: ۲۵) ای فی الدنیا یعنی یہاں جنتی پھل دنیا کے پھلوں کی طرح رنگ وصورت میں ہیں مگر ذائقہ اور مزے میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا، یا رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ای فی الجنة یعنی وہی ایک شکل وصورت کا پھل جو صبح کھایا تھا وہی شکل وصورت والا پھل جب شام کو کھائیں گے تو ذائقے اور مزے میں فرق ہوگا۔

جنت کی پاکیزہ بیویاں: ہر انسان کی تین خواہشات

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: جنتیوں کیلئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، ہر انسان کی تین خواہشات ہوتی ہیں: بہترین مکان، اعلیٰ قسم کا طعام اور خوبصورت و نیک سیرت بیوی، وہاں جنت میں یہ تینوں مرغوبات ہوں گی، مکان جنتی محلات جو قیمتی جواہرات کے ہوں گے، عمدہ جگہ باغات ہوتے ہوں گے اور اسی طرح جنتی بیبیاں دنیا کی بیویوں کی طرح نہیں ہوں گی، وہاں غلاظت ونجاست نہیں ہوگی۔ حیض ونفاس کا خون بھی نہیں ہوگا، یہاں کی عورتیں بول و براز میں

ملوث ہیں، وہاں کا کھانا پینا پسینہ کی صورت میں نکلے گا اور اس پسینے سے مشک وعنبر کی خوشبو آئے گی، جس نے اِس قرآن مجید کی تعلیمات کو مان لیا اُن کے لئے یہی نعمتیں ہوں گی، (اللھم اجعلنا منھم)

آخرت کی نعمتوں کا حصول طاعت اور رضائے الٰہی پر منحصر

کابل وغیرہ میں یہ نعمتیں (باغات) بہت زیادہ ہوتے ہیں، پہاڑوں میں بھی باغات ہیں جس نے یہاں اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے تابع کیا اور اس کی قید میں بند رکھا تو وہاں آزادی اور نعمتیں ہوں گی، جنہوں نے دنیا میں شرعی پابندیوں سے کھانے پینے اور جماع میں اپنے آپ کو آزاد رکھا تو وہاں ابدالاباد کی ذلت ہوگی اور اس کو جہنم کی آگ میں پابند سلاسل کیا جائے گا اور اس کی گردن مین طوق ڈالے جائیں گے اور زنجیروں مین جکڑ دیا جائیگا خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ (الحاقۃ: ۳۰-۳۲) (اللھم لا تجعلنا منھم) یہ کتنی حماقت ہے کہ معمولی نفع کے لئے بہت بڑا نقصان اٹھایا جائے۔

یورپ کے ترقی پسندوں کو روحانی نعمتیں بھی لے جانے کی دعوت

یورپ کے ترقی پسندو! یہ آج کل تم لوگ راکٹوں پر فخر کرتے ہو، اسلحہ کی دوڑ ہے، ان کم بختوں کو سوچنا چاہیے کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں ریسرچ کیوں نہیں کرتے؟ کیا موت کے بعد انسان نسیاًمنسیاً ہوجائے گا؟ یا آگے بھی کچھ ہے؟ یا تمہارے پاس آسمانی کتاب نہیں رہی تو آؤ! قرآن وسنت سے روشنی حاصل کرو، جب تم خام مال ہڈی چمڑے وغیرہ یہاں سے لے جاتے ہو اور وہاں کارخانوں میں اس سے مختلف اشیاء بناتے ہو تو آؤ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے روحانی دینی پیغام بھی لے لو اور ان پر غور وخوض کرو اگر تمہارے قلوب مسخ نہیں ہوئے تو تمہیں سمجھ آجائے گی، دنیاوی ترقی کے لئے دوڑ لگاتے ہوتے مگر مرنے کے بعد کی زندگی کے بارے میں سوچتے نہیں ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اسرارِ شریعت سمجھنے میں کمال

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اللہ نے اسرارِ شریعت سمجھنے کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، وہ حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں کہ ایک دن میری مجلس میں احباب بیٹھے ہوئے تھے باتوں باتوں میں شکر رنجی (معمولی سی رنجش) پیدا ہوئی، میں نے بارگاہ الٰہی مین دستِ سوال دراز کیا،

دعا مانگی کہ اے اللہ! ہم تو یہاں سب احباب و دوست بیٹھے ہوئے تھے اور اب اچانک ہمارے قلوب میں ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہوگئی، اے اللہ! ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور وہی سابقہ محبت والفت پیدا فرما دے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی وہاں سے اُلفت نازل ہوئی اور احباب پر تقسیم ہوئی، پہلے سے زیادہ محبت ومؤدت پیدا ہوئی وکل ذلك بمرائ منی (یہ سب میرے مشاہدہ میں ہوا) اے یہود ونصاریٰ! ہمارے ہاں ایسے اصحابِ مکاشفہ موجود ہیں جو تمہارے پاس نہیں، تم یہ فکر نہیں کرتے کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟ جس طرح تم یہاں سے عام اشیاء لے جاتے ہو اسی طرح یہاں سے اسلام کا نور بھی لے جاؤ! آخرت کی فکر کرلو، تمہیں مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے، اس کا بھی سوچیں۔

کشف یا باطنی بصیرت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت زندہ ہے، ان کے دلوں میں بینائی ہے، زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ انسان کا دل اندھا ہو، حق وباطل کے درمیان تمیز نہ کرسکے، وہ آدمی جو آنکھوں سے محروم ہو لیکن دل کی بینائی رکھتا ہو وہ ہزار درجہ بہتر ہے اس شخص سے جو دل کی بینائی سے محروم ہو اور آنکھوں کی بینائی سے محظوظ ہو اور اس امت کو جو بینائی حاصل ہے وہ ان کے دلوں کی بینائی ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ٤٦) وہ بینائی بصیرتِ قلب ہے جو اس امت کو حاصل ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صفت اللہ نے دی ہے، یعنی کشفِ قبور وغیرہ ہے اور آج تک وہ صفت اس امت میں چلی آرہی ہے۔

تصوف اور صوفیاء حق ہیں

قرآن شریف رَنگ ہے اور رنگ فروش علمائے کرام، رنگساز صوفیائے عظام ہیں، تعلیم و تزکیہ میں فرق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو تزکیہ وھباً (وہبی طور پر) حاصل ہوتا تھا، یہاں پر کسباً حاصل کرنا پڑتا ہے اور اورادِ ووظائف، ذکر واذکار اور تلاوتِ قرآن کریم سے باطن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اگر یہ تصوف بدعت ہے تو علوم متداولہ نحو وصرف سب بدعت ہوں گے۔

عالم ناسوت، ملکوت، جبروت ولاہوت (چار عالم)

کشف القلوب، کشف القبور اور سائر (تمام) حالات روحانی سب کا تعلق عالم

ملکوت سے ہے، چار عالم ہیں، عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاھوت ہم جس عالم میں رہتے ہیں، یہ عالم ناسوت ہے۔ اس کے اوپر عالم ملکوت، پھر اس سے اوپر عالم جبروت ہے، اس سے اوپر عالم لاھوت ہے، قرآن مجید میں بہت سے ایسے امور ہیں جن کا تعلق عالم ملکوت سے ہے کشف القبور، کشف القلوب عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں اتقوا فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله اہل اللہ کو فراست اور روحانی قوت کی بدولت عالم ملکوت کے بعض امور منکشف ہو جاتے، لا شيء إلا الله

تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے حقیر اشیاء کی مثالیں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا: عام مثالوں سے مومنوں کے ایمان پختہ ہو جاتے ہیں اور پوشیدہ عداوت والوں کی عداوت ظاہر ہو جاتی ہے، یہ دفع دخل مقدر ہے، جیسے میرزاہد، ملا جلال اور ملا حسن وغیرہ منطق کی کتابوں میں فتدبر مین استاد کو سوال و جواب دونوں بنانے پڑتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی یہ سوال مقدر کا جواب ہے، کافروں کو قرآن جیسی ایک مختصر سورت بنانے کی دعوت دی گئی کہ اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنائی ہے تو تم بھی تو انسان ہو، تم بھی اس کتاب کی طرح ایک مختصر سی سورت بنا کر لے آؤ، کافروں نے دن رات کوششیں کیں مگر ناکام رہے تو ......

ع خوئے بد را بہانہ بسیار

اگر کسی کے دل میں شبہ ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہوتی تو اس میں چھوٹی اور حقیر چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں، کبھی اس کتاب حکیم میں مکھی کی مثال ہے اور کبھی اس میں مکڑی کی وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (العنکبوت: ٤١) یا وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا (الحج: ٧٣) جیسی مثالیں ہیں اور ان حقیر اشیاء کا ذکر اس پر دال ہے (اور شیطان ذہن میں یہ لاتا تھا) کہ یہ منزل من اللہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے، حالانکہ انسانوں کے کلام میں نفاست نہ ہو تو لوگ اس کلام کو معیوب سمجھتے ہیں تو اللہ جل شانہ کا کلام تو بہت اونچا ہے، اس میں ایسی حقیر اور ذلیل چیزوں کی مثال نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے اور جو لوگ مہذب ہوتے ہیں وہ بھی حقیر چیز کا نام کنایہ اور استعارہ سے ذکر کرتے ہیں۔

کافروں کے اعتراض کا جواب

کفار کے شبہ کے جواب میں فرمایا کہ چونکہ قرآن کے مخاطب خاص و عام دونوں طبقے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق بولتا اور استعارات و کنایات سے کلام کو مزیّن کیا جاتا تو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہ سمجھتا اور عوام کا طبقہ سمجھنے سے محروم رہ جاتا۔ خاص کر توحید کا مسئلہ سمجھانا اور سمجھنا ہے تو سینکڑوں آدمی محروم رہ کر جہنم کا ایندھن بنتے اور جس وقت عام فہم مثال بیان کی گئی ہے تو توحید کا مسئلہ بالکل ذہن نشین ہو گیا اور شرک سے نفرت ہو گئی اور ہزاروں آدمی راہ راست پر آ گئے تو يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدة: ٦٧) کا فرض کس طرح پورا ہوتا، کلموا الناس علی قدر عقولهم اس قاعدہ سے اس کی مثال واضح ہے کہ انسان کا درجہ جس قدر بلند ہو، اُسی قدر اس کے کلام کا درجہ بھی بلند ہوتا ہے۔ دیہاتی لوگ وہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کو اگر ذی علم استعمال کریں تو ان کو کیسی خفت ہوگی جیسا کہ بیت الخلاء لفظ میں لطیف ہے اور معنی میں کریہہ ہے۔

اللہ کو سمجھانا اور ذہن نشین کرانا مقصود ہے

علامہ انور شاہ کشمیریؒ عوام کو کبھی تقریر نہیں فرماتے تھے کیونکہ ان کی تقریر عام لوگوں کے فہم سے بالاتر ہوتی تھی، علمائے کرام کی مجلس میں وہ تقریر فرماتے تھے، اللہ کو اپنی شان دکھلانی مطلوب نہیں بلکہ مقصود انسانوں کو راہ راست پر لانا اور ان کو ذہن نشین کرانا قرآن کا مقصود ہے۔ اگر اس شان سے نہ بولتے تو پھر وہ معمہ ہوتا، مثلاً وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (الحج: ٧٣) ''اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے تو اُسے مکھی سے چھڑا نہیں سکتے'' کے ذکر سے توحید کی حقیقت بیان ہوئی جو ہر شخص کے ذہن میں آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد تو یہ ہے کہ بندے سمجھ جائیں اور ان کے مطیع بن جائیں اور یہ بھی بتلانا مقصود تھا کہ لات اور عزیٰ اتنے ضعیف ہیں کہ مکھی کو بھی اپنے آپ سے ہٹا نہیں سکتے تو وہ تمہارے حاجت روا کیسے ہو سکتے ہیں؟ خالق کا حاجت روا ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوق کا حاجت روا ہے، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (هود: ٦)

ایمان والوں کا اللہ کی مثال برحق کو حق سمجھنا اور کفار کا اعتراض کرنا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ

اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا: ایمان والے کہتے ہیں کہ آج ہی توحید کا مسئلہ سمجھ میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ یہ مومن لوگ جانتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں انکار و تمرد کا مادہ تھا وہ اس صاف اور واضح درجہ کی تعلیم سے بھی نقصان اٹھاتے ہیں، مثال کے طور پر جن لوگوں کا معدہ خراب ہو وہ دودھ اور مقوی اشیاء سے اور بھی خراب ہو جاتے ہیں، اسہال شروع ہو جاتا ہے۔

باطنی خباثت ہدایت میں رکاوٹ اور اس کی ایک مثال

دودھ، گوشت وغیرہ مقویات ہیں لیکن اگر کمزور معدے والا کھائے یعنی جس کے وجود میں صفراء یا سودا یا بلغم کا غلبہ ہوگا تو دودھ کے پینے سے وہ شخص زیادہ بیمار ہو جائے گا اور اس کو بدہضمی پیدا ہو کر اسہال شروع ہو جاتا ہے تو گویا کہ دودھ باعث ترقی مرض بنا تو اسی طرح قرآن کریم کے قاری کا معدہ روحانی شرک و نفاق کے امراض سے فارغ ہوگا تو اس کے دل میں نورانیت پیدا ہوگی اور قرآن اُس کیلئے ہادی بنے گا، اگر اِس معدہ میں شرک و نفاق موجود ہو تو قرآن کی قرأت سے اس کا شرک و نفاق اور زیادہ ہوگا کیونکہ باطن کی خباثت کی وجہ سے وہ قرآن سے ہدایت قبول نہیں کرسکتا، پہلے بھی رِجْس (گندگی) تھی اور آیات کے نزول کے بعد ان کا رِجْس اور بڑھ گیا فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ (التوبۃ: ۱۲۵) ''سوان کے حق میں نجاست پر نجاست بڑھادی'' تو گویا قرآن اس کے لئے باعث ضلالت بنا جس طرح دودھ بیمار کو مفید نہیں ہوتا اسی طرح قرآن کی قراءت مشرک و منافق، بدنیت کو مفید ثابت نہیں ہوتی مگر جن لوگوں کی فطرت سلیم ہے، ان کے لئے قرآن شیر مادر ہے۔

دوسری مثال

اگر کوئی ڈاکٹر کسی محلہ میں رہتا ہے، اُس کے کلینک پر ایک آدمی آتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرے گردے میں درد ہے، اس سے علاج کر کے پانچ منٹ میں تندرست ہو جاتا ہے، دوسرا مریض بھی آ کر علاج کر کے تندرست ہو جاتا ہے۔ اب ایک مریض ایسا ہے جو علاج کے لیے بھی نہیں آتا بلکہ وہ ڈاکٹر کو اس محلہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اب یہ مریض کیسے اس ڈاکٹر کے محلہ میں رہنے کی وجہ سے صحت یاب ہوسکتا ہے؟ اسی طرح جو لوگ قرآن شریف سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے قرآن کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں، وہ اس سے کس طرح ہدایت حاصل کر سکتے ہیں؟

قرآن سے ہدایت پانے کی تین شرائط

قرآن کریم کے مفید ثابت ہونے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے یعنی وہ شخص قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرسکتا ہے جس میں آئندہ تین شرائط موجود ہوں۔

(۱) اس کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے یعنی اگر تم اپنے معبودِ حقیقی کے ساتھ تعلق بندگی (عبدیت کا تعلق) درست کرنا چاہتے ہو تو یہ قرآن اس کے لیے بہترین رہنما ہے۔

(۲) قوتِ طبعی جس کا تعلق بدن کے ساتھ ہے تو اگر مخلوقِ خدا سے تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتے ہو تو یہ اس کے لئے بہترین دستور العمل ہے۔

(۳) قوتِ عقل اور دنیا میں امن قائم رکھنا چاہے تو اس کیلئے یہ بہترین ضابطۂ حیات ہے۔

طبیعت میں فسق ونکتہ چینی والے قرآن سے گمراہ

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ : **یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا** سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے نازل ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی مثال دودھ کی طرح ہے جس طرح دودھ پینے سے وہ آدمی مستفید ہوتا ہے جس کا معدہ موذی امراض سے خالی ہو اور **الْفٰسِقِیْنَ** موصوف، **الَّذِیْنَ** بمع اپنے مابعد صلہ کے صفت ہے یعنی اس قرآن سے وہ لوگ خراب وگمراہ ہوتے ہیں جن کی طبیعت میں پہلے سے فسق ونکتہ چینی ہے۔ پہلے سے تنقید واعتراض کے طاق میں بیٹھے ہیں، اللہ ایسی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے **فٰسِقِیْنَ** سے مراد گمراہ اور قانون شکن ہیں جو قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

ایمانی، طبعی وعقلی قوتیں بیکار ہونے والے فائدہ سے محروم

جب کوئی انسان ان تینوں سلسلوں سے خالی ہو تو اس کے لیے قرآن فائدہ مند نہیں یعنی نہ خالق کے ساتھ عبدیت کا تعلق رکھنا چاہتا ہے، نہ مخلوقِ خدا کو راضی کرنا چاہتا ہے اور نہ امن قائم رکھنا چاہتا ہے، ایسے شخص کے لیے قرآن ہادی نہیں بن سکتا۔ اب تینوں چیزوں سے **فٰسِقِیْن** محروم ہیں اور وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جن کی تین قوتیں (ایمانی، طبعی، عقلی) بیکار ہو چکی ہوں اور جو شخص ان تینوں سلسلوں سے خالی نہ ہو تو وہ قرآن مجید کی طرف محتاج ہوگا کیونکہ جس شخص میں قوتِ طبعی باقی ہے تو وہ شخص تعلق والدین کے قائم کرنے کے لئے قرآن مجید کی طرف محتاج ہے اور قرآن

مجید اس کو بہترین راستہ دکھائے گا اور یہ شخص قرآن مجید کو اپنے حق میں رحمت سمجھے گا اور جس میں قوت روحانی موجود ہو تو وہ تعلق باللہ کے لئے قرآن مجید کی طرف محتاج ہوگا تو قرآن مجید اس کو صحتِ تعلق باللہ کے لئے بہترین سبق پڑھائے گا تو یہ بھی قرآن مجید کو اپنے حق میں رحمت تصور کرے گا اور جس میں قوت عقلی موجود ہو تو وہ بھی نظام اور امن قائم کرنے کے لئے قرآن مجید کی طرف محتاج ہوگا لہٰذا قرآن مجید کا نظام قائم کرکے انسانیت کو امن کی زندگی سکھائے گا تو سب قرآن مجید کو رحمت سمجھیں گے۔

فاسقین وہ جو معاہدۂ الٰہی کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دے

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ : الْفٰسِقِيْنَ موصوف ہے، الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اس کی صفت ہے، فاسقین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اگر کوئی تعلق باللہ درست کرنا چاہے تو قرآن اس کے لئے موجب درستگی ہوسکتا ہے اور حقوق العباد کے یقینی پروگرام کی تفصیل پوچھنے والوں کے لئے منزل من اللہ قانون بہترین رہنما اور کفیل ہے۔ تیسرے درجہ میں امن فی الارض ہے، جو رشتہ داروں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد کا درجہ ہے کہ فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑا جائے، اس کے لیے بہترین ہدایت و رہنما قرآن مجید ہے۔

فٰسِقِيْنَ کی تین صفات

اس آیت میں تین چیزیں آگئیں۔

(۱) الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ خدا کے ساتھ تعلق کی آمادگی کا ان کے دل میں خیال نہیں۔

(۲) وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ جو تعلق اور صلہ جوڑنے کا حکم ہے اُسے توڑتے ہیں جو قطع تعلق کرنا چاہتے ہیں رشتہ داروں سے، وہ فاسق ہیں ان کے لئے رہنما نہیں ہوگا وَ يَقْطَعُوْنَ، يَنْقُضُوْنَ پر عطف ہے۔

(۳) وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ جو زمین میں فساد برپا کریں، قرآن ان کیلئے رہنما نہیں، وہ فاسق ہیں، جب قرآن پر ایمان و عمل ہو تو امن و امان قائم ہو جائے گا۔ مجال ہے کوئی برائی کی طرف آنکھ بھی اٹھا دے، فسادیوں، قطع رحمی کرنے والوں اور قطع تعلق باللہ والوں کے لیے قرآن ہدایت نہیں، انہیں اس سے فائدہ نہیں ہوگا، فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا(التوبة: ١٢٦) اور جن کو یقین وایمان حاصل ہے، ان کے لیے تو نور علیٰ نور ہوتا ہے۔

نقضِ عہد، قطعِ تعلقی اور فساد فی الارض والے خسارے میں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ : أي خاسرون في الدنيا و الآخرة في أي مكان كانوا أينما كانوا متى كانوا یعنی وہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں، یہ لوگ انسانیت کے دائرے سے نکل گئے تو ان کے لیے قرآن ہدایت نہیں ہوسکتا اور ایسے لوگ خسارہ اور نقصان میں ہیں، قرآن مجید تو خیر وبرکت، رُشد وہدایت کا راستہ بتاتا ہے، قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہر قسم کے فساد سے محفوظ ہوجاتے ہیں ان میں تقویٰ، خوفِ خدا، مخلوقِ خدا پر شفقت ورحمت کے جواہر پیدا ہوجاتے ہیں، وہ ایسے نیک بندے بن جاتے ہیں مجال ہے کہ وہ آنکھ اٹھاکے کسی کی بیوی کی طرف دیکھیں، یا کسی کے مال کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ اس آیت کے تین حصے ہوگئے؛ اول: نقضِ عہد دوم: صلہ رحمی کو توڑنا، سوم: فساد فی الارض. وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ اسی طرح جب تک کسی کے دل میں یہ جذباتِ ثلاثہ (ایفائے عہد، صلہ رحمی، امن) نہ ہوں تو وہ قرآن سے استفادہ نہیں کرسکتا اور نہ قرآن اس کے لئے رہنما بنے گا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بجالاتے ہیں، حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں اور دنیا میں رُشد وصلاح کو پھیلاتے ہیں وہ خوش نصیب قرآن مجید سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

فٰسِقِيْن کو تبلیغ بہ ضمن تذكير بآلاء الله وتذكير بما بعد الموت

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ : ترتیب آیات میں جس قوم کا ذکر آجائے اور وہ قوم نافرمان ہو تو آگے آیات میں ان کو تبلیغ کی جاتی ہے تو فساق کو یہاں تبلیغ بضمن تذكير بآلاء الله و بما بعد الموت کی جارہی ہے یعنی تمہیں وہ خدا کیسے بھول گیا کہ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا في بطون أمهاتكم فَاَحْيَاكُمْ أخرجكم من البطون الى دنيا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ من هذه الدنيا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ يوم المحشر ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ حالانکہ تم بے جان تھے ماؤں کے پیٹ میں پھر تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا، جس طرح جج لکھتا ہے کہ میں فلاں مجرم کو پھانسی کا حکم دیتا ہوں، یہ نہیں لکھتا کہ مجرم نے قتل کیا ہے اس کے اس جرم کے بدلے اس کو پھانسی دی جاتی ہے، جج بادشاہ

کا نائب ہوتا ہے تو درحقیقت مجرم کو پھانسی مجرم کے جرم (قتل) نے دے دی ہے، پھر اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر بارگاہ الٰہی میں پوچھ گچھ ہوگی، یہ تذکیر بمابعد الموت آگئی، دنیا سے پہلے اور بعد از وفات اور درمیان میں بھی یعنی زمین سے باہر نہیں جاسکتے اور آسمان کے نیچے سے نکل نہیں سکتے تو تعلق باللہ قائم کرو اور اتباع کتاب اللہ کرو کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے اور موت کے بعد اور درمیان میں اللہ تعالیٰ کے قبضے سے نہیں چھوٹ سکتے۔

تخلیق کائنات برائے انسان

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا: جب خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کی قدرت میں تمہاری حیات اور ممات ہے اور پھر اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق منقطع نہیں کر سکتے ہو اور نہ قرآن سے بے نیاز ہو سکتے ہو، اب ان کا انکار اور پھر اصلاح کا قانون بھی آچکا پس فرمایا کہ اے باغیو! وہ تمہارا اتنا بڑا محسن ہے کہ اس نے زمین و آسمان کا نظام سارا جہاں تو تمہارے لئے بنایا ہے، وہ تو صَمد و بے نیاز ہے، اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ع ایاز قدر خود بشناس اب تو بھی سوچ کہ تجھے کیا کرنا چاہیے؟

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

سات آسمانوں کو پیدا کرنے والی ذات دلوں کے بھیدوں سے باخبر

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ: پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان پیدا فرمائے، وہ تمہارا اتنا بڑا محسن ہے کہ اس نے زمین اور آسمان کا نظام ہی تمہارے لئے بنایا ہے، پس اگر تم میں عقل ہے تو اس کی مخالفت کے انجام کو سوچ لو کیونکہ وہ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ہے، وہ تو دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ اور شیخ الہندؒ کے تراجم قرآن پر تبصرہ

میں نے کئی تراجم سامنے رکھ کر اس ترجمے کو مرتب کیا جو زیادہ قریب ہو، اُسے میں نے جانچ کر کے لکھا، حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ میں کمال کیا ہے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ مغلق تھا۔

رکوع 04

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں

خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ

ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے

الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ

اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے

كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا

بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

مجھے ان کے نام بتا اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے

لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بے شک تو بڑے علم والا حکمت والا ہے

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ

فرمایا اے آدم! ان چیزوں کے نام بتا دو پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیئے

بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ

فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ

جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

جانتا ہوں۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ مِنَ

تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ

کافروں میں سے ہو گیا۔ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی

الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا

جنت میں جا کر رہو اور اس میں جو چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا

اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر

الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا

شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت سے نکالا کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ

تم سب اترو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ

ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معین تک۔ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کیے

كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾

پھر اس کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى

ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾

پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی

۴ ع ۱۰ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع

دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

رکوع (۴)

خلاصہ: ضرورتِ الہام

ماخذ: فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:۳۷)

کائناتِ ارض چلانے کیلئے خلیفہ اور خلیفہ کیلئے غیر محرّف الہام الٰہی ہونا

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا تعلق باللہ جو فطرتی ہے، انسان اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتا جب تک من جانب اللہ دست گیری نہ ہو، اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے الطاف اور عنایات کا ذکر فرمایا کہ اس نے انسان کیلئے زمین و آسمان کی تمام نعمتیں پیدا فرمائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کائناتِ ارضی کے بنانے کے بعد اس میں ایک قائم مقام بھیجنے کا ارادہ کیا جو ان اشیائے مخلوقہ میں متصرف ہو، ملائکہ سے اس کا ذکر کیا کہ میں ایک خلیفہ زمین میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیات اور اشکالات کا ذکر کرنا ضروری ہے یعنی اس رکوع میں یہود کو دعوۃ الی الکتاب کا ذکر ہے کہ الہامِ الٰہی کے بغیر تم واصل الی اللہ نہیں ہو سکتے، الہامِ الٰہی کی ہر انسان کو ہر آن ضرورت ہے، تمہارا الہام محرّف ہو چکا ہے، قرآن مجید الہامِ جدید ہے، تمہیں اس کی پیروی کرنی چاہیے۔

الہامِ قدیم (تورات، انجیل) محرّف، الہامِ جدید (قرآن) غیر محرّف

اس پر اتفاق ہے کہ انجیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے محرف ہو چکی ہے، قسطنطینِ اعظم نے قسطنطنیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سو سال بعد پادریوں کی ایک کانفرنس اس چیز کے ثابت کرنے کے لیے بلوائی تھی کہ اصل آسمانی انجیل کون سی ہے؟ آخری فیصلہ اس پر ہوا کہ انہوں نے میز پر انجیل کے مختلف نسخے رکھوائے اور کہا کہ میز کو حرکت دینے پر جو نسخہ پہلے گر جائے وہ آسمانی انجیل ہوگی، یا جو نسخہ میز پر گرنے سے بچ جائے وہ صحیح انجیل ہوگی یہ متفقہ فیصلہ

ہے کہ انجیل کی تحریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہو چکی ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا تورات کی تحریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہو چکی تھی یا نہیں؟ لیکن بالاتفاق ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہود کو دعوت دیتے رہے، اس وقت وہ تورات میں تحریف کر چکے تھے، بہر حال! اُن کیلئے قرآن مجید کی پیروی کرنی ضروری تھی، اسی طرح قرآن مجید کا طرزِ بیان فطرتی ہے۔ایک عنوان کا ذکر ہوتا ہے، پھر اس کے متعلقات میں سے ادھر اُدھر کی چیزیں ذکر کرنے کے بعد پھر مقصدِ اصلی کا ذکر ہوتا ہے۔ظاہر میں بے ربط معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ربط ہوتا ہے اور دیگر مصنفین من اول کتاب الی آخر الکتاب ایک ہی مسئلہ ذکر کرتے ہیں جیسا کہ کتاب الصوم، کتاب الحج وغیرہ۔

زمین کے مختلف حصوں سے مزاجِ انسانی کی تاثیر

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً : جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنا نائب نظام چلانے کے لئے بھیجنا چاہا تو حضرت آدم علیہ السلام کو مشتِ خاک اور کلمہ کن سے بلا واسطہ پیدا کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ان اللّٰہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض، جاء منھم الأحمر، والابیض والأسود وبین ذلك والسھل والحزن والخبیث والطیب (ابوداود الرقم: ٤٦٩٣) مختلف اقطاع ارض سے مٹی جمع کی گئی اور اس سے آدم علیہ السلام کو بنایا گیا تو خبیث اور طیب ہونا، سختی اور نرمی مٹی کی تاثیر ہے جو ہر انسان کے وجود میں آئی ہے یعنی جیسے زمین کے حصوں میں مختلف رنگ پائے جاتے ہیں تو اسی طرح اولادِ آدم بھی مختلف رنگوں میں ہیں، جس طرح زمین کے بعض حصے سخت اور بعض نرم ہیں، ویسے ہی اولاد آدم بھی نرم اور بعض سخت مزاج ہیں، زمین کے بعض حصے طیب وعمدہ ہیں اور بعض بے کار و بنجر، اسی طرح اولادِ آدم بھی ایک قسم کی تقدیرِ الٰہی کارفرما ہے۔

خصوصیات پیدائش حضرت آدمؑ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بنایا اور شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو مردود کیا اور یہ خصوصیت دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام میں نہیں پائی جاتی تو اتنی خصوصیات اور قوی تعلق کے باوجود پھر بھی شیطان آکر بہکا دیتا ہے تو جس وقت شیطان کا بہکاوا آدم علیہ السلام پر چل گیا اب وہ صحیح نہیں ہوگا جب تک کہ چند کلمات کا الہام نہ ہو وہ کلمات یہ

ہیں، رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳) تو عام انسان کا تعلق بھی اللہ سے صحیح نہیں رہے گا جب تک وقتاً فوقتاً بذریعہ انبیائے کرام علیہم السلام وحی اور الہام سے اس تعلق کی مضبوطی نہ ہوتی رہے اور الہام سابقہ میں انسان کی کمزوریوں کی وجہ سے تحریف ہوگئی تو پھر یہ الہام یعنی قرآن مجید نازل ہوا اور یہ قیامت تک معمول بہ رہے گا کیونکہ اِس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لے لیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹) قرآن میں صرف اُن انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن سے عرب روشناس ہیں۔

انسان کے اجزائے تخلیقی کو دیکھ کر فرشتوں نے سوال اٹھایا

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: ملائکہ نے قیافہ سے معلوم کیا کہ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے جارہے ہیں؟ تو یہ نفع عاجل کو مدنظر رکھ کر (ظلمت کی چیز) نفع آجل کو نظر انداز کرلیں گے جیسے کہ مفردات ادویہ سے معجون مرکب کا پتہ چل سکتا ہے، اس لئے ملائکہ اعتراض نیک نیتی سے کر بیٹھے اور کہا کہ ایسا خلیفہ بناتے ہو جو فساد فی الارض وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ کرتا ہو اور یہ اعتراض بھی کیا کہ اس پتلے کے اندر حس وحرکت تو ہوگی لیکن یہ مآل اندیش نہیں ہوگا، اس لئے نفع عاجل (نقد نفع) کے لئے لڑمرے گا۔

فرشتوں کے اعتراض میں مضمر حقائق کا جواب

اب فرشتوں کے اس اعتراض پر سوال ہوگا کہ اس کا علم انہیں کیسے ہوا؟ حالانکہ علم غیب تو مختص باللہ ہے۔ ملائکہ کو انسان کا زمین پر فساد پھیلانے کا پتہ کیسے چلا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہورہی تھی کما في الأحاديث اور اسی طرح ملائکہ عظام نے اس سے بھی اندازہ لگایا کہ آدم علیہ السلام کو مختلف عناصر سے مرکب کیا گیا ہے اگر ایک عنصر دوسرے پر غالب آئے تو فساد کا احتمال ہوگا تو اس سے اندازہ لگایا کہ مٹی میں ظلمت ہے اور نار میں نور ہے اور قاعدہ ہے کل شئی یرجع الیٰ اصله اس لئے ابلیس نے کہا تھا: ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا (بنی اسرائیل: ٦١) خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (ص: ٧٦) پس اسی طرح ملائکہ عظام نے یہ بھی دیکھا کہ یہ دور اندیش، مآل اندیش نہ ہوگا۔

تھوڑے تھوڑے نفع کے لیے ٹکرائے گا، فساد فی الارض کرے گا۔ معجون مرکب میں مختلف اجزا ہوتے ہیں، جب فلفل سیاہ، فلفل سفید، سونٹھ وغیرہ اجزا کا علم ہو جائے تو سمجھتے ہیں کہ یہ معجون تو آگ ہوگی اور بعض مفسرین نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو جنات پر قیاس کیا، جنات نے بھی فسادات کئے تھے، بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فرشتوں نے لوحِ محفوظ پر اولادِ آدم علیہ السلام کی نوشتہ تقدیر کو دیکھا تھا اس سے ان کو ان کے فسادات کا پتہ چلا تھا، بعض نے لکھا ہے کہ خلیفہ کے لفظ سے فرشتوں کو معلوم ہوا کہ خلیفہ کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ دو متحارب گروہوں میں فیصلہ کرتا ہے، ظالم کو ظلم سے منع کرتا ہے، مظلوم کی مدد کرتا ہے قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے تخلیقِ آدم کی خصوصی حکمتیں اور مصالح معلوم ہیں بظاہر تو مشتِ خاک سے مرکب ہوگا مگر مختلف عناصر کی ترکیب سے اس میں جو انوارِ علوم و معارف پیدا ہوں گے وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔

فرشتوں اور جنات کے اعتراض کی الگ الگ منشا: ایک نکتہ

فرشتوں نے بھی اعتراض کیا اور شیطان نے بھی اعتراض کیا تو وجہ کیا ہے کہ ملائکہ کو تو جواب دیا جاتا ہے اور شیطان کو مردود کیا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا اعتراض بطور محبت اور خیر خواہی کے تھا اور شیطانِ لعین کا اعتراض عناد پر مبنی تھا اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا سوال معلومات حاصل کرنے کے لئے تھا۔

تعمیرارض کیلئے انسان کو بھیجا گیا

انسان کے اجزائے تخلیق کو دیکھ کر انہوں نے اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کہا وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ وہ سمجھے کہ صرف ہم تسبیح وتحمید کر سکتے ہیں لیکن اگر ملائکہ کو بھیجتے تعمیر ارض کیلئے تو سارا جہاں ہی ان کے لئے بیکار تھا، کیونکہ اشیائے ارضیہ کا محتاج انسان ہے، اسی حکمت کو اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں ارشاد فرمایا، آگے اس کی تفصیل آتی ہے۔

استفہامِ مشفقانہ اور معاندانہ میں فرق

بصورت استفہام انکاری کے ان کو اپنا نائب زمین میں مت بناؤ کیونکہ فساد کریگا، محبت ملائکہ میں اور عناد شیطان میں یعنی تمہارا استفہام محبانہ، مشفقانہ اور خیر خواہی کے طور پر تھا، صرف اظہار خیال کیا، ملائکہ کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم کو خلیفہ بناؤ اور آدم کو مت بناؤ، ان کا یہ استفہام کمال

انقیاد پر مبنی تھا (اور اگر انہوں نے خلیفہ ہونے کے خیال سے کیا ہوتا تو یہ تو خود بینی ہے اور یہ گناہ ہے)
ملائکہ منقاد من کل الوجوہ ہیں، لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم:٦)
"وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انہیں حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"
حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ فی الارض یعنی نائب اور ملائکہ محافظ خزائن اللہ ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تعلیم فطرتی تھی نہ کہ رَوایتی

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ : اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں ضروریات کا احساس رکھا اور فطرت کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی ضروریات نے اس کی رہنمائی کی کہ یہ چیز اس کی فلاں ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے، اس میں یہ استعداد رکھی گئی تھی کہ اس کی ضروریات نے اس کی رہنمائی کی کہ مٹکے میں پانی جمع کروں گا اور چولہے پر روٹی پکاؤں گا یعنی تعلیم کے طریقہ پر بھی بتایا، تعلیم دو قسم کی ہوتی ہے ایک متعارف، جیسے اساتذہ تلامذہ کو پڑھاتے ہیں اور دوسری فطرتی یعنی انسان کی فطرت میں ایک خاص امر کی استعداد رکھ دی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم فطرتی تھی نہ کہ متعارف، حضرت آدم علیہ السلام بطور الہام فطرتی کے معلوم کر سکتے تھے۔

اللہ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم دی فرشتوں کو نہ دینے کی وجہ

یہاں پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تو تعلیم دے دی لیکن فرشتوں کو تعلیم دی ہی نہیں تو پھر فرشتوں سے پوچھنے کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طبیعت اور خلقت ہی ایسی بنائی کہ وہ ہر چیز کا محتاج تھا کیونکہ لکڑی چیرنے کا سامان مثلاً کلہاڑی ہے، لکڑی چیرنے میں اس سے مدد لینے کی ضرورت پڑے گی ایسے ہی مثلاً ہانڈی ہے کھانے پکانے کی ضرورت ہوئی تو اس سے کام لے گا علیٰ ھذا القیاس جب کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو خود بخود چیز کا نام آ جائے گا، غرض یہ کہ آدم علیہ السلام کی خلقت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خود بخود اشیاء کے نام معلوم ہو جائیں گے، برخلاف فرشتوں کے کہ ان کے لئے تسبیح و تہلیل کافی تھی ان کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی مثلاً ہنڈیا کی نہ توے کی، نہ کلہاڑی کی، غرضیکہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی اس واسطے ان کو ان اشیاء کا نام بھی نہیں معلوم ہو سکا اور نہ ان کو ناموں کی ضرورت پیش آئی برخلاف جناب آدم علیہ السلام کے کہ اگر یہ لوہے کی چیز یعنی کلہاڑی سے کیا

کروگے؟ تو ان کے لئے جواب آسان ہے کہ لکڑی چیروں گا، لہٰذا اب اعتراض کی گنجائش نہیں ہے کہ فرشتوں کو تعلیم دی ہی نہیں پھر اس کا سوال کیسا؟ جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی فطرت ایسی بنائی جس میں ہر چیز کے نقش کی طرف احتیاج تھی نہ کہ ملائکہ کی، فرشتوں کے سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ بطور محبت کے تھا اور فسق و فجور پہلے جنات کے قبیلوں سے دیکھ چکے تھے مگر خداوند تعالیٰ کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اور خلافت کا کام فرشتوں سے سرانجام نہیں ہوسکتا تھا بوجہ عدم احتیاج کے اور حضرت آدم علیہ السلام ہر چیز کے محتاج تھے اور ان سے دونوں کام ہوسکتے تھے ملائکہ والا بھی یعنی عبادت خداوندی اور سلسلہ خلافت کو بھی سرانجام دے سکتے تھے۔

ملائکہ اور ابلیس کے استفہام میں فرق

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ: فرشتوں نے اپنے عجز کا اعتراف کرلیا کہ اے اللہ! جن چیزوں کا علم آپ نے ہمیں نہیں دیا، ہم اُسے کیسے بتلا سکتے ہیں؟ ہمارے علم سے یہ چیز باہر ہے، ملائکہ عظام کا استفہام انکار مصلحت پر مبنی ہے اور ابلیس کا انکار ءَ اَسْجُدُ انکار جو د پر، وجہ ترجیح کو وہ خود پیدا کر رہا ہے اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ(الاعراف: ۱۲) اس واسطے اس پر لعنت پڑی۔

آدم علیہ السلام کا احتیاجِ فطری علمِ اسماء کا ذریعہ بنا

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ: اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ ملائکہ کو ان چیزوں کے نام بتلا دو۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے فطری استعداد سے ان کے نام بتلا دیئے، فرشتوں نے نہیں بتلائے اور ملائکہ عظام پر خلقت آدم کی حکمت کا انکشاف ہوگیا اس اطلاع اسماء کیلئے اللہ نے آپ کو پڑھایا، اسماء کی تعلیم کا تو پھر ملائکہ بھی کہہ سکتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں بھی پڑھایئے، اس سے معلوم ہوا کہ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کا یہ مطلب نہیں ہے، دراصل بات یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہر چیز کا موضوع لہ اور تعیین کرنے کے لیے احتیاج ضروری ہے، برتن دیکھ کر ہم کہیں گے کہ یہ چیز رکھنے کے لئے ہے، توا دیکھ کر فطرتاً کہا جاتا ہے کہ یہ روٹی پکانے کیلئے ہے وعلی ھذا القیاس یعنی جس حاجت کے لئے جس چیز کو پیدا کیا وہ بتلا دیا تعین الاشیاء للحاجات اپنے مافی الضمیر کے مطابق بیان کردیا کہ ھذا لشرب الماء کہ یہ پانی پینے کے لئے ہے۔

ہر آدمی اپنے فن کا ماہر، ایک ڈاکٹر اور مدرس کی مثال

یہاں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر رہتا ہے وہ ڈاکٹری کے تمام اوزار سے باخبر ہے اور دوسرا شخص مدرس ہے اب وہ دونوں جرمن جاتے ہیں اور یہ ڈاکٹر جرمن زبان نہیں جانتا لیکن زبان نہ جاننے کے باوجود وہ وہاں بھی تمام ڈاکٹری کے اوزار جان لے گا، اگرچہ ان اوزاروں کے نام اس زبان میں اس کو نہیں آتے لیکن وہ یہ ضرور جان جائے گا کہ فلاں اوزار فلاں قسم کے آپریشن کیلئے ہیں اور یہ آلہ حرارت کے ناپنے کیلئے ہے لیکن مدرس ان ڈاکٹری آلات سے بالکل بے خبر ہوگا اور یہ نہ جانے گا کہ فلاں آلہ فلاں چیز کیلئے ہے کیونکہ مدرس میں اس کی استعداد ہی نہیں کہ اس ڈاکٹری آلات کا فائدہ سمجھ سکے اور ڈاکٹر میں یہ استعداد ہے کہ ان آلات سے فائدہ اٹھائے، اسی طرح ملائکہ میں ''ان اشیاء سے ضروریات کے پورا کرنے کی'' استعداد نہیں تھی، ملائکہ میں اشیائے مخلوقہ کی ضروریات کا احساس ہی نہیں رکھا گیا تھا بخلاف آدم علیہ السلام کے کہ حضرت آدم علیہ السلام ان ضروریات کے محتاج تھے، ان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ان اشیا کی تعیین رکھ دی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے فطری احتیاج کی بنا پر تمام اشیاء کے نام بتلا دیئے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ انسان ہی ہے جو میری مخلوق اشیاء سے فائدہ لے سکتا ہے، اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ملائکہ کو بھوک، پیاس، لباس کی ضرورت نہ تھی، انسان ہی ہے جو کھا کر الحمد لله الذي أطعمني و سقاني و جعلني من المسلمين......الحمد لله الذي كساني و جعلني من المسلمين اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر یہی شکر یہ ادا کر سکتا ہے اور اشیائے مخلوقہ ارضیہ کو کام میں لا سکتا ہے ورنہ تعمیر کائنات ہی بیکار ہو جائے۔

فرشتوں کی عبادت عین طبیعت ہے

فرشتوں کو ان چیزوں کی ضرورت اس لئے نہیں کہ وہ تو ایک نورانی مخلوق ہے جو صرف اپنے کاموں اور عبادت ہی کے لئے پیدا شدہ ہے، وہ کھانے پینے سے منزّہ ہیں تو وہ ان تمام چیزوں کے طریقہ استعمال سے بے خبر ہیں اور نہ ان کو ان چیزوں کے نام معلوم ہیں، مثلاً ایک ڈاکٹر کو آپ زمینداری کے آلات بتا دیں وہ آپ کو ان کے نام اور طریقہ استعمال نہیں بتا سکتا اور نہ زمیندار ڈاکٹر کے آلات علاج کے نام اور طریقہ استعمال جانتا ہے لكل فن رجال فرشتوں کی عبادت ان کی عین طبیعت ہے، تسبیحات اور تقدیسات ان کی طبعی غذا ہے، طبیعت کے مطابق کام

کرنا مشکل نہیں اور نہ یہ کمال سمجھا جاتا ہے مثلاً خوراک انسان کی طبیعت میں داخل ہے، اس طرح نیند میں اگر کوئی کھائے پیئے یا نیند کرے ہم ان چیزوں کو اس آدمی کے کمالات میں شمار نہیں کریں گے، اگر کوئی کہے کہ زید بہت اچھا آدمی ہے کیونکہ وہ پانچ روٹیاں کھاتا ہے، خالد بہت اچھا آدمی ہے کہ وہ مغرب سے لے کر صبح دس بجے تک سویا رہتا ہے یہ کمال نہیں۔

خلاف طبع کام کرنا مشکل اور کمال

خلاف طبع کام مشکل ہے، کمال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ زید نصف روٹی کھاتا ہے خالد ۱۱ بجے سوتا ہے اور پھر تہجد کے لئے بھی اٹھتا ہے، کھانا انسان کے لئے طبعی چیز ہے، ان کی وجہ سے انسان کی تعریف نہیں کی جاسکتی، بلکہ کھانا نہ کھانا خلاف طبع ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کی تعریف کی جائے گی۔ نیند انسان کے لئے طبعی چیز ہے، نیند نہ کرنا خلاف طبع ہے، خلاف طبع کرنا مشکل کام ہے، فرشتوں کو جب پتہ چلا کہ حضرت آدم علیہ السلام لاکھوں چیزوں کا محتاج ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں (اپنی طبیعت کے خلاف) لبیک کہتا ہے تو سمجھ گئے کہ آدم علیہ السلام میں کمال اور فوقیت ہے، اگر خشکی پر بیٹھے ہوئے آدمی کو آپ کہیں کہ خبردار! آپ کے کپڑے کہیں گیلے نہ ہو جائیں اور وہ اپنے کپڑوں کو گیلا نہ ہونے دے آپ اسکی تعریف نہیں کریں گے کیونکہ وہ خشکی پر ہے تب اس کے کپڑے خشک رہے، اگر آپ دریا میں کسی کو پھینک دیں اور اس کو کہیں خبردار! کہیں آپ کے کپڑے گیلے نہ ہو جائیں اور وہ آدمی دریا میں اپنے کپڑوں کو خشک رکھے یہ کمال ہے ......

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

حضرت آدم علیہ السلام باوجود اتنے احتیاجات اور ضروریات کے سمندروں میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں سب سے سبقت لے جاتے ہیں، یہ کمال ہے اور اسی تفوق کی بنا پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سجدہ کیا۔

الہام روحانی اور فطری

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ: یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم فطرتی تھی تو یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی پوشیدہ فطرت کو جانتا ہے اور اگر تعلیم متعارف ہوتی تو پھر غائب کہاں ہوتی؟ اس

طرح الہام دو قسم پر ہے، ایک روحانی یعنی وہ انسان کے لیے مختص ہے، دوسرا فطرتی یہ ہر جانور کو ہوتا ہے جیسے بکری کا بچہ تھوڑی دیر میں اٹھ کر چلنے پھرنے لگتا ہے۔

نظام عالم کا متصرف بالذات انسان ملائکۃ بالتبع

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ: فرمایا کہ جب ہم نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا پس ممکن ہے آدم کو تحیۃً سجدہ کرنے والے فرشتے وہی ہوں جو ان کی خدمت پر مامور ہونے والے تھے تو آدم کی اطاعت و امارت تسلیم کرانے کے لئے سجدہ کرایا گیا ہو، دنیا میں انسان کا مالکانہ تصرف ہے لیکن مالک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی سلطنت میں ملائکہ عظام کو اس نظام عالم کے مختلف شعبوں پر متصرف بنا کر مقرر کیا ہے، مثلاً پانی برسانے پر الگ فرشتہ، روح نکالنے پر الگ، بچے کے شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ہونے پر الگ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ کے لیے الگ ملائکہ مقرر ہیں تو اس نظام عالم میں ملائکہ کو بھی تصرف حاصل ہے لیکن متصرف بالأصل و بالذات تو حضرت آدم علیہ السلام بنی آدم ہیں، ملائکہ کا بامر الٰہی تصرف ہے لیکن اصل تصرف انسان کا ہے، اصل حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور ملائکہ تابع، مثال کے طور پر ایک بڑا سوداگر ہے اس نے اپنا نائب مقرر کیا ہے اور اس سوداگر کے ہر ایک کارخانہ میں ملازم ہیں تو وہ ملازم اس نائب کو نائب جب سمجھیں گے کہ اس مالک کا حکم ہو اور وہ مالک ان ملازمین کو کہہ دے کہ یہ میرا مختار ہے تم سب اس کے ماتحت ہو۔ یہ سب کچھ انسان کی خاطر ہے، انسان مالک ہے ہی نہیں لیکن تصرف مالکانہ ہے، اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں ہے وہ خود فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے (انسان جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے)

تابع کو اصل کا ماتحت کرانے کے لئے آدم کو سجدہ کا حکم

اس طرح یہاں بھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام مؤکلین (خادمین) کو حضرت آدم علیہ السلام کا ماتحت کرنا تھا، اسی طرح امم سابقہ میں مطیع (اطاعت کرنے والا) کا سجدہ مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) کو، خادم کا مخدوم کو، نوکر کا آقا کو رائج تھا، چنانچہ ہندوؤں میں اب بھی رائج ہے۔

سجدہ تکریمی نہ کہ عبادتی مگر ہمارے لئے سداً للذریعۃ دونوں حرام

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سٰجِدِينَ (یوسف:4) شمس سے مراد والد اور قمر والدہ ہے۔ انہوں نے سجدہ کیا، سجدہ مطیع کا مطاع کو جائز تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں سجدہ تکریمی و تعظیمی تھا، پہلے زمانہ میں مطیع مطاع کو جو سجدہ کرتے تھے، وہ تکریمی ہوتا تھا نہ کہ عبادتی لیکن امت محمدیہ میں سجدہ تکریمی کو بھی حرام کیا، اس وجہ سے کہ تحیہ سے عبادت نہ بن جائے، اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بعض چیزیں شریعت محمدیہ میں سداً للذریعۃ ممنوع کردی گئی ہیں جو فی ذاتہ حلال تھیں یعنی ایک چیز خود خراب نہیں ہوتی مگر اس کا ارتکاب رفتہ رفتہ موجب ارتکاب حرام ہو جاتا ہے مثلاً زیادہ مسکر ہو تو تھوڑا مسکر بھی حرام ہو جاتا ہے کہ تھوڑا آگے چل کر بہت پینے کا ذریعہ بن جاتا ہے ما أسكر كثيره فقليله حرام سدا للذريعة لأن القليل قد يجر إلى الكثير حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: وقد كان هذا مشروعا في الأمم الماضية نسخ في ملتنا، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سجدہ تحیۃ پچھلی امتوں میں رائج تھا مگر ہمارے دین میں منسوخ کردیا گیا، بعض چیزیں سداً للذریعۃ حرام ہوتی ہیں، غرضیکہ ہر وہ فعل جو فساد کا ذریعہ بننے والا تھا اسے روک دیا گیا، صحابہ کرامؓ کی جماعت کسی ملک میں جاتی ہے۔ وہاں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں، واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے فلاں جگہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں، حالانکہ آپ تو زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اس کی تردید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کیونکہ خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں بیوی پر لہٰذا جب بیوی اپنے شوہر کو سجدہ نہیں کرسکتی تو سوائے غیر اللہ کے سجدہ کسی کو جائز نہیں۔

ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنے کی حقیقت

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ، یہ سجدہ تحیہ ہے۔

(۲) جہت سجدہ حضرت آدم علیہ السلام جیسا کہ کعبہ، حقیقت میں مسجود لہ اللہ تعالیٰ ہے، نعوذ باللہ اگر کعبہ گرایا جائے تو کیا ہم نماز چھوڑ دیں گے یا اگر اب لگے ہوئے پتھر ہٹا کر سونے کا بنایا جائے تو

ہم نماز چھوڑ دیں گے تو حقیقت میں مسجود اللہ تعالیٰ ہے، کعبہ جہت ہے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرة:١٤٤) اور مسجود الیہ آدمؑ اسْجُدُوا لِآدَمَ میں ل اِلٰی کے معنیٰ پر ہے جیسے اِس شعر میں ل بمعنیٰ اِلیٰ ہے: الیس اول من صلی لقبلتهم: واعرف الناس بالاثار والسنن (ای الیٰ قبلتکم) اور اسی طرح ہندوؤں کے ہاں اب بھی بہوا پنے خسر کو سجدہ کرتی ہے، اس نظام عالم کے اصل منتظم حضرت آدمؑ تھے، ملائکہ تابع تو یہ سجدہ تابع للمتبوع تھا، جوامت محمدیہ میں سدا للذریعة حرام ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اگر یہ امت بھی سجدہ تحیہ میں باطل کی طرف پھر گئی تو ان کو کون ٹھیک کریگا، دوسری امتیں اگر باطل اختیار کرلیتیں تو بعد میں نبی آرہے تھے، ملائکہ خود متصرف نہیں بلکہ حضرت آدمؑ کے پشت پناہی کیلئے آئے ہیں، حدیث میں ہے فسمع صوتاً فی سحابة اسق حدیقة فلان (مسلم: ح ١٢١٦) کہ ملائکہ نے بادل کو آواز دی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی پلا دو، ملائکہ عظام اس نظام کے چلانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہیں، اصل ذمہ دار حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ابلیس اور ملائکہ میں فرق

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ : فرشتوں نے فرمان الٰہی کی تعمیل کی اور سجدہ کرلیا اور ابلیس نے سجدہ نہیں کیا کیونکہ اصل میں وہ ملائکہ میں شامل نہیں تھا إِلَّا إِبْلِيسَ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ ابلیس فرشتوں کی جنس میں داخل نہیں ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (الکهف:٥٠) ملائکہ اجسام نورانیة یتشکل باشکال مختلفة اور جنات اجسام ناریة یتشکل باشکال مختلفة ہیں جیسے مشیت اور اختیار ہر انسان کو دیا گیا ہے۔

اسی طرح جن میں بھی مشیت و اختیار ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکهف:٢٩) احکام ان کے بھی وہی ہیں جو انسان کے لیے ہوتے ہیں، ملائکہ تو سراپا اطاعت ہیں، اطاعت پر عمل پیرا ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں، فرق یہ ہے کہ جن اور فرشتے دکھائی نہیں دیتے، نارِ لطیف نورِ لطیف کے مشابہ ہو جاتے ہیں تو ابلیس جنوں میں شامل تھا اس لیے حکم اس کو بھی دیا گیا للأکثر حکم الکل اس لئے معتوب بھی ہوا، اِن کے اجسام ناری ہیں، ہم مٹی سے پیدا ہوتے ہیں، ملائکہ میں عصیان کا مادہ ہی نہیں ہے، یہ جن و انس میں ہے ملائکہ تو يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ہیں اور اس کی طبیعت میں تو عصیان تھا اور ملائکہ کی طبیعت

میں باعتبارِ خلقت کے اطاعت تھی، اس واسطے فرشتوں نے اطاعت قبول کر لی اور اُس نے سرکشی کی، یہاں امتیاز ہو گیا، کھرا کھوٹا معلوم ہو گیا۔

فرشتوں سے امتیاز کرانے کے لئے سجدہ کا حکم: مرغی اور بطخ کی مثال

مثلاً بطخ کے بچے مرغی کے ذریعے پیدا کیے جائیں، کچھ انڈے مرغی کے ہوں اور کچھ بطخ کے جب مرغی بچے نکالے گی بظاہر شکل میں تو ایک جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں، جب مرغی کہیں اتفاق سے پانی کے کنارے حوض یا تالاب کے کنارے ان بچوں کو لے جائے تو وہاں امتیاز ہو جاتا ہے، بطخ کے بچے کی فطرت میں پانی میں گھسنا اور پانی میں غوطے لگاتا ہے لیکن مرغی کے اپنے انڈوں سے پیدا شدہ بچے پانی کے قریب تک بھی نہیں جائیں گے، اب دیکھیں یہاں سے امتیاز ہو گیا کہ مرغی کے اپنے بچے ہیں اور یہ بطخ کے بچے ہیں اور یہ فرق اور امتیاز کیوں ہوا؟ اس لیے کہ بطخ کے بچوں کی فطرت ہے پانی میں خوشی سے داخل ہونا اور پانی میں تیرنا بخلاف مرغی کے بچوں کے کہ ان کی طبیعت میں یہ چیز نہیں ہے، اس طرح شیطان اور فرشتوں کی مثال ہے، شیطان کی طبیعت میں عصیان رکھا ہوا ہے بخلاف فرشتوں کے کہ ان کی طبیعت میں اطاعت رکھی ہوئی ہے، اس لیے آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ سے امتیاز ہو گیا، شیطان نے سجدہ نہیں کیا اور فرشتوں نے سجدہ کیا، یہ ہی امتیاز کی چیز تھی، اسی طرح تحویلِ قبلہ میں جن کی طبیعت سلیم تھی وہ تو نماز ہی میں پھر گئے اور بعض کی طبیعت میں کچھ کدورت تھی، وہ نہ پھرے۔

جنات میں بھی صحابہ اور تابعین

جنات میں بھی صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں، میں نے آپ کو حضرت میاں صاحب (غالباً میاں اصغر حسین دیوبندی) کا واقعہ بیان کیا تھا، فرق یہ ہے کہ جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن:۱۵) اور انسان مٹی سے پیدا شدہ ہیں خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرحمن:۱٤) ابلیس ملائکہ سے نہیں مگر ان کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے ان کا مشابہ قرار دیا گیا۔

ابلیس کو ضمناً بھی اور مستقلاً بھی سجدہ کا حکم

ملائکہ کے ضمن میں اس کو سجدہ کا حکم ہوا نیز اس کو مستقل طور پر بھی سجدہ کا حکم ہوا قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ، كَانَ مِنَ الْجِنِّ ابلیس جنات میں سے تھا، ملائکہ کرام علیہم السلام

میں عصیان (نافرمانی) کا مادہ ہی نہیں ہے، یہ مادہ انس وجن میں پایا جاتا ہے۔ ملائکہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کی نافرمانی نہیں کرتے لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم:٦) فرشتے وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے، فرشتے فرمان خداوندی کے منتظر ہوتے ہیں، جب بھی حکم ملا فوراً تعمیل میں لگ جاتے ہیں اور امر الٰہی میں لیت ولعل اور پس وپیش کرنے والے انس وجن ہوتے ہیں اعتراض ملائکہ کرام نے کیا تھا اس کا تسلی بخش جواب دیا گیا، ملائکہ کرام کو تشفی ہوئی، خلافت کا مقصد بیان کیا گیا اور فرشتوں سے سجدہ بھی کرایا گیا تاکہ آدم علیہ السلام کی امارت وخلافت کا مسئلہ فرشتوں سے تسلیم کرایا جائے۔

آدمؑ کی پیدائش غیر متعارف تھی تو پرورش بھی غیر متعارف

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا: سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام کو تعمیر ارض کیلئے پیدا کیا گیا۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش غیر متعارف تھی، یعنی کلمہ کُن سے پیدا کیے گئے تھے تو ان کی پرورش بھی ایک علیحدہ نوع سے ہوئی اور حضرت حواءؑ بھی قانون خلقت انسان کے خلاف پیدا ہوئی۔

حضرت آدمؑ وحواءؑ کو جنت میں رکھنے کی وجہ

دونوں حضرات آدم علیہ السلام وحواءؑ کو بہشت میں رکھا گیا، اس لیے کہ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد کچھ عرصہ کے تک اسے بنا بنایا کھانا کھلایا جائے کیونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کو یہ حکم نہیں ہوتا کہ جاؤ کماؤ اور کھاؤ، پہلے والدین اس کو کھلاتے پلاتے ہیں مگر بچہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کیلئے ہل جوتنے کا کہا جاتا ہے تو جس وقت یہ قوی ہو گئے اور خود ان کو رزق کمانے کی توفیق ہو گئی تو حضرت آدم علیہ السلام "جنت میں رکھنے کے بعد" اگر بلا وجہ نکالے جاتے تو حضرت آدم علیہ السلام کی اس میں دل شکنی بھی تھی اور اپنا احسان بھی پوری طور سے ظاہر نہ رہتا تو اس واسطے اس کو بہشت سے نکالنے کے لئے ایسی ترکیب نکالی گئی کہ احسان بھی باقی رہے اور دل شکنی بھی نہ ہونے پائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی پتہ ہی نہ چلے کہ تقدیر کیا کر رہی ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کو ہمیشہ کے لئے بہشت میں بسانا مقصود نہ تھا وہ تو خلیفہ فی الارض تھا اور نکالنے کا طریقہ بھی ایسا اختیار کیا کہ اس میں کچھ کدورت نہ آئی کیونکہ اگر اس طرح کہہ دیا جاتا کہ تم بہشت سے نکل جاؤ تو حضرت آدم علیہ السلام

خیال کرے کہ شاید وہ پہلی شفقت نہیں رہی اور اب یہ خیال رہے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی بڑی شفقت تھی لیکن مجھ سے غلطی ہوئی، اب اپنے گناہ پر حضرت آدم علیہ السلام روتے ہیں، آہ و زاری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف: ۲۳) اپنی عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہیں غرضیکہ جنت تو ہاتھ سے گئی اب خدا تعالیٰ کسی طریقے سے راضی ہو جائے۔

بچے سے دودھ چھڑانے والی ماں کی ترکیبیں

خلیفہ فی الارض بننے کیلئے جنت سے نکالنے کیلئے ایسی تدبیر فرمائی کہ اس کو پتہ ہی نہ چلے جیسے بچے کو ماں دودھ پلاتی ہے، جب بچے کے دانت نکل آتے ہیں یا کسی اور وجہ سے اسے دودھ چھڑوانا چاہتی ہے تو تھپڑ مار کر منع نہیں کرتی کہ وہ روئے گا، اور نہ یوں ہی بچے کو منع کرتی ہے کہ اس سے اس کا دل دُکھتا ہے، تھپڑ مار کر بھی منع کر سکتی ہے لیکن اس وجہ سے نہیں مارتی کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ والدہ کی شفقت نہیں رہی جو پہلے تھی اور مجھے دودھ پلاتی تھی اور اب مجھے مار کر منع کرتی ہے بلکہ ماں اس کو چھڑانے کیلئے اپنے پستان پر تلخ ایلوہ (کڑوے صحرائی پودے کا عرق) لگا لیتی ہے، جب وہ پستان کو منہ لگائے تو خود منہ ہٹا دیتا ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو چند دن جنت میں بسایا؛ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ان کو کیوں پہلے جنت میں رکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی پیدا کی ہے کہ اُس کے پیدا کرنے کے بعد اس کو فوراً مکلف نہیں کرتا، جب پیدا ہوتا ہے تو پہلے ماں باپ کھانا اور لباس وغیرہ مہیا کرتے ہیں پھر جب بڑا ہو جائے تو زندگی بسر کرنے کیلئے مشقت کرنی پڑتی ہے تو اسی فطرت انسانی (تقدیر انسانی) کے مطابق انہیں جنت میں رکھا، پیدا کرتے ہی ان کو زمین میں نہ بسایا کہ کھانے پینے کے لئے مشقت کرے کیونکہ ان کی طبعی قوت اس قابل نہ تھی کہ وہ فوراً دنیا میں کما کر کھائیں، جب قوی ہو گئے تو پھر اس کو اسی انداز میں جنت سے زمین کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

آدمؑ کو جنت سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ: اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات سے فرمایا کہ جنت میں تم جہاں سے کھا سکتے ہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جاؤ، یعنی آپ دونوں اس درخت کی طرف نہ جائیں، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے لیکن شیطان کی دشمنی تو تھی، تو شیطان

نے اپنے مکروفریب سے درخت کا دانا کھلا دیا، ساتھ یہ بتلایا کہ اس کے کھانے سے تم خالدین میں سے ہو جاؤ گے یا فرشتہ بن جاؤ گے۔

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ سے مراد

جس درخت کے پاس جانے سے ان کو منع کیا تھا وہ کس قسم کا درخت تھا؟ اس میں مفسرین عظام کے کئی اقوال موجود ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ گیہوں کا درخت تھا بعض انگور اور بعض انجیر وغیرہ کا درخت بتاتے ہیں واللہ اعلم

شیطان کے ڈگمگانے سے دونوں حضرات کو عزت وراحت سے نکالا

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ :جس درخت سے روکا گیا تھا شیطان نے قسم کھا کر وہی انہیں کھلایا اور ہر دو بزرگوں کو معتوب بنا کر جنت سے نکلوایا وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (الاعراف:۲۱) بعد میں جب کھایا تو ان کو ان کی دشمنی معلوم ہوئی، پس! حضرت آدم علیہ السلام اس دھوکہ میں آ کر بلکہ اس کی قسم پر اعتماد کر کے کہ "خدا کے نام کی جھوٹی قسم بھی کوئی کھا سکتا ہے" دانہ کھا گئے اول حضرت حواؑ نے کھایا ہی تھا کہ کیفیت بدل گئی اور بہشتی لباس سے محروم ہو گئے، اب دونوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے ساتھ شیطان نے دشمنی کی اور اس درخت کے کھانے کا طبعی تقاضہ یہی تھا کہ بشری لوازمات ظاہر ہونے لگے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے کہ حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی، ان کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اُترتے نہ تھے کہ اتارنے کی حاجت نہ ہوئی، یہ اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے، جب یہ عمل (گندم کا دانہ کھانا) ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے، اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے، یہ حضرت آدمؑ سے بھول ہوئی تو دنیا کے جیل خانہ میں بھیجے گئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدنیا سجن المؤمن (مسلم:ح ۲۹۵۶) کیا عجیب حکمت عملی تھی کہ اسے جنت سے نکالا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں بھی فرق نہیں آیا اور خود کو اپنے جرم سے نکالا ہوا سمجھا۔

خروج نہیں ہبوط

وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ : اصول فقہ کا قاعدہ ہے لایصیر إلی المجاز إلا إذا تعذرت الحقیقة "جب تک حقیقت پر عمل کی گنجائش ہو تو مجاز کو اختیار نہیں کیا جاتا" جنت آسمانوں میں ہے، ہبوط، نزول ہے اوپر سے

نیچے کی طرف، اگر جنت زمین میں ہوتی تو ہبوط نہ فرماتے بلکہ خروج فرماتے، ہبوط میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی شیطان اور آدمؑ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے یا اولادِ آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، پس اس آیت میں مفسرین حضرات نے دو توجیہات کی ہیں، ایک یہ ہے کہ یا تو یہ خطاب ہے اصلاب میں اولاد آدم علیہ السلام کو اور یا خطاب ہے آدم، حوا علیہما السلام اور شیطان کو، شیطان مردود نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ان کو بہکایا، سجدہ نہ کرنے کے باعث اگر چہ مردود ہوا تھا لیکن آسمانوں سے خارج نہیں ہوا تھا، شیاطین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پھر آسمان کو نہیں چڑھ سکتے وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک: ۵) مفسرین یہاں عام اسرائیلیات ذکر کرتے ہیں لیکن اس کیلئے کوئی اصل ہی نہیں ہوتی جیسا کہ شداد کے باغ (جنت) کا کوئی ثبوت نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی منفرد خصوصیات

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ: ایک عرصہ تک سرگرداں و پریشاں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند کلمات عطا فرمائے، جن سے دوبارہ رضائے الٰہی کی نعمت نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چند خصوصیات سے نوازا تھا جو کسی اور کو حاصل نہ تھیں، (۱) حضرت آدم علیہ السلام کی بلاواسطہ تخلیق کی۔ یہ خصوصیت آدم علیہ السلام کے بغیر کسی کو حاصل نہ تھی (۲) ملائکہ کا مسجود بنایا (۳) جنت میں رکھوایا (۴) منهی عنه کو محسوس مبصر کر کے دکھلایا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (الاعراف: ۲۲) جبکہ ان خصوصیات سے متصف اور اِن عظیم صفات کے حامل کو بھی شیطان بہکا سکتا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام اس کے بہکاوے سے نہیں بچ سکے ان کا بغیر خصوصی کلمات کے کہنے کے تعلق باللہ دوبارہ قائم نہیں ہو سکا تو بنی نوع انسان میں کوئی شیطان کے شر سے کیسے بچ سکتا ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ بھی وحی سے درست ہوا: ضرورت الہام

حضرت آدم علیہ السلام پر جب اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور کلمات بصورت الہام القاء ہوئے تب توبہ قبول ہوئی۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا معاملہ بھی تب اللہ تعالیٰ سے درست ہوگا کہ جب الہام و وحی آئے اور انہیں ماموراتِ کی تعلیم دے، منہیات سے بچائے،

اچھے برے کی تمیز بتلائے، یہاں سے الہام کی ضرورت ثابت ہوئی، الہام عام ہے، وحی خاص ہے، الہام دوسروں کے لئے حجت نہیں ہوسکتا، یہاں الہام سے مراد وحی ہے یعنی قرآن ہے۔

قرآن کی تاثیر کا ایک ذاتی مشاہدہ

میں نے ایک ہندو کو جیل میں یہ آیت پڑھائی : يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ کہنے لگا کہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے کہ تمام مخلوق کو یکساں خطاب کر رہا ہے۔

ہندو پنڈتوں کا شودروں سے سلوک

دوسری طرف یہ حالت ہے کہ جب ہندوؤں کا پنڈت جب کہیں جا رہا ہے تو ہندو کئی میل اس سے آگے جاتے ہیں اور شودروں کو راستے سے ہٹایا جاتا ہے تا کہ شودروں کی نظر پنڈت پر نہ پڑے ورنہ شودروں کی نظر پنڈت پر پڑنے سے پنڈت پیلا ہو جاتا ہے۔

اصلاح باطن اور تعلق باللہ کے لئے ایمان ضروری

اس طرح جسمانی ضروریات میں بھی یہی طریقہ ہے کہ ایک کے دماغ میں القاء ہوجاتا ہے، دوسرے اس کی اتباع کرتے ہیں لیکن اس القاء میں ایمان ضروری شرط نہیں اور اصلاح باطن و تعلق باللہ کی استواری کے القاء کے لئے باطن کی اصلاح و ایمان ضروری ہے أعلمهم و أصدقهم و أشدهم ہونا چاہیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو غرب الہند کے جزائر میں اتارا

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: جب آدم و حوا علیہما السلام کا هبوط من السماء ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام کو جزائر غرب الہند اور حضرت حوا کو جدہ عرب میں اتارا گیا تو آدمؑ نہایت تکلیف اور حزن میں رہے، ایک جنت سے ہبوط اور دوسری حضرت حواؑ سے افتراق۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹) تو ان کو الہام ہوا کہ ان کلمات کے ساتھ استغفار کرو تو تم کو معافی مل جائے گی، دونوں چیختے چلاتے رہے، دن رات دعاؤں میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور دونوں کو جب اتارا گیا تو تفریق کر کے اتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، حضرت آدم علیہ السلام خصوصیات کے باوجود شیطان کے چکر میں آگئے

جبکہ منہی عنہ کو محسوس ومبصر کر دیا گیا تھا کہ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پھر باقی اولاد آدم کس طرح شیطان کے چکروں میں نہ آئے گی تو اولاد آدمؑ کو دھوکہ دینا اور صراط مستقیم سے ہٹانا اس کے لئے بہت آسان ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو چند کلمات سکھلائے بطور الہام والقاء کے وہ کلمات یہ ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)۔ سیدنا آدمؑ یہی دعائیہ کلمات پڑھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمائی۔

تفسیر القرآن بالقرآن

القرآن یفسر بعضه بعضا اگر قرآن مجید میں ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفسیر ہوتی ہے، اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی تفسیر ہے۔

ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیان

تفسیر متصل اور تفسیر منفصل کی مثالیں

پھر یہ تفسیر القرآن بالقرآن دو قسم پر ہے، ایک تفسیر متصل اور ایک تفسیر منفصل تو یہ تفسیر منفصل ہے فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرة: ۳۷) سورہ بقرہ میں ہے اور رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ سورۃ الاعراف میں ہے اور تفسیر متصل جیسے وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (البقرة: ۱۸۷) جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتمؓ نے اپنے تکیہ کے نیچے دو رومال رکھے ایک سفید اور ایک کالا تا کہ وہ اسی سے رات اور دن کے درمیان فرق کر سکے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان وسادك اذاً لعريض ان كان الخيط الأبيض والأسود تحت وسادتك (البخاری: ح ۴۵۰۹) آپ کا تکیہ تو بہت چوڑا ہے جن کے نیچے خَيْطُ الْاَبْيَضُ اور خَيْطِ الْاَسْوَدِ آ سکتا ہے اور فرمایا انما هو سواد الليل وبياض النهار اس کے بعد مِنَ الْفَجْرِ کا حکم نازل ہوا تو یہ تفسیر متصل ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ

ہندوستان سے آدم علیہ السلام نے جا کر ۴۰ حج کیے اور حضرت آدم علیہ السلام کی حوا سے ملاقات مقامِ عرفات میں ہوئی۔ یہ بھی عرفات کی ایک وجہ تسمیہ ہے۔

انسان فطرتاً الہامِ الٰہی کا محتاج ہے

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ : بنی آدم کے لیے بھی تعلق باللہ، الہام و وحی کی ضرورت ہے، جن کے خیال اور عقیدہ میں یہ صراطِ مستقیم الہام الٰہی نہیں ہے تو دیکھئے! ان کا کیا حال ہے، تباہ ہو رہے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ انسان فطرتاً الہامِ الٰہی کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہوگی تب صراط مستقیم سامنے ہوگا، آدم علیہ السلام کو بمع اولاد کے جو اِن کے صلب میں تھی، اخراج کے وقت مطلع کیا گیا کہ آئندہ تمہیں عزت تب ملے گی جب میری نازل کردہ ہدایات کی قدر کرو گے لہٰذا جنہوں نے اللہ کی ہدایات کو جھٹلایا، تسلیم کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے دوزخ تیار کی ہے۔

رکوع 05

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے

عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ

اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے

فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

ڈرا کرو۔ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی تصدیق کرتی ہے اس کی

مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَ لَا تَشْتَرُوْا

جو تمہارے پاس ہے اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَ لَا تَلْبِسُوا

آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور سچ میں

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ

اور نماز قائم کرو اور کو دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ

الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ

رکوع کرو۔ کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول

اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے۔

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى

اور صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز مشکل ہے مگر ان پر جو

الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ لا الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

عاجزی کرنے والے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ضرور اپنے رب سے ملنا ہے

وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

ربع ۵ ۷ ۵

اور ہمیں اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

رکوع (۵)

خلاصہ: ملهم من الله نئی جماعت کی ضرورت ہے؛ کیونکہ یہود بے کار ہو چکے ہیں۔

ماخذ: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِO وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِO وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَO وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَO اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَO وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ (البقرۃ: ۴۰-۴۵)

بیکار یہودی جماعت کے امراض

پہلی جماعت امراض روحانی کی وجہ سے داعی الی الخیر ہونے کے قابل نہیں رہی، اس لیے نئی جماعت کی ضرورت ہے، اب یہاں سے یہود کے بیکار امراض بیان کیے جائیں گے اوران کے امراض کے عنوانات پانچ ہیں۔

(۱) کفر بایٰت اللہ اللہ کی نشانیوں کا انکار وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ

(۲) اشتراء بایٰت اللہ ثمن قلیل پر آیات اللہ کو بیچنا وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ

(۳) تلبیس حق بالباطل یعنی حق کو باطل کے درجے پر لانا اور باطل کو حق کے درجے پر لے جانا یعنی باطل کو حق کا لباس پہنانا۔

(۴) کتمانِ حق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشنگوئیاں ظاہر نہ کرنا اور اسے چھپانا۔

(۵) اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ لوگوں کو نیکی کی رغبت دلا کر خود نیکی پر عمل سے جی چرانا۔

اب جن میں یہ بیماریاں ہوں تو کیا وہ اس قابل ہیں کہ انہیں کتاب دے کر مقتدیانِ (پیشوایان) امت تا قیامت بنایا جائے اور ان کے سوانح حیات کو تا قیامت ایک عملی نمونہ بنایا جائے؟ ہرگز نہیں! یہ شان صحابہ کرامؓ شیدایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور انہیں دی گئی۔

تعلق باللہ بغیر الہام (وحی) کے ممکن نہیں

کبھی بھی کوئی انسان اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست نہیں رکھ سکتا جبکہ وہ ملھم من اللہ نہ ہو، پہلے ملھم من اللہ جماعت موجود تھی تو ان سے یہ خدمت کیوں نہیں لی گئی؟ اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ پہلی جماعت بے کار ہو گئی تھی، ان میں آنے والی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، اس لئے وہ اس کے اہل ہی نہ تھے کہ ان کو یہ خدمت سپرد کی جائے، اس لیے ملھم من اللہ نئی جماعت کی ضرورت پیدا ہوئی۔

بنی اسرائیل سے پہلے انبیائے کرام

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ : اسرائیل سریانی زبان کا لفظ ہے، اسرا کے معنی عبد اور ایل کے معنی اللہ، پس اسرائیل کا معنی عبداللہ، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، فرمایا کہ اے یعقوب کے صاحبزادو! تم پیغمبر کی اولاد ہو، تمہارے پاس بھی کتاب ہے، جس کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے، تمہیں چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی طرح نیک اور صالح بنو۔

آپ ؐ پر عدد کی تکمیل

خیال فرمایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے انبیائے کرام علیہم السلام گزرے ہیں، ایک عدد باقی تھا، اصل میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد کو پورا کرنا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہوا، اس کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ملہم من اللہ نئی جماعت کی ضرورت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کی تین قومیں رہتی تھیں، بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع، اب یہ ثابت کرنا ہے کہ پہلی جماعتیں بے کار ہو چکی ہیں، نئی جماعت جو ملہم من اللہ ہو، اس کی ضرورت ہے۔

یہود پر دینی اور دنیوی بے انتہا انعامات

اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ: اس انعام کی تفصیل سورۂ مائدہ میں آ رہی ہے، وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡكُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا وَّ اٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ(المائدة: ٢٠) ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو جہان میں کسی کو نہ دیا تھا'' کمال دو قسم کا ہوتا ہے، ایک دنیاوی اس کا منتہیٰ بادشاہت ہے۔ دوسرا کمال دینی اس کا منتہیٰ نبوت ہے اور یہ دونوں چیزیں بنی اسرائیل میں تھیں کیونکہ جمیع انبیاء اور سلطان یہودیوں میں سے تھے، یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لئے تابع نہیں ہوتے تھے کہ وجاہت دنیوی چلی جاوے گی کیونکہ ان کی ایک مستقل حیثیت تھی، اُن کو دعوت دی جاتی ہے کہ اپنے شیطانوں سے باز آ جاؤ اس لئے کہ اللہ کے تم پر بہت احسانات ہیں۔

ایفاء عہد کا مطالبہ

وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَ اِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ: اتباع الدین و أن یعملوا علی کتاب اللّٰہ تعالی وعدہ یہ تھا کہ تورات پر عمل کرو اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشنگوئیاں ہیں ان کی اشاعت کرو اور قرآن پر ایمان لاؤ، لہٰذا مجھ سے ڈرا کرو دنیا کے حکمرانوں سے مت ڈرو، دنیاوی رشتوں اور منافع کا خیال نہ کرو کہ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ(النحل: ٩٧) وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَعۡمٰی (طٰہٰ: ١٢٤) بنی اسرائیل کو خطاب ہے تم میرا وعدہ پورا کرو گے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا، آخرت میں جنت دونگا، اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تورات کے جملہ احکامات پر عمل کرو اور جس پیغمبر کو میں مبعوث کروں اس کی اطاعت اور مدد کرو، ملکِ شام پر تمہارا غلبہ ہوگا مگر بنی اسرائیل نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی کی، رشوتیں لیتے

رہے اور تورات کے احکام کو تبدیل کرتے رہے، تورات میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نشانیاں اور اوصاف وعلامات کا تذکرہ تھا ان سب کو تبدیل کر دیا۔

سب سے پہلے مومن بننے کے بجائے پہلے کافر نہ بنو

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ : اب جب قرآن نازل ہوا، جو تورات کی تصدیق کرتا ہے تو سب سے پہلے تصدیق واتباع تمہیں کرنی چاہیے تھی نہ کہ قریش کو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشنگوئیاں اور صفات حمیدہ تم نے تورات میں سنی تھیں، قریش نے نہیں۔

آسمانی کتابوں کے چار اصول

تمام آسمانی کتابیں اصول میں متفق اور متحد ہیں، ان اصول کی چار اقسام ہیں:

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت (۴) کتب سماویہ کی صداقت

ان اصول اربعہ میں تمام آسمانی کتابیں متفق اور متحد ہیں نیز تورات میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور ان پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوگی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور یہ قرآن مجید اسی بشارت کی تصدیق ہے۔

علمی جماعت کا انکار نا قابل معافی جرم

وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ: اب سب سے پہلے تم اس کے منکر ومخالف مت بنو، یعنی علمی جماعت میں سے، تمہیں تو سب سے پہلے ایمان لانا چاہیے تھا کیونکہ سب سے پہلے تورات ہی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی ہے اور تم اہل کتاب ہو، تورات تم نے پڑھی ہے، اب دیدہ ودانستہ انکار کرنا بہت سنگین جرم ہے، اگر اہل مکہ نے انکار کیا تو وہ جاہل اور ان پڑھ ہیں، تم تو اہل کتاب ہو، علمی جماعت ہو، تمہارا انکار نا قابل معافی جرم ہے۔

حق جان کر بھی حقیر دنیوی منافع کی وجہ سے روگردانی

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا :اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری آیتوں پر معمولی رقم نہ لیا کرو یعنی پہلے یہودی دعائیں مانگتے رہے۔ جب یہودی یمن میں دشمن کے ہاتھوں مغلوب ہوئے تو اکثر وہاں سے مدینہ منورہ چلے گئے کیونکہ ان کو کتب آسمانی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقر مدینہ منورہ ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہودیوں نے ان

علامات کو پایا جو تورات میں تھیں تو انکار کر گئے، وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (البقرة: ۸۹) یہودیوں کو دنیا کی لالچ نے مجبور کیا جس پر وہ انکار کر گئے، اگر یہود کے علماء مان جاتے تو پھر کل أحد من الناس أي من أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن جاتے، اس سے ان کا وقار بھی بڑھ جاتا اور اپنی کتابوں کی بشارتوں کی تصدیق بھی کر لیتے لیکن یہ اپنی مذہبی نخوت (گھمنڈ و غرور) کو مٹا نہ سکے، دنیاوی منافع کی خاطر دینی منافع حاصل نہ کر سکے، مقتدایانِ قوم اگر ایمان لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام اور احد من الناس ہو جاتے اور دیگر مسلمانوں کی طرح امت محمدیہ کا حصہ بن جاتے۔

مرض اشتراء بایٰت اللّٰہ

اشتراء کا مرض یہ ہے کہ جس طرح چند پیسوں کے بدلے جیسا فتویٰ دل چاہے لکھوا لو جیسا وعظ دل چاہے کروا لو، حق کی کوئی پروا نہیں ہے بلکہ چند کوڑیوں کی پروا ہے جو جس طرح بھی حاصل ہو جائیں۔

رہبانیت نہیں تقویٰ کا تقاضا

وَ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ : صرف مجھ ہی سے ڈرا کرو پہلے فَارْهَبُوْنِ تھا، اب یہاں فَاتَّقُوْنِ ہے یعنی اب اس دین محمدی میں تقویٰ ہے، رہبانیت نہیں ہے وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷) اس امت محمدیہ کی رہبانیت جہاد ہے وعليك بالجهاد؛ فإنه رهبانية الإسلام (مسند احمد: ح ۱۱۷۷٤) یہودیوں نے رہبانیت کی بدعت ایجاد کی، گوشہ نشین بن کر اپنے کو تارک الدنیا سمجھتے تھے اور پس پردہ مختلف جرائم کا ارتکاب کیا کرتے تھے، اسلام نے ایسی درویشی اور فقیری سے منع فرمایا: إن الرهبانية لم تكتب علينا رہبانیت کا حکم ہمیں نہیں دیا گیا۔

تلبیس حق و باطل

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ : ہر وہ چیز جو عین ضرورت کے وقت ملے حق ہے اور ہر غیر ضروری چیز باطل ہے، پس ان میں یہ مرض ہے کہ ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا یا معمول بہ کو متروک اور متروک کو معمول بہ بنانا حق کو باطل کا لباس پہنانا ہے، ارباب علم و فضل کی

شان سے کس درجہ گری ہوئی بات ہے کہ قوم و ملت کو جن احکام کی ضرورت ہے اُن کی طرف تو کوئی بھی توجہ نہ کرے حالانکہ اِن پر حیات قومی کا دارومدار ہو اور اُن امور پر زور دیا جائے جو فروعات کا حکم رکھتے ہوں اور پھر اُسی پر قناعت نہ ہو، بلکہ حق بات جاننے کے باوجود اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔

رسومات وبدعات کودین قرار دینا

تلبیسِ حق کا مرض ان میں موجود ہے، تمام عمر کوئی شخص نماز نہ پڑھے اور مختلف فس و فجور وغیرہ کرتا رہے اور صرف چند رسومات ادا کرتا رہے وہ ان کے نزدیک پکا مسلمان ہے اور کوئی شخص کتنا ہی متبع السنۃ، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو مگر وہ مروجہ رسومات کا انکاری ہو تو وہ پھر ”بے ایمان اور کافر“ کہلایا جاتا ہے (العیاذ باللّٰہ)

کتمانِ حق کفر وعناد اور مذہبی غرور کی بنا پر تھا

وَ تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ : جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ اس لئے کہ سچائی کو چھپانے کی کوشش ہمیشہ اس وقت کی جاتی ہے جب خود اس پر عمل نہ ہو، اس لئے لوگوں کو بھی اس سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ اگر انہیں صداقت کا علم ہو گیا اور انہوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ علماء موردِ طعن وتشنیع بنیں گے کہ باوجود جاننے کے اس پر عمل نہیں کرتے، بہرحال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات میں جو پیشگوئیاں اور آیتیں ہیں اِسے چھپا کر دنیاوی نفع حاصل نہ کرو یعنی ان لوگوں میں کتمانِ حق کا مرض تھا اور تم جانتے ہو کہ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھا تو فوراً اسلام لے آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں وہ نشانیاں دیکھیں جن کے بارے میں تورات نے نشاندہی کی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اغراضِ دنیاوی اور کفر وعناد کی بنا پر تھا، مذہبی غرور وذاتی نیت کی بنا پر قرآن پر ایمان نہیں لاتے تھے

کتمانِ حق کا مرض

کتمان حق ان میں بھی موجود ہے کیونکہ روٹی اور چند کوڑیاں ملتی رہیں کبھی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرینگے اور نہ کہیں گے کہ چونکہ آپ نماز نہیں پڑھتے یا آپ میں فلاں قصور شرعی موجود ہے اس لئے آپکی روٹی نہیں کھاتا یا آپکا ہدیہ قبول نہیں کرتا تو یہ بعینہٖ کتمانِ حق ہے۔

آیت کا ربط اور ان کے امراض کا علاج

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ : اب یہاں سے اُن کو ان کے امراض کا علاج بتلایا جاتا ہے کہ تم نماز قائم کرو، یہ تمہارے امراض زائل کردے گا کیونکہ نماز کے بارے میں آتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ بشرطیکہ نماز محمدی ہو، پنجابی نماز نہ ہو کیونکہ نماز میں تعلق باللہ کی درستگی کا پورا سبق ہے، چنانچہ حدیث میں احسان فی العبادۃ کے متعلق مذکور ہے أن تعبداللّٰه کأنك تراه، فإن لم تکن تراه فإنه یراك(البخاری:ح۵۰) اور دوسرا زندہ بننے کیلئے بھی اس میں پورا نقشہ ہے یعنی جو جس قدر خدا کو زیادہ یاد کرے گا اُسی قدر انقطاع عن الخلق اور اتصال باللّٰه زیادہ ہوجاتا ہے، خدا کا نام لینے سے جرأت ایمانی پیدا ہوتی ہے۔حرص ولالچ إیتاء زکوٰۃ سے ختم ہوجائے گی، بدنی اور مالی عبادت کی برکت سے لینے کی بجائے دینے کا جذبہ پیدا ہوگا اور جبکہ امام أعلم بالسنة ہواور أتقی الناس من اللّٰه ہواور قوم اسکے اشارہ پر نقل وحرکت کرے تو پھر دیکھو کیسی قوم تیار ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حربی (جنگی یا قومی یا ملٹری) کالج قائم نہیں تھا بلکہ سب کچھ نماز ہی میں سیکھتے تھے۔

اشتراء بآیت اللّٰه اور کتمانِ حق جیسی مضر چیزوں سے پرہیز

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ علاج اس طریقہ سے کیا جاتا ہے کہ مضر چیزوں سے پرہیز اور مصلح اشیاء کھانے کو دی جاتی ہیں اس طرح اہل کتاب کو بھی اشتراء بآیت اللّٰه اور کتمانِ حق جیسی مضر چیزوں سے پرہیز بتایا گیا اور اقامة الصلوٰۃ (مصلح) کا حکم دیا گیا کہ تم تو لالچ میں آکر اوروں سے ناحق لے کر دین ودنیا کو تباہ کر بیٹھے ہو اپنے ہاتھوں سے زکوٰۃ دینے کے عادی بنو، ایک روایت میں آتا ہے کہ الیدالعلیا خیر من الیدالسفلیٰ اللہ تعالیٰ پناہ دے نقل مشہور ہے کہ کوئی لینے کا عادی پانی میں ڈوبنے لگا تو ایک ساتھی نے نکالنے کے لئے ہاتھ دیتے ہوئے کہا کہ ہاتھ دے دے، دو تین دفعہ کہا مگر اس نے انکار کیا، پھر ساتھی نے کہا کہ ہاتھ لے لے تو اس نے جھٹ سے ہاتھ دے دیا۔

باجماعت نماز کی برکت اور فائدے

نماز پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھو، امید ہے کہ تم پر بھی ان کا رنگ چڑھے اور علاوہ اس کے فائدہ یہ ہوگا کہ اگر تم میں سے کسی کی نماز کسی قصور کی وجہ سے دربار الٰہی سے رد ہونے کے قابل

ہوتو جماعت میں نیک بندوں کی برکت سے ''جبکہ ان کی نماز قبول کی جائے گی''، تمہاری نماز بھی بطفیل اُن کے ضرور قبول ہوگی اور پھر ضرور تمہیں نفع ہوگا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تاجر مثلاً آم کا ایک ٹوکرا خریدتا ہے تو یا تمام لے گا یا سارا چھوڑ دے گا، چن چن کر لینے کا قاعدہ نہیں ہے تو اللہ مقبول بندوں کی نماز ضرور قبول فرمائیں گے تو دیگر لوگوں کی نماز بھی اُن کے ساتھ قبول فرمائیں گے کیونکہ چھنٹا تو قاعدہ نہیں ہے۔

ارکان اسلام سے انکار کفر اور سستی فسق

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، توحید و رسالت کا اقرار نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی کفر لازم آتا ہے اور اگر اقرار کے بعد عمل میں سستی کی جائے تو فسق لازم آتا ہے اور فسق یعنی گناہ بھی ایسا جس کی سزا دوزخ ہے۔ کئی مسلمان ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ احکام الٰہی کی مخالفت اپنی جہالت کے باعث کرتے ہیں۔ نہ تو انہیں اس حکم الٰہی کی اہمیت کا علم ہوتا ہے اور نہ سزا کو جانتے ہیں جو اس کی مخالفت پر دربار الٰہی سے تجویز شدہ ہے ورنہ علم ہونے کے بعد ممکن ہے کہ بہت سے آدمی عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے حکم خداوندی کی تعمیل سے ہرگز جی نہ چرائیں۔

دوسروں کو نیکی کا حکم کرنا اور اپنے آپ کو بھلانا

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور جو نیکی تمہارے شایانِ شان ہے وہ کیوں نہیں کرتے اور وہ بشارتیں لوگوں کو بتلا دو جو تورات میں تم پڑھ چکے ہو کہ واقعی وہ نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں لیکن ان لوگوں سے یہ امید رکھنا بالکل عبث ہے کیونکہ یہ لوگ تو کتمانِ حق کرتے ہیں اور اس مرض کے ہوتے ہوئے یہ جماعت کیسے راغب إلى الحق ہو سکتی ہے اگر انؑ کے ہاتھ میں قرآن مجید دیا جائے کہ اس کی اشاعت کرو تو ہرگز تیار نہیں ہوں گے اس لیے ملهم من الله جماعت کی ضرورت ہے کہ وہ اشاعتِ قرآن مجید کرے۔

عصر حاضر کے علمائے سوء پر اس کی تطبیق

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر ذراعا بذراع (البخاری: ج ۳۴۵۶) اس حدیث کے لحاظ سے یہ تمام

امراض اشتراء بالأیات بثمن قلیل، ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا، کتمان حق، أمر بالناس اور نسیان أنفس اس امت کے علمائے سوء میں بھی پائے جاتے ہیں اور علمائے ربانیین ان سے مستثنیٰ ہیں۔

لوگوں کو تلقین مگر خود عمل سے گریز

امر بالناس اور نسیان انفس بھی موجود ہے کہ لوگوں کو ہر قسم کا امر کریں گے لیکن خود نہیں کریں گے اور ان کو ترغیب دلائیں گے کہ صدقہ خیرات کرو لیکن آپ خود بالکل نہیں کرتے اور شب برات میں وعظ کرتے ہیں کہ جو شخص آج رات اچھے اچھے کھانے پکائے گا اور تقسیم کرے گا ان کے گھر میں تمام سال فراخی رہے گی اور خود اس پر بالکل عمل نہیں کریں گے، اگر خود عمل نہیں کر سکتے تو نیت تو صحیح ہونی چاہیے لیکن اس آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اگر عمل کسی سے نہ ہو سکے تو امر بالمعروف بھی چھوڑ دے۔

اب یہود جیسی قوم سے قرآن مجید کی اشاعت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ جس کے اخلاق اتنے گر جائیں اور ان میں حرص و لالچ کی بیماری اتنی راسخ ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو مذہبی جماعت کہنے کے باوجود اپنے دنیوی مفاد کی خاطر اس آسمانی کتاب سے انکار کرتے ہیں وہ اتنے حریص ہو چکے ہیں کہ آسمانی کتاب کا انکار کیا جائے تو کچھ پروا نہیں مگر دنیاوی نقصان نہ ہو جائے۔

یہودیوں کی خباثت پر ہٹلر نے بھی قتل عام کا حکم دیا

الغرض یہود کی طرح کوئی مفسد نہیں، ہٹلر نے بھی گذشتہ جنگ عظیم میں یہود کی خباثت اور شرارت کی بنا پر ان کے قتل عام کا حکم دیا تھا، اس وقت کا کافر بادشاہ بھی ان کی شرارتوں، خباثتوں اور بد فطرتیوں کی وجہ سے تنگ آچکا تھا، انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کرنے کی وجہ سے خباثت اور شرارت یہودیوں کی فطرت میں راسخ ہو چکی تھی تو ایسی قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے بیکار تھی۔

نبی علیہ السلام کی صحبت کے لئے عربوں کا انتخاب

ملہم تو بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن آپ کی صحبت کیلئے یہود کو منتخب نہیں فرمایا

خٰشِعِیْنَ کی صفت

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَ اَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ : یہ اَلْخٰشِعِیْنَ کے لیے صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے وہی ہیں، جن کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہے، کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے دو ہی چیزیں محرک ہوسکتی ہیں، امید اور خوف مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے مہربان رب کے پاس جائیں گے جس سے اِن کی تمام امیدیں وابستہ ہیں اور رٰجِعُوْنَ سے خوفِ آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

رکوع 06

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۤءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی

عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

تھیں اور میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی۔

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔـا وَّ لَا

اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ

يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ

ان کے لیے کوئی سفارش قبول ہو گی اور نہ اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ ان کی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

مدد کی جائے گی۔اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

وہ تمہیں بری طرح عذاب دیا کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے

وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

تمہاری بڑی آزمائش تھی۔اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر تمہیں تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے فرعونیوں کو ڈبو دیا

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بنا لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔ پھر اس کے بعد بھی ہم نے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذْ اٰتَيْنَا

تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور جب ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

موسیٰ کو کتاب اور قانون فیصل دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو پھر

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ

اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک یہی بہتر ہے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ

پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔

قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تیرا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ روبرو اللہ

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

کو دیکھ نہ لیں تب تمہیں بجلی نے دیکھتے ہی دیکھتے آ لیا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کر کے اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من

وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا

اور سلویٰ اتارا جو کچھ ہم نے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور انہوں

ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو جاؤ پھر اس میں جہاں سے

شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ

چاہو بے تکلفی سے کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہتے جاؤ بخش دے

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے۔ اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِیْ قِيْلَ لَهُمْ

پھر ظالموں نے بدل ڈالا کلمہ سوائے اُس کے جو انہیں کہا گیا تھا

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

سو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان

۶ ع ۱۳ ۶ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

سے عذاب نازل کیا۔

رکوع (۶)

خلاصہ (۱) تذکیر بآلاء اللہ و بما بعد الموت سے یہود کو دعوۃ إلی الکتاب.

ماخذ: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (البقرة: ۴۷ تا ۴۸)

(۲) یہود کا بدوی اور قروی زندگی میں فیل ہونا

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ وَ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ (البقرة: ۴۹ تا ۵۹)

تذکیر بآلاء اللّٰہ اور بمابعد الموت کے ذریعے دعوۃ إلی القرآن

قاعدہ: جب کسی قوم کا کسی سلسلہ میں ضمناً ذکر آئے اور وہ ہدایت پر نہ ہو تو آئندہ آیات میں ان کو دعوت دی جاتی ہے لہٰذا یہاں بھی تذکیر بآلاء اللّٰہ اور تذکیر بمابعد الموت کے ذریعے دعوۃ إلی القرآن دی جا رہی ہے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا : تذکیر بمابعد الموت

وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ : بدوی زندگی میں فیل ہونا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِهِ الْقَرْیَةَ : قروی زندگی میں فیل ہونا۔

فِرقِ اربعہ سے قرآن کا مناظرہ

قرآن میں مناظرہ فرقِ اربعہ (یہود، مشرکین، نصاریٰ اور منافقین) کے ساتھ ہے، قرآن مجید ان چاروں قوموں سے مناظرہ کرتا ہے، ان کے عقائدِ باطلہ کو قرآن مجید سامنے لاکر ان کا رَدّ کرے گا، باقی تمام اقوام ہندو، بدھ مت وغیرہ کو مشرکین کی مَد میں لاتے ہیں اور اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کو نبوت و سلطنت کی نعمتوں سے نوازا

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ : ایمان کا عطا ہونا بھی بہت بڑا فضل ہے، دینی لحاظ سے نبوت اور دنیاوی نقطۂ نگاہ سے سلطنت انتہائی اعلیٰ مقام ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عطا فرمادی تھیں کیونکہ بنی اسرائیل دنیا میں تمام لوگوں سے افضل تھی، جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور قرآن مجید کی تکذیب کی تو مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ بن گئے، ایمان کا لانا بھی فضل ایزدی ہے، جسے چاہے اس فضیلت سے نواز دے اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّ اٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (المائدۃ : ۲۰) دنیا میں دو ہی مقام ہیں عزت کے لحاظ سے، ایک مقام دنیاوی نقطۂ نگاہ سے یعنی انتہائی مقام سلطنت ہے اور دوسرا مقام اخروی نقطۂ نگاہ سے اور تقرب الی اللّٰہ کے لحاظ سے نبوت ہے، یہاں تذکیر بآلاء اللّٰہ سے انہیں دین کی طرف مائل کیا جا رہا ہے کہ تم شہزادے بھی ہو اور انبیائے کرام علیہم السلام کے صاحبزادے بھی ہو، اس لیے شریف کی شرافت یہ ہے کہ حق بات کو سمجھتے ہوئے اسے تسلیم کرلے، حق سے انکار وہی شخص کرتا ہے جس کی طبیعت میں ضد اور شرارت ہو۔

مجرم کی سزا سے بچنے کی چاروں صورتوں کی نفی

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ: اب تذکیر بما بعد الموت کے ضمن میں ہدایت کی جارہی ہے کہ جب تم اپنی شرافت کے لحاظ سے نہیں ڈرتے اور نہیں مانتے تو یاد رکھو وہ دن آنے والا ہے جب مجرم کو سزا مل کر رہے گی اور وہ اتنا ہولناک اور ہوشربا (ہوش لے جانے والا) دن ہوگا جس میں شفاعت وغیرہ کام نہ آئے گی، پس اس آیت میں بتادیا کہ قیامت کے حادثہ کو پیش نظر رکھیں اور انصاف و دیانت سے جواب دیں اگر ایک شخص کسی جرم کا مرتکب ہوا اور اُسے عدالت میں پیش کردیا گیا ہو تو مجرم سزا سے بچنے کیلئے یہی چار صورتیں ہیں، ان کی نفی کردی گئی ہے کہ قیامت کے دن بچنے کی یہ چاروں صورتیں ناکام ہوجائیں گی۔

نمبر۱: یہ کہ کسی نفس کے بدلے دوسرے نفس کو پکڑا جائے، دیہاتی ایسا کرتے ہیں کہ بناوٹی مجرم کو پیش کردیتے ہیں کہ جرم اس شخص نے کیا ہے، جج بھی اندھے ہوتے ہیں، پولیس کے پہلے بیان کو سن لیتے ہیں، قتل ایک نے کیا اور پکڑا دوسرے کو جبکہ قرآن کہتا ہے کہ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ (الانعام:۱٦٤)

نمبر۲: سفارش یعنی کوئی بڑا آدمی سفارش کردے تو مجرم چھوٹ جاتا ہے۔

نمبر۳: یہ کہ جرمانہ اور معاوضہ دے کر مجرم کو رہائی مل جائے۔

نمبر۴: مجرم کے قبیلہ والے یا کوئی اور اس کی مدد کرے تو اسے جبراً بچا سکے، آیت میں ان چاروں کی نفی ہے کہ وہاں یہ ساری باتیں نہیں چلیں گی لہٰذا ایمان لاؤ تو یہاں نفی شفاعت بالجبر مراد ہے۔

شفاعت کی اقسام

اس آیت میں شفاعت کا تذکرہ آیا ہے اگر اس کے حسب ذیل مراتب پیش نظر ہوں تو اس کی حقیقت خود بخود واضح ہوجائے گی۔

وجاہت: مجرم بادشاہ کے حضور میں پیش ہوتا ہے، قانوناً اسے سزا ملنی چاہیے مگر ایک بہت بڑا رکنِ سلطنت اس کی سفارش کرتا ہے، بادشاہ کو اندیشہ ہے کہ اگر میں نے اِس کی بات نہ مانی تو سلطنت میں بہت سی خرابیوں کا موجب ہوگا، اس لئے رعب میں آکر مجرم کو چھوڑ دیتا ہے، اس

کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں، اگر کوئی شخص اللہ کی جناب میں اس قسم کا عقیدہ رکھے تو اس کے کفر وشرک میں کس کو کلام ہوسکتا ہے تعالیٰ اللہ عما یقولون۔

گرو بہ محشر خطاب قہر کند
انبیاء راچہ جائے مغفرت است؟

قیامت میں سب کی یہ کیفیت ہوگی، وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ:۱۰۸) ''رحمٰن کے ڈر سے آوازیں دب جائیں گی پھر تو پاؤں کی آہٹ کے سوا کچھ نہیں سنے گا'' اور لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:۱٦) ''کس کا راج ہے؟ اس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے، دباؤ والا'' جیسے اعلان بھی اُسی دن ہوگا پھر کسی کی وجاہت وہاں کام آسکتی ہے؟

محبت: بادشاہ کا محبوب وعزیز، سفارش کرتا ہے اور وہ اس کے عشق ومحبت کی بنا پر مجرم کو رہائی بخشتا ہے کیوں کہ تعمیل ارشاد نہ کرنے کی صورت میں اسے اس کے رنجیدہ خاطر ہونے کا اندیشہ ہے، ایسا خیال بھی جناب باری کی شان میں کفر باللہ سے کم نہیں، وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء:۲۸) اور وہ اس کے جلال سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

اجازت: شامت اعمال سے ایک شخص نے جرم کیا مگر اس پر نادم ہے، بادشاہ ہی سے طالب مغفرت ہے، کسی امیر کی پناہ میں نہیں آتا، ہر وقت اسی کی رحمت پر نظر ہے، بادشاہ اس کو معاف کرنا چاہتا ہے مگر آئین سلطنت کے خلاف ہے، ایک امیر اس کی مرضی پاکر سفارش کر کے اس کا قصور معاف کرا دیتا ہے، اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں، کتاب وسنت کی تصریحات اس کی تائید میں ہیں اور کسی کو انکار کی گنجائش نہیں مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اسی طرف اشارہ ہے: اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا کا یہی مطلب ہے اور اسی مضمون کی کثرت سے احادیث ملیں گی، اس آیت میں جس شفاعت کا انکار کیا گیا ہے وہ اس کے لئے ہے جس کی تمام عمر حق وصداقت کے استیصال میں گزری ہو اور جس کی آواز ایک مرتبہ بھی سچائی کی حمایت میں بلند نہ ہوئی ہو۔

تمہیں نسل کشی کرنے والے عظیم دشمن سے بچایا

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ : ان آیات میں فرعون کے مختلف مظالم بیان کئے گئے ہیں، فرمایا کہ قوم کی تباہی کا سب سے بڑا علمبردار فرعون تھا۔ اس نے یہود کی نسل کشی کے لیے ان کی نرینہ اولاد کو ختم کرنا چاہا۔ مقصد اس کا اس قوم کو ختم کرنا تھا مگر تمہیں قومی نشو ونما کے عظیم دشمن سے بچایا۔

خواب کے بعد فرعون کا اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم

واقعہ یہ تھا کہ فرعون نے ایک پریشان کن خواب دیکھا تھا، نجومیوں سے اس نے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر تیری سلطنت کا خاتمہ کرے گا۔ چنانچہ فرعون نے یہ حکم جاری کیا کہ آج کے بعد بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو، اس کو قتل کر دیا جائے اور لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اپنی حفاظت سے اُسے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو مضبوط کر دیا، انہوں نے بڑی شجاعت سے کام لیا ورنہ ہر روز یہ اعلان ہوتا تھا کہ اگر کسی کے گھر بیٹا پیدا ہوا اور ہمیں اطلاع نہ دے تو ہم سب کو ختم کر دیں گے۔

ذٰلِكُمْ کے اشارہ میں مفسرین کے تین اقوال

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ : ذٰلِكُمْ کے اشارہ میں مفسرین کے تین اقوال ہیں یا تو یہ اشارہ ذبح کو ہے، یا یہ اشارہ نجات کو ہے، یا یہ دونوں کی طرف اشارہ ہے اگر ذبح کی طرف اشارہ ہو تو بَلَآءٌ کے معنی مصیبت کے ہوں گے کیونکہ لڑکوں کو ذبح کرنا بنی اسرائیل کے لئے بہت بڑی مصیبت تھی کہ جب ایک قوم کے لڑکوں کو مار دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے تو چند سالوں میں لڑکیاں نوجوان ہو جائیں گی اور اسی قوم میں تو نوجوان نہیں ہوں گے تو قبطیوں کے نوجوانوں سے ان کی شادیاں ہوں گی یا قبطی لوگ ان کو اپنی لونڈیاں بنا دیں گے تو ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ قبطی کہلائے گی کیونکہ نسب کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف تو گویا فرعون بنی اسرائیل کے نسب کو جڑ سے ختم کرنے والا تھا۔

ابتلاء بطور نعمت

اگر ذٰلِكُمْ کا اشارہ نجات کی طرف ہے تو پھر بَلَآءٌ کے معنی نعمت کے ہوں گے، اگر دونوں کی طرف اشارہ ہے تو بَلَآءٌ کے معنی امتحان کے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کبھی مصائب کے ذریعہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور کبھی نعمتوں کے ذریعے۔

فرعون اور قبطیوں پر اللہ کی طرف سے گوناگوں عذاب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا کہ تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دو کہ وہ اپنے پدری وطن شام کو چلے جائیں، فرعون نے انکار کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا اگر بنی اسرائیل کو میرے ساتھ نہیں چھوڑتے تو تمہارے اوپر اللہ عذاب نازل فرمائے گا چنانچہ شدید بارشوں اور سیلابوں کا طوفان آیا، فرعون اور اس کے وزراء گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور منت سماجت کی کہ خدارا دعا فرمائیں کہ یہ عذاب دور ہو جائے پھر ہم بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے طوفان دور کر دیا مگر فرعون نے وعدہ خلافی کی پھر ان پر دوسرا عذاب جوؤں کا نازل ہوا، ہر جگہ جوئیں ان پر مسلط ہوئیں پھر آئے اور منت سماجت کی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ اس طرح مختلف عذاب آتے رہے فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (الاعراف: ۱۳۳) ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور خون کی نشانیاں بھیج دیں، پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے، ٹڈیاں اتنی زیادہ کہ ان کی فصلوں اور درختوں کو ختم کر دیا اور ہر جگہ انکے کھانے پینے کے برتنوں میں ٹڈیاں، اسی طرح مینڈک اور اسی طرح انکے مٹکوں میں بجائے پانی کے خون ہوتا تھا، ایک قبطی شدت پیاس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے گھر آ کر ان سے پانی مانگتا تھا، بنی اسرائیل کے برتنوں میں پانی ہوتا مگر جب قبطی اپنے برتن میں ڈالتا تو وہ خون بن جاتا تھا۔ ان تمام نشانیوں کے باوجود یہ لوگ اپنی فرعونیت سے باز نہیں آتے تھے، وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الاعراف: ۱۳٤) جب بھی قبطیوں پر عذاب نازل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے، اگر آپ کی دعاؤں سے یہ عذاب ختم ہوا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دے دیں گے۔

کشفِ عذاب کے بعد بنی اسرائیل کو آزادی دینے کا وعدہ بار بار توڑنا

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (الاعراف: ۱۳۵) جب

ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک دور کرتے تو پھر وہ اپنے وعدوں کو توڑ دیتے تھے، آخر میں ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈرایا اور فرمایا کہ اب بھی اگر بنی اسرائیل کو نہیں چھوڑتے تو پھر ہر ایک قبطی کا بڑا بیٹا طاعون سے ہلاک ہوگا، تب قبطی فرعون کو مجبور کرنے لگے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردیں ورنہ ہر گھر میں ماتم بنے گا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر گھر میں بڑا بیٹا طاعون سے ہلاک ہوا، قبطیوں میں طاعون سے لاکھوں نوجوان مرگئے۔ وہ اس قیامت خیز وباء میں مشغول ہو گئے اور راتوں رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا۔

موسیٰؑ کی بنی اسرائیل کو لے کر روانگی اور فرعون کا لشکرِ جرار کے ساتھ تعاقب

فرعون اور اس کے وزراء جب ہوش میں آئے اور دیکھا کہ بنی اسرائیل غائب ہیں تو عظیم جرار لشکر کو روانہ کیا، یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل بحیرہ قلزم پہنچ گئے تھے۔ دیکھا تو فرعونی لشکر ایک بہت بڑی تعداد میں تیز رفتار گھوڑوں پر ان کے تعاقب میں آرہا ہے۔

بحیرۂ قلزم میں بارہ راستے

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعرآء: ٦١) پھر جب بنی اسرائیل اور فرعونی لشکر ایک دوسرے کو نظر آئے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ ہم تو پکڑے گئے، اتنا بڑا لشکر تیزی سے آرہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی کہ گھبرانے کی بات نہیں، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ مجھے نجات کا راستہ بتلادے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا میں مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو لاٹھی سے مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے، بنی اسرائیل میں بارہ قبیلے تھے، ہر ایک قبیلے کے لئے الگ راستہ بن گیا۔

فرعون کا انجام

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (الشعرآء: ٦٣) پھر پانی کا ہر ٹکڑا بڑے ٹیلے کی طرح ہوگیا، پانی جم گیا، جس طرح برف جم جاتی ہے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان بارہ راستوں کے ذریعے بحیرۂ قلزم سے پار ہوگئی، بنی اسرائیل کے آخری آدمی کا نکلنا تھا کہ ادھر فرعون اور اس کا لشکر بحر قلزم کے کنارے پہنچا اور ان خشک راستوں پر چلنے لگا وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ (الشعرآء: ٦٤) ہم نے وہاں دوسروں کو پہنچادیا یعنی فرعونی لشکر وہاں پہنچ گیا بعض

مفسرین نے لکھا کہ فرعون کا گھوڑا اڑ رہا تھا اور خشک راستہ پر قدم رکھنے کیلئے آمادہ نہیں ہو رہا تھا، حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار آئے اور انہوں نے اپنا گھوڑا خشک راستہ پر ڈال دیا، اس کے پیچھے فرعون کا گھوڑا بھی روانہ ہوا اور سب گھوڑے ان راستوں پر رواں دواں ہو گئے، جب تمام لشکر سمندر کی لپیٹ میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا، سمندر دوبارہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہنے لگا اور سارا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔

ہلاکت کے مقام سے بچانا اور بدترین دشمن کی غرقابی کا منظر دکھانا

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ :اے بنی اسرائیل! یاد کرو اس عظیم نعمت کو کہ جب ہم نے تمہیں فرعون کی غلامی کی لعنت سے چھڑایا اور اسی طرح تمہیں ہلاکت کے مقام سے بچایا اور بدترین دشمن کی غرقابی کا منظر دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے نجات دلائی۔

نعمتِ آزادی کے بعد قانون الٰہی دینے کی نعمت

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ : یہ بھی تذکیر بآلاء اللّٰہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چالیس دن کا وعدہ کیا اور تمہیں فرعون کی غلامی کے بعد آزادی کی نعمت سے نوازا اور تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے قانون لینے کے لئے گئے۔

بنی اسرائیل کی بچھڑے کی عبادت

حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی عبادت شروع کی، بڑے ظالم ہو۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے عاریتاً زیورات لے لئے تھے، جب بحیرۂ قلزم سے بنی اسرائیل پار ہوئے اور انہوں نے قبطیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ سمندر میں ڈوب گئے تو اُن عورتوں نے پریشانی کی وجہ سے اپنے زیورات پھینک دیئے تو سامری نے موقع کو غنیمت سمجھا اور زیورات کو جمع کر کے اس سے بچھڑا بنا لیا اور بنی اسرائیل کو کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور اس نے بچھڑے کو ایسا بنا دیا کہ حضرت جبریلؑ کے گھوڑے کے قدموں کی ریت اس کے منہ میں ڈالی، جس سے اس کی آواز نکلنی شروع ہو گئی، لوگوں کو ورغلایا کہ یہ تمہارا معبود ہے۔

دین موسوی میں احکام کی توبہ بہ شکل قتل نفس

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کی طرف تورات حاصل کرنے کے لیے گئے تو یہاں بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کی اور مرتد ہوگئے۔ قاعدہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور یہ لاکھوں کے لاکھوں قتل کے مستحق تھے مگر اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا، تھوڑے افراد کے قتلِ نفس پر ان کی توبہ قبول کی اور جو ان میں سے مرگئے وہ شہید ہوگئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے بخوشی بیٹھ گئے اور جو بچ گئے وہ غازی ہوئے۔ ان کا مان لینا ایمان ہے کہ انہوں نے توبہ کردی، ان کے ہاں احکام موسوی میں سختی تھی، اس لیے توبہ کی شکل یہ ہوئی۔

فرقان ہی ایمان کا ذریعہ

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فرقان اور کتاب نازل کی، کتاب سے مراد تورات ہے۔ فرقان کسی جگہ کتاب کے مقابل ہوتا ہے مغایرت کی وجہ سے کسی جگہ فرقان سے مراد کتاب ہوتی ہے، جیسا کہ سورہ فرقان میں فرقان سے مراد قوة فارقة بين الحق و الباطل ہے یعنی تشنگی طلب حق اور وہ انبیائے کرام کی بعثت سے پہلے نازل ہوتی ہے اور اس وقت اس امت کو قوتِ فرقان عطا فرمایا جس کی برکت جذب و استعداد سے امت کتاب اللہ پر ایمان لاتی ہے، مؤمن اسکی برکت سے سمجھتا ہے کہ هذا حق من جانب الله تعالى و هذا باطل و منهي عنه اور اگر فرقان طبائع میں نہ ہو تو کتاب بیکار نظر آئے۔

دلوں کی پیاس اور تڑپ فرقان

چنانچہ ارشاد واجب الاعتقاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شاہد ہے: إن الأمانة نزلت في جذر قلوب الرجال،ثم علموا من القرآن فعلموا من الكتاب ثم علموا من السنة (البخاری: ح ١٤٣) ”بے شک لوگوں کے سودائے (وہ سیاہ نقطہ جو انسان کے قلب پر ہوتا ہے) قلب میں امانت کا نزول ہوا، اس لئے انہوں نے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی“ جیسے کہ ایک شخص کے پاس ٹھنڈے پانی کا گھڑا رکھا ہے لیکن اس کو پیاس نہیں تو اس کے لئے ٹھنڈا گھڑا بیکار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو جب ہدایت پھیلانے کی توفیق دیتا ہے، ایک بزرگ کے لئے طبائع میں احساس پیدا کرا دیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ آئے

ہیں، چلو بیعت کرلیں۔ قدرتی طور پر لوگوں کے اندر یہ افواہ پھیل جاتی ہے کہ فلاں بزرگ آئے ہیں۔ یہ شرافت طبعی اور فرقان ہے، جوان کے دلوں میں پیدا کردیا جاتا ہے۔

حضرت دین پوریؒ سے سکھوں کی بیعت

ایک مرتبہ میرے مرشد دین پور تشریف لائے۔ بعض سکھوں نے بھی بیعت کی، بعض کافروں میں بھی شرافت طبعی مادرزاد ہوتی ہے، جو آگے چل کر ایمان کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ایک ہندو کی فرقانی طبیعت کا ظہور

پہلا واقعہ: ایک ہندو نے مجھے کہا کہ قرآن کے ورق الٹانے کے لیے جو لعاب اُنگلی پر لگاتے ہو، یہ نہ لگایا کرو، ان کے ادب و احترام کرنے کی یہ حالت ہے۔

دوسرا واقعہ: ایک دفعہ میں ڈیرہ غازی خان گیا تھا، بعض احباب نے فرمایا کہ یہاں ایک ہندو ہے جو روزانہ عدالت میں پھرتا رہتا ہے اور بآواز بلند کہتا رہتا ہے کہ جس کا ضامن نہ ہو، میں اس کی ضمانت کروں گا، وہ ہندو تقریر بھی کرتا ہے اور اس میں قرآن مجید کی آیتیں بھی پڑھتا ہے۔ مسلمانوں کو کہتا ہے کہ جھوٹی شہادت نہ دیا کریں، اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اہل اللہ کی طرف قلوب کا پھیرنا

اہل اللہ کے بارے میں قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں محبت وعقیدت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطابق کہتا ہوں کہ اوپر سے اعلان ہوتا ہے کہ یہ اللہ والا ہے۔

عالم لاہوت، عالم جبروت اور حظیرۃ القدس کی طرف مرحلہ وار نزول

عالم لاہوت سے عالم جبروت میں چیز آتی ہے، وہاں متکیف بکیفیة ما ہوجاتی ہے، اس سے نیچے حظیرۃ القدس میں آتی ہے جو محل اجتماع أنوار الملاء الأعلی مع روح القدس ہے، وہاں سے احکام الٰہی آتے ہیں اور اُذکی خلق اللہ پر ان کا نزول ہوتا ہے، جو پیغمبر ہوتے ہیں جب سلیم الفطرت افراد پر ان کا انعکاس ہوتا ہے تو وہ اسکے گرد پروانے کی طرح جمع ہو کر آپس میں ملتے ہیں، پھر وہ سب مل کر بمنزلہ ایک چیز کے ہوجاتے ہیں اور اس کا نام حظیرۃ القدس ہے۔

پاک ومقدس پارلیمنٹ

اسی حظیرۃ القدس میں نیک بندوں کی اعانت اور مشکلات کو دور کرنے کا مشورہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ علوم تلقین کئے جاتے ہیں جن سے قوم کی اصلاح اور ہدایت ہوتی ہے یہ الہام کبھی وحی کے ذریعہ سے ہوتے ہیں، کبھی خواب کے ذریعے، کبھی غیبی آواز کے ذریعے اور کبھی حظیرۃ القدس کے لوگ اس شخص سے (نبی سے) دُوبدو کلام کرتے ہیں اور اس وجہ سے اسی نبی کے رفقاء واصحاب کی مدد ہوتی ہے اور ان کی بھلائی اور بہتری کے اسباب وامکان بڑھتے جاتے ہیں اور ان کے مخالفین اور اللہ کا راستہ روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے اور انؔ کی تکلیف، ناکامی، نامرادی کے اسباب وامکانات بڑھتے چلے جاتے ہیں، ان فرشتوں کے مستقل اور دائمی اجماع کو تائید روح القدس کہتے اور پھر اس مقام پر ان سے ایسی ایسی بے شمار برکتیں حاصل ہوتیں ہیں جو عادت کے خلاف اور عام طور پر ظاہر نہیں ہوتیں ان کو معجزات کہتے ہیں۔

ملاء اعلیٰ سے کم درجہ کے چند نفوس

ملاء اعلیٰ سے کم درجہ کے چند ایسے نفوس ہوتے ہیں کہ سعادتِ ازلیہ نے ان کو ملاء اعلیٰ کے درجہ تک پہنچایا ہوتا ہے لیکن ان کے فیضان سے لطیف وخفیف بخارات میں ایک ایسا معتدل سا مزاج ضرور پیدا ہو جاتا ہے جو اِن میں یہ کمال پیدا کردیتا ہے کہ وہ اوپر سے فیوضات کے برسنے کے منتظر رہتے ہیں لہٰذا ان کا یہ کام ہے کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے دلوں میں اثر پیدا کرکے ان کے ارادوں اور خیالات کو اس اَمر کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں جو اِن کی مراد و مقصود کے مناسب ہوتا ہے اور کبھی فرشتے آکر ان کے دلوں میں شجاعت، ثابت قدمی اور غلبہ پانے کی تدبیریں ڈالتے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں اس کے برعکس بزدلی، ہراس اور بدحواسی پیدا کرنے والی باتیں ڈالتے ہیں۔

ان فرشتوں کے برخلاف ایک اور جماعت بھی ہوتی ہے جن کے کام میں ہلکا پھلکا غصہ اور برائی ہوتی ہے وہ (جماعت) سڑے ہوئے تاریک بخارات سے پیدا ہوتی ہے اور ان کو شیاطین کہتے ہیں جو فرشتوں کی کوششوں کے خلاف کوشش کرتے ہیں۔

سامری کے بچھڑے کی حقیقت

کیا واقعی سامری نے فرشتے کے گھوڑے کے ٹاپوں کے نیچے والی مٹی کو اٹھالیا تھا؟ پھر

اُسے بچھڑے کے اندر ڈال کر اس سے گوشت پوست اور خون والا بچھڑا بن گیا تھا؟ یا یہ اس کی جھوٹی باتیں تھیں؟ محققین کہتے ہیں کہ سامری کذاب تھا، بچھڑے کو اس نے مجوف بنا دیا تھا۔ اس کے منہ میں جب ہوا داخل ہو جاتی اور پچھلے سوراخ سے نکلتی تو اس سے ایک آواز نکلتی تھی، جس طرح اب اگر کسی بڑے پائپ میں زوردار ہوا داخل ہو اور دوسری طرف سے نکلے تو شاں شاں کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ہر قوم کی زندگی وترقی بدوی پھر قروی سے گذر کر بلدی زندگی تک پہنچنے سے

وَ اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ: یہاں بنی اسرائیل کی بدوی زندگی کا بیان ہے، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو قوم زندگی کے میدان میں آتی ہے تو پہلے وہ بدوی زندگی سے گزر کر قروی زندگی اختیار کرتی ہے پھر مصری بلدی زندگی میں آتی ہے۔ یہ تین درجے کی زندگی یکے بعد دیگرے ترقی کیلئے ہے، بدوی زندگی میں تکلفات نہیں ہوتے اور قدرتی ذرائع معاش پر گزر اوقات ہوتی ہے یعنی بدوی زندگی میں خیموں، درختوں کے سایہ میں گزر اوقات پھر قروی زندگی میں چھوٹے چھوٹے گھر قروی زندگی میں بدوی سے کچھ ترقی زندگی کے اسباب میں آجاتی ہے، قروی زندگی میں تکلفات زیادہ ہوتے ہیں، شاید آپ کے ہاں بھی ہوگا، ہمارے ہاں پنجاب میں اتنی کلفتیں نہیں ہوتیں، دیہاتی لوگ وہاں سے نمک، صابن، مرچ وغیرہ خریدنے جاتے ہیں، اس کو قصبہ بھی کہتے ہیں (ٹوکری میں گاجر ڈال دیئے اور لکڑی سے کوٹ لیتے ہیں، گڑ ڈالتے ہیں تو حلوہ تیار ہو جاتا ہے) بلدی اور مصری زندگی میں ہر بات الگ ہوتی ہے، ہر چیز بازار میں ہوتی ہے اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو قریہ والوں کے خواب میں نہیں ہوتیں۔

زندگی کے تین درجے: بدوی، قروی اور شہری

ہمارے ایک دوست تھے مولانا فضل حق صاحب، جو غیر مقلد تھے، وہ اسی محلّہ میں رہتے تھے، کہنے لگے ہمارے گاؤں میں جب کسی کا مہمان آتا تو ایک چارپائی اور ایک برتن پیالہ نمبردار کے گھر سے مانگ لیتے، قصبہ کے بعد شہری زندگی میں ترقی ہوتی ہے، ہر چیز کے لئے علیحدہ دکان ہوتی ہیں کیونکہ شہر میں بڑے اور مالدار لوگ رہتے ہیں، دیہاتیوں کے کھانے میں ایک چیز ہوتی

ہے دال یا سبزی، بدوی لوگ گاجر اور مولی کو درانتی سے کاٹ دیتے ہیں، دودھ اور لسی کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں اور شہر کا کھانا اس سے الگ ہے، اس میں کئی قسم کے کھانے ہوتے ہیں، وہاں دہلی میں گاجروں کے حلوے اور چاول میں فرق نہیں کیا جا سکتا، زندگی کے یہ تین درجے ہیں، بدوی، قروی اور شہری۔

لایعنی سوالات پر نمائندوں کا تعزیری قتل پھر احیاء

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: لایعنی سوالات کی بنا پر انہیں پکڑ لیا اور قتل کیا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطرہ ہوا کہ قوم کہے گی کہ چالیس نمائندے لے جا کر قتل کرا دیئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم ہر معاملے میں الٹی ملی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر زندہ کر دیئے گئے کہ امت کہے گی کہ تم انہیں مروانے کیلئے وہاں لے گئے۔

موت اور حیات میں فرق

موت، انفكاك الروح عن البدن اور حیات، اتصال الروح بالبدن ہے تو جو اللہ اتصال پر قادر ہے، وہ انفکاک پر بھی قادر ہے۔ عارضی موت انفكاك الأرواح عن الأبدان کا نام ہے یعنی ارواح کا جسموں سے الگ ہونا۔

طبعی اور تعزیری موت میں فرق

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : بنی اسرائیل کہنے لگے کہ تورات کو نہیں مانتے جب تک ہم کلام الٰہی نہ سنیں، ستر چیدہ علماء جب کوہ طور پر گئے اور کلام الٰہی کو سنا تو کہنے لگے: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً تو سب مر گئے، من يستطيع أن يتصل الروح بالبدن فيستطيع أن ينفك الروح من الجسد (جو روح کو بدن سے ملا سکتا ہے وہ اسے جدا بھی کر سکتا ہے) یہ بھی احسانات میں سے ہے، یہ وہ موت نہیں جو اس آیت میں ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (النحل: ٦١) کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اس موت کے بعد بغیر یوم قیامت کے زندہ نہیں کرتا۔

طبعی اور غیر طبعی موت

طبیعت میں جب شرافت ہو تو محسن کا احسان جب یاد دلایا جاتا ہے تو شرم آتی ہے، اس کے باوجود یہ یہود ایمان نہیں لائے، اسی طرح مرزائی اس موت سے بداخلاقی کا معنی لیتے ہیں، کیونکہ حیاۃ بعد المماۃ اور پھر موت یہ عقلاً محال ہے اور ہم کہتے ہیں کہ موت دو قسم پر ہے، ایک طبعی یعنی جس کا اجل عند اللہ متعین ہے اس کے بعد زندگی معتد بہ نہیں ہوتی اور دوسری غیر طبعی یعنی تعزیری موت ہے تو اس کے بعد زندگی معتد بہ جائز ہے، جیسا کہ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے زندہ ہو گئے اور مدت مدید زندہ اور جیتے رہے اور پھر اپنی طبعی موت مرے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مرزا صاحب موت کا معنی نوم کے کرتے ہیں، یہ غلط ہے کیونکہ مجاز اُس وقت لیا جاتا ہے جس وقت معنی حقیقی متعذر ہو، بہر حال! چیدہ چیدہ لوگ فوت ہو گئے، اب یہودی یہ کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارا دشمن ہے، اس لئے زندہ کئے گئے۔

زندگی کے تینوں مرتبوں میں بنی اسرائیل کی ناکامی

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: اس آیت میں بدوی زندگی کی ناکامی کا ذکر ہے، یہاں سے ان کی زندگی کے تین مرتبے بیان کیے جاتے ہیں یعنی جو قوم زینۂ ترقی پر چڑھے تو اس کو تین درجے طے کرنے پڑتے ہیں، اول بدوی زندگی، دوسری قروی زندگی، تیسری مصری زندگی، یہود تینوں میں فیل اور نالائق نکلے اور ہر زندگی کے طرقِ معاش علیحدہ ہوتے ہیں۔ بدوی زندگی میں فروتنی اور سادگی سے زندگی کا گزارہ ہوتا ہے اور ایسی اشیاء پر گزارا ہوتا ہے کہ جس میں تحلیل وترکیب انسانی کو دخل نہیں ہوتا بلکہ قدرتی اشیاء پر گزارا کرنا پڑتا ہے، مثلاً ساگ، سبزی، ترکاریاں اور دودھ چھاچھ اور یہ زندگی اس وجہ سے طے کرائی جاتی ہے تاکہ ان میں اعتماد اور توکل علی اللہ کا مادہ پیدا ہو جائے جیسے بیچارے زراعت کار (کسان) جو گھر سے غلہ اٹھا کر پھینک آتا ہے اس اعتماد پر کہ اس سے زراعت ہو گی اور غلہ پیدا ہو گا لیکن بنی اسرائیل اس مرتبہ میں فیل ہو گئے۔

شہری زندگی ایمان کے لئے پر خطر ہوتی ہے

شہری زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے یعنی شہر میں وہ چیزیں مہیا ہوتی ہیں جو دیہاتی لوگوں کے خواب وخیال میں بھی نہیں آتیں، شہر میں انتہائی عیش وعشرت کے سامان مہیا ہوتے ہیں

اگر ہادی ساتھ نہ ہو تو لائن ٹھیک نہیں ہوتی اور شیطان کے پنجے میں آ کر جلدی سے ہلاک ہو جاتا ہے، ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (الانعام: ۱۳۱) ڈاکس وغیرہ شہروں میں ہوتے ہیں، یہود ان میں سے کسی بھی زندگی میں کامیاب نہ ہو سکے جب اتنے بد بخت ہیں کہ تینوں زندگیوں میں خدا کو راضی نہ کر سکے تو یہ ملھم من اللہ ہونے کے قابل نہیں کیونکہ جس قوم میں تنزلی آتی ہے تو پھر اُسے دشواریاں پیش آتی ہیں۔

اسلامی سلطنت کے زوال کے اسباب

چنانچہ اسلامی سلطنت کے جانے کے بھی یہی اسباب پیدا ہوئے، محنت کشی بادشاہوں میں نہ رہی، عیاشی اعلیٰ درجے کی پیدا ہوگئی اور اس عیاشی نے اسلامی سلطنت کا بیڑہ غرق کر دیا، اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کبھی وہی لوگ سلطنت کے مالک تھے اور اسلام کا سکہ رائج تھا، وہی لوگ در بدر ہوئے اور اُسی عیاشی کے مزے چکھے، کچھ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب کوئی قوم عیاشی کے سامان میں مبتلا ہوئی بس ان کے دن آخر ہوئے، خدا تعالیٰ کو اپنے قانون کی پابندی کرانی ہوتی ہے، جب ایک قوم اس قانون شکنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑتی تو خدا تعالیٰ ان کو اٹھا کر ان کی جگہ دوسری قوم کو بھیج دیتے ہیں، اگر کافر ہے یعنی آنے والی حکومت کافر ہے تو پہلوں کی بداعمالی کی سزا ہے یا ظالم حکومت کو مسلط کر دیتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنے قانون کی مخالفت کو برداشت نہیں کرتے چنانچہ اسلامی سلطنت کا ایسا ہی انجام ہوا، شراب نوشی اور قسم قسم کی عیاشی کے سامان جب پیدا ہو گئے تو پھر اس قوم کے جانے کا وقت اب پورا ہو چکا، یہی حالت یہود کی تھی، دنیا کے آرام کے اسباب خدا تعالیٰ نے ان کیلئے پیدا کر رکھے تھے مگر جس قوم کی ذلت کا وقت آ جائے تو پھر اس سے عجیب عجیب افعال صادر ہوتے ہیں، یہود کو دنیا میں جس قدر آرام تھا کسی اور قوم کو اس قسم کا آرام نصیب نہیں ہوا مگر کمبخت اس پر باقی نہ رہ سکے، کبھی کچھ شرارت کرتے رہے اور کبھی کچھ طلب کر رہے ہیں، کبھی حکم کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ لیکن اس کے خلاف کرتے ہیں، کبھی ایک کھانے پر صبر نہیں، کبھی شہر میں داخل ہونے کا حکم ہے، سجدہ کی صورت میں لیکن یہ چوتڑوں کے بل داخل ہوتے ہیں، کیا کیا شرارتیں نکال رکھیں تھیں۔ آخر اللہ کی ذات کب تک اس کو برداشت کرتی؟ بس اس کے بعد جب حکم ہوتا ہے تو سختی سے ہوتا ہے۔

بدوی زندگی میں قدرتی ذرائع کی ناشکری

اب یہاں سے بدوی زندگی کی ناکامی کا ذکر ہے یعنی جزیرہ نمائے سینا ایک ایسا بیابان ہے، جہاں نہ گوشت مل سکتا ہے اور نہ رہنے سہنے کا کوئی بندوبست ہوسکتا ہے یعنی ریگستان میں بحرقلزم سے پار ہونے کے بعد ٹھہرے، پڑاؤ ڈالا، اللہ تعالیٰ نے سایہ کے لئے غمام (بادل) اور کھانے پینے کے لئے من (ترنجبین) وسلویٰ (بٹیر) اور پانی فراہم کیا، یہ بدوی زندگی کے ذرائع تھے، انہوں نے ممانعت کے باوجود گوشت میں ذخیرہ اندوزی شروع کی، اِن کے اس گناہ کے بدلے اللہ تعالیٰ نے گوشت میں سڑاند پیدا کردی، اس زندگی میں بھی فیل ہوئے۔

من وسلویٰ کا نزول

وہاں جنگل میں ضروریاتِ معاش مفقود تھے، نہ کھانے کی چیزیں نہ پینے کا سامان، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے من وسلویٰ کا انتظام فرمایا، سایہ کے لئے بادلوں کا سائبان بنایا، صحرائے سینا کے ریگستانی علاقہ میں جھاڑیاں تھیں، صبح سویرے ان پر گوند کی طرح سفید چیزیں لگ جاتی تھیں، یہ ترنجبین (آئس کریم) کی عمدہ غذا تھی، سلویٰ یعنی بٹیر کا گوشت کھاتے تھے اور اس کے بعد میٹھا حلوہ یا آئس کریم استعمال کرتے اور بادلوں کے سائے میں آرام وراحت کی زندگی بسر کرتے رہے، یہ تھی بدوی زندگی، اس لئے قدرتی اشیاء سے گذر اوقات کرتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی کا وبال

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے، یہ ہے اِن کی ناکامیابی کہ وہ حاجت سے زیادہ گوشت لیتے اور ذخیرہ کرتے حالانکہ ذخیرہ سے منع فرمایا، یعنی جب تم کو ہر وقت تازہ کھانا ملتا ہے تو پھر ذخیرہ اندوزی کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے ذخیرہ کرنا شروع کردیا، جس کی پاداش میں گوشت متعفن ہوتا رہا، بنی اسرائیل کی اس حرکت سے پہلے کبھی گوشت متعفن نہ ہوا تھا۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

معجزہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور خارق عادت ہوتا ہے، معجزہ ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، جو مریض مہینوں میں شفا پانے والا ہوتا ہے بوجہ علاج کے، وہ صرف نبی کے ہاتھ لگانے سے اچھا ہوجاتا ہے صرف چند منٹوں میں تو نبی کے ہاتھ سے صادر شدہ

معجزہ ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیرنے سے اندھوں کو اور باقی مریضوں کو اچھا کردیتے تھے اور ولی کے ہاتھ سے صادر شدہ خارق عادت کام کو کرامت کہتے ہیں، معجزہ قانونِ معتاد سے بالاتر ہوتا ہے مثلاً وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ یہ نبی کے ہاتھ سے صادر شدہ ہے۔ خدا کی قدرت اور طاقت کا نتیجہ ہے، ورنہ انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ مٹھی ریت سے تمام کفار کو اندھا کردے مگر یہ نبی کے ہاتھ سے صادر تھا، مثلاً آج کل ایسی مشینیں (انکیوبیٹر) نکل آئی ہیں، مرغی کے انڈوں سے چند گھنٹوں میں بچے نکال لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک دن میں مرغی انڈوں میں کتنی گرمی پیدا کرتی ہے اور یہ تحقیق ہے کہ مرغی اکیس روز میں بچے نکالتی ہے تو انہوں نے اکیس روز کی گرمی کا اندازہ لگا کر اس کے برابر گرمی سے چند گھنٹوں میں انڈوں سے بچے نکال دیئے۔

قروی (شہری) زندگی میں فیل ہونے کا ذکر

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: اب تک یہ لوگ جنگلوں کی زندگی بسر کرتے تھے، جہاں ایک طرف تو ضروریات حیات نہایت ہی قلیل اور مختصر تھیں، دوسری طرف فواحش و منہیات اور حرام کاری کے سامان بھی نایاب تھے، ایک مدت تک جنگل میں رہنے کے بعد ان کے دل میں خود بخود شہری زندگی کی آرزو پیدا ہوئی، انہیں اجازت تو دی گئی مگر ساتھ ہی ان سے کہہ دیا گیا کہ وہاں شہوت پرستی اور بدکاری کے دواعی بہت کثرت سے ملیں گے، اس لئے بچتے رہنا، قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا اور گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ وہی ہر قسم کی آلائشوں اور ناپاکیوں سے پناہ میں رکھنے والا ہے لہٰذا جب شہر میں داخل ہوں تو کمال اطاعت و فرمانبرداری کا خیال دل میں ہو یعنی سر جھکائے ہوئے تواضع اور انکساری کے ساتھ جیسے رکوع کی حالت میں۔

ارتقائے طبعی زندگی میں یہود کا ناکام ہونا

وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ: زبان پر حِطَّةٌ کا کلمہ پڑھتے رہو ای حط عنا ذنوبنا اے مولا! ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ حِطَّةٌ میں حکمت یہ ہے کہ پہلے غذا لطیف کھایا کرتے تھے بعد میں غذا کثیف آ گئی، ہضم نہ ہونے کی وجہ سے وبا پڑ گئی، ہزاروں لوگ مر گئے، اس لئے اللہ نے اُن کو وہ لفظ وظیفہ فرمایا تا کہ تمام توجہ طعام کی طرف نہ ہو جائے بلکہ

توجہ ذکر کی جانب ہو لہٰذا یہود کے ارتقائے طبعی کے منزل دوم یعنی قصبہ کی زندگی میں ناکام ہونے کا بیان ہے، یہاں ان کے قروی زندگی میں فیل ہونے کا ذکر ہے، من وسلویٰ کھاتے کھاتے تنگ آ گئے لہسن، پیاز اور دیگر اشیا کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔

یہود کا سجدہ اور استغفار سے مذاق

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ : داخلے کی شرط یہ ہے کہ سرکو زمین کی طرف جھکاتے ہوئے انکساری کی حالت میں داخل ہو جاؤ، انہوں نے مذاق اڑایا اور حِطَّةٌ کو حنطة کر دیا یعني حط عنا ذنوبنا (تاکہ کھانے پینے کے وقت خدا کی یاد سے غافل نہ ہوں) تو سجدہ کرنے کے بجائے یزحفون علي أستاههم چوتڑوں کے بل کھسکتے ہوئے داخل ہوگئے اور دعائے مغفرتِ ذنوب کو گندم سے بدل دیا، پس قروی زندگی میں بھی فیل ہوئے۔ جب انکے آباؤ اجداد اکابر کی یہ حالت تھی اور اِنکے اسلاف اتنے نالائق تھے کہ جس نبی پر ان کا ایمان تھا تو اس کے ساتھ ان کا یہ سلوک تھا کہ ہر حکم میں مخالفت کرتے رہے تو تم بھی ان نالائقوں اور خدا کے نافرمانوں کی اولاد ہو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کی حالت تھی، اس سے مسلمانوں کی تسلی کرائی گئی۔

آسمانی عذاب طاعون کا نزول

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ : اللہ نے ان تمسخر اور مذاق اڑانے والوں پر آسمانی عذاب طاعون نازل فرمایا اور معمولی وقفہ میں ستر ہزار یہودی پیوند خاک ہوگئے، ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجودہ یہودیوں کو دعوة إلى الكتاب ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد بدوی، قروی زندگی میں فیل ہو چکے ہیں، تم اپنے اسلاف سے عبرت حاصل کرو اور قرآنی تعلیمات اور نبوی ارشادات کی مخالفت سے باز آجاؤ، انکی نافرمانی کے وجہ سے عذاب نازل کیا گیا تھا......

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

رکوع 07

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

پھر جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو پتھر پر مار

الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ

سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر قوم نے اپنا گھاٹ

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

پہچان لیا اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو

وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ

اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ اور جب تم نے کہا

یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ

یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ

کہ وہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور

فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ

گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے کہا کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ

جو ادنی ہے بدلہ اس کے جو بہتر ہے کسی شہر میں اترو بے شک جو تم

مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ق

مانگتے ہو تمہیں ملے گا اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی

وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا یہ اس لیے کہ

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ع (٦١) ع ٢

یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

رکوع (۷)

خلاصہ: بنی اسرائیل کا مصری (شہری) زندگی میں فیل ہونا۔

ماخذ: وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (البقرۃ:٦١)

قوموں کی ارتقاء تین ادوار سے

ان آیات میں ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہود شہری زندگی میں بھی فیل ہو گئے ہیں، یہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی باتیں ہیں کہ قوموں کی ارتقاء ان تینوں ادوار سے ہوتی ہے، جب ان تینوں میں ناکام ہوئے تو ختم اور ذلیل ہوئے، ہمارے بدوی (دیہاتی) تو حجاز والے عرب تھے کہ هلك كسرىٰ و هلك قيصر کہتے چلے گئے اور سمجھ میں آیا کہ اقوام کی ارتقاء کیسے ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر لاٹھی مارنے سے نہر کا جاری ہونا

وَ اِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ جزیرہ نمائے سینا (جو ریگستان ہے) اس میں کھانے پینے اور ضروریات زندگی کے لیے کچھ نہ تھا، پانی کی درخواست کی گئی تو کہا گیا، اپنے عصا کو پتھر پر مارا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ پتھر پر لاٹھی مارنے سے نہریں جاری ہو گئیں، اب قانون الٰہی کے دو حصے ہیں، ایک معتاد، دوسرا غیر معتاد، معجزہ قانون معتاد کے خلاف ہوتا ہے، غیر معتاد کے خلاف نہیں ہوتا۔

معجزہ کی مثال نبی کا قوت ملکوت سے تعلق کا کرشمہ

معجزہ کی مثال بجلی کی طرح ہے کہ وہ ایک نہایت باریک تار مثل بال کے ہوتی ہے بلکہ بال سے زیادہ باریک اس کا تعلق کارخانہ سے اور ادھر اس کا کنکشن یعنی اتصال چکی (ٹربائن) سے کر دیتے ہیں تو وہ چکی چلتی رہتی ہے اور وہ تار نظر بھی نہیں آتی اور یہ خاصہ تانبے کی تار کا ہوتا ہے اور اگر لوہے کا موٹا ڈنڈا بھی لگا دیا جائے تو وہ کام نہیں کر سکتا جو وہ ایک باریک تار کر سکتی ہے، اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام کا تعلق قوت ملکوت سے ہوتا ہے تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی روحانیت کا تعلق جس وقت کسی چیز سے ہوتا ہے یعنی محلِ معجزہ تو جب تک یہ تعلق رہتا ہے تو خزانہ ملکوت سے وہ چیز آتی رہتی ہے اور جس وقت کنکشن کٹ جاتا ہے تو وہ بند ہو جاتا ہے تو اس جگہ خزانہ ماء سے اس پتھر میں پانی آتا رہتا تھا اور جس وقت وہ تعلق منقطع ہو جاتا تھا تو خشک پتھر رہ جاتا تھا اور خرقِ عادت اگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ہو تو معجزہ کہتے ہیں اور اگر ولی سے ہو تو کرامت کہتے ہیں اور اگر کافر سے ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں اور اسی طرح قیاس کر و قصہ ادائے قرضہ حضرت عبداللہ کا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی پینے کا ایک عورت سے جس کو پکڑ کر لائے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزوں پر ہاتھ پھیرنے کی برکت

جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند سواروں کے ساتھ (پانی کی تلاش کیلئے) آگے بھیج دیا، ہمیں بڑی شدید پیاس لگی ہوئی تھی، ہم اسی حالت میں چل رہے تھے، اتنے میں ہم نے ایک عورت کو دیکھا کہ دو مشکوں کے درمیان (سواری پر) اپنے پاؤں لٹکائے جا رہی ہے، ہم نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملتا ہے؟ اس نے کہا کہ پانی یہاں نہیں ہے۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے گھر سے پانی کتنے فاصلے پر ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے، ہم نے اس سے کہا کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو، اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنی ہیں؟ عمرانؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اِس کی نہ چلنے دی یہاں تک کہ اس کو آگے آگے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، پھر اِس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہی گفتگو کی جو ہم سے کی تھی مگر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا اور کہا کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے (مستحق رحم ہیں) پھر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دونوں مشکوں کو اُتارا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے منہ پر دست مبارک پھیرا، پھر ہم نے پیاس کی حالت میں خوب پیا، چالیس آدمی تھے، یہاں تک کہ ہم سیراب ہو گئے، پھر ہم میں سے ہر ایک نے اپنے مشکیزے اور برتن بھر لئے اور ہم نے اونٹوں کو پانی پلایا، اس پر بھی وہ دونوں مشکیزے اتنے بھرے ہوئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی بہہ پڑے گا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے۔)

لکڑی مارنے سے بارہ چشموں کا پھوٹ پڑنا: معجزۂ موسیٰ علیہ السلام

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ : حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر لکڑی مارنے سے بارہ چشمے پھوٹے، ہر قوم نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا، ہر قبیلہ کو اپنا اپنا نلکا معلوم تھا۔ کھانے کے لیے من وسلویٰ اور پینے کے لیے پتھر سے صاف وشفاف پانی کے بارہ چشمے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کھاتے رہو اور پیتے رہو رزق خداوندی سے اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ مگر وہ لوگ ایک مرتبہ شہری زندگی دیکھ چکے تھے تمدن وعیش پرستی اور آرام وآسائش کے جس قدر سامان شہروں میں میسر آسکتے تھے دیہات میں ان کا عشر عشیر بھی ملنا ناممکن سا تھا، اب وہ کس طرح اس سادہ زندگی پر قناعت کرتے، آخر ان سے نہ رہا گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی۔

لطیف غذا کے بجائے کثیف غذا کا مطالبہ

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّائِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا: عالم مثال کی قوئی سے پیدا شدہ پاکیزہ ترین لطیف غذا کے بجائے مادی اور کثیف غذا کا مطالبہ کیا کہ جب بنی اسرائیل سالہا سال تک صرف ایک ہی طرز کا کھانا (من وسلویٰ) کھا کھا کر اُکتا گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی کہ اے موسیٰ! آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے مختلف قسم کی ترکاریاں اور غلے پیدا کرے اس لئے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔

باادب مقبول، بے ادب مغضوب

پس ان پر بے ادبی کی مار بھی پڑی فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (البقرة: ٩٠) ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہی قوم تھی اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے

کہ ابوبکرؓ غار ثور میں سانپ کے ڈسنے سے بھی نہ ہلے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ آجائے وہ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ اور یہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ ہیں یہود کا واقعہ امثال میں سے ہے۔ ادب کرنے والا مقبول اور بے ادبی کرنے والا مغضوب ٹھہرتا ہے۔

کھانوں کو ادنیٰ اور خیر کہنے کی وجہ

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ :اَدْنٰی اسلئے فرمایا کہ وہ من وسلویٰ تو آسمانی تیارشدہ خوراک تھی اور انسانی تیارشدہ خوراک میں بعض اوقات ضرور حرام یا مشتبہ چیز کی ملاوٹ ہوتی ہے، پس یہ گھٹیا چیز کو بہتر کے بدلہ لینا چاہتے تھے، امرِ کُن سے جو چیز پیدا ہوگی وہ پاک و صاف ہوگی غل و غش (وہ غلط ملاوٹ سے پاک ہوگی) اسلئے من وسلویٰ کو خیر کہا گیا اور لہسن، پیاز وغیرہ کے اُگانے سے بیل وغیرہ پر ظلم آگیا ہے یعنی حیوان بے چارہ سزا کا مستحق نہیں ہوتا، چلتے چلتے ذرا اونگھ آگئی، بس اسے مارنے لگے، جب اسکے دل سے آہ نکلے تو ظلم کا کیا نتیجہ ......

بترس از آہ مظلومان کہ در وقت دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

جب اس مار کے بعد چکروں سے جو پانی نکلے اس سے جو لہسن و پیاز وغذا پیدا ہوا اس میں ظلم کی ملاوٹ ہوگی اور امرِ کُن سے جو چیز پیدا ہو وہ محض نور ہوتی ہے، اس لئے (انسانی کاشت) کو اَدْنٰی اور اسے (من وسلویٰ) کو خَیْرٌ کہا گیا کہ کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو اَدْنٰی ہے، اس کے بدلہ جو بہتر ہے۔

ایک لطیف الطبع بزرگ کی مثال

اس کی مثال دیوبند میں ایک لطیف الطبع بزرگ تھے، وہ ہر قسم کے محرمات سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، جب کوئی مشتبہ چیز کھاتے تو قے کر دیتے، ایک دفعہ کسی نے بہت احتیاط سے ان کی دعوت کی اور داعی نے ہر قسم کی احتیاط کی کہ حرمت کا شبہ بھی نہ آئے مگر کھاتے ہی اس بزرگ نے قے کی، تحقیق سے معلوم ہوا کہ جس بھینس کا دودھ اس کھانے میں استعمال ہوا تھا، اس بھینس نے کسی دوسرے شخص کی بھینس سے گھاس کھائی تھی، دودھ دوہتے وقت صاحب دعوت کی بھینس نے اس دوسری بھینس کے چارے میں منہ ڈال کر کھایا تھا، پس انسانی کاشت میں طرح طرح کی مشکوک چیزیں آتی ہیں، من وسلویٰ طیب اور حلال تھے اور یہ جو چاہتے تھے، اس میں کئی مشتبہات

تھے، چنانچہ امام ربانیؒ نے ''مکتوبات'' میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک بزرگ کو شکار کا گوشت تحفہ میں دیا اور کہا کہ یہ تو بالکل حلال چیز ہے، قبول فرمالیجئے! بزرگ نے واپس کر کے فرمایا کہ ٹھیک ہے شکار تو بالکل حلال ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ جس گھوڑے سے تو نے شکار کیا ہے اس کا کھایا ہوا چارہ حلال تھا یا حرام؟

حرام اور مشتبہات کھانے میں بے احتیاطی

ہم میں سے اکثر لوگ حرام اور مشتبہ چیزیں کھاتے ہیں تو عبادت میں لطف کیسے آئیگا؟ اور طبیعت میں بے قراری کیوں نہ پیدا ہو؟ بہت ساری چیزیں صورتاً حلال ہیں مگر حقیقت میں حرام ہیں لیکن نہ خواص کو تمیز ہے نہ عوام کو، خواص سے مراد علماء اور عوام سے مراد بے دین انگریزی دان ہیں، ان لوگوں میں احکام الٰہی کو دل سے ماننے کا جذبہ نہیں ہے۔

شہر میں داخل ہونا

اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ اي مصراً من الأمصار جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم عبور کر کے جزیرہ نما سینا میں آئے تو اس بے آب وگیا میدان میں ان کے لئے کھانے اور سایہ کا انتظام ہوگیا، پانی کی ضرورت تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو لاٹھی سے مارا، بارہ قبیلے تھے اور بارہ چشمے پھوٹ پڑے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ وہ مخصوص پتھر ہے، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے بھگائے تھے یا مطلقاً پتھر تھا، بہر حال! پتھر پر لاٹھی مار کر بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

خدا کی مملکت میں فساد: نبی کی بے ادبی کی سزا

بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ کھاؤ، پیو اور فساد مت کرو، فساد یہ ہے کہ جس بادشاہ کے ملک میں آدمی رہتا ہو، اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے، خدا کی مملکت میں کھاتے تھے، پیتے تھے، اَبر سایہ فگن تھا، پانی کیلئے چشمے جاری کیے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی حکومت میں رہ کر اس کے انعامات کے باوجود اس کے احکام کی خلاف ورزی کی اور فساد کرنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہایت زوردار اور بے ادبی کے الفاظ میں کہنے لگے کہ ہم اس ایک طعام پر صبر نہیں کر سکتے، ادب کی بجائے حکم کرنے لگے، یہ ان کی بے ادبی کی وجہ تھی کہ اِن کو حق راستے پر چلنے کی توفیق نہ ہوئی۔

علم میں برکت اور مسلک نبوت پر چلنے کے لئے ادب کی ضرورت

جو شخص اپنے استاد کی بے ادبی کرے گا تو اگر چہ وہ علم تو حاصل کرلے گا اور اس علم کو فروخت کر کے اپنے پیٹ کے لئے رزق کمالے گا لیکن علم میں نور نہ ہوگا، مسندِ نبوت پر بیٹھ کر دین کی خدمت کرنے کی توفیق سلب ہو جائے گی، ادب سے علم میں برکت ہوتی ہے یعنی مسندِ نبوت پر بیٹھ کر مسلک نبوت پر ادب کے ذریعے ہی کام کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

زمانہ طالبعلمی میں پارٹی بازیوں سے اجتناب

طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے اساتذہ کا احترام کرے اور ادب کو اپنا شعار بنائے اور دن رات اپنے اسباق و دروس میں متوجہ رہے اور پارٹی بازی سے اجتناب کرے کیونکہ دیو بند میں پارٹی بازی مختلف علاقوں کے طلبہ کی ہوتی تھی جن میں بعض افغانی تھے اور بعض پنجابی اور بعض بنگالی تھے میں اپنے تینوں بیٹوں کو نصیحت کیا کرتا تھا۔ میرا بڑا بیٹا حبیب اللہ اور اسی طرح عبید اللہ جامعہ دار العلوم دیو بند سے فارغ ہوئے اور چھوٹا بیٹا حمید اللہ جو جامعہ اشرفیہ لاہور میں مفتی محمد حسن مدظلہ کے ہاں فارغ ہوا۔ پس اے بیٹو! تم کو اپنے تمام مشائخ اور اساتذہ کا ادب کرنا چاہئے، ہر استاذ کے پاس جاؤ سلام کرو لوٹے میں پانی بھرو، جوتے سیدھے کرو، بے ادب محروم گشت از فضل رب جو لوگ اساتذہ کا ادب نہیں کرتے ان کے علم سے برکت سلب ہو جاتی ہے، پڑھانا اور سمجھانا اور ہے اور برکت اخلاص نیت سے حسبةً للہ دین کی خدمت کی توفیق اور ہے یعنی جو سوئے ادب کے مرتکب ہوئے تو وہ ناکام اور نامراد ہوئے وہ تو علوم سے فارغ ہو گئے لیکن ان علوم نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا۔

اساتذہ کے ادب واحترام کا ثمرہ

میرے بڑے بیٹے مولوی حبیب اللہ اپنے اساتذہ کی خدمت اور احترام کرتے تھے پس وہ علوم میں کامیاب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرف کیا، مدینہ منورہ میں سکونت کے ساتھ، انہوں نے دس سال مدینہ میں درس دیا اور کبھی کبھار مکہ میں بھی جاتے تھے وہاں مسجد حرام میں درس دیتے تھے، میں علماء کو کہا کرتا تھا کہ جب فراغت ہو تو حضرت مدنیؒ کے حضور میں جایا کرو اور حضرت میاں اصغر حسینؒ صاحب کی خدمت میں جایا کرو اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ دونوں ولی ہیں اور میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ مولوی حبیب اللہ

سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس کو بازار سے خوراک اور غذا خریدنے کا حکم دیتے تھے تقسیم ہند سے پہلے حضرت مدنی رحمہ اللہ جمعیت علماء ہند کے دفتر میں شرکت کے لئے تشریف لائے جو ملتان میں تھا اور دار العلوم دیوبند کے نوجوان فضلاء وہاں جمع تھے اور وہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا بہت ادب کرتے تھے، میں نے کبھی حضرت مدنیؒ کے سامنے بے ادبی سے بات نہیں کی۔

حضرت مولانا مدنیؒ بے نظیر اور جامع الصفات شخصیت

میں جمعیت کی مجلس عاملہ کا ممبر تھا حضرت نے نامزد کیا تھا۔ چار چار گھنٹے ٹِک کر بیٹھا کرتا مدارس کے نئے نئے نمائندے تھے وہ بول رہے تھے، تمیز و تربیت نہیں تھی کہ کس کے سامنے بول رہے ہیں۔ حضرت صدر تھے جب مجلس سے کھڑے ہوئے فرمایا احمد علی! میں نے کہا حضور! فرمایا میری جگہ آپ بیٹھ جاؤ بڑی شفقت تھی، ایک دفعہ مجھے خط بھی لکھا میں نے اس کو طبع کیا اور میں نے شیخ مدنیؒ کے خط کو محفوظ کیا جو میری اولاد کی نجات کے لئے بھی کافی ہوگا اور ان شاء اللہ قیامت کے دن مجھے نفع دے گا اہل معرفت ان امور کو جانتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلامؒ میں چھپا ہے، جو یہاں افادہ عام کیلئے معہ پس منظر محررہ شیخ التفسیر لاہوری میں شامل کیا جا رہا ہے) [سمیع الحق]

مکتوب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بنام حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

سیدنا المحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا مندرجہ مضامین سے سخت متاثر ہوا محترما! کیا آپ سے تعلق کسی انجمن کے وجود وعدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے۔ جس پر آپ متاثر ہوئے ہیں ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر (بھکاری) اور اس بنا پر خواجہ تاش (ایک آقا کے نوکر) ہیں یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، اگر مادی اسباب حائل ہو بھی جائیں تو کیا ہے، ہماری ارواح ایک ہی دربار گہربار کی حاضر باش ہیں حفظنا اللہ وإیاکم من کل سوء ورزقنا جمیعا رضاہ فی الدنیا والاخرة (آمین) گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام: ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۳ ربیع الثانی ۱۹۶۷ء

مولانا احمد علی لاہوری صاحب مفسر قرآن مدظلہ کے فرستادہ دو والا نامے بنام

مولانا احمد حسین صاحب لائلپوری، راقم الحروف کو ملے جن میں سے ۱۳۶۱ کے والا نامہ میں مولانا احمد علی صاحب کو جمعیۃ کا صدر، مولانا داود صاحب غزنوی کو جنرل سیکرٹری اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی کو نائب صدر تجویز فرمایا گیا تھا اوران دونوں والا ناموں کی عکسی نقل نہایت اہتمام واحترام سے ہم تک پہنچی ہے۔ جس والا نامہ کو ہم نے یہاں درج کیا ہے۔اس کے متعلق مولانا احمد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کے دو والا نامے ارسال خدمت ہیں۔ ایک وہ ہے جو حدود پاکستان میں آگئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کیلئے آزاد کردیا تھا۔اس فیصلے کی اطلاع کے بعد میری طبیعت بہت ہی پریشان ہوئی میں نے اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا، اس میں عرض کیا گیا کہ اپنے جن بزرگوں کی دامن گیری سے مجھے قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا۔آج انہوں نے ہمیں الگ کردیا، اس عرضداشت پر اعلیٰ حضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا۔ جو ارسال خدمت ہے۔

فقط احمد علی

۲۹ر شعبان ۱۳۶۹ھ ۳ر جون ۵۰ء

حضرت مدنیؒ کا بیت الخلاء کی صفائی کا واقعہ

ایک دن حضرت شیخ الہندؒ کے کچھ مہمان آئے، انہیں مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تو ایک آدمی جو روزانہ یہاں آتا تھا اور بیت الخلاء کو صاف کرتا تھا، مہمان نے اُس آدمی کو دیکھ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ پس یہ آدمی خاموش ہوگیا پھر جب وہ اس کے قریب آیا تو پہچانا کہ یہ حضرت مدنیؒ ہیں۔پس حضرت مدنیؒ نے اس آدمی سے عہد لیا کہ اس راز کو کبھی کسی کے سامنے افشا نہ کرنا۔ یہ میرے استاد کے مہمان ہیں اور مجھ پر ان کا احترام واجب ہے۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ حضرت مدنیؒ جیسے جامع الصفات تمام سرزمین میں نہیں ہیں۔

بار بار حرمین شریفین حاضری کا انعام

اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ مجھے شرف بخشا مکہ مکرمہ کی طرف میں ۸ مرتبہ حجاز گیا پانچ مرتبہ حج کرنے اور تین مرتبہ عمرے کی سعادت نصیب ہوئی (بعد میں بھی حاضری ہوتی رہی اور وصال تک چودہ مرتبہ حاضری کا ذکر ہے) حرمین میں بہت سے اولیاء جمع ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے بہت سے مشائخ، اولیاء، اتقیاء اور علماء ربانیین دیکھے ہیں لیکن ان میں سے حضرت مدنیؒ کی نظیر نہیں دیکھی۔

مولانا سندھیؒ کے وفا شعار شاگرد

میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ہاں مدرس تھا، میں ان کا بہت احترام کرتا اور اپنے شیخ کی خدمت بھی کرتا، میں باورچی بھی تھا اور سقاوی بھی، پھر ان کی دعائیں ساتھ تھیں ان کے تلامذہ میں کسی کو دین کی خدمت میری طرح نصیب نہ ہوئی، باوجودیکہ میں گناہگار ہوں بڑا عالم نہیں ہوں۔ میں نے قرآن سارا تو نہیں مگر کچھ مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے پڑھا تھا۔ ادب سے دعا ملتی ہے جو کہ بڑی چیز ہے۔ یہ چیزیں کتابوں سے نہیں صحبت سے حاصل ہوتی ہیں، اللہ والوں کی صحبت میں رہنا چاہئے صحبت سے انسان، انسان بنتا ہے۔

دادی جان کی حضرت سندھیؒ سے شکایت

ایک دفعہ میری دادی نے حضرت سندھیؒ سے میری کوئی شکایت کی چونکہ وہ بڑے سخت مزاج تھے تو آپ نے مجھے چار، پانچ جوتے مارے لیکن میں برابر خاموش رہا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں اس مدرسہ کا مدیر اور مدرس تھا جب میرے ساتھیوں نے اس واقعہ کا سبب مجھ سے پوچھا تو میں نے انہیں کہا کہ کوئی بات نہیں کہ باپ کبھی بچوں کو مارتا بھی ہے۔ جب میرے شیخ کو میرے اس جواب کا پتہ چلا تو دل کی گہرائیوں سے دعائیں دیں۔

اساتذہ کے ادب سے آدمی کامل بنتا ہے میاں اصغر حسین صاحب کا واقعہ

جب میاں اصغر حسین صاحب دیوبند سے لاہور تشریف لائے تو ان کے ساتھ عبیداللہ انور بھی تھے جب میں نے دوسرے دن بھی میاں صاحب کو اکیلے دیکھا کہ عبیداللہ انور ان کے ساتھ نہ تھے تو میں نے میاں صاحب سے کہا کہ جب آپ عبیداللہ انور کو خدمت کیلئے ساتھ لائے

ہیں تو ان سے خدمت کیوں نہیں لیتے ؟ میں نے ان سے کہا بیشک آپ نے میرے ساتھ بھلائی کی، انہوں نے کہا بے شک اسکو میں اپنے ساتھ لایا اور میں نے ساتھیوں سے کہا کہ یقیناً مولانا احمد علی اپنے بیٹے کے آنے سے خوش ہوں گے، پس آدمی ادب کی وجہ سے کامل بن جاتا ہے۔ میں نے آج کے دن اس قسم کی نصائح بیان کیں تا کہ تم ادب کے اسرار کو جانو اور مشائخ کی عزت کو پہچانو۔

حرکتِ روحانی نہ ہونے سے مسکنت اور اسکے نتیجہ میں ذِلّت

وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ: مصری (شہری) زندگی میں آنے کے بعد یہ تین سزائیں ملیں، مصر میں داخلہ کے بعد یہ آخری سرٹیفکیٹ ان کو ملا لیکن وہ مصری زندگی میں بھی فیل ہو گئے، اس جگہ جو چیز ذکر میں مقدم ہے وہ باعتبار تحقق (وجود) کے مؤخر ہے اور جو چیز ذکر میں مؤخر ہے، وہ باعتبار تحقق (وجود) کے مقدم ہے، چونکہ انسان میں تحرک ہے، سکون نہیں یعنی اگر نیکی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو وہ ترقی کرتا ہے اور اگر عصیان کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اس میں ترقی کرتا ہے، ذِلّۃ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے محکوم ہو اور لوگوں کی جانب سے بھی محکوم ہو، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ(ال عمران:۱۱۲) چونکہ یہ قوم اقرب الی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کو اپنا حامی سمجھتی تھی باوجود یہ کہ ان کے اخلاق بہت برے تھے، اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا، الْمَسْكَنَةُ کا معنی محتاجی اور فقر ہے لیکن بظاہر یہ معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ آج کل یہودی جتنے مالدار ہیں اتنی کوئی اور قوم مالدار نہیں لہٰذا الْمَسْكَنَةُ سکون سے ماخوذ ہے اور یہ حرکت کی ضد ہے تو ان میں حرکت روحانی نہیں ہے۔

یہود اگرچہ دولت مند ہیں مگر دل میں ناشکری اور آنکھوں میں حرص ہے

اس آیت میں تین چیزیں ہیں (ضرب ذلت ومسکنہ، رجوع بغضب، کفر بایٰت اللہ، قتل انبیآء، عصیان و اعتداء) مذکور میں ان کا ترتیب ذکری اور تحقق (وجود میں آنا) برعکس ہے تو مطلب یہ حاصل ہوتا ہے کہ انکی نافرمانی اور اعتداء اس حد تک پہنچی کہ انبیاء کو قتل کیا اور پھر ذلّت ومسکنت کا یہ معنٰی ہے کہ سلطنت ان کے ہاتھ کبھی نہ آئیگی اور دولت مند اگر چہ ہو گی مگر دل میں ناشکری اور آنکھوں میں حرص ہو گی کہ ہائے! اور بھی ہوتا تو اچھا ہوتا، اصل غنا، تو

غناء نفس ہے جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم الغنٰی غنی النفس (البخاری: ج ۱ ۶۰۸) ورنہ دولت مند حریص تو آخر دم تک کہتا ہے کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد (کیا اور کچھ ہے) بلبل شیراز نے کہا ہے ......

این دو چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پُر کند یا خاک گور

کسی بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ کسی نے اس کو روپیہ دیا، رات کو سوتے وقت یہ خیال ہوا کہ کہیں چور نہ لے جائے تو کبھی ایک جگہ رکھتے، پھر اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتے، آخر اٹھا کر پھینکا کہ ارے بے ایمان! تو تو مجھے سونے نہیں دیتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر سچ ہو کہ یہود پر تو ذلت کی مہر ماری گئی ہے، حالانکہ فلسطین ان کے قبضے میں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ سازش کی بنا پر عارضی چیز ہے، چنانچہ بڑے بڑے سیاستدان کہتے ہیں کہ عالم (دنیا) دیکھے گا کہ عرب کی طرف سے ایک لاوا وغیرہ پھٹے گا جس سے یہود آخر کار شکست و ریخت سے گزریں گے، عرب بیدار قوم بن چکی ہے، کسی نے کہا ہے......

نہ تھی جبکہ حالت پہ اپنی خبر نظر آتے تھے سب کے عیب و ہنر
پڑی جبکہ حالت سے اپنی خبر کسی کا کوئی عیب بھی نہ رہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه

ہمیشہ محکومانہ زندگی کی بڑی لعنت

واقعہ یہی ہے کہ باوجود دولت کے پھر دنیا میں ذلت کی زندگی بسر کرنا اور اس سے مسکنت زیادہ ہے، ان پر اللہ تعالیٰ نے ذلت روز قیامت تک لگا دی ہے، ایک مسکنت اور ایک محکومیت جہاں میں کہیں بھی کسی خطہ میں ان کی حکومت نہیں اور نہ ہو سکے گی، یہ بھی دنیا میں بڑی لعنت ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محکومانہ زندگی بسر کریں، مسلمان سے بھی حکومت چلی جانا شامت اعمال کی وجہ سے ہے، یہود جیسی بداعمالیاں بھی کسی جماعت نے نہیں کیں، انبیائے کرام علیہم السلام کو تو انہوں نے قتل کیا بغیر حق کے (نبی کو ہر حالت میں قتل کرنا ناحق قتل ہوتا ہے یا ان کے نزدیک بھی ناحق قتل ہے)، دنیا میں طرح طرح کے فساد کے موجد بنے۔ اس وجہ سے حکم

خداوندی ان کے متعلق یہ ہوگیا کہ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا۔

عصیان واعتداء (گناہ اور تجاوز) سے تحقق ذلت ومسکنت

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ : جو ذکر میں سب سے پیچھے ہے وہ تحقق (وجود) میں سب سے پہلے ہے اور جو سب سے پہلے ہے، وہ تحقق میں سب سے آخر میں ہے، عصیان واعتداء سب سے پہلے کیا پھر اس کی بنا پر کفر وقتل انبیائے علیہم السلام کیا تب تحقق الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ ذکر میں اگرچہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ مقدم ہے لیکن وہ تحقق میں سب سے آخر ہے اور ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا تحقق میں سب سے قبل ہے، ذِلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ میں فرق یہ ہے کہ کافر بداعمال بے ایمان حاکم ہو اور ہم محکوم ہوں، یہ ذلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محکوم بنادیا، ان کے نطفے ہی پلید ہوگئے ہیں، یہ ایسی خبیث قوم ہے کہ جس قوم سے الحاق کیا، اس کو لڑایا اور تباہ کرایا۔

ہٹلر نے یہودیوں کا قتل عام کیا

ترکوں نے ۱۹۱۴ء میں یہودیوں کے ساتھ تبادلہ کیا تھا کہ جتنے ترکی لوگ یہودی علاقہ میں بس رہے ہیں ان کو ترکی بھیج دیا جائے اور جتنے یہودی ترکی میں رہتے ہیں، ان کو ہم یہودیوں کے پاس بھیج دیں گے، ۱۹۳۹ء میں ہٹلر نے حکم دیا تھا کہ یہودی جہاں بھی ملے اس کو قتل کردیا جائے۔

مسکنت کی ایک اور شکل

یہود اتنے خبیث ہیں کہ وہ لوگوں کو دولت سے خریدتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ان پر ہے۔ الْمَسْكَنَةُ یہ ہے کہ ہوس جوع البقری ان کی ختم نہیں ہوتی، بے چینی ان کی کروڑوں ہونے کے باوجود ختم نہیں ہوتی، یہ حد درجہ کے بخیل ہیں ......

توانگری بہ ہنر است نہ بمال
بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال (سعدی)

کروڑ پتی یہودیوں کی بے چینی اور غریب مسلمان کا سکون قلب

یہودیوں کی حرص وہوس بہت زیادہ ہے، کل مجھے لندن سے خط آیا ہے کہ ماہنامہ ''خدام

الدین'' یہاں لندن آتا ہے، ہم اس کو بالتفصیل پڑھتے ہیں، اب آپ مہربانی فرمادیں کہ'' خدام الدین'' مدینہ منورہ سے عربی ایڈیشن نکالیں، اس پر جتنا روپیہ صرف ہوگا میں ادا کردوں گا اور وہ اپنے مکتوب میں لکھتا ہے کہ یہاں لندن میں ایک بڑا کروڑ پتی یہودی ہے، جس کو سکونِ قلب میسر نہیں۔'' خدام الدین'' میں سکونِ قلب کے بارے میں بھی مضمون ہونا چاہیے کہ تسکین قلوب کے لئے ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور ایمان بالقرآن ضروری ہے، وہ مزید لکھتا ہے کہ میں ترکی بذریعہ کار گیا ہوا تھا، راستے میں میں نے ایک ترکی گڈریے کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا ریوڑ کہاں سے کہاں چلا گیا تھا، مجھے تعجب ہوا کہ وہ لندن کا کروڑ پتی یہودی باوجود مال و دولت اور عظیم سرمایہ داری کے پریشان ہے اور یہ ترکی مسلم باوجود غربت کے اپنے ریوڑ سے غافل اور بے خبر نماز میں پوری تواضع وانکساری کے ساتھ مصروف ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک جگہ اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لندن کے سرمایہ دار متمول خودکشی کرتے ہیں، ان کو مال و دولت کی فراوانی کے باوجود چین وسکون کی زندگی میسر نہیں۔

رکوع 08

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی

جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئ اللہ

وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ

اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرے

صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۪ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ

تو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں موجود ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہو گا

وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا

اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر

فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّةٍ وَّ اذۡکُرُوۡا

کوہ طور بلند کیا جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو

مَا فِیۡهِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ

تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ پھر تم اس کے بعد پھر گئے

ذٰلِکَ ۚ فَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ لَکُنۡتُمۡ

سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم

مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا

تباہ ہو جاتے۔ اور بے شک تمہیں وہ لوگ بھی معلوم ہیں

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ ﴿٦٥﴾

جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی پھر ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ

پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لیے اور ان سے پچھلوں کے لیے عبرت اور

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ

پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں

يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ؕ قَالُوٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ

حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو انہوں نے کہا کیا تم ہم سے ہنسی کرتا ہے کہا

أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہوں۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ إِنَّهٗ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوا مَا

بوڑھی اور نہ بچہ اس کے درمیان ہے پس کر ڈالو جو تمہیں

تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ

حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیسا ہے

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد گائے ہے اس کا رنگ خوب گہرا ہے دیکھنے والوں کو بھلی

النّٰظِرِیْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ

معلوم ہوتی ہے ۔انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ کس قسم کی ہے کیونکہ وہ

الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور پتہ لگا لیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَ

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے محنت کرنے والی نہیں جو زمین کو جوتتی ہو یا

لَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ

کھیتی کو پانی دیتی ہو بے عیب ہے اس میں کوئی داغ نہیں انہوں نے کہا اب تو نے

ع ۸ ۱۰ ۸ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

ٹھیک بات بتائی پھر انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور وہ کرنے والے تو نہیں تھے۔

رکوع (۸)

خلاصہ: یہود کے امراض ثلاثہ

(۱) تولی عن الحق (فرمان حق کو سمجھ کر تعمیل نہ کرنا)

(۲) حیلہ سازی (صورت حکم باقی رکھنا اور روحِ حکم اڑا دینا یعنی حیلہ کر کے اتباع الٰہی سے جی چرانا)

(۳) تعمق (بار بار سوال کر کے دائرہ قانون تنگ کر دینا جیسا کہ بال کی کھال اتارنا)

ماخذ: تولی عن الحق: ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (البقرۃ:٦٤)

حیلہ سازی: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ (البقرۃ:٦٥)

تعمق: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (البقرۃ:٦٧)

اس سے ماقبل یہود کا مصری، قروی اور بدوی زندگی میں فیل ہونا ثابت ہو چکا ہے، اگر یہود کہیں کہ ٹھیک ہے ہم میں سے بعض نافرمان ہو کر فیل ہوتے رہے مگر ہم میں سے نیک بھی کئی ہیں تو جواب یہ ہے کہ للأكثر حكم الكل بعض تو ہر قوم میں اچھے ہوتے ہیں۔

ذلت کے باوجود جھوٹی نسبت پر تکبر و تعلّی

یہود و نصاریٰ خدا کی بارگاہ میں ذلیل ہیں لیکن اس کے باوجود تکبر اور تعلّی ان میں اب بھی وہی ہے حالانکہ حق کے مقابلہ میں شکست کھا گئے ہیں، بار بار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ:١٨) حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل ہیں مگر پھر بھی اپنے آپ کو بڑا

سمجھتے ہیں، یہاں آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نخوت علی النسبت (نسبت پر فخر اور تکبر) کو مسترد کیا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ حیات پر چلنے سے قابلِ احترام ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی مذہبی فرقہ کی طرف نسبت سے، پس وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم یہودی ہیں یا ہم نصرانی ہیں، اس لئے ہم معزز ہیں تو جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور تصدیق کرتا ہے اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہے اور نیک کام کرتا ہے، وہی معزز و مشرف ہے۔

وجہ احترام ایمان و عمل صالح نہ کہ نسب وقرابت

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی : اس آیت میں چار گروہوں کا ذکر فرمایا ہے مومنین، یہود، نصاریٰ اور صابئین، یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو کہتے ہیں تو اس آیت میں جن مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سرفہرست اہل ایمان ہیں لہٰذا اقوامِ عالم کے لئے کامیابی و احترام کا باعث ایمان باللہ و عمل صالح ہے۔ آج بھی بہت سے لوگ جن کا نام محمد دین اور اللہ دتہ ہیں مگر ان کے باطن میں شرک کی صفات شامل ہیں، ان میں وہی خصائل موجود ہیں جو مشرکین سابقین میں موجود تھے۔

صّٰبِئِیۡنَ کی تحقیق

وَ الصّٰبِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ: اگر کوئی شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے تو اُسے صابی کہتے ہیں، صابی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پرانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے، اس فرقے کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ نیک بختی اور سعادت حاصل کرنے کے لئے انسان کسی نبی کا محتاج نہیں ہے بلکہ اگر وہ روحانیت اور فرشتوں سے رابطہ قائم کرے تو اس کے لئے یہی کافی ہے، یہ لوگ مختلف قسم کے ہیکل مثلاً آفتاب، ستاروں اور ملائکہ کے ناموں کے ہیکل بناتے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ صابئین ایک فرقہ ہے، جس نے ہر دین کے نیک اعمال کو اپنایا ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں، فرشتوں کو مانتے ہیں، پیمانہ عزت اور معیار شرافت ایمان باللہ والیوم الآخر اور اعمال صالحہ ہیں۔

نیت کی وجہ سے اعمال کی نیکی اور بدی

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: ہر عمل جو رضائے الٰہی کیلئے ہو اور شریعت کے مطابق ہو اور کام بظاہر بد ہے لیکن رضائے الٰہی مطلوب ہے تو عمل صالح ہوگا اور ماجور ہوگا، ایک مسلمان کے پاؤں میں زخم ہو، پھوڑا ہو، اگر اسے چھیڑا جائے تو ہلاک ہوتا ہے اب اسے کاٹنا بظاہر برا عمل ہے لیکن نیت صالح ہے اور ثواب ملے گا اور بلا مرض و ضرورت کسی کو زخمی کرنا بھی بڑا گناہ ہے اور اسی طرح اگر کوئی قاری قرآن پڑھے اس نیت سے کہ لوگ کہیں کہ فلاں اچھا قاری ہے، اس کی آواز اچھی ہے اور اس سے مقصود عزت حاصل کرنا ہو اور دنیاوی نفع کمانا ہو تو یہی عملِ بد ہوا، نیت کی وجہ سے تو یہ ریا اور شرک اصغر ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: قالوا وما الشرك الاصغر يارسول الله! قال الرياء (معجم الكبير الطبراني: ج ١/ ٤٣٠)

تمام مذاہب میں ایمان باللّٰہ والرسل اور عمل صالح شرط ہے

اس آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ايمان بالرسالة المحمدية کا ذکر نہیں لیکن اٰمَنَ بِاللّٰهِ کے ضمن میں پیغمبرِ وقت کا اتباع لازم ہونا آجاتا ہے، نیز كتاب الله يفسر بعضه بعضا کی بنا پر لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ سے ہر پیغمبرِ وقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان شرط قرار دیا گیا ہے، تمام مذاہب میں قدرِ مشترک ایمان باللہ و عمل صالح ہے۔

یہود کا عہد و میثاق اور پھر وعدہ خلافی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: ان سے مراد یہودی ہیں، یہودی بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہم پر آسمانی کتاب نازل ہو جائے، چنانچہ ان پر اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی، وہ تورات کے احکام کو مشکل سمجھ کر ماننے سے منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو اٹھایا اور آگے آگ پیدا فرمائی، اب نہ جائے ماندن اور نہ پائے رفتن، مجبوراً تورات کے احکام کو تسلیم کیا یہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے خلاف نہیں۔ ان کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا گیا، وہ تو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آسمانی کتاب کا مطالبہ کرتے رہے جب کتاب کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تو پھر انکار کرنے لگے تو نقضِ عہد (وعدہ توڑنے) کی پاداش میں پہاڑ کو ان

کے سروں پر لایا گیا کیونکہ انہوں نے سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا کہا، ان پر کوہ طور اٹھایا گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ تیری عبادت وعملِ صالح کریں گے، یہی میثاق ہے جو یہاں ذکر کیا گیا ہے، باوجود عہد کرنے کے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ تم نے وعدہ سے تولّی کی اور انکار کر بیٹھے۔

مخالفت کی وجہ یہود کا نقضِ عہد ہے

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ: یہ تولّی ہے یعنی اعراض کرنا جس کام کے متعلق کہا جائے تو وہ اعراض کرتے ہیں، من جملہ امراض یہود کے (اقرار کرنا اور عملاً اس سے ہٹ جانا اور اس کے خلاف کرنا) یہ نہ سمجھیں کہ ہماری ان کے ساتھ ذاتی عداوت ہے، یہود اگر قرآن کے حامل نہیں ہو سکتے تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ ہم عزت اپنے ساتھ مخصوص کر رہے ہیں کہ جنت میں سوائے ہمارے کوئی ہی نہیں جائے گا جیسا کہ یہود و نصاریٰ کہتے تھے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو کوئی جس کسی ملت کا بھی ہو، جو اس دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے وہ جنت میں داخل ہوگا، ہم یہ نہیں کہتے کہ یہود بالکل جنت میں داخل نہ ہوں گے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ پہلے یہود و نصاریٰ جو صحیح دین اسلام پر تھے، جنت میں داخل ہوں گے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اب یہود کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم یہود کے اس وجہ سے مخالف ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر کوہِ طور اٹھایا تو وہ تورات قبول کرنے لگے اور عہد کیا کہ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا اب انہوں نے عہد شکنی کی تو ان کی تولی (اعراض) کی وجہ سے ہم ان کے مخالف ہیں ورنہ اسلام کا دروازہ یہود کے لیے بھی کھلا ہے۔

حیلہ سازی کا مرض

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ: یہ حیلہ سازی ہے، یہ بھی تولّی کی طرح ایک مہلک بیماری ہے، یہ قانون تھا کہ ہفتہ کے دن صرف خدا کی عبادت کے لیے فارغ ہوں جس طرح ہمیں اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ کا حکم ہے وقت نداء سے فراغتِ صلوٰۃ تک کا وقت ہماری عبادت کا ہے، ان کے احکام شدید اور مشکل تھے، جمعہ کے غروب سے لے کر سنیچر کے غروب تک کا وقت ان کے لئے عبادت کا وقت قرار دیا گیا، اب ان کے آزمائش کے لیے مچھلیاں جمع ہونے لگتیں، دیگر ایام میں نہ آتی تھیں۔

یوم السبت کے شکار کے لئے حیلہ سازی

قدرتی طور پر ہفتہ کے دن مچھلیاں سطح سمندر پر نمودار ہوتی تھیں اور دیگر ایام میں نمودار نہیں ہوتی تھیں تو اب ان میں سے ایک گروہ نے حیلہ سازی سے کام لے کر دریا کے قریب گڑھے کھودے اور سمندر سے ان تالابوں تک نالے بنائے اور وقت سے پہلے اس کے منہ کھول دیتے یعنی ہفتہ کی صبح بند کھول کر سارا پانی اور اس کی سطح پر مچھلیاں تالابوں میں چلی جاتی تھیں اور مغرب کو وہ نالے بند کر دیتے اور اتوار کے دن تالابوں میں مچھلیاں پکڑتے تھے اور ہنستے تھے کہ میرے تالاب میں مچھلیاں زیادہ آگئی ہیں، آپ کے تالاب میں کم ہیں۔ علمائے کرام نے اس حیلہ سازی سے منع کیا وہ کہنے لگے کہ ہم ہفتہ کے دن شکار نہیں کرتے، ہم تو صرف پانی چھوڑ دیتے ہیں۔

صورتِ حکم کی تعمیل روحِ حکم مفقود

یہ صورتاً حکم کی تعمیل تھی لیکن حکم کی روح مفقود تھی، صورت قانون قائم کی لیکن روح نہیں، یعنی دلوں کو خدا کی یاد کے لئے فارغ ہونا مفقود تھا، یہود میں ایک گروہ شکار کھیلنے والا تھا، ایک گروہ منع کرنے والا تھا، اول معذب اور ہلاک ہوئے جبکہ منع کرنے والے بچ گئے، ایک دن حکم کی خلاف ورزی کرنے والے صبح کے وقت باہر نہ نکلے تو اللہ نے انہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں بنا دیا تھا، یہ نتیجہ حیلہ سازی کا تھا اور تین دن کے بعد سب ہلاک ہوگئے، تولّی (اعراض) بھی مہلک بیماری ہے، سمجھنا اور ہاں کرنا اور پھر خلاف ورزی کرنا یہ مہلک مرض ہے، اسی طرح حیلہ سازی بھی مہلک بیماری ہے یہودیوں کے مذہب میں سنیچر کے دن شکار کرنا ممنوع تھا، جیسے ہمارے ہاں جب خطیب جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت سے لیکر سلام پھیرنے تک خرید وفروخت حرام ہے (سنیچر کا دن یہود کی عبادت کا دن ہے) ان کے مذہب میں سنیچر کا سارا دن عبادت کیلئے تھا، اللہ نے ان لوگوں کا امتحان لینا تھا، یہ لوگ تین گروہ بن گئے، ایک شکاری گروہ اور ایک دوسرا گروہ علمائے کرام کا جو ان کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے، یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا گروہ تھا، تیسرا گروہ خود شکار نہ کرنے والے تھے لیکن دوسروں کو منع نہ کرتے تھے، ان تینوں گروہوں کا ذکر بالتفصیل سورت اعراف میں آئے گی، ان پر اللہ کا عذاب آیا، علماء بچ گئے اور باقی دونوں گروہ ہلاک ہوئے، انہوں نے شہر کے حصوں کو بانٹ دیا تھا، ایک دن صبح سویرے علماء یعنی روکنے والے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ دو گروہ گھروں سے نہ نکلے، جا کے دیکھا سب بندر بن گئے تھے۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں حیلہ جوئی

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مال دار آدمی زکوٰۃ دینے میں یہ حیلہ کرتا تھا کہ نیچے گڑھے میں سونا چاندی روپے ڈالتا تھا اور اوپر گیہوں پھر ایک اندھے کو بلا کر کہتا کہ اس گڑھے میں زکوٰۃ کا مال ہے اس کو قبول کر، وہ قبول کرتا، پھر اس کو اس گندم کے دو تین روپے دے کر واپس گڑھا لے لیتا تو زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی اور مال بھی گھر واپس آ گیا، اسی طرح یہ یہود اگرچہ بظاہر شکار نہ کھیلتے لیکن مچھلیاں گھڑوں میں آ جاتیں تو مسخ کر دیئے گئے۔

حیلہ سازی کی وجہ سے ہلاکت

ایک دوسرے کو دیکھتے تھے مگر باتیں نہیں کر سکتے تھے، روتے تھے، تین دن کے بعد سب ہلاک ہو گئے جو قوم مسخ ہو جاتی وہ تین دن کے بعد ہلاک ہو جاتی، ان کو اس حیلہ سازی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔

ممسوخ قوم صرف تین دن عبرت کے لئے زندہ رہتی ہے

ممسوخ قوم تین دن سے زیادہ نہیں رہتی، موجودہ بندروں کی نسل الگ مخلوقِ الٰہی ہے، وہ تیسرے دن تک ختم ہوئے۔ سورۂ اعراف میں اس کی تفصیل ہے وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (الاعراف: ١٦٣)

سابقہ قومیں آنے والوں کیلئے سامان عبرت

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ : پس ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کیلئے جو وہاں موجود تھے اور ان کیلئے جو بعد میں آنے والے تھے اور متقین کیلئے نصیحت ہوگئی ہے بَيْنَ يَدَيْهَا جو اس وقت وہاں موجود تھے وَمَا خَلْفَهَا جو آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے تھے یا مَا بَيْنَ يَدَيْهَا جو اس بستی میں تھے وَمَا خَلْفَهَا جو دوسرے شہروں میں تھے۔

تعمق (بال کی کھال اتارنے) کی بیماری

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً : یہ تعمق ہے یہاں متعسقین کا ذکر ہے بال کی کھال اتارنا یہ بھی ایک روحانی بیماری ہے یعنی اتنا گہرا لے جانا کہ نا قابل عمل

ہو جائے جو حکم ملے اس کی تعمیل وہی ہے جو سمجھ میں آ جائے، چاہیے تو یہ تھا کہ امر ذبح بقرہ کے بعد کیف ما اتفق و یطلق علیه اسم البقرة (جس کو گائے کہا جائے) کو ذبح کر دیتے تو کام ہو جاتا، انہوں نے نکتہ چینی شروع کر دی۔

بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم

دراصل بنی اسرائیل میں ایک آدمی قتل کیا گیا، جس کا قاتل معلوم نہ تھا، لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک گائے کو ذبح کر لیں اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر ماریں، مقتول زندہ ہو کر اپنے قاتل کا حال بتا دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی جب انہوں نے کافی لیت و لعل اور پس و پیش کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجویز پر عمل کیا تو مردے نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دیا جو اس کا بھتیجا تھا۔

احکام خداوندی کی تبلیغ میں تمسخر اڑانا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ : بنی اسرائیلی سمجھے کہ گائے تو ایک مقدس و معظم جانور ہے، بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ یا انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے پتہ لگانے کو بعید از عقل سمجھا اس لئے کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں، حالانکہ احکام خداوندی کی تبلیغ میں تمسخر کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے اور انبیائے علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی، پس یہ پیغمبر کی کتنی توہین ہے نام خدا کا لے اور بولے جھوٹ اور پھر اس کو نبی کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی طرف۔ پیغمبر سے یہ ہو سکتا ہے؟ کبھی بھی نہیں ہو سکتا یعنی یہ پیغمبر سے نہیں ہو سکتا۔ خود سوال کر کے تنگی پیدا کر دی جو اوصاف بقرہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکو بیان کر دیئے وہ صرف ایک بقرہ میں پائے گئے۔

واقعہ بنی قریظہ میں صحابہ کا تعمق سے احتراز

حدیث میں ہے کہ جب غزوہ خندق کے فوراً بعد بنی قریظہ کی آبادیوں میں جا کر جہاد کا حکم ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم نماز عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھو گے، وہ اس جگہ عصر کے وقت نہ پہنچ سکے، بعض نے راستہ میں اپنے وقت پر نماز ادا کی اور بعض نے بنو قریظہ پہنچ کر شام کے وقت میں قضاء پڑھی، دونوں میں کسی کو بھی تنبیہ نہ ہوئی کیونکہ ہر ایک نے اپنی سمجھ اور

عقل کے مطابق تعمیل کی تو تم اے یہود! اپنے اسلاف کی طرح ہو اور جن لوگوں میں مندرجہ بالا بیماریاں ہوں تو ایسے لوگ اس بات کے قابل نہیں کہ وہ قرآن کے حامل بنا دیئے جائیں۔

تعمق (بال کی کھال اتارنا) کے بجائے دین میں یسر

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ : یہاں سے ان کے تعمق کا سلسلہ چلا ہے، وہ بال کی کھال اتارتے رہے کہ ہمیں سمجھ ہی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کون سی بقرہ مراد لیتے ہیں تو اب تخصیص ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ جوان بلکہ درمیانی ہو، پس تم کو جو حکم ملا ہے اس کو کر ڈالو، انہوں نے اپنے اوپر خود تشدد کیا، حدیث شریف میں ہے إن الدين يسر و لن يشاد الدين أحد إلا غلبه فسددوا و قاربوا و أبشروا واستعينوا بالغدوة و الروحة و شيء من الدلجة (البخاری: ح ۳۹) اللہ تعالیٰ نے دین کو بہت آسان کر دیا ہے اور دین میں جو بھی تشدد کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا یعنی دین میں آسانی ہے اپنے اوپر خواہ مخواہ کسی عبادت کو فرض کرنا یسر کے خلاف ہے۔

تہجد کے حکم میں یسر کی مثال

مثلاً تہجد کیلئے اگر آپ آدھ گھنٹہ بھی دے دیں تو بہتر ہے، یہ نہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد صبح کی اذان تک آپ نوافل پڑھتے رہیں اور بیمار ہو جائیں عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) صحابہ کرامؓ تمام رات عبادت میں لگے رہتے تھے، اللہ نے اپنی رحمت کاملہ سے یہ آیت نازل فرمائی کہ آسانی سے جتنی عبادت کر سکو کر لیا کرو۔

یہود اپنے تعمق کی بیماری سے مجبور

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ : بنی اسرائیل نے پھر رنگ کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، علی هذا مسئلہ سخت سے سخت ہوتا گیا تو اس کا جواب ملا کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہے۔ اس پر بھی انہوں نے قناعت نہیں کی ورنہ ایک جوان زرد گائے کو ذبح کرتے تو بات ختم ہو جاتی مگر وہ بیچارے اپنے تعمق کی بیماری سے مجبور تھے۔ پھر چہ میگوئیاں کرنے لگے اور تعمق کرتے ہوئے بال کی کھال اتارنا شروع کی اور ایسے ہی تشدید ان پر آتی گئی اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پیر اپنے مرید کو کہہ دے کہ پینے کا پانی لا دو،

مرید پوچھنے لگے کہ پیالے میں لادوں یا گلاس میں؟ پیر کہے کہ اگر گلاس ہو تو اچھا ہے۔ مرید نے پھر کہا کہ حضرت! سبز گلاس میں یا زرد یا سرخ میں؟ تو شیخ نے کہا کہ سبز گلاس؟ تو اب مرید نے اپنے آپ پر سختی کی اور سبز گلاس کو ڈھونڈنا پڑا۔ ورنہ پہلے جس برتن میں وہ پانی لاتے کام ختم ہو جاتا۔ غرض یہ کہ اگر اتنے سوالات نہ کرتا تو اتنی قیودات نہ بڑھتیں تو جتنے سوالات کیے جائیں گے، اتنی ہی چیز کے ملنے میں دشواریاں پیدا ہوں گی اور چیز میسر کم ہوگی، کوئی سی گائے بھی لا کر ذبح کر دیتے تو کام ہو جاتا اپنے لئے خود دشواریاں پیدا کیں۔

اگر ان شاء اللہ نہ کہتے تو تمام عمر اس کو ذبح نہ کر پاتے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ : یہ بنی اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کی خباثت کی انتہا ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس و پیش کر رہے ہیں یعنی مذکورہ بالا اوصاف تو بہت سی گائیوں میں پائے جاتے ہیں ان سے گائے کی تعیین نہیں ہوتی اس لیے مزید وضاحت فرمائی جائے، بار بار سوال کی وجہ سے گائے کے حصول میں دشواری بڑھ رہی تھی اس لیے اب انہوں نے اپنی غلطی محسوس کی اور اس پر نادم ہوئے اور آخری سوال میں اپنی کامیابی کو مشیت ایزدی سے معلق کیا، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم مطلوبہ گائے حاصل کر کے ہی دم لیں گے، پس اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور پتہ لگالیں گے، مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر یہ ان شاء اللہ کے الفاظ نہ کہتے تو تمام عمر اس کو نہیں پا سکتے تھے اور نہ ذبح کر سکتے تھے تو اب اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی برکت سے شبہ ختم ہوا ورنہ قیامت تک شبہ سے نہ نکلتے۔

گائے کے ذبح کا حکم قتل سے پہلے کا ہے؟

اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ حکم جو گائے کے ذبح کا ہے یہ قتل سے پہلے کا ہے یا بعد از قتل تو اگر قرآن کی ترتیب ذکری دیکھی جائے تو بظاہر معلوم یہی ہوتا ہے کہ ذبح گائے کا حکم پہلے ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے گائے کو ذبح کرنے کا کہا تھا تو پھر اس جاہل قوم نے کہا کہ ہم سے استہزاء کرتے ہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ بعد میں قتل کا واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک بھتیجے نے اپنے چچا کو میراث کی غرض سے قتل کر کے دوسرے محلہ میں پھینک دیا تھا، صبح کو شور مچا دیا کہ میرے چچا کو کسی نے قتل کر دیا، اب قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا تو فرمایا گیا فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا کہ اس گائے کا جس کے ذبح کا تمہیں حکم

ہوا ہے اس کے بِبَعْضِ (حصہ) سے کون سا بھی بِبَعْضِ ہو، کومیت سے لگاؤ خود بتلادے گا کہ قاتل کون ہے؟ اور اگر اس طریق سے بھی بتایا جائے تو بھی صحیح ہے کہ قتل کا واقعہ پہلے ہو چکا ہے اور بعد میں گائے کے ذبح کے متعلق حکم ہوتا ہے یا پہلے گائے کے ذبح کرنے کا حکم ہو چکا تھا خداوندی طرف سے اور ذبح کے ساتھ ہی یہ قتل کا واقعہ پیش آگیا، کوئی اشکال نہیں ہے۔ آخر یہود نے وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ کہا، مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر یہ لوگ ان شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک قیودات بڑھتی ہی جاتیں اور گائے کا ذبح کرنا دشوار ہو جاتا۔

وہ گائے محنت، ہل چلانے یا کنویں سے پانی نکالنے والی نہیں تھی

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: وہ گائے محنت کرنے والی نہیں، جو ہل چلائے یا کنویں سے پانی نکالے وہ ایک تندرست وسالم گائے ہے جس میں کوئی داغ نہیں، کہا آپ نے ٹھیک بات کہی، آپ نے پڑھا ہے کہ اللہ کے پاک نام کی بڑی برکت ہے، ان شاء اللہ کی بدولت وہ کامیاب ہو گئے اور ان کی تمام چہ میگوئیاں اور شبہات ختم ہو گئے۔ خوئے بدرا بہانہ بسیار، وہ کسی طرح سے گائے ذبح کرنے سے فرار ہونا چاہتے تھے، ان کو پتہ تھا کہ پیغمبر کی بات حق ہوتی ہے، مذبوحہ گائے کا کچھ حصہ مارنے سے مقتول زندہ ہو جائے گا اور وہ اپنے قاتل کا نام بتادے گا، یہ لیت ولعل کرنے والے خود قاتل اور قاتل کے ہمنوا تھے۔

والدین کی تابعداری کے ثمرات

ان کو مطلوبہ گائے اس طرح ملی کہ اللہ کی ایک نیک بندی نے بچے کے لیے خدا کے سپرد کر کے جنگل میں چھوڑ دی تھی کہ یہ امانت ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں تو بوڑھی ہوں، آج کل مرنے والی ہوں، جب میرا بیٹا بڑا ہو جائے تو یہ بچھڑا جب بڑا ہو جائے گا تو اس کے حوالہ کرنا جب لڑکا بڑا ہوا اور وہ لڑکا اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا، یہاں لوگ گائے کے بارے میں تشدد کرتے گئے، آخر میں جب انہوں نے ان شاء اللہ کہا تو مطلوبہ گائے وہی ملی جو اس نوجوان کے لئے والدہ نے اللہ کے حوالہ کردی تھی، اس بچے کی ماں بڑی ہوشیار تھی، اس نے کہا تم قیمت کہہ کر کہو کہ ماں سے پوچھ کر آؤں گا، چنانچہ ماں اسے بتاتی کہ اتنی قیمت بتادو مگر آخر میں یہ کہنا کہ اگر میری والدہ کی مرضی ہوگی وہ (بیٹا) آکر قیمت لگادیتا اور آخر میں شرط بھی لگادیتا کہ اگر میری

والدہ کی مرضی ہوگی، جب واپس والدہ کے پاس آتا وہ کہتی ہے کہ اتنی قیمت بتا دو اور شرط لگا دو تو اب اس کا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ اس کی کھال سے گوشت نکال کر سونے سے بھر کر لاؤ اور جتنا سونا کھال میں آسکے وہ اس کی قیمت ہوگی۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یہ تعمق کا نتیجہ ہے لہٰذا اس رکوع میں ان کے تعمق کا ذکر ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کا حضرت مدنیؒ پر اعتماد

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت مدنیؒ کانگریس میں اکیلے ہیں، فرمایا کہ وہ اکیلے ہیں تو ہم اس اکیلے ہی کے ساتھ ہیں۔ فرمایا آخر تین بزرگوں حضرت گنگوہی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے جب انہیں اپنا نمائندہ چھوڑا ہے تو ان میں کچھ دیکھا ہوگا۔

حضرت مدنیؒ کی توہین کی وجہ سے خدا کا عذاب

حضرت شیخ الاسلامؒ نے جو رائے لکھی ہے مجھے اس پر فخر ہے وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، ساری دنیا ایک طرف اور وہ دوسری طرف، پنجاب وغیرہ جن جن علاقوں میں حضرت مدنیؒ کی توہین ہوئی، خدا کا عذاب وہیں آیا، احرار پارٹی حضرت مدنیؒ کی تائید میں تھی، مجھے اطلاع ملی کہ حضرتؒ پشاور جاتے ہوئے آرہے ہیں، فوراً اٹھا، احرار کے دفتر میں اطلاع دی کیونکہ لیگی شرارت کیلئے تیاری کررہے ہیں، پس احرار پارٹی والوں نے آدمی بھیجے۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ شرارت کرتے، جب احرار والے گئے اور گاڑی چلنے تک ساتھ دوڑتے گئے، لیگیوں نے شرارت نہ کی، پھر دیکھئے! خدا کی قدرت کہ ان علاقوں میں لاکھوں مسلمان قتل ہوئے ہیں اسی امرتسر کے علاقوں میں، حضرتؒ کا ردعمل یہ تھا کہ دیوبند جاتے، کسی نے وقت پوچھا، کیا ہوا؟ کہتے کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے اور عبد صالح ولی اللہ کے بدلے قوموں کی قومیں پکڑی گئیں، خدا کے ہاں اخلاص مقبول ہے، اللہ والوں کی توہین کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، اللہ والوں کو ستانا آسان نہیں من عادى لي ولياً فقد آذنته بالحرب (البخاری: ٢٣٨٤) جو اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اعلان جنگ ہے۔

رکوع 09

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

اور جب تم ایک شخص کو قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا اس چیز کو جسے

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ

تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے کہا اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ

تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

تم سمجھو۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں

مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا

پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٧٤ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ

اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ کیا تمہیں امید ہے کہ

يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ

یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی گزرا ہے جو

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ

اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر

يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ

بدل ڈالتا تھا۔ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان

اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ

لے آئے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے کے پاس علیحدہ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم انہیں وہ راز بتا دیتے ہو

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا

جو اللہ نے تم پر کھولے ہیں تاکہ وہ اس سے تمہیں تمہارے رب کے روبرو الزام دیں کیا تم نہیں

تَعْقِلُوْنَ ۝٧٦ اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

سمجھتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ

يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝٧٧ وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا

چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں جو

يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ النصف

کتاب نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوں کے اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ

سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر

يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا

پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور افسوس ہے ان کی

يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

کمائی پر۔اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی

مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ

کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ ہرگز اللہ اپنے عہد کا خلاف

اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

نہیں کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ

ہاں جس نے کوئی گناہ کیا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا

فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾

سو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے وہی

الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۱ ۹

بہشتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

رکوع (۹)

خلاصہ: یہود کی علمی کمزوریاں

ماخذ: وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ(البقرۃ:۷۸-۷۹)

یہودیوں کی بداعمالیوں سے ان کو بے نقاب کرنا مقصود ہے

سورت کا مقصود تو مناظرہ بالیہود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں روڑے اٹکا کر سدِ راہ بن رہے تھے، ان روڑوں کو راستے سے ہٹانا ہے، اللہ نے یہودیوں کو انکی گمراہیوں کی وجہ سے طرح طرح سے ذلیل کیا، ان آیات میں ان کی بداعمالیون کا تذکرہ ہے، تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں انکی کوئی وقعت باقی نہ رہے، لوگ یہودیوں کو دیکھ رہے تھے کہ یہ اہل کتاب پڑھے لکھے ہیں، اگر یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔

قاتل کی نشاندہی سے پوری کی پوری قوم کا ہلاکت سے بچ جانا

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا : جب تم نے ایک جان کو قتل کیا تو ایک دوسرے کے سر تھوپنے لگے قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے تو فرمایا کہ بھتیجے نے چچا کو میراث کی لالچ میں آ کر قتل کر دیا اور چوراہے میں ڈال کر موسیٰ علیہ السلام کے ہاں دعویٰ دائر کیا کہ میرے چچا کو کسی نے قتل کر ڈالا ہے اور اتفاق سے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا تو حکم دیا گیا کہ گائے کو ذبح کیا جائے، اول سے ربط یہ ہے کہ پہلے گائے کے ذبح کا حکم ہوا، جس میں انہوں نے لیت ولعل سے کام لیا، پھر ذبح کرنے کے بعد اتفاقاً ایک مقتول پایا گیا، قتل ایک جگہ ہوا تھا اور

قاتل اسے دوسرے محلہ میں پھینک آئے تھے اور دعویٰ اس محلّہ کے لوگوں پر کیا پھر جس حکم کو وہ بے معنی سمجھ رہے تھے اور گائے ذبح کرنے میں لیت ولعل کر رہے تھے، اس حکم میں ایسی مصلحت نکلی کہ پوری کی پوری قوم ہلاکت سے بچ گئی، اس گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو مقتول پر مارنے سے مقتول زندہ ہوا اور قاتل کی نشاندہی کی اور فوراً دوبارہ مر گیا۔

پیغمبر کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا

جس حکم کو تم بے معنی سمجھتے اور کہتے اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا تو اس کا یہ فائدہ ہوا کہ قوم زبردست تصادم سے بچ گئی، اس قتل کی وجہ سے سخت خونریزی کا خطرہ تھا اس سے نجات مل گئی تو پیغمبر کے دیگر ارشادات بھی تمہارے لئے باعث نجات ہوں گے، چاہے ان کی مصلحت تمہارے ذہن میں آئے یا نہ آئے امت کا فرض ہے کہ جو بات پیغمبر کے منہ سے نکلے اس کی تعمیل کرے، عام مفسرین لکھتے ہیں کہ قتل پہلے ہوا تھا بعد میں حکم ہوا کہ بقرہ ذبح کی جائے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہی ترتیب ہے جو قرآن مجید میں مندرج ہے، مرزائی اس آیت کی تحریف اس طرح کرتے ہیں جس وقت قتل کیا تم نے حضرت عیسیٰؑ کو۔

ترتیب ذکری میں تاویل اور تبدیلی کی ضرورت نہیں

اگر گائے کو ذبح نہ کیا جاتا تو قوم برباد ہو جاتی، ہمارے استاد مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے تھے کہ ترتیب ذکری کو بدلنے کی کیا ضرورت ہے اگر اس کو بحال رکھا جائے تو تب بھی ترتیب ذکری ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہر حکم کو مبنی بر مصلحت سمجھا جائے، خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے تو واقعہ قتلِ نفس کا ترتب ذبح بقرہ پر کر دیا جائے کہ قتل بعد میں ہوا اور ذبح بقرہ پہلے ہوا، مصلحت کی بنا پر ذبح کا حکم تھا، اس لیے یہ لیت ولعل کرنے لگے اور اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کہنے لگے کہ بیٹھے بٹھائے ذبح بقرہ کا حکم کیوں دینے لگے، جو ترتیب ذکری ہے، یوں ہی رہنے دیجیے! ورنہ ترتیب ذکری کی توجیہ مشکل ہو گی، اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کا حکم پہلے ہوا، اس لیے انہوں نے تعجب کیا تو پھر اتفاق سے یہ واقعہ قتل کا ہوا، اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتانا

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دیا۔ مردہ

زندہ ہوا اور اپنے قاتل کا نام بتادیا، ورنہ باہمی اختلافات کی وجہ سے قومیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ قاتل کا پتہ لگ گیا تو بے گناہ لوگ بچ گئے، جن پر ناحق دعوے کیے گئے تھے اور کتمان حق تلبیس حق بالباطل ہے اور حقائق سے چشم پوشی ہے، یہ تقریباً اس امت میں بھی پائی جاتی ہے۔

اسرائیلی مقتول کے احیاء کی برکات

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس مقتول کا احیاء کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ احیائے موتیٰ پر بھی قادر ہے یعنی جس کو تم محال سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے ایک مردہ کو زندہ کرنا اور تمام مردوں کو زندہ کرنا ایک جیسا ہے کیونکہ وہاں کُن کا کلمہ چلتا ہے۔

عارضی احیاء اور حکیم دہلی کی تقریب الی الذہن کی مثال

دہلی میں ایک حکیم حاذق تھے، مجھے ان کا حلیہ یاد ہے، اس حکیم کو ہیضہ کی شکایت ہوگئی، حکیم اجمل خان اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ان کی ایک ہزار فیس تھی، نواب لوگ اِن کو بلاتے تھے، حکیم اجمل خان کو مسیح الملک کا لقب ملا تھا، دوسرے تھے شفاء الملک، انگریزوں نے انہیں خطاب دیا تھا۔ شفاء الملک پر خلاف توقع اسہال ہوا اور سکرات طاری ہوئے، پاس میں ایک ڈاکٹر انصاری بھی تھے، جو حضرت شیخ الہندؒ کے مرید تھے، انہوں نے کہا کہ اسے ایک دم کبوتر کے دم مسفوح کا انجکشن لگایا جائے، مسیح الملک بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے، گرم انجکشن لگایا تو اسے تین چار منٹ میں ہوش آ گیا، ورثاء کو جو باتیں پوچھنی تھیں، پوچھیں، پھر وہ ختم ہوگئے تقریب إلى الذهن کے لیے میں نے یہ مثال عرض کردی۔

پتھروں سے بھی زیادہ سنگدلی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ : اللہ تعالیٰ نے تم پر اتنے احسانات کیے کہ تمہیں چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور مخلوقِ خدا کو ہدایت کرتے لیکن اتنے احسانات اور پیغمبر کے معجزات اور عظیم قدرت الٰہی کو دیکھ کر پھر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے حالانکہ چاہیے تھا کہ تم اپنے کیے پر نادم ہوجاتے اور پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے لیکن اس سے تو پتھر بھی اچھے تھے کہ وہ متاثر ہوسکے لیکن ان کے دل متاثر نہیں ہوسکے۔

پتھروں کی تین اقسام

پتھروں سے بھی تین قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ بعض پتھروں سے چشمے ابلتے ہیں، جو دنیا کو سیراب کرتے ہیں، سمندر تک بہتے ہیں اور مخلوق خدا کیلئے مفید ہوتے ہیں۔

(۲) وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ: بعض سے اتنا پانی نکلتا ہے کہ قرب و جوار کے علاقہ کو سیراب کر لیتے ہیں جس سے چرند پرند اور انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۳) وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: اور بعض پتھر وہ ہیں کہ جو دوسروں کو نفع نہ دیں لیکن خود خشیت الٰہی کی وجہ سے پھٹ جاتے ہیں تو اے عاملین تورات! تم میں تو پتھروں کے اوصاف میں سے ایک وصف بھی موجود نہیں ہے۔

علمائے دین کی بھی تین اقسام

علمائے دین کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ ہے کہ شہرۂ آفاقی کی بنا پر مسافت بعیدہ سے لوگ آتے ہیں یعنی جس سے علوم کی نہریں بہتی ہیں اور دور دور جا کر لوگوں کے سینوں کو علم سے سیراب کرتا ہے اور لوگ فیض حاصل کرتے ہیں۔

امام مالکؒ، شیخ الہندؒ، انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مدنیؒ کی مثال

جیسا کہ متقدمین میں امام مالکؒ اور فی زماننا مولانا شیخ الہند مرحوم و مغفور اور اسی طرح انور شاہ کشمیریؒ جن کی خدمت میں لوگ فیض حاصل کرنے کے لئے تمام دنیا سے حاضر ہوتے تھے اسی طرح حضرت مدنیؒ کہ اقصائے عالم کے طلبہ و علماء ان سے سیراب ہوئے۔

(۲) دوسرے وہ ہیں جو شہرۂ آفاق نہیں ہوتے اور مسافت بعیدہ سے لوگ ان کے پاس نہیں آتے لیکن قرب و جوار کے لوگ آ کر ان کے تالاب کے فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرے وہ ہیں کہ اگرچہ یہ اوروں کیلئے مفید نہیں ہیں لیکن خشیت الٰہی کی بناء پر ایک گوشہ میں بیٹھے ہیں اور اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور ان میں انانیت اور عجب نہیں ہوتا، تو اے یہود! تمہاری حالت یہ ہے کہ عقیدہ یہ رکھتے ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو ستاتے ہو وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اِلَیْکُمْ (الصف: ۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درمندانہ اپیل کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سو یہود ان پتھروں سے بدتر ہیں، پس یہ ان کی علمی کمزوریاں ہوئیں۔ آگے عملی کمزوریاں بیان ہوں گی، ان کی تمام صفات و معایب طشت از بام کیے جا رہے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے۔

یہود مدینہ اور مومنین کے ایمان میں زمین اور آسمان کا فرق

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ: ایھا المومنون! یہود کے گذشتہ واقعات سے ثابت ہوا کہ یہ نالائق ہیں، اس لئے ان سے توقع مت رکھو کہ وہ حاملین قرآن بن جائیں گے، یہ مدینہ میں جماعت تھی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قلعی کھول دی کہ ان میں اتنی خرابیاں ہیں کہ یہ حق کے مسائل میں تحریف کر رہے ہیں، اب ایک جماعت جو دوسری جماعت سے مل کر کام کرے، اس کی تین صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو مقتدیٰ بنایا جائے، دوسرا یہ کہ مساوی ہو کر کام کرے، تیسرا تابع ہو کر کام کرتے کہ تو یہودیوں کا مقتداء اور پیشوا بننا تو ایک بڑی بات ہے وہ تو مسلمانوں کے مساوی بھی نہیں بن سکتے، اس واسطے کہ ان میں دو مرض موجود ہیں ایک تحریف کتاب اللہ جس کی طرف یہی آیت مذکورہ بالا مشیر ہے، دوسرا مرض کتمان حق ہے لہٰذا یہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، جب ان میں یہ بیماری ہے تو وہ کیسے حاملین قرآن بن سکتے ہیں۔ ادھر یہود کی یہی حالت ہے کہ آسمانی کتاب تورات میں تحریف کرتے ہیں اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی یہ حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے الفاظ کا بھی خیال کرتے ہیں، اہتمام اتنا ہے کہ حدثني کی جگہ سمعت بھی نہیں کہتے، پس قرآن کے حامل صحابہ کرامؓ بن سکتے ہیں، یہود نہیں بن سکتے، ادھر صحابہؓ اتنے مخلص اور ادھر یہود کی یہ حالت ہے کہ تورات کی ان باتوں سے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوتی تھی، اس کے بتلانے سے بھی منع کرتے تھے۔

یہود کی منافق مزاجی: کتمان حق اور جہالت

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: یہ یہودی اتنے منافق مزاج

ہیں کہ جرأت بھی خلاف کرنے کی نہیں رکھتے، بے ایمان ہیں اور جب یہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اپنا ایمان جتاتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو پھر بڑے یہودی اپنے ماتحت یہودیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو اپنے راز کی باتیں کیوں بتاتے ہو، جبکہ مسلمان تمہیں رب کے سامنے الزام دیں، کیا تم نہیں سمجھتے؟ بڑے، چھوٹوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ جو معلومات تمہیں اللہ کی طرف سے دی گئی ہیں، ان کا مسلمانوں کے سامنے ذکر نہ کرنا ع دیوانہ بکار خود ہوشیار اسی طرح تمام آیات میں ان کی عملی کمزوریاں آرہی ہیں، ان میں کتمانِ حق کے امراض کے ہوتے ہوئے آپ کس طرح طمع کرسکتے ہیں کہ یہ ایمان لائیں اور تمہارے ساتھ مل کر کام کریں؟

بے ایمانی اور احکام کی غلط تاویلوں کی پردہ فاشی

اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ : کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی ہر اُس بات کو جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ منافقت کا یہ چکر چلا کر وہ اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھ سکیں گے مگر اللہ نے ان کا پردہ فاش کر دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ جو بے ایمانی کر رہے ہیں اور احکام کی غلط تاویلیں کر رہے ہیں اللہ ہر چیز کو جانتا ہے کہ ان کی کوئی چال کامیاب نہیں ہوگی۔

جھوٹی امیدوں کے پجاری

وَ مِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ : عنوان کا ماخذ یہاں سے ہے۔ جاہلوں کا طرزِ عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے نا آشنا ہیں، یہ جاہل یہودیوں کا حال ہے اَمَانِیَّ جمع ہے امانی کی، جس کے معنی آرزو کے ہیں یا اس سے مراد لفظی قراءت ہے، مطلب یہ ہے کہ جاہل بجز قراءت یا بازاری قصہ جات کے کچھ نہیں جانتے، یہودیوں کے اعمال تو وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، امنیة باطلہ کہہ چلو، اللہ کے فضل سے چھوٹ جائیں گے، عمل نہیں کرتے، ان کے پاس جھوٹی تمناؤں اور آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور وہ صرف اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں، جس طرح یہاں پر گیارہویں دینے والے ہمیں طعنے دیتے ہیں کہ وہابی مولوی تو گیارہویں نہیں مانتا اور اس مولوی کو گیارہویں کے فوائد معلوم نہیں۔

بعض لوگوں کی جھوٹی امیدیں

بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب قبر میں فرشتے کہیں گے من ربك؟ تو اس کے

جواب میں کہیں گے: پیرانِ پیر ہی جواب دیں گے اور جب فرشتے گرز اٹھائے مارنے کا ارادہ کریں گے تو اس وقت پیرانِ پیر دوڑتے آ پہنچیں گے اور کہیں گے: مریدي، مریدي یہ تو میرا مرید ہے، اس کو کچھ نہ کہو، فرشتے چلے جائیں گے۔ پیرانِ پیر اپنے مریدوں کو جنت میں لے جائینگے لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع (البخاری: ح ٣٤٥٦) اسی طرح یہود ونصاریٰ جھوٹی تمناؤں پر اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے تو آج کل کے بدعتی قبر پرست بھی وہی تمنائیں اپنے لئے حجت بناتے ہیں، بہت سے اَن پڑھ اب بھی کہتے ہیں: بھائی! نماز روزے دی گل نئیں اے فضل چھڑائے گا عمل نہیں چھڑائے گا (نماز روزے سے نہیں اللہ کے فضل سے چھوٹنا ہے عمل کرنے سے نہیں) کلمة حق أريد بها الباطل ہم کب کہتے ہیں کہ عمل اللہ تعالیٰ کو جنت دینے پر مجبور کریں گے۔

یہودی علماء کی دین فروشی اور علمی وعملی مذاق

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ : علمائے یہود کا عملی مذاق یعنی ان کے دین فروش علماء کی یہ حالت ہے جو غلط راستے پر چلانے کیلئے غلط فتوے دیتے ہیں اور ثمن قلیل لیکر ہر باطل کے بارے میں فتویٰ دے دیتے ہیں اور آج کل کے بعض مفتی پھر لکھ دیتے ہیں کہ ھکذا رأیت في الکتب جاہل کو بہکانے کے لیے عربی میں لکھ دیتے ہیں مگر یہ وعدہ نہیں کرتا کہ فتویٰ ٹھیک ہوگا، اگر کافی رقم دے دیں تو پھر کتابیں دیکھ کر فتویٰ لکھ دے گا، جب یہودیوں کی یہ حالت تھی تو اس امت میں بھی بدرجۂ اکمل ہوگی لتتبعن سنن من قبلکم کیونکہ جس وقت مستفتی فتویٰ پوچھتا ہے تو اس کی غرض ہوتی ہے کہ یہ جو لکھا ہے، حکمِ الٰہی ہے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے اور مفتی جو چاہے لکھ دیتے ہیں اور پھر یہ کہتا ہے کہ یہ حکم اللہ کا ہے اور دنیا میں ایسے بہت واقعات ہیں کہ فتویٰ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہیں لکھتا اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو یہ دو جرموں کے مرتکب ہوئے، ایک تو حق کا نہ لکھنا اور پھر روپیہ بھی لے لینا۔ حضرت حسن بصری ثمن قلیل کے بارے میں فرماتے ہیں الدنیا بحذافیرها ثمن قلیل یعنی تمام دنیا ثمن قلیل ہے۔

اَمَانِیَّ کی تشریح

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ

عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ : یہ اَمَانِیَّ کی تشریح ہے، القرآن یفسر بعضه بعضاً یہودی ان پڑھ یہ آرزو رکھتے تھے کہ ہمیں آگ صرف چند گنتی کے دن مس کرے گی، پھر ہم جنت میں چلے جائیں گے حالانکہ یہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور تعلّی یہ ہے کہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً چند دن معذب ہوں گے اور ۴۰ دن آباؤ اجداد کے گناہ (بچھڑے کی عبادت) کی بنا پر ہر یہودی جہنم میں رہے گا ہم تو بالکل بے گناہ اور صاف ہیں۔ یہ تعلّی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا یہ خیال غلط ہے۔

آلودہ دلوں کی فطرت کا مسخ ہوجانا

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : کامیابی کا اصل معیار اس پر ہے کہ جو انجان لوگ ایمان اور نیک اعمال کریں تو وہی لوگ جنتی ہے اور وہ اسی جنت میں ہمیشہ رہیں گے احاطہ تام یہ ہے کہ طولاً عرضاً عمقاً قلب پر حاوی ہو جائے اس کو پھر ممسوخ الفطرت کہا جاتا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ دل پر پڑ جاتا ہے اگر توبہ کی اور نیک کام کیا تو وہ سیاہی مٹ کر قلب صاف ہو جاتا ہے، ورنہ گناہ کرتے کرتے قلب بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر کبھی وہ شخص ہدایت پر نہیں آسکتا، اس کی مثال یہ ہے کہ لوہے کو زمین میں گاڑنے سے اس پر زنگ چڑھ جاتا ہے اگر نکال کر صاف ہوا تو ٹھیک ورنہ زنگ اس کی ظاہری سطح اور باطنی دونوں کو برباد کر ڈالتا ہے۔

اہل ایمان کے لئے جنت کی خوشخبری

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: کفار اور مشرکین کے لئے وعید کے بعد یہاں مومنین وصالحین کیلئے خلود فی الجنة کی خوشخبری بیان کی ہے، فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کریں تو ان کے لئے ایسی جنت تیار کی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو وہاں سے کبھی بھی نہ نکالا جائے گا۔

رکوع 10

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور

اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ

اور زکوٰۃ دینا پھر سوائے چند آدمیوں کے تم میں سے سب

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

منہ موڑ کر پھر گئے۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو جلا وطن کرنا

مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے

فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم

گھروں میں سے نکالتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ

ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا تاوان دیتے ہو

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ

حالانکہ تم پر ان کا نکالنا بھی حرام تھا کیا تم

الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ

کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو پھر جو تم میں سے

ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ

ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن

الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو

تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

تم کرتے ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو

ع بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾

آخرت کے بدلہ خریدا سو ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔

رکوع (۱۰)

خلاصہ: یہود کی عملی کمزوریاں

ماخذ: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ O وَ اِذْ اَخَذْنَا
مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ O ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ
الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ
الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرۃ: ۸۳-۸۶)

یہود کی عملی کمزوریاں

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ : اس رکوع سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی علمی کمزوریوں کا اظہار فرما کر ان کے امراض مخفیہ کو بیان کیا تھا، اب اس رکوع میں اللہ عزوجل نے ان کی عملی حالت کی ابتری اور زیادہ خرابی کو بیان فرما رہے ہیں جن اعمال کے کرنے کی انہیں تاکید کی گئی تھی اِن کے ادا کرنے سے وہ قاصر رہے، ان اعمال کا کرنا ان کے ذمہ تھا جن کا ذکر اس رکوع میں ہے، پس فرمایا کہ اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے

پختہ عہد لیا اور وہ عہد یہ تھا کہ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، پس تم نے اس عہد کو نباہنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اکثر اس عہد کے خلاف چلنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ حکم کچھ دیتا ہے، یہ اور کچھ کرتے ہیں، اس لئے یہود ذلیل کیے گئے، ان کے راز ظاہر کر دیئے گئے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں باطل پرست ہیں، ہمیں ان امراض سے بچنا چاہیے لتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر و ذراعا بذراع (مستدرك حاكم: ح ٨٤٠٤) ان کی ان بیماریوں کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں کہ حاملِ قرآن بن جائیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد سب سے پہلے ماں باپ اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اگرچہ اس آیت میں اور بھی مسائل ہیں مگر اس آیت کے اس موقع پر پیش کرنے سے فقط ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے حسن سلوک ثابت کرنا میرا مقصود ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد شانِ ربوبیت والدین ہی ہوتے ہیں، عاصی اور نافرمان اولاد پر بھی احسان کرنے سے جی نہیں چراتے اور اپنی اولاد کے لئے ہر کمال کے آرزومند رہتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی کو راضی رکھنا ہے تو وہ ماں باپ ہی ہیں

جن مصارفِ خیر میں مال خرچ کرنے کا ارشاد ہوا ہے ان میں سب سے پہلے والدین اور ان کے بعد رشتہ داروں کا نام لیا گیا ہے، اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ سب سے پہلے والدین کی خدمت اور ان کی دلجوئی انسان کا فرض ہے اور ماں باپ کی خدمت اور ان کی دلجوئی ہر انسان کے ذمہ لازم اور اشد ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے فرامین کے علاوہ اگر اپنی عقل سے کام لے تو عقل کی رہنمائی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی شخص کو راضی رکھنا انسان کا فرض ہے تو سب سے پہلے یہ درجہ ماں باپ ہی کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر غور سے دیکھا جائے تو ماں باپ سے بڑھ کر انسان کا کوئی محسن نہیں ہے۔

قرابت داروں کے حقوق

وَ ذِي الْقُرْبٰى : عزیز و رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، یہ بھی دراصل ماں باپ کی محبت کا ایک جز ہوتا ہے اور وہ صلہ رحمی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لہٰذا اگر رشتہ دار برائی بھی کریں

تو بھی ان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے تا کہ ہماری عاقبت خراب نہ ہو، ہاں البتہ اگر رشتہ دار اللہ کے دین کے مخالف ہوں تو ان سے قطع تعلق کرنا جائز ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلة: ۲۲) آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوں گو وہ انکے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگر چہ باپ بیٹے ہوں وہی سچے ایمان والے ہیں

صلہ رحمی کرنے والا کون؟

حاصل یہ ہے کہ برادری میں ہر قسم کے دکھ اور تکلیف دینے والوں کی تکالیف کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے برداشت کرنا اور بایں ہمہ ان سے ہر قسم کا تعاون اور ان کی خیر خواہی کرتے رہنا یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی بہادری کا کام ہے، اللہ تعالیٰ جس کو اپنے فضل سے آسان کردے یہ اس کا فضل ہے۔

یتیموں اور مسکینوں کی نصرت واعانت

وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ : یتیموں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم فرمایا تا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں، حسنِ سلوک سے مراد ان کی مالی اعانت ہے۔

احکام کی عدم تعمیل

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ : ان پر بھی لازم کردیا گیا کہ اگر تم لوگوں کی بدنی و مالی خدمت نہیں کر سکتے تو لوگوں سے ہمیشہ اچھی بات کہیں اور نماز وزکوٰۃ کی پابندی کریں۔ یہود نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ہٹ دھرمی میں آ کر ضد کی اور یہی اہل علم جماعت تھی تو ان کے خلاف کرنے سے دیگر اہل مدینہ پر ضرور اثر پڑتا تھا، اس وجہ سے قرآن کریم ان کی قلعی کھول رہا ہے کہ جو پروگرام میں نے دیا تھا، تم نے اس پر عمل نہیں کیا، تَوَلّٰی کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میرے احکام کی تعمیل نہیں کی، پس تم نے اپنے عہد اور میثاق سے روگردانی کی مگر تم میں سے بہت کم عہد پر قائم رہے اور تم آباؤ اجداد سے اعراض کرتے چلے آئے ہو، یہ یہود کی عملی کمزوریاں ہیں۔

دوسرا عہد: خونریزی سے ممانعت

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ: دوسرا عہد یہ لیا گیا تھا کہ یہود یوا خانہ جنگی کر کے باہمی خونریزی نہ کرنا کہ اس سے تمہاری اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا اور حیات قومی فنا ہو جائے گی، جیسا کہ ہمارے لئے یہ حکم ہے وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القاتل والمقتول فی النار (مسلم:ح ۱۶۸۰) لیکن تم نے خونریزی بھی نہ چھوڑی اور انبیاءؑ کو قتل کرنے سے بھی نہیں رُکے۔

اپنے عزیزوں کو ترکِ وطن پر مجبور نہ کرنا

وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ: اپنے عزیزوں کو ترک وطن پر مجبور نہ کرنا کہ اِدھر تو تمہاری جماعت روز بروز کم ہوتی جائے گی اور اس طرح وہ جلاوطنی کی مصیبتوں میں تکلیفوں سے تنگ آ کر تمہارے دشمنوں کے ساتھ سازش کر لیں گے، لہٰذا تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ بنے اس عہد و پیمان کا اور آج بھی تم معترف ہو کہ تم نے اس عہد کا اقرار کیا اور اُسے قبول کیا لیکن تم (یہود) نے اس عہد و میثاق کو بھی توڑا۔

یہود کے حکم عدولی کی تصریح

ثُمَّ اَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِھِمْ تَظٰھَرُوْنَ عَلَیْھِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ: اس میں پھر حکم عدولی کی تصریح ہے۔ طرز بیان ایسا ہی ہے جس طرح محاورہ میں کہتے ہیں کہ تم وہی لوگ ہو، جنہوں نے مخالفت کی تھی اور فلاں کام کیا تھا۔ یہاں سے عملی کمزوریاں بیان ہوئیں، ع...... عاقل را اشارہ کافی است پس تم وہی ہو جو اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے نکالتے ہو اگر یہ نکلتے تو وہ بھی نکلتے، اگر وہ نہ نکلتے تو تم بھی نہ نکلتے۔ دونوں ایک دوسرے کو نکال رہے ہیں، مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے، اوس، خزرج اور یہود کے تین قبیلے تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ان میں بنو قریظہ کی دوستی اوس کے ساتھ تھی بنو نضیر، خزرج کے حلیف تھے، جب ان کی لڑائی ہوتی تھی تو یہود کو بطور حلیف کے ساتھ دینا پڑتا۔ اب مقابلے میں دونوں طرف یہودی تھے، پس یہ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ کے خلاف ہو گیا۔ اوس اور خزرج کے درمیان تقریباً ایک سو بیس سال لڑائیاں ہوتی رہیں، دونوں میں کبھی ایک غالب آتا اور کبھی دوسرا غالب آتا اور ہر ایک حلیف اپنے حلیف کی مدد کرتا۔

اخراج اور قتل کے بعد حکم فدیہ کی تعمیل

وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ: اخراج اور قتل کے درجے تو طے کیے، اب فدیہ کے حکم کی تعمیل کرنے لگتے ہیں یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اوس یا خزرج کے پاس یہود قید ہوتے تو اس کا یہ لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے، تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ پہلے تو تم پر یہ لازم تھا کہ ان یہود کو نہ نکالتے کیونکہ جب اوس کے ساتھ یہود کا کوئی قبیلہ لڑتا تو اوس کے حلیف یہود کو نکال لیتا تھا کیونکہ جب اوس کے حلیف تھے تو مجبوراً نکلتے، تو حاصل یہ ہے کہ اس پر تم نے عمل نہیں کیا مگر تم میں سے یہود قید ہو جاتے ہیں تو فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، پس جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہمیں فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑا لینے کا حکم دیا ہے ہم اس لئے ایسا کرتے ہیں۔

بعض حکم الٰہی کا ماننا اور بعض کو رد کر دینا جرم عظیم ہے

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: خدا کے بعض حکموں کا ماننا اور بعض کو رد کر دینا بڑا جرم ہے، اس آیت میں اس جرم کی سزا بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت میں بھی اس کے لئے ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں، پس جو آدمی یادِ خدا سے غافل ہو کر دنیائے فانی میں دن رات لگا رہے تو اس کی زندگی تنگ کر دی جائے گی اور قیامت کے دن اندھا قبر سے اٹھے گا، ایک بہت متمول آدمی جس کی کوٹھی اڑھائی لاکھ کی ہو اور موٹر کار پچاس ہزار کی اور اس کے بیٹے ایم اے، بی اے لیول اور بیوی بھی زندہ ہو لیکن اس کے پاس نہ وضو کا لوٹا ہو، نہ مصلّٰی ہو تو اس کا دکھ اور قلبی پریشانی چھلنی سے زیادہ ہوگی، اُن کو چین اور سکون میسر نہ ہوگا۔ قسم خدا کی کہ وہ سچا ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ: ۱۲٤)

خلافت عثمانیہ کے بارے میں دوغلا کردار: الاعتبار و التأویل

مسلمان متنبہ ہوتا ہے، خواص تو اپنے آپ قیاس کر لیں گے، عوام نہیں کر سکتے، یہ حالت کیوں اس درجہ تک پہنچی، یہود نے اپنے آدمیوں کو قتل کیا اور گھروں سے نکال دیا اور پھر فدیہ

دینے کے لئے چندے فراہم کئے، اس طرح عملی کمزوری ہم مسلمانوں میں بھی ہے، مسلمانوں نے ۱۹۱۴ء کی جنگ میں برطانیہ کی حمایت کر کے خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹ دیا اور جب سلطان مع اپنے دو بیٹوں کے قید ہوا تو اس کی رہائی کے لئے چندہ جمع کیا۔

مسلمانوں پر مصائب کی بارش

اس طرح اس لڑائی کے بعد جو مسلمانوں پر ذلتیں اور مصائب نازل ہوئی ہیں، جن کا آج تک ۱۹۲۶ء برابر سلسلہ جاری ہے۔ مسلمانوں کو چین نصیب نہیں ہوا، کچھ مدت تک مارشل لاء جاری رہا، گوجرانوالہ میں اور قصور کے دروازے پر پھانسی ہر وقت تیار رہتی تھی اور رولٹ کمیٹی یعنی تحقیقی کمیٹی مقرر رہوتی۔

دنیاوی وجاہت کے لئے اپنے دین کو قربان کیا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ: انہوں نے نصب العین بدلا، دنیاوی وجاہت کے لئے اپنے دین کو قربان کیا، دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں لے لیا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ان لوگوں کے پاس خدا کی کتاب موجود تھی مگر انہوں نے اس پر عمل کر کے سامان آخرت تیار کرنے کے بجائے اسے دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، لہٰذا ان سے عذاب کو ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی ان سب چیزوں سے یہ لوگ محروم رہیں گے، یہ ترہیب ہے۔

دینی کتابوں میں ترغیب وترہیب کی ضرورت

ایسی ترغیب وترہیب وتنبیہ ہماری کتابوں میں نہیں ملے گی؟ سب سے بڑا دینی فن فقہ ہے لیکن اس میں ترغیب وترہیب نہیں جبکہ اسکی ضرورت واہمیت ہے بلکہ میرے نزدیک فرض عین ہے۔

اتباع إلٰہ تقلید ہے نہ کہ اتباع ہوی

اتباع کسی نہ کسی امام کی کرنا فرض عین ہے ...... ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ میں امام کی تقلید کو باعث رحمت سمجھتا ہوں ورنہ پھر تو اتباع ہوئی ہوگا۔ اتباع ہوئی، رضائے الٰہی نہیں بلکہ اول درجہ میں قرآن وسنت کی اتباع ہے۔ حسنِ اتفاق سے ہم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور اس کو موجب سعادت سمجھتے ہیں۔

رکوع 11

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد بھی

بِالرُّسُلِ١٘ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ

پے در پے رسول بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور

بِرُوْحِ الْقُدُسِ١ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا

روح القدس سے اس کی تائید کی کہ جب تمہارے پاس کوئی وہ حکم لایا جسے تمہارے دل نہیں

تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ١ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ١٘ وَ

چاہتے تھے تو تم اکڑ بیٹھے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ١ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ

ایک جماعت کو قتل کیا۔ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ

اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ

اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے لعنت کی ہے سو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔اور جب ان کے پاس

كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ١ۙ وَ

اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے اور

كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ

اس سے پہلے وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى

پھر جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا سو کافروں پر

الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا

اللہ کی لعنت ہے۔ انہوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بری چیز کے لیے بیچ ڈالا

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى

یہ کہ اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا اس ضد میں آ کر انکار کرنے لگے کہ وہ اپنے فضل کو

مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ ۗ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے سو غضب پر غضب میں آ گئے

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٩٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا

کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اسی کو مانتے ہیں جو ہم پر اترا ہے

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا

اور اسے نہیں مانتے ہیں جو اس کے سوا ہے حالانکہ وہ حق ہے اور تصدیق کرنے والی ہے

مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ

جو ان کے پاس ہے کہہ دو پھر تم کیوں اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے رہے اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

مومن تھے۔ اور تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر آیا

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو اٹھایا

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ

کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور سنو انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور

عَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ

مانیں گے نہیں اور ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی کہہ دو

بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اگر تم ایمان دار ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

کہہ دو اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

خصوصیت کے ساتھ سوائے اور لوگوں کے تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ط

سچے ہو۔وہ کبھی بھی اس کی ہرگز آرزو نہیں کریں گے ان گناہوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ

اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔اور آپ انہیں زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے۔

النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۛ یَوَدُّ معانقة

اور ان سے بھی جو مشرک ہیں ہر ایک ان میں سے چاہتا ہے کہ

اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ

کاش اسے ہزار برس عمر ملے اور اسے عمر کا ملنا

الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع ع ۱۰

عذاب سے بچانے والا نہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

رکوع (۱۱)

خلاصہ: (۱) یہود کے امراض مستمرہ ہیں۔

(۲) اور یہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر بھی کام نہیں کر سکتے۔

ماخذ: (۱) اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرۃ: ۸۷)

(۲) وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ: ۸۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت اور رہنمائی کی کتاب عطاء فرمانا

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ: بنی اسرائیل کو فرمایا کہ بلاشبہ ہم نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت کا ایک دستور دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا لہٰذا صرف کتاب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ کتاب میں مذکور احکام کی یاد دہانی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول بھیجے جو تورات کی تعلیم کی تبلیغ کرتے تھے۔

رُوْحُ الْقُدُسِ کی تحقیق اور عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: فرمایا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانات عطا کئے اور اس کی تائید ہم نے پاک روح سے کی، جمہور مفسرین کے نزدیک رُوْحُ الْقُدُسِ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ روح القدس اُس خزانہ قدرت الٰہی کو کہتے ہیں، جہاں سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو امداد ملتی رہتی ہے، ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان کو اس امداد کی زیادہ ضرورت تھی اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ ایک نئی قوم سے واسطہ اور معاملہ پڑتا اور نیا

معجزہ دکھانا پڑتا تھا بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ ایک ہی جگہ موجود تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مولوی محدث ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اور علوم وفنون اس کو نہیں آتے اور نہیں جانتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اور بھی علوم سمجھتا ہے لیکن حدیث شریف سے زیادہ مناسبت ہے اور اس میں زیادہ ممتاز ہے۔

یہود کا تمام انبیاء علیہم السلام سے ذلت آمیز سلوک

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ: اے یہود! جب کبھی بھی تمہارے پاس کوئی پیغمبر آیا، جس کی تعلیم کو تمہارا دل پسند نہیں کرتا تو تمہارا یہ دستور العمل اور عادت مستمرہ رہی کہ تم میں ایک فریق حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے رہے اور ایک فریق نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالے ہو اور تم نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدة: ٢٤) اور اسی طرح تم نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کے سامنے گردن نہادن کو ذلت سمجھا اور سرتابی کرنے کو عزت سمجھا، تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے یہی سلوک کیا۔

قلوب پر غلاف اور بظاہر کسرِ نفسی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ: اس آیت سے پہلے یہ ثابت کیا گیا کہ فرقہ یہود نہ مسلمانوں کے مقتدا بن سکتے ہیں اور نہ مساوی، ایک یہ احتمال باقی تھا کہ شاید مسلمانوں کے ماتحت رہ کر تبلیغ واشاعت کا کام کر سکیں تو اس آیت سے یہ احتمال دفع ہو گیا (طریقہ دفع احتمال ثالث) تبلیغ کا کام وہ اُس وقت سرانجام دے سکتے ہیں جب تعلیم قرآنی کو شوق دل کے ساتھ منظور کر لیتے لیکن ان کی یہ حالت تھی کہ جب ان کو احکام قرآنی سنائے جاتے تھے تو باوجود سمجھ لینے کے اُن احکام کے متعلق استہزاءً کہتے تھے کہ ہاں! ہمارے دلوں پر پردے ہیں، ہم قرآن کے سمجھنے سے معذور ہیں لہٰذا اگر یہ خود کوئی ایک کام چلانے کے قابل نہیں (جو ثابت ہو چکا کہ بیکار لوگ ہیں) لیکن فراست سے دوسرے کے ساتھ تو رہ کر کام کر سکتے تھے لیکن ان سے یہ بھی نہ ہو سکا بلکہ آپ کو فرمایا وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ یہاں سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تابع ہو کر بھی کام نہیں کر سکتے کیونکہ تابع اور ماتحت کا یہ قانون ہے کہ جو بات اس کو سمجھائی جائے، اس کو سمجھ جائے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب مغلوف ہیں...... ع دل ہائے ما در پردہ ست

آپ جو بات کہتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند باتوں اور خیالات عالیہ کو سمجھ نہیں سکتے، اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے، بظاہر کسرِ نفسی ہے۔

مغلوف نہیں بلکہ ملعون ہیں

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ : جو کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب مغلوف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ جس فرقے کی یہ حالت ہو کہ باوجود سمجھنے کے احکام کے ساتھ استہزاء کرے اور اللہ کی طرف سے لعنت کے ساتھ بھی مشرف ہوں تو کیا وہ بھی یہ لیاقت رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر تبلیغ کا کام کریں تو اس کا جواب بجز نفی کے اور کچھ نہیں، یہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ انہوں نے کفر کیا ہے اور اس کفر کے باعث ان پر من جانب اللہ لعنت ہے، ان کا قصور و عجز نہیں، دونوں باتیں واضح ہیں کہ یہ ان کی عادت مستمرہ ہے، مقتدا بننے کے قابل بھی نہیں اور مقتدی بننے کے بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کو ذلیل کر دیا اور ان خباثت ظاہر کر دی اور پھر اس لعنت کا ثمرہ یہ ہے کہ ان کے قلوب مسخ ہو چکے ہیں، اس لیے حق بات نہیں سمجھ سکتے۔

دشمن کا حملہ ہو یا کوئی مصیبت آپؐ کی ذات کو وسیلہ بنا کر اس کو ٹال دیتے

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اس آیت میں انکے کفر کا بیان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں ان کی کتابوں میں موجود تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے، انکے بزرگوں نے تورات کی بشارات کی بنا پر ان کا موطن (یثرب) معلوم کیا تو اسی نیت سے یہود نے اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر عرب آ کر مدینہ میں قیام کیا تھا، جب کوئی دشمن حملہ کرتا یا کوئی بھی مصیبت آ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بنا کر مصیبت ٹلنے اور اپنی فتح کی دعا مانگتے تھے کہ اللهم ابعث هذا النبی الذی نجده مكتوباً عندنا حتى نعذب المشركين ونقتلهم یا اللہ! ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہیں، انکی برکت سے ہمیں فتح دے، یہ لفظ يَسْتَفْتِحُوْنَ سے مفہوم ہے لیکن جس وقت نبی آخر الزمان رونق افروز ہوئے تو وہ منکرین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

سوال: باوجود اتنے انتظار اور کثرت محبت اور ہجرت کے یہود کے انکار کا کیا باعث ہے؟

جواب: یہودیوں کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوگا لیکن جب ان کے خیال کے خلاف بنی اسماعیل سے متولد ہوئے تو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے، جیسا کہ آیت بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ (البقرة: ۹۰) سے واضح ہے۔

توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم

قاعدہ یہ ہے کہ مدعو (جس کو پکارا جائے) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور داعی انسان ہے تو یہ توحید ہے اور مشرکین اپنا مدعو غیر اللہ کو بناتے ہیں، اگر مدعو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حاجت روائی صرف اللہ کو بنائیں تب اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیں تو کوئی گناہ نہیں۔

ناجائز وسیلہ کی ایک مثال

وسیلہ کے دو معنی ہیں (اول) یہ کہ پنجابی اصطلاح میں اس کی مثال ایک زمیندار کی ہے، جس کا ایک ضروری کام ہے، جو ڈپٹی کمشنر کر سکتا ہے لیکن ڈپٹی کمشنر تک اس کی رسائی نہیں ہوتی، اس لیے وہ تحصیلدار کو ذریعہ بنائے اور تحصیلدار، ڈپٹی کمشنر کو سفارش کر دے کہ یہ حکومت کا وفادار ہے، پس تحصیل دار کے ذریعے اس کا کام ہو جاتا ہے، اس صورت میں صاحب حاجت کا تعلق محتاج الیہ سے نہیں ہوتا، ذی حاجت (زمیندار) اور محتاج الیہ (ڈپٹی کمشنر) کے درمیان تحصیلدار واسطہ ہوتا ہے، تحصیلدار، ڈپٹی کمشنر کو بھی جانتا ہے اور زمیندار کو بھی، اب زمیندار اپنا محسن تحصیلدار ہی کو سمجھے گا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: ۳) تو یہ شرک ہے۔

وسیلہ اقرب الی اللہ ہونے کا ایک مقام

(دوم) وسیلہ کے معنی شریعت میں باب الآذان میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول المؤذن ثم صلوا عليّ؛ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة فى الجنة لاتنبغي إلا لعبد من عباد الله، و أرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة (مسلم ج۱، ص ۱۶۶) تو یہاں وسیلہ کا معنی اقرب الی اللہ ہونے کا ایک مقام ہے۔

اعمال صالحہ سے توسل

آیت شریفہ میں ہے وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المائدة: ٣٥) یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے قرب الی اللہ حاصل کرو، جب مدعو اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور پھر زندہ یا مردہ کو حاجت روائی کا ذریعہ نہ بنائے تو جائز ہے جیسا کہ حدیث میں تین اشخاص کا ذکر ہے کہ انہوں نے اعمال صالحہ کو ذریعہ بنایا تھا، (اسکی تفصیل بخاری شریف، حدیث نمبر ٣٤٦٥ میں مفصل موجود ہے)

کفر کی علت بنی اسماعیل سے ضد وعناد

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ : فرمایا کہ بری ہے وہ چیز جس کے بدلے نفس کو بیچتے ہیں، کفر اور اب کفر کی علت بتائی جاتی ہے کہ کفر بآیات اللہ کر کے اپنے آپ کو جہنم میں ڈالا تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے، پھر جب وہ آئے تو انکار کرنے لگے، سرکشی اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس کو چاہے دیدے۔ عناداً ان کا یہ خیال تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ اب وہ بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے تو ان کو اس بات سے حسد پیدا ہوا کہ وہ ہم میں سے کیوں پیدا نہیں ہوا؟ پھر پہچاننے کے بعد بھی انکار کر دیا ضد وعناد کی بنا پر، اڑھائی ہزار سال تک سنت اللہ یہی رہی تھی کہ بنی اسرائیل میں انبیائے کرام علیہم السلام آرہے تھے، اب جب بنی اسماعیل میں نبوت آئی تو انہوں نے عناد کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام علمبردار توحید

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے مؤحد پیدا ہوئے کہ فرشتے آکر آگ بجھانے کی درخواست کرتے ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، دعا کرنے کا کہتے ہیں تو فرماتے ہیں: يكفيني عن سوالي علمه بحالي بنی اسماعیل اس علمبردار توحید پیغمبر علیہ السلام کی اولاد تھی، جن کی توحید کا یہ جذبہ تھا مگر آگے چل کر ان کی اولاد نے ٣٦٠ بت بنالیے اور توحید کی دعوت پر تعجب کرنے لگے۔

یہود کا پہلے حضرت عیسیٰؑ اور پھر حضرت محمدؐ کی بعثت کے انکار پر مغضوب ہونا

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ: یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

بعثت کا بھی انکار کیا یہ ان پر پہلا غضب تھا اور پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم کی بعثت کا بھی انکار کیا باوجودیکہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منتظر تھے، یہ ان پر دوسرا غضب تھا یعنی پہلے بھی ذلیل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنے کے بعد بھی ذلیل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تقریباً اڑھائی ہزار برس کا فاصلہ ہے، بنی اسرائیل میں لگاتار پیغمبر آتے رہے، بنی اسرائیل نے ایک ایک دن میں چالیس چالیس پیغمبر قتل کیے، بنی اسماعیل میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بنی اسماعیل میں کچھ نہ کچھ لوگ دینِ ابراہیمی پر تھے۔

پابندی تورات کا دعویٰ غلط ہے

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ یَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ:

وان کان منزلا من اللہ جب یہود کو کہا جاتا ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے، اس لیے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف تورات پر ایمان لائے ہیں، اس کے ماسوا دیگر کتابوں کو نہیں مانتے، حالانکہ ماوراء (تورات کے علاوہ) ٹھیک ہے، یعنی قرآن مجید حق ہے اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، جو ان کے پاس ہے، تمام آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، الحمدللہ ثم الحمدللہ امت محمد یہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے، تمام پیغمبروں کو حق مانتے ہیں، علمائے یہود نے اعتراض کیا تھا کہ قرآن ہم پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن ان تمام پیشنگوئیوں کی تصدیق کرتا ہے جو تورات میں موجود ہیں، پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ یہود یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم صرف تورات کو مانیں گے اور کسی کتاب کو اپنا دستور العمل بنانے کیلئے تیار نہیں، اس پر ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو ان انبیاء علیہم السلام کو کیوں قتل کیا جو صرف تورات کی دعوت دیتے تھے؟ پس معلوم ہوا کہ پابندی تورات کا دعویٰ کرنا سرے سے غلط ہے، تم ہمیشہ سے کتاب الٰہی کے منکر رہے ہو۔

اعمال جذبات باطنیہ کے ترجمان

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعمال ترجمان ہیں جذبات باطنیہ کے، جب کوئی آپ کو السلام علیکم کہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی آپ کے ساتھ محبت ہے

اور اگر گالی دے تو اس کا جذبۂ باطن نفرت، عداوت اور بغض پر دلالت کرتا ہے، یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کا آپ کے ساتھ بغض باطن ہے، اسی طرح یہاں بھی ان کا حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے جذبات باطنیہ ایسے ہیں کہ تورات پر بھی ایمان نہیں لائے، ورنہ ان انبیائے کرام علیہم السلام کو (جو مجدد تورات تھے) قتل نہ کرتے، جیسے بنی اسرائیل نے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دیگر بہت سے پیغمبروں کو قتل کیا جو تورات کے ماننے والے تھے اور تورات کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلاتے تھے۔

یہود کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے کا دعویٰ بھی غلط

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ: آگے ان کی بداعمالیوں کے بیان میں ترقی ہے کہ نہ صرف دوسرے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ان کا یہ سلوک رہا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین کرتے رہے، فرمایا کہ تم بڑے ماننے والے ہو تورات کے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر احکام الٰہی حاصل کرنے کیلئے چلے گئے تو تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا تو ماننے کا یہ دعویٰ غلط ہے، حق یہ ہے کہ تم کسی کے بھی پیرو نہیں ہو یعنی تم نے اپنے داعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذہب کا بھی انکار کردیا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہاری عادت مستمرہ ہے۔ ایک تو انہوں نے عقیدۂ توحید کا سبق پڑھایا تھا جو ان لوگوں نے بھلادیا اور اسی طرح یہ لوگ تورات کو بھی ماننے والے نہیں۔ پس ان کا یہ کہنا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا بھی غلط ہے۔

دعویٰ ایمان کی قلعی کھولی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا: یہ بنی اسرائیل ایسے ناشکرے ہیں کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اِن کے سامنے کی ہے، وہ سامنے تھے اور یہ انکار کررہے تھے، یہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا کی قلعی کھولی جارہی ہے، ان آیات میں ان کی وہ قباحت بیان ہورہی ہے، کہتے ہیں کہ جھوٹے کو گھر تک بھگانا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور اٹھایا اور فرمایا کہ جو تورات میں نے تم کو دے دی ہے، اُس کو پوری مضبوطی سے پکڑو اور اس کے احکام کو سنو تو انہوں نے کہا ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔

بنی اسرائیل کا معجزات کو دیکھ کر بھی اعتراف نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے ان پر اتنا فضل فرمایا کہ کوہ طور ان کے سروں پر لٹکایا تا کہ وہ ڈر کر تورات کے احکام پر پوری مضبوطی کے ساتھ عمل درآمد شروع کر دیں، جس طرح ایک مشفق ڈاکٹر بیمار کو زبردستی دوائی پلا دیتا ہے حالانکہ بیمار کڑوی دوائی سے گھبراتا ہے تو ڈاکٹر اُسے ڈانٹتا ہے اور پھر زور سے اس کے منہ کو کھول کر دوائی اس کے منہ میں انڈیل دیتا ہے مگر بنی اسرائیل نے اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر بھی پورے اخلاص کے ساتھ اعتراف نہ کیا اور جس وقت وہ ایک مستقل قانون لائے تو اس کا ان الفاظ کے ساتھ بظاہر خیر مقدم کیا اور کہا کہ سَمِعْنَا مگر دل میں عَصَیْنَا کہا، جب خود داعیٔ مذہب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسی تکذیب کی کہ کوئی حکم ہم سے مانا نہیں جا سکے گا تو ان کا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا کہنا بھی غلط ہے۔

رفع کوہ طور جیسے معجزہ سے بھی نہ ڈرے

وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ : یہ اعراض اور انکار اِس لیے تھا کہ اِن پر زر پرستی کی محبت غالب تھی یعنی اِن کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی، اِن کو دین سے پیار نہیں بلکہ سونا، چاندی سے پیار ہے، اِس کا بت بھی بنا دو تو وہ اِس کو بھی سجدہ کریں گے، جیسے کہ سونے چاندی سے سامری نے بچھڑا بنایا تو اسی وقت اس کو سجدہ کرنے لگے۔

اعراض کا باعث زر پرستی کا غلبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو نہیں مانتے، اِن کے مبارک ہاتھوں سے مصر میں بھی اور بحیرۂ قلزم کے پاس بھی اور پھر صحرائے سینا میں لگا تار معجزات دیکھتے رہے مگر معجزات پر ایمان نہیں لائے، حیلے بہانے بناتے رہے، اصل میں دنیا پرستوں کو زر مطلوب ہے، خدا مطلوب نہیں ہوتا اگر خدا مطلوب ہوتا تو سجدہ بچھڑے کو نہ کرتے اور اِسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبت آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انکی خوب توہین کی کہ یہ لوگ قرآن کے حامل ہونے کے قابل نہیں کیونکہ ہاتھ میں جب سونا چاندی آ جاتا ہے تو اسکے سامنے سر جھکانے لگتے ہیں، بچھڑا جو کہ سونے سے بنایا گیا تھا تو اس وجہ سے بچھڑے کی عبادت شروع کی، گوسالہ پرستی سے پہلے دل میں کفر تھا یہی وجہ تھی کہ گوسالہ پرستی کی۔

شر اور قبائح کرنے والے کا ایمان نہیں ہوتا

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: اگر ایمان کے دعویٰ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا کے بعد یہ حرکتیں ہیں تو تمہارا یہ ایمان بہت بری رہنمائی کرتا ہے حالانکہ ایمان تو توحید کا نام ہے، بچھڑے کی پرستش کون سا ایمان ہے؟ معلوم ہوا کہ تم میں ایمان نہیں ہے، اسی طرح یہودیوں کو جب قرآن پاک پر ایمان لانے کا حکم ملا تو انہوں نے کہا کہ ہم فقط تورات ہی پر ایمان لاتے ہیں اور اِس کے علاوہ کسی اور کتاب کو نہیں مانتے تو فرمایا گیا کہ اگر تمہارا ایمان تم سے یہ قبائح اور شر کے کام کرائے تو یہ بہت برا ایمان ہے ......

کار شیطان مے کند نامش ولی   گر ولی ایں است لعنت بر ولی

خصلتیں کافرانہ اور مشرکانہ اور دعویٰ جنت کا

بنی اسرائیل کی یہ مشرکانہ خصلتیں یعنی پیغمبر کے دشمن، پیغمبر کے قاتل، کوہ طور کو تمہارے سر پر اٹھانے کے وقت یہ کہنا کہ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے بعد اس کی نبوت سے انکار کرنا اور قرآن کی آیات کی تکذیب کرنا، بے ایمان، زر پرست، بت پرست ہو کر بھی جنت کا دعویٰ کرنا کہ جنت صرف ہمارے لئے ہے، ہم جنت کے وارث ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اولاد ہیں، رسی جل گئی پر بل نہ گیا۔

یہود کا جہاد سے فرار اور صحابہ کا بدر میں جذبہ جہاد

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ: بایں ہمہ اگر جنت کا ٹھیکہ تمہارے لیے ہے تو خدا سے دعا کرو کہ جلدی تمہیں دنیا سے اٹھا کے جنت میں پہنچائے لیکن جنت جانے کے لیے بھی تمہارے باپ دادا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی اور اُن سے کہا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدة: ۲٤) حالانکہ جنت قتال فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی تھی، اِدھر جنت کا شوق تو مسلمانوں کو تھا کہ جنگ بدر و احد میں نمونے پیش کیے، بدر کی لڑائی بادل ناخواستہ ہوئی۔ لڑائی کے ارادے سے نہیں نکلے تھے، کافر سب سوار مسلح ہزاروں تھے اور مسلمان ۳۱۳ نہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کیا، مہاجرین نے یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سعد بن عبادہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے لبیک کہا اور ہر طرح کی قربانی دینے کا جواب دیا۔

حضرت مقدادؓ کی ولولہ انگیز تقریر

انصار میں ایک سردار حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر ولولہ انگیز تقریر میں کہا کہ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ میں ہوں گے، حضرت مقدادؓ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا: یارسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: ٢٤) جیسا جواب دیں گے۔ نہیں! بلکہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم دیں تو سمندر میں کود یں گے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا فیصلہ فرمایا، ابوسفیان کو پتہ چلا کہ میرے قافلہ پر حملہ کے لئے صحابہ بدر جا رہے ہیں، اُس نے تیز رفتار گھوڑے پر آدمی مکہ مکرمہ بھیجا، وہاں سے ایک ہزار لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ بدر پہنچا، وہاں بدر کی لڑائی ہوئی، ۳۱۳ صحابہ کرامؓ نے ایک ہزار لشکر کو شکست دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اپنے پیغمبر کے اشاروں پر اپنی جانیں پیش کر دیں۔

اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ صرف موت ہی ہے

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ : ایسے مواقع کی تلاش کرو جہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا پڑے یعنی جہاد فی سبیل اللہ تو اس لئے کہا گیا کہ موت کی آرزو کرو کیونکہ موت ہی ایک ذریعہ ہے، خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا کیونکہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب مگر خود جواب خداوندی ہے کہ موت کی خواہش نہیں کریں گے بوجہ بداعمالیوں کے، ہم نے موت کا یہ معنی اس لیے لے لیا کہ شریعت میں موت کی دعا سے ہمیں منع کیا گیا ہے، یہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے موت کی تمنا نہیں کرتے، یہ صرف منہ سے کہتے ہیں، مشرکین جو دوبارہ زندگی کے قائل نہیں، وہ بھی موت کے لیے تیار ہوں گے مگر یہ تیار نہیں ہوں گے۔

زندہ رہنے کے حریص یہودی

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢبِالظّٰلِمِيْنَ : دیوانہ بکار خویش ہشیار ان کو پتہ ہے کہ ان حرکتوں کی سزا دوزخ ہے اور سیدھے جہنم میں جائیں گے کیونکہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہمارے اعمال کا کیا نتیجہ نکلے گا، اس لیے موت کی تمنا بالکل اور ہرگز نہیں کریں گے بلکہ یہ زندہ رہنے پر ہر قوم سے زیادہ حریص ہیں اور قریش سے بھی زیادہ حریص ہیں اگرچہ وہ آخرت کے قائل نہیں لیکن کبھی کبھی وہ آپس میں جان دینے اور کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

زندگی سے محبت میں مشرکین سے بھی گئے گزرے ہیں

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ: جنت وموت کی خواہش کی بجائے زندہ رہنے کے مشرکوں سے بھی زیادہ طلبگار ہیں، مشرک بھی حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کی آن رکھنے کے لیے میدان میں آجاتے ہیں اور یہ خبیث کسی کھاتے کے بھی نہیں، موت سے بھی گھبراتے ہیں اور جنت کے بھی طالب ہیں، اگر ہزار برس بھی زندہ رہے پھر بھی موت آئے گی اور جہنم کے گڑھے میں جائیں گے تو مشرک موت کے منہ میں جاسکتے ہیں، حالانکہ ان کا آخرت پر اعتقاد بھی نہیں ہے لیکن یہ خبیث اس میدان کے بھی نہیں۔

رکوع 12

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

کہہ دو! کوئی جبرائیل کا دشمن ہو سو اس نے اتارا ہے وہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

ان کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

خوشخبری ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ

اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بیشک اللہ بھی ان

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا

کافروں کا دشمن ہے۔ اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور

يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

ان سے انکاری نہیں مگر فاسق۔ کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد باندھا

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

تو اسے ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ رسول آیا جو اس کی تصدیق کرتا ہے

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ

جو ان کے پاس ہے تو اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے

اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینکا کہ گویا اسے جانتے ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِينُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا

اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے اور سلیمان نے

كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ

کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی، کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے

النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

اور اس کی بھی جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا

هٰرُوتَ وَمَارُوتَ ۗ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى

اور وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے

يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۗ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا

ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں تو کافر نہ بن پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے

مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۗ وَمَا هُمْ

جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں حالانکہ وہ

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا

اس سے کسی کو اللہ کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور سیکھتے تھے وہ

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا

جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نہ نفع اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو کو خریدا

لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ

اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلہ میں

اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا

انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور

وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا

پرہیز گاری کرتے تو البتہ اللہ کے ہاں کا اجر ان کے لیے بہتر تھا کاش

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

وہ جانتے۔

رکوع (۱۲)

خلاصہ: حالت انحطاط میں یہود کا مشغلہ

ماخذ: وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (البقرۃ: ۱۰۲-۱۰۳)

علمی وعملی کمزوریوں سے عطائے الٰہی کا بند ہونا

یہود کا اصلی مشغلہ اشاعت کتاب یعنی تورات اور خدمت دین متین تھا، اس برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو رزق کثیر دیتا تھا وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا○ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳-۲) مگر جس وقت ان میں علمی اور عملی کمزوریاں پیدا ہوگئیں یعنی کتمان حق اور تحریف وتولی، حیلہ سازی اور تعمق کے میدان میں اتر آئے تو وہ عطائے الٰہی (جو مثل بارش کے ان پر جاری تھی) بند ہوگئی یعنی اس کا بند ہونا ان کی شامت اعمال کی وجہ سے ہوا جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ: ۶۳) اور یہ جماعت محنت شاقہ کی عادی نہیں تھی کہ محنت اور مشقت کرتی، اپنی روزی کما کر کھاتی تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ جیسے پہلے ہم قلم اور زبان کی وجہ سے رزق کھاتے تھے اب بھی اسی طریقہ سے کھائیں، پس تعویذ گنڈوں کا مشغلہ

اختیار کیا، یہ پہلے ناشر علم خیر تھے، اب ناشر علم شر ہو گئے لیکن جب تک یہود خدمت دین کرتے رہے اور دین کی ترقی کے لئے جہاد کرتے رہے تو فتوحات غیبیہ اور مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ان کو بافراط رزق ملتا تھا، جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے سامان زندگی بہم پہنچتے تھے لیکن قاعدہ ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط اس کے باوجود یہود کم بخت تھے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ: ٦٣) وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء: ١٠٩) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ یعنی لا بشرط شئی نہیں (جو عام ہے کہ اجر کا مطالبہ نہ کرے لیکن اگر دے تو لینے سے انکار نہ کرے) بلکہ بشرط لا شئی ہے کہ اجر صرف اللہ پر ہے، رسولوں نے تبلیغ کے معاملہ میں یہی کہا تھا، ہم تم سے کچھ نہیں مانگتے صرف یہی مقصد ہے کہ جہنم کے ایندھن نہ بنو، خدا کی عبادت کرو، بت پرستی چھوڑ دو اور جو انبیاء علیہم السلام کے فرض کو پورا کرے گا خدا تعالیٰ اس کے بھی ایسے ہی اخراجات کو پورا کرے گا، دنیا میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

فتوحاتِ غیبی خدمتِ دین سے وابستہ

انبیاء علیہم السلام کا صرف خدا پر توکل تھا اور دین کی خدمت کا ذمہ لے رکھا تھا تو خدا ان کے اخراجات کو ایسی جگہ سے پورا کرتے تھے جہاں سے انہیں خیال وگمان بھی نہیں ہوتا تھا، جب یہودیوں نے دین کی خدمت چھوڑ دی تو خدا کی طرف سے اُن پر مدد کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ اسی طرح عصر حاضر کے بعض علمائے سوء نے خدمت دین چھوڑ دی تو فتوحات غیبی بھی بند ہو گئیں، مشقت کے کام اُن سے نہیں ہو سکتے تھے، ان کا مشغلہ علمی تھا اب نہ زبان رہی نہ قلم تو اب تعویذ اور گنڈے شروع کئے حالانکہ عالم کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا متبع ہونا چاہئے، ایک اور بڑا ظلم جس کو نظر انداز کر رکھا ہے وہ ہے یتیم کا مال کھانا، اس کے گھر میں ابھی ایک صدمہ ہوا ہے کہ باپ یا والدہ یا بھائی مرا ہوا ہے اور اس کے گھر کی روٹی کھائے کس قدر ظلم کی بات ہے، ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء: ١٠) یہ ظالم اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے اور جہنم میں داخل ہوں گے، واقعہ یہی ہے کہ عالم نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور رسول کا نائب ہو کر پھر ایسے کاموں میں انہماک کس قدر افسوس کی بات ہے۔

شیطانی ٹوٹکوں کا اتباع

جب یہود کا ہر طرح کا بیکار ہونا ثابت ہوگیا یعنی یہود نہ تورات کے متبع ہوئے، نہ پیغمبروں کے اور نہ قرآن مجید پر ایمان لائے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کیا تو اب ان کا مشغلہ کیا ہے؟ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا ان کا مشغلہ یہ ہے کہ شیطانی ٹونے ٹوٹکوں کے پیچھے لگ گئے جبکہ شیطانوں کی بنی ہوئی چیزیں حق و باطل کی کھچڑی ہوتی ہیں۔

نقشِ سلیمانی کی حیثیت

ان کا نمونہ میرے نزدیک ''نقش سلیمانی'' ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ دے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کچھ جنات نے شیطانیت کر کے کچھ کفر، کچھ باطل کے جملے ملا دیئے اور کہنے لگے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بنا پر ہواؤں اور کائنات کو مسخر کر دیتے ہیں، یہ ان کی خرافات ہیں اور بنتے بڑے پکے مؤمن ہیں۔ بہرحال! ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں، نقش سلیمانی کے عنوان سے بعض رسائل میں کچھ اغلاط بھی شامل کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کو نہ لٹکانا بہتر ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام سے عداوت کا بہانہ

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ: یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کون لاتا ہے؟ فرماتے، جبریلؑ تو کہتے کہ اگر کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپؐ پر ایمان لے آتے رہے جبریلؑ یہ تو ہمارا پرانا جدی دشمن ہے کیونکہ اسکے ذریعے ہمارے آباؤ اجداد پر عذاب آئے ہیں اور لعنتیں اور عذاب بھی لاتے ہیں تو کوئی نہ کوئی بہانہ نکالتے......ع خوئے بدرا بہانہ بسیار، حالانکہ یہ احمق نہیں جانتے کہ نازل فرمانے والا تو رب العالمین ہے، حضرت جبریلؑ تو صرف پیغام لانے والے ہیں، ملائکہ عظام خدا کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے، ان کا ہر کام خدا کے حکم کی تعمیل میں ہوتا ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم:٦) اسی طرح انبیائے کرامؑ گناہوں پر قادر نہیں ہوسکتے، ان کی ہر گفت خدا کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے...... گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

یہود کا حضرت جبریلؑ کے ساتھ بے جا دشمنی رکھنا

جبریل علیہ السلام کا کیا گناہ ہے وہ تو خدا کا پیغام لاتا ہے، اسی نے قرآن مجید کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے، اس لئے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دشمنی رکھنا بے جا ہے، یہود کے تصور میں حضرت جبریل علیہ السلام عذاب کا فرشتہ تھا وحی لانے کا نہ تھا تو کہنے لگے کہ وہ وحی لاتا ہے، اس لئے ایمان نہیں لاتے، ان کو کہا گیا کہ من قال (کون کہہ رہا ہے) کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ماقال (کیا کہہ رہا ہے) کو دیکھنا چاہیے، ماقال کے تین اوصاف بتائے (۱) مُصَدِّقًا (۲) هُدًى (۳) بُشْرٰى حضرت جبریل علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتاری ہے، جو ان کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور اس میں اہل ایمان کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔

انبیاء اور مومنین کے محبوب حضرت جبریل کی شان و مرتبہ

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ:
یہ قاعدہ ہے کہ دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے، جب حضرت جبریل علیہ السلام مقرب بارگاہ الٰہی ان کے دشمن ہوئے جبکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ امین اور ایک طاقتور فرشتہ ہیں، جو عرش کے مالک کے نزدیک بہت بڑے رُتبے والے اور وہاں کے سردار امانتدار ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے دوست ہیں، فرشتوں کے ہاں معزز و مؤقر ہیں، پس ثابت ہوا کہ یہودی اللہ تعالیٰ اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام و ملائکہ کے دشمن ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام مؤمنین اور انبیائے کرام علیہم السلام کے محبوب اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے حق میں عیوب نکالنا گمراہی ہے

اس سے مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر عالم دین میں اپنی ذاتی کچھ خرابی ہے اور اس خرابی کی بنا پر اس کو برا سمجھے تو خیر ہے لیکن اس کو اس حیثیت سے بُرا سمجھے کہ وہ حاملِ دین ہے اور عالمِ دین ہے تو یہ کفر ہے، اس سے میں یہ بھی مستنبط کرتا ہوں کہ صحابہؓ میں عیوب نکالنا گمراہی ہے، ہم جب درود پڑھتے ہیں تو درود جس طرح جنت کے داروغہ رضوان پر بھیجتے ہیں اسی طرح دوزخ کے داروغہ مالک پر بھی بھیجتے ہیں، اس لئے کہ یہ حکم خداوندی ہے۔

یہودیت نہ چاہنے والا بھی نسلی اسرائیلی

گذشتہ سال ایک عیسائی جو نسلاً اسرائیلی تھا، اسرائیل کی قومیت ہونے کے لئے درخواست دی مگر وہاں کی شہریت نہیں ملی، اُس نے اس کے خلاف درخواست کی کہ اگر یہودیت بنیاد ہو یہاں اسرائیل میں رہنے کی تو مجھے سینکڑوں ایسے معلوم ہیں جو یہودیت کو نہیں مانتے اور مجھ پر اعتراض کرتے ہیں لیکن پھر صرف اِس وجہ سے شہریت مل گئی کہ وہ نسل اسرائیل سے ہے اور نسل اسرائیل کا یہ شخص بھی تھا، اِس پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نسلاً اسرائیلی ہو اور شہر و مذہب میں سے کسی مذہب کا پابند نہ ہو تو اس کو اسرائیل کی شہریت دی جائے گی اور اس کو اسرائیلی کہا جائے گا اور اسی طرح دھریوں کو اسرائیل میں شامل کیا جاتا ہے۔

واضح اور روشن آیتیں اور یہود کی حیلہ جوئی

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَکۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ : ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں جو بدیہیات ہیں، منطقی اصطلاح میں اسے بدیہی کہتے ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں بَیِّنٰتٍ سے تعبیر کی جاتی ہیں اس لئے اس میں کوئی مغلق و مشکل نہیں ہے اور اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ عاقل بھی سمجھ سکتا ہے اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ سے مراد واضح اور روشن ہیں، جب نور ہو تو ظلمت نہیں ہو سکتی، یہ بدباطن انکار کر دیتے ہیں تو اصل میں انہوں نے تورات کا انکار کر دیا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس واسطے ایمان نہیں لائے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وغیرہ مذکور ہیں، گویا کہ ان کا انکار کیا ہے، ان کا انکار تورات کا انکار ہے، یہ کوئی نہ کوئی حیلہ اور بہانہ نکال دیتے ہیں، یہ احکامِ الٰہیہ کے ماننے میں ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں تو عصیان اور نافرمانی یہودیوں کا قدیم شیوہ ہے، یہ اپنی موروثی عادتوں سے مجبور ہیں۔

ہر وعدے کو کسی نہ کسی گروہ نے پھینک دیا

اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ : ان کے طغیان و عصیان کا یہ حال ہے کہ جب بھی انہوں نے کوئی وعدہ کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا، گویا عہد شکنی غداری اور نافرمانی ان کی عادت قدیمہ اور قومی خصوصیت ہے بلکہ ان کی اکثریت کا تو اپنی کتاب پر بھی مخلصانہ ایمان نہیں تھا، صرف منافقانہ طور پر زبانی اقرار تھا لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

تورات میں یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: ان کی کتاب تورات میں ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ جب بھی کوئی پیغمبر تورات کی تصدیق کرنے والا آئے تو تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی نصرت و تائید کرو گے لیکن یہ بدبخت اپنی عادتِ مستمرہ کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کر بیٹھے، تورات کو پس پشت ڈالا کیونکہ اگر اظہار کرتے تو ایمان لانا پڑتا، چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب ہو کر کتاب اللہ پر ایمان لاتے لیکن کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، انحطاط کا زمانہ ان پر آ گیا، اب تعویذ اور گنڈے کرنے شروع کر دیئے۔

تورات اور خدائی تعلیمات سے انکار مگر شیطانی تعلیمات کے درپے

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ: ادھر تو یہود اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جبریل امین علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا انکار کرتے ہیں اور اُدھر شیطان پر اپنی جانوں کو نثار کرتے ہیں یعنی شیطانوں کی بنی ہوئی چیزیں جو حق و باطل کی کھچڑی ہوتی ہیں، ان کے تابع ہوتے ہیں، خدائی تعلیمات (تورات) سے تو روگردانی کرتے ہیں مگر شیطانی تعلیمات سحر کے درپے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُن دعاؤں کو پڑھتے تھے، اسی لیے جنات وغیرہ ان کے زیر فرمان تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی توہین

بعض لوگ اس کتاب ''نقشِ سلیمانی'' کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ اس میں وہ تعویذات ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کرتے تھے لیکن اصل میں واقعہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ دم وغیرہ ترجمے تھے لیکن ان میں شیطان نے کچھ اپنی طرف سے ملا رکھا تھا کیونکہ آج کل جو ''نقش سلیمانی'' ملتا ہے اس میں چند چیزیں تو ایسی ہیں جو واقعی ہیں اور ان میں بعض شیطان کے داخل کردہ بھی ہیں نہ معلوم وہ ملائکہ کے نام ہیں یا شیطان کے نام؟ غرض یہ ہے کہ اس میں، کچھ چیزیں اصلی تھیں اور کچھ شیطان کی طرف سے یہ ان کا ذکر ہے لیکن یہ تعویذ فروش ہمیں چار تعویذ دیتے ہیں، جس سے وہ روزی کماتے ہیں، ہر مرض اور ہر مشکل کیلئے وہی ایک تعویذ

دیتے ہیں، مثلاً دفینہ معلوم کرنے کیلئے بھی، بخار کیلئے بھی، محبت کیلئے بھی یہی نقش سلیمانی استعمال کرتے ہیں اور استدلال میں کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعویذات اور وظائف ہیں، جس کی وجہ سے جنات پر حکمرانی کرتے تھے جبکہ قرآن مجید نے ساری حقیقت واضح کر دی۔

ہاروت و ماروت اور اسرائیلی روایات میں بعض مفسرین کی بے احتیاطی

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ: جو قصے ہاروت و ماروت کے بارے میں ہیں، وہ سب غلط قصاص (قصہ گو) اور مخترعات ہیں، اگر چہ تفاسیر میں بعض مفسرین حضرات نے محدثین کا شیوہ اختیار نہیں کیا یعنی اتنی چھان بین نہیں کی جو محدثین ہر راوی کی کرتے ہیں کہ کس درجہ کا ہے۔

زہرہ کے بارہ میں غلط قصہ

بعض مفسرین نے جو قصہ زہرہ کا لکھا ہے، جس کا بظاہر اصل معلوم نہیں اور کئی وجوہ سے معرض اعتراضات ہے اگر چہ مفسرین کی نیت صاف تھی مگر ایسی کہانیاں شانِ قرآن کے خلاف ہیں، قصہ یہ ہے کہ ہاروت و ماروت یہ دو فرشتے ہیں، انسانوں کے ارتکابِ معاصی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سائل ہوئے کہ ہم ان کی جگہ زمین میں ہوتے تو مرتکب معاصی نہ ہوتے، اللہ نے فرمایا کہ تم میں شہوانی مادہ نہیں ہے، ورنہ تم بھی مرتکب معاصی بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بشری قوتیں عطا کر کے بابل شہر میں اتارا اور امتحان کے لئے مادہ شہوانی عطا کر کے زمین کی طرف صورت انسانی میں بھیجے گئے اور کسی علاقے کے جج بنائے گئے، چنانچہ ہوتے ہوتے ایک حسین عورت زہرہ کسی فیصلہ طلبی کی خاطر ان کے پاس آئی تو ہاروت و ماروت اس عورت پر فریفتہ ہو گئے اور کہا کہ اگر ہمارے ساتھ بدکاری کرتی ہو تو تمہارا فیصلہ کر دیں گے تو اس عورت نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ میرے خاوند کو یا میرے مقابل مدعا علیہ کو قتل کر دو گے تو پھر وعدہ ہے، چنانچہ اُن سے قتل کروایا اور ان سے دعائے مقبولہ بھی سیکھی اور شراب پلا کر ان کے ساتھ زنا کیا اور زہرہ کو اسم اعظم سکھلایا گیا، جس کے ذریعہ فرشتے آسمانوں تک چڑھتے تھے، وہ فاحشہ عورت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر پہنچ گئی، اللہ نے اسے مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو متنبہ کیا کہ کیسے گناہوں میں آلودہ ہو گئے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا کہ دنیا میں تمہاری کیے کی سزا دوں یا آخرت میں؟ پس دونوں نے دنیوی عذاب کو ترجیح دی، اللہ

تعالیٰ نے ان کو بابل کے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا جو قیامت تک اس عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کے تمام دھویں زمین کے اندر جا کر ان کے نتھنوں میں گھس جاتے ہیں، یہ واقعہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے (تفسیر عزیزی حصہ دوم کے ص ۶۳۵ تا ۶۶۱ میں مفصل بحث کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ وہ وقت قرآن کے پھیلانے کا تھا اس وجہ سے بعض بعض واقعات قرآن کی تشہیر کی بنا پر تھے، نہ کہ باعتبار اصلی تفسیر ہونے کے، یہ قصہ سراسر من گھڑت واقعات میں سے ہے جو تلمود میں ہے اور اصحاح نمبر ۴۳ مدارس یدکوت میں درج ہے، بعض مفسرین (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے) نے بعض ایسے قصے نقل کئے ہیں اور پھر ان پر رد نہیں کیا، امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس پر مدلل رد کیا ہے۔

ملائکہ کی معصومیت کے متعلق آیات قرآنیہ

ملائکہ کی معصومیت کے متعلق آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: ٦) فَإِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ (حم سجدہ: ۳۸) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (المومن: ۷) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل: ۴۹۔۵۰) ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے معاصی کے قریب تک نہیں جاتے، بلکہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، حتیٰ کے عبادت سے تھکتے بھی نہیں، جیسا کہ ہمارا سانس لینا تکلیف دہ نہیں، ایسے ہی عبادت ان کو تکلیف نہیں دیتی۔

ہاروت ماروت کا قصہ

مشہور واقعہ: جو کہ تفاسیر میں مذکور ہے بنی اسرائیل کے باب میں سے ہے یعنی اسرائیلات میں سے، ورنہ اعتراضات کا باب کھل جاتا ہے، اس لئے ہم نے پہلے سے ہی کہہ دیا کہ غیر مسلم سے مناظرہ کے وقت سب سے پہلے ایسی تفاسیر کے عدم اعتماد کا حکم دینا چاہیے، بعد میں مناظرہ ہو، ورنہ بغیر خاموشی کے چارۂ کار نہیں، دراصل قصہ یہ ہے کہ ہاروت و ماروت انسانی

صورت میں فرشتہ سیرت انسان تھے جیسا کہ سورہ یوسف میں ان عورتوں نے کہا ہے کہ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ اور لوگوں کا ان کے بارے میں حسن ظن تھا کہ یہ فرشتے ہوں گے، وہ لوگوں کو سحر سکھلاتے تھے، وہ ان لوگوں کے حسن اعتقاد کو برقرار رکھنے کے لئے کہتے تھے کہ ہمیں تو آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے جبکہ انکے پاس کچھ ادعیہ مقبولہ ما ثورہ تھیں، جن کی برکت سے استجابت دعا بہت جلدی ہوتی تھی، لوگ ان کے پاس آکر تنگ کرتے کہ ہمیں وہ ادعیہ مستجابہ بتلادیں، وہ عذر کرتے کہ تم اس کو سیکھ لوگے لیکن تمہارا ایمان نہ بچ سکے گا۔

محققین کی عمدہ توجیہ

بعض محققین مفسرین نے وَ مَآ اُنْزِلَ کو ماقبل پر عطف نہیں کیا بلکہ ما نافیہ قرار دیا ہے کہ ہاروت و ماروت نامی دو آدمیوں پر کوئی چیز نہیں اتاری گئی تھی، جو اپنے کو فرشتے کہتے رہے، محققین کی یہ توجیہ بہت عمدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں نہ کہ فرشتے، وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:۱۰۸) دوسری آیت لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا (الفرقان:۷)

غلط استعمال سے صحیح سریع التاثیر الفاظ کا غلط استعمال

وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ : اب ایسے وظیفے سیکھ کر کیا لوگ ایک دوسرے کی عزت و آبرو کی توہین نہیں کریں گے، ایسی سریع التاثیر اشیاء کے سیکھنے کے بعد اپنا ایمان بچانا مشکل ہوتا ہے، خواہ ایسے کلمات حق ہی کیوں نہ ہوں، یہاں بھی مَلَكَيْنِ فرشتہ سیرت انسان کو تغلیباً کہا گیا ہے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:۳۱) کہا گیا اور اُنْزِلَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیزیں یعنی ادعیہ ماثورہ ان کو سکھلائی گئیں جو سریع التاثیر ہوتیں اور لوگ جب سیکھنے کے لئے آتے تو ان کو کہتے کہ مت سیکھو کیونکہ ایمان محفوظ نہیں رہے گا لیکن لوگ پھر بھی اصرار کرتے تھے۔

اوراد و وظائف کے غیر محل میں استعمال کی مثالیں

میرے ایک دوست نے کہا کہ ایک مولوی صاحب کے پاس اخفاء عن النظر (لوگوں کی نظر سے مخفی ہو جانا) کا وظیفہ تھا، ایک شخص نے بڑا اصرار کیا کہ مجھے یہ وظیفہ سکھا دو،

مولوی صاحب کہتے کہ نہیں! تم اس قابل نہیں، مجھے خطرہ ہے کہ تم لوگوں کے کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے یا کرو گے، یہی معنی إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کا ہے یعنی غیر محل میں استعمال کر کے مجرم ہو جاؤ گے۔

لفظ کفر کی تحقیق

فَلَا تَكْفُرْ: مآل کے اعتبار سے کافر بننا پڑے گا اور لفظ کفر قرآن مجید کی اصطلاح میں دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، ایک کفر، جس سے انسان ابد الآباد تک جہنم رسیدہ ہوگا۔ دوسرا کفران نعمت جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران: ۹۷) اور سورہ نمل میں ہے: وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (النمل: ۴۰)

زوجین کے درمیان تفریق پیدا کرنا

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ: یہود ان ادعیہ مستجابہ کو تفریق بین الزوجین کے لیے استعمال کرتے تھے یعنی وہ ایسا کرتے تھے کہ میاں بیوی کو لڑاتے اور طلاق دلواتے اور خود نکاح کر دیتے، بنا بنایا گھر بگاڑ دیا اور اسی طرح بعض ایسا کرتے تھے کہ جو شخص کسی عورت پر عاشق ہوتا تو یہود یہ دعا پڑھ لیتے تو وہ عورت حواس باختہ ہو کر عاشق کے پاس آ جاتی تھی، یہ عمل ان کے لئے لعنت کا سبب بنا، حالانکہ یہ اُس سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے لیکن غلط استعمال سے صحیح چیز کا استعمال غلط ہو جاتا ہے، وہ ادعیہ ماثورہ تو ٹھیک تھیں مگر وہ ان کا استعمال غلط کرتے تھے۔

تلوار کے استعمال کی مثال

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ: تلوار ٹھیک ہو تو تاثیر ہر حال میں ہوگی اگر جہاد میں کافر پر چلائے تو عین ثواب اور اگر مسلمان پر چلائیں تو وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (النسا: ۹۳) کا مصداق بن جائیں گے، استعمال جا بے جا کرنا کارے دارد دوسری مثال سے اور بھی واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کو اسم اعظم یاد تھا، جنگل میں جا رہا تھا کہ شیر کی کھوپڑی پر اسم اعظم پڑھا، شیر نے زندہ ہو کر اس شخص کو پچھاڑ دیا، غلطی اپنی تھی کہ غلط استعمال کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذلت بیان کی کہ یہود نے کتاب اللہ کو وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ پس پشت پھینک دیا ان پر انحطاط آ گیا، انحطاط کی حالت میں مَا تَتْلُوْا

الشَّیٰطِیْنُ کی تابعداری کی، شیطان نے کفریات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ کے ساتھ ملا دیا، اب یہ یہود ان کفریات کی نسبت سلیمان علیہ السلام کی طرف کر رہے ہیں جب اتنے بدعمل ہیں تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لائق نہیں۔

شرارت وشیطانیت کرتے کہ ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں

وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ : وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے، سیکھنے والے جانتے تھے کہ اس میں ہماری کوئی بھلائی نہیں ہے، شرارت وشیطانت کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ آخرت میں ہمیں اس چیز سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا لیکن اپنی خواہشِ نفسانی سے کرتے تھے۔

سحر اور ساحری کے مشغلہ سے ایمان سے محرومی

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ : اگر وہ سحر وغیرہ کے بجائے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ روابط استوار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جزائے خیر ملتی، سحر کی وجہ سے ایمان سے بھی محروم ہوئے، اوروں کا گھر بھی خراب کیا، حاصل یہ نکلا کہ اب بنی اسرائیل کے پاس صرف سحر ساحری کا مشغلہ رہ چکا ہے، وہ تورات کے علم سے یکسر محروم ہوگئے ہیں۔ کاش کام کو جانتے کہ ایمان باللہ اور اتقاء، تعویز گنڈوں سے راجح اور افضل ہے۔

تطبیق برحالاتِ حاضرہ

بعینہٖ یہی حالت ہمارے زمانے کے بعض علمائے سوء اور کچھ جعلی پیروں کی ہے کہ ان کا اصلی مشغلہ تربیت ظاہری وباطنی تھا لیکن جس وقت اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے گرے تو ذلیل ہوئے اور محنت مشقت کے عادی بھی نہ رہے اور کوئی ہنر وغیرہ بھی نہیں آتا اور سیکھنا بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں تو اس وقت اپنی معاش کا ذریعہ "نقش سلیمانی" اور تعویذ گنڈوں وغیرہ کو بنالیا ہے۔

رکوع 13

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو

وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٠٤ مَا يَوَدُّ

اور سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اہل کتاب کے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

کافر اور مشرک نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

تم پر کوئی بھی اچھی بات نازل ہو اور اللہ

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل

الْعَظِيْمِ ۝١٠٥ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ

والا ہے۔ ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں

مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور

الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا

زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ

نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا

مددگار۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسے

سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ

اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے اور جو کوئی ایمان کے عوض کفر کو بدل لے

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ

سو وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوا۔ اکثر اہل کتاب

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ

تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تمہیں ایمان

كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں

لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

سو معاف کرو اور درگزر کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور زکوٰۃ دو اور جو کچھ نیکی سے اپنے واسطے آگے بھیجو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ الثلاثة

اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ

اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں

نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

ہرگز داخل نہ ہو گا یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں کہہ دو اپنی دلیل لاؤ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ق مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو۔ہاں جس نے اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نیکو کار بھی ہو تو اس کے لیے اس کا بدلہ اس کے رب کے ہاں ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۳ ۹ ۱۳

وہ غمگین ہوں گے

رکوع (۱۳)

خلاصہ: اہل کتاب سے مقاطعہ اور بحث نسخ فی الشرائع

ماخذ: (۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(۲) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

نسخ فی الشرائع کی بحث کا آغاز

قرائن سے ثابت ہوا کہ یہود مقتدئی بننے کے قابل نہیں ہیں اور نہ مساوی بن کر کام کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور نہ ماتحت رہ کر کام کر سکتے ہیں تو ایک ایسی جماعت جو سراپا مطیع اور تابعدار ہے تو اس پاکیزہ جماعت کا ایسی ردی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا مناسب نہیں، تا کہ اُن کی غداری اور کمزوری کا اثر اِن پر نہ پڑ جائے اس لیے یہود ہو یا کوئی اور غیر مسلم ان کے اثر سے منع کیا گیا ہے، اب تمہید ہے نسخ فی الشرائع کی، اس تیرہویں رکوع میں بحث نسخ فی الشرائع شروع ہوتی ہے، جو سولہویں رکوع تک مسلسل جائے گی بعد از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ سال اس دنیا میں حیات رہے، ۱۳ سال کی زندگی میں خانۂ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، مدینہ آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف ۱۶ یا ۱۷ مہینے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، اس تحویل کا ذکر قرآن میں نہیں لیکن ہمارا ایمان ہے کہ خدا کی طرف سے ہوئی ہے۔

تحویل قبلہ پر یہود کو الزامی اور تحقیقی جوابات

اللہ تعالیٰ نے جب ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد بیت المقدس سے تحویل الی الکعبۃ کیا تو اس وقت یہود بگڑ گئے اور شور مچایا کہ اگر یہ دین الٰہی ہوتا تو اس میں تبدیلی کیسی ہوتی؟ اصل میں یہود غصہ ہو گئے کہ ہمارے قبلہ کو کیوں چھوڑ دیا اب چار رکوع (۱۶ رکوع تک) یہ بحث جائے گی۔ ان

چار رکوعات میں الزامی جوابات ہیں اور تحقیقی جواب سترہویں رکوع میں جاکر آئے گا، الزامی جواب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سائل کو ساکت کر دیا جائے، اسے مسکت جواب بھی کہتے ہیں اور واقعیت اس میں کم ہوتی ہے، یہ تمام بحث لسخ فی الشرائع کے متعلق ہے اور کسی چیز کا نسخ ہونا شریعت کے من جانب اللہ ہونے کی منافی نہیں ہے۔

ماخذ مقاطعہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ :
یہ مقاطعہ مع اہل کتاب کا ماخذ ہے، مسلمانو! رَاعِنَا مت کہو بلکہ انْظُرْنَا کہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید سناتے یا حدیث مبارک تو بعض دور بیٹھنے والے نہ سنتے، یا بات کو نہ سمجھتے تو رَاعِنَا کہہ دیتے کہ ہماری رعایت کرو ہمیں دوبارہ یہ آیتیں سنا دو، یا ہم نہیں سمجھتے، ہمیں سمجھا دو۔

لفظ رَاعِنَا کی توجیہات

لفظ رَاعِنَا میں تین توجیہات ہیں: اس میں ایک صحیح، دو غلط۔

(۱) رَاعِ باب مفاعلة سے امر ہے اور نَا ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ رَاعِ کی یہ توجیہ صحیح ہے بمعنی ٹھہر جایئے! مسلمان یہ معنی لیتے تھے۔

(۲) ع کی زیر کو اشباع کر کے پڑھا جائے تو رَاعِي بن جاتا ہے جو چرواہے کو کہتے ہیں تو اس صورت میں رَاعِي مضاف اور نَا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ایسے پڑھنے سے توہین بن جاتی ہے یعنی ہمارا چرواہا (نعوذ باللہ)

(۳) اگر ن ساکن راعنا کہا جائے یعنی ن کے زبر کے ساتھ ن ساکن ملا کر تنوین بن جاتا ہے تو معنی ہوگا تکبر و رعونت اور حماقت، یہود بے ایمان یہ دو توجیہ مراد لیتے تھے یعنی راعینا اور راعناً کہنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین مقصود تھی۔ اس لئے وہ الفاظ جن میں یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا قصد کرتے، اس سے مسلمانوں کو روکا گیا کیونکہ مسلمان سمجھتے تھے کہ راعنا کا معنی ہے کہ ہماری رعایت کیجیے۔

توہین، شائبہ اور اشتراک لفظی سے بھی بچنے کی تلقین

ایسا لفظ و اصطلاح بھی چھوڑ دو، جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا شائبہ ہو اور وہ اُسے مراد لیتے ہوں، ایسے الفاظ مشترکہ بھی استعمال نہ کرو، اشتراک لفظی سے بھی

مسلمانوں کو منع کیا گیا کیونکہ من تشبہ بقوم فھو منھم ایسے افعال سے تو بہر حال! بچنا ضروری ہے۔ اس پر ہر وہ چیز ''جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہو یا اہل کتاب کی تشبیہ و تائید برآمد ہو'' قیاس کیا جائے گا کہ ان سے بچیں گے تا کہ شریعت کی مخالفت نہ ہو۔

مقاطعہ کی حکمتیں

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ: یہود کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا بغض وعداوت ہے کہ وہ آپ کی تھوڑی سی بھلائی بھی گوارا نہیں کر سکتے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی مار آستین جماعت کو کسی کام میں شامل کیا جائے تو بجائے کام کرنے کے اس کام میں روڑے اٹکائیں گے تو مناسب ہے کہ ایسی جماعت سے بالکل انقطاع کیا جائے تا کہ کام میں حرج واقع نہ ہو، دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقاطعہ میں حکمت یہ ہے کہ اختلاط بأعداء الاسلام کے سبب سے ان کی کئی رسمیں اسلام میں آجاتی ہیں کیونکہ ہر ایک عالم قرآن وسنت پر عامل نہیں ہوتا، مسلمانوں میں قبر پرستی ہنود سے آئی ہے، اہل ہنود بتوں کو پوجتے تھے اور مسلمانوں نے اہل ہنود کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے ان جیسا عمل یعنی قبر پرستی شروع کی تو مسلمانوں میں بھی غیر اللہ کی پرستش آگئی جیسا کہ اہل ہنود میں غیر اللہ کی پرستش ہو رہی ہے۔

عبادت میں تشابہ بالکفار: ایک مثال

جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا تو تبدیلی کے باعث بلقیس کہنے لگی: كَاَنَّهٗ هُوَ اہل ہنود حاجت روا بتوں کو مانتے ہیں، اب ان کے اختلاط کی وجہ سے مسلمان حاجت روا اولیاء کی قبور کو بناتے ہیں، یہ اعتقاد میں ان کے ساتھ تشابہ ہے، اعمال میں تشابہ یہ ہے کہ ہندو بتوں کے سامنے صبح وشام گھنٹیاں بجاتے ہیں اور بعض جاہل مسلمان قبروں کے سامنے قوالی گاتے ہیں، یہ اعتقادات کفریہ عبادات کے رنگ میں کرتے ہیں، قبروں کے سامنے قوالی کو عبادت سمجھتے ہیں تو جن اعمال میں یہ احتمال تھا کہ ان میں تشبہ بالیھود ہے، ان سے بھی منع کیا گیا، مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ہم کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ اشتراکِ لفظی بھی مت کرو کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں، ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل میں آئے گا لیکن خدا کا فضل تو صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

یہود سے بالواسطہ مناظرہ

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا : آیت سے پہلے یہود کا مناظرہ بالمشافہ تھا اور اب یہاں سے مناظرہ بالواسطہ یعنی مسلمانوں کو آگے کر کے مناظرہ شروع کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ۱۶ یا ۱۷ ماہ یہود کی تالیف قلوب کیلئے نماز بیت المقدس کی طرف پڑھتے رہے، اسکے بعد پھر توجہ الی بیت اللہ الحرام کا حکم نازل ہوا تو اس پر یہود سخت مشتعل ہوئے، اصل میں انکا اعتراض تحویل قبلہ پر تھا لیکن اس کو نسخ کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اسلئے پہلے نسخ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد تحویلِ قبلہ کا، اب نسخ یہ ہے کہ اگر ایک حکم کو ہم تبدیل کر کے لاتے ہیں تو اس جیسا یا اس سے بہتر لا دیتے ہیں لیکن یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ یہ دین تو ''ہیرا پھیری'' ہے العیاذ باللہ تو مسلمان بھی انکے خدشے سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے

الزامی جواب

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ : یہ بھی الزامی جواب ہے کہ کیا اپنے حکم میں اللہ کو تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں ہے جو چاہے تبدیل کر دے جس وقت وہ ایک حکم دے تو پھر آگے اس کا اختیار سلب ہو جاتا ہے، ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تمام اشیاء پر قادر ہے اور ان تمام اشیاء میں نسخ کا مسئلہ بھی ہے۔

نسخ کی مثال اور حقیقت

جس وقت کوئی بیمار کسی طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ طبیب اس کی نبض کو دیکھ کر ایک نسخہ تجویز کرتا ہے اور اس کے مناسب غذا بتلاتا ہے اور جس وقت اس کی طبیعت میں افاقہ ہونا شروع ہو جاتا ہے تو وہ طبیب اس کی صحت کے مطابق نسخہ اور غذا تجویز کرتا ہے، پس اگر کوئی اس طبیب حاذق پر اعتراض کرے کہ یہ کیسا طبیب ہے کہ کبھی کچھ بتلاتا ہے اور کبھی کچھ؟ تو اس کا اعتراض نہ صرف یہ کہ بے جا ہوگا بلکہ وہ بڑا احمق ہوگا کیونکہ تبدیلی حکم تبدیلی علت کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح احکام شرعیہ بھی روحانی بیمار کیلئے بہترین نسخہ ہیں تو جیسے وہاں حکیم حاذق موافق طبیعت کے نسخہ میں تبدیلی کرتا رہتا ہے تو یہاں بھی احکام شرعی کا نسخ خلاف درایت نہ ہوگا تو اب نسخ کا معنی یہ ہوا انتهاء الحكم بانتهاء العلة اور ایک مثال یہ بھی ہے کہ اسلام میں شراب کا معاملہ ہے یعنی

صحابہ کرامؓ پیتے تھے بعد میں آہستہ آہستہ منع اور حرام کر دی گئی، چنانچہ بعد میں اس کی ممانعت میں اتنی شدت کی گئی کہ برتنوں کے استعمال تک بھی ممانعت کر دی گئی جب شراب کی حرمت راسخ ہو گئی پھر بعد میں برتنون کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی۔ اسی طرح پہلے اسلام کو دیکھیں صرف کلمہ توحید پڑھنا فرض تھا، نماز، زکوٰۃ، روزہ فرض نہیں تھا، اس وقت صرف کلمہ پڑھنا بھی اپنے لئے مصائب کا دروازہ کھلوانا تھا۔ نبوت کے بارھویں سال میں نماز فرض ہوئی، حج فتح مکہ کے بعد فرض ہوا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا کہ بنی الاسلام علی خمسٍ کیونکہ ارکان خمسہ پر عمل کرنا اتنا خطرناک نہیں تھا جتنا کہ اس وقت کلمہ توحید پڑھنا مصائب کا دروازہ کھلوانے کے مترادف تھا۔

احکام شرعیہ کی تدریجی تکلیف نسخ نہیں

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حالت کو دیکھ کر تدریجاً احکام شرعیہ کا مکلف بنایا اگر فوراً تمام احکام فرض کئے جاتے تو انسان بگڑ جاتا تو خلاصہ یہ نکلا کہ یہ نسخ نہیں ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انتہاء علت کی وجہ سے انتہاء حکم ہوتا ہے، اس کا بھی حکم جاری رہنے کا یہاں تک ہی تھا علت کی انتہا ہو گئی اور اس وجہ سے حکم کی بھی انتہا ہو گئی ہے۔

دوسرا اور تیسرا الزامی جواب

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ : بادشاہ کو اپنے مصالح کے لحاظ سے رعایا کے احکام میں تبدیلی کا اختیار ہوتا ہے تو فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو زمین اور آسمان کا مالک نہیں سمجھتے؟ اگر مالک ہے تو مالک جو حکم چاہے دے سکتا ہے، یہ دوسرا الزامی جواب ہے یعنی اگر اس اعتراض سے باز نہیں آ ؤ گے تو تمہارے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ کی مالکیت کے اقرار کے باوجود اعتراض کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے؟

حضرت موسیٰؑ کی طرح حضورؐ سے بھی غیر متعلقہ سوالات کی ممانعت

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ: اس کے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، یہ بھی الزامی جواب ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی یہود کے بہکانے پر یہ روش اختیار کرتے ہو، چاہیے تو یہ کہ تم کہہ دو کہ ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کہا گیا ہے کہ تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر متعلقہ سوالات کرنا چاہتے ہو، جس طرح یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیہودہ سوالات کرتے تھے حالانکہ یہود تو تمہارے دشمن اور حاسد ہیں یعنی اس آیت میں بیہودہ سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

پیغمبر سے بیہودہ سوالات کرنے پر سیدھے راستے سے گمراہ ہو جانے کا خدشہ

وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ : اگر معترضانہ سوالات کرو گے تو ایمان تبدیل بہ کفر ہو جائے گا اور سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے یعنی جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لیتا ہے پس وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے یعنی فضول سوالات کرنا پیغمبر کی توہین ہے جو بھی اس سے باز نہ آئے گا اس میں ایمان نہیں رہے گا چاہیے کہ اس حکم کو مان لو، اسلام کا معنی ہے تسلیم کرنا اور جو حکم ملے اس کی تعمیل کرنا، اطاعت فرمانبرداری کی یہ حالت ہونی چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بات نکلی اور تم نے فوراً امنا وسلمنا کہا۔

صحابہؓ کے احترام نبی کرنے سے یہود کو حسد

وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ : اس آیت میں یہودیوں کے اعتراض کی اصلی غرض بیان کر دی کہ وہ مسلمانوں کو دین حق سے منحرف کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی بغض اور عداوت کی بنا پر کہ بنی اسماعیل پر کیونکر وحی نازل ہوئی؟ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اب زمانہ کی ضروریات اسی بات کی مقتضی ہیں کہ قرآن کا نزول ہو کیونکہ تورات، زبور، انجیل میں سے کوئی کتاب بھی انسان کے لئے مفید نہیں ہو سکتی، پس مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ یہودیوں کا اصل مقصد لوگوں کو اسلام سے الگ کرنا ہے تو ان کے غصہ و انتقام کی کوئی حد نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے چکمے میں نہ آنا، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بے ایمان بنا دیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کا اتنا ادب نہیں کیا جتنا تم مسلمان لوگ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہو، اس پر وہ حسد کیا کرتے ہیں اور انہیں بھی شک میں ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کرنا چاہتے ہیں، جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ یہود نے یہ اعتراضات ہمارے ذہنوں میں نیک نیتی کی بنا پر نہیں ڈالے تھے بلکہ یہود کے ایسے ارادے ہیں کہ مسلمان مائل بہ کفر ہو جائیں۔

اللہ کے حکم سے پہلے جذبۂ انتقام سے روکا گیا

اب مسلمانوں کو غصہ آئے گا کہ ان کو ذرا ٹھیک کیا جائے تو فرمایا ان پر ابھی ہاتھ نہ اٹھا؛ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد نہ آ جائے، اس سے مسلمانوں کے جذبۂ انتقام واشتعال کو روکا گیا جو فطری بات ہوتی ہے حتیٰ یاتی بامر الجہاد من جانب اللہ اب بھی اللہ حکم دے سکتا ہے لیکن مصلحت نہیں، وقت آئے گا کہ ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا جائے گا، حکم بعد میں آیا، بعض کا قتل عام ہوا، بعض قید ہوئے، بعض ملک بدر اور جلا وطن کر دیے گئے۔

صلوٰۃ وزکوٰۃ اور جہاد کا باہمی ربط

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ: اس کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ جہاد میں مال و جان کا خرچ کرنا اور جان کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہوتا ہے اس واسطے فرمایا کہ پہلے نماز اور زکوٰۃ دینے کی پابندی کرو تا کہ مشق ہو جائے، یہاں حضرت تھانویؒ کا اعتراض ہے کہ یہ مستقل عبادت ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور اٰتُوا الزَّکٰوۃَ مقدمہ جہاد نہیں تو حضرت استاد عبید اللہ سندھیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی اسے مقدمہ جہاد بناتے نہیں بلکہ یہ ہے کہ ابھی جہاد کا حکم آیا نہیں ابھی سے جانی و مالی مشقت کی عبادت اپنا لو اور ان پر پابندی کرو بلکہ مشقت ان میں بھی زیادہ ہے جان اور مال کا خرچ کرنا پہلے اس کے عادی ہو جاؤ یہ خود مستقل عبادت ہے نہ کہ مقدمہ جہاد۔

صلوٰۃ وزکوٰۃ جانی و مالی قربانیوں کی مشق

آگے اقامۃ الصلوٰۃ کا حکم ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن نہاد ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، جہاد میں مالی و بدنی دونوں قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور صلوٰۃ وزکوٰۃ میں دونوں قربانیوں کی عادت پڑتی ہے، مسلمان ٹھٹھرتی سردی اور کڑکتی دھوپ میں دن اور رات میں جس وقت بھی حي علی الصلوٰۃ کی آواز سنے، لحاف سے نکلے، پنکھے کو چھوڑے اور مسجد جائے جان خطرے میں ڈالتا ہے، تجارت پیشہ اور دکان کو چھوڑ کر آئے گا، ملازم پیشہ کرسی کو چھوڑ کر آئے گا، آدھی رات کو ۹ بجے بلایا، صبح کو ۴ بجے بلایا تو رضائے الٰہی میں آرام وراحت کی پرواہ نہ کرنے کی مشق صلوٰۃ میں کرائی گئی ہے، اسی طرح جہاد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جان و مال دونوں سے ہوتا تھا، مجاہد کو اپنی سواری، تلوار، گھوڑا، خورد ونوش کا انتظام خود کرنا پڑتا تھا تو جان بھی دو اور مال بھی۔

جہاد کو سمجھنے کے لئے چند مقدمات سمجھنے کی ضرورت

جہاد کے سمجھنے کیلئے پہلے چند مقدمات سمجھنے چاہئیں، انتظام فوج دو قسم پر ہے، ایک تو یہ ہے کہ ایک مجاہد سب سامانِ حرب یعنی گھوڑا، بندوق، تلوار، تیر، نیزہ اور خرچ سفر اپنے گھر سے لائے اور پھر جو غنیمت حاصل ہو، اس میں خمس نکال کر باقی مجاہدین پر تقسیم کیا جائے، اس لیے کہا گیا ہے الغنم بالغرم اور ترغیب دلائی گئی ہے کہ جو گھوڑا جہاد کے لیے رکھا جائے اس کی لید یعنی گوبر، اس کا پیشاب، اس کی گھاس وغیرہ سب میزان میں نامۂ اعمال کے ساتھ وزن کیا جائے گا اور یہی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور اسی میں سہولت ہے۔ گویا تمام کی تمام رعایا مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور اس زمانہ میں سلطان بن سعود کی فوج بھی اسی طرح ہے، دوسرا یہ کہ لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جائے اور فوج کی تنخواہیں مقرر کی جائیں اور جو تاوانِ جنگ وصول ہو اس کو شاہی خزانہ میں داخل کیا جائے، اس میں طول ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ نبوی کو فوجی نظام میں بدلنے کی وجہ

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے طریقہ نبوی فوجی نظام میں بدل دیا تھا مگر ٹیکس مقرر نہیں کیا تھا بلکہ مال اتنی کثرت سے آتا تھا کہ بیت المال میں بھی خزانہ کافی رہتا تھا اور فوجی لشکر کے وظائف بھی پورے ہو جاتے تھے اور وجہ تبدیلی یہ پیش آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگوں میں جہاد کا از خود شوق تھا، اعلان جنگ ہونے پر بالکل سستی نہیں کرتے تھے اور بعد عہد نبوت کے وہ جذبات کچھ مدہم پڑ گئے اور دوسرا یہ کہ عہدِ فاروقی میں مسلمانوں کی تعداد بہت حد تک بڑھ گئی، اس لیے فوجی جماعت اور نظام علیحدہ کر لیا گیا اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے چھاؤنیوں کی بنیاد ڈالی، کوفہ اور بصرہ میں چھاؤنی قائم کی اور چونکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فتح مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے ہجرت کی ترغیب دی جاتی تھی اور فتح مکہ کے بعد کہہ دیا گیا لا هجرة بعد الفتح

نماز اور جہاد کا باہمی تعلق

اسی طرح ہماری نماز میں جہاد کی تلقین ہے، ہماری نماز کی صفیں جہاد کی صفیں ہیں۔ صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ صف کے پیچھے ایک آدمی اکیلا کھڑا نہیں ہوگا بلکہ صف سے ایک آدمی پیچھے کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کر دے گا اور یہ عمل کیثر نہیں ہے کیونکہ میدان جنگ میں اکیلا کھڑا ہونا

صرف افسر کیلئے ہے، جس کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا ہے، اگر کسی آدمی کا وضو ٹوٹ جائے تو پہلی صف میں خالی جگہ نہیں چھوڑے گا بلکہ پیچھے صف سے آدمی کھینچ کر اس جگہ کو بھر دے گا اور صفوں میں خلا نہیں چھوڑے گا، جہاد میں صفیں ہوتی ہیں مقدمة الجيش، ميمنة، ميسرة، قلب، ساقة وغیرہ، پانچ حصوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خمیس بھی لشکر کو کہا گیا ہے تو نماز میں جہاد کے لیے تکالیف برداشت کرنے کی مشق ہے اور جہاد میں یہ دونوں چیزیں صَرف کرنی پڑتی ہیں بغیر کسی لالچ و بدلہ وطمع کے، جان بھی اور مال بھی۔ کسریٰ و قیصر کے خزانے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے تنخواہیں مقرر کیں، جان و مال پر آزمائش آئی اور سرخرو ہوں تو پھر اللہ کی رضا کا تمغہ مل جاتا ہے۔

نماز اور زکوٰۃ جہاد کی مشق

معنى الزكوٰة ما يزكي به النفس أو المال اگر اللہ تعالیٰ ربع عشر مانگیں تو حاضر، نصف عشر مانگیں تو حاضر، خمس مانگیں تو حاضر، مال دینے کے مشتاق کمی بیشی کے سوال سے عاری مرضی مولیٰ از ہمہ اولی کے عادی چونکہ جہاد میں جان دینی پڑتی ہے اور تکالیف بدنی اٹھانی پڑتی ہیں، نہ کڑکتی دھوپ کی پرواہ اور نہ رات کی سردی اور اندھیرے میں ٹھوکر کھانے کا خطرہ اور نہ نیند کی سہولت اور نہ کھانے پینے کا خیال اور ایک شخص کو فوج کے کمانڈر کے اشارے کے ماتحت نقل و حرکت کرنی پڑتی ہے اور تمام فوج ایک ہی صف میں کھڑی ہے، کسی رتبے کی بلندی اور کمی کا خیال نہیں، نماز میں بھی ان امور کی مشق کرائی جاتی ہے، جس طرح مؤذن کی پکار سے سب کو حاضر ہونا لازمی ہے اور تمام چیزوں کو چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہے تو اِسی طرح اعلانِ جنگ ہونے کے بعد کوئی چیز مانع تصور نہیں کی جاسکتی ہے اور جس وقت امام نے اللہ اکبر کہا تو مقتدی نے اپنے اختیار کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی، اس کے اشارے پر نقل وحرکت کرتا ہے، اٹھتا اور بیٹھتا ہے، اُس وقت نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں کیونکہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اسی طرح اگر جہاد میں بھی اتباع کامل، نظم و ضبط اور ڈسپلن نہ ہو تو جہاد میں رخنہ پڑتا ہے، اس درجہ کی منقاد اور مطاع فوج تو اس نماز سے پیدا ہوتی ہے۔

زکوٰۃ سے مالی قربانی دینے کی مشق

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ : زکوٰۃ میں مشق کرائی جاتی ہے مال کے دینے کی خواہ مال جتنا اور جس وقت لے، کوئی بھی تکلیف نہیں

ہوتی تو اب ان دو جملوں کا ربط ماقبل کے ساتھ واضح ہو گیا کہ تم میں کتنی پختگی اور کتنی خامی ہے اس لئے پہلے تیاری ہونی چاہئے، دنیا سے جو بھی نیکی بھیجو گے اُس کا اجر دنیا و آخرت دونوں میں پاؤ گے، وہ لوگ میدان جنگ میں جا سکتے ہیں جو جان و مال کی قربانی کے عادی ہیں، جتنی ہی قربانی کی استعداد پیدا کرو گے، اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوگا، اگر یہ جذبہ ہو تو دنیا میں جان و مال کی قربانی کی توفیق ہوگی اور آخرت میں جنت، دنیا میں طاعت الٰہی کا جذبہ اور آخرت میں جنت جب یہود نے سنا کہ مسلمانوں کو جنت کی خوشخبری ملی تو کہنے لگے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى۔

صحابہؓ کے جرنیل، مفتی و قاضی عبادت کی برکت سے بنے نہ کہ جنگی و حربی کالج سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے جو اتنے بڑے جرنیل، اعلیٰ درجہ کے کمانڈر اور جان دینے والے جرار سپاہی اور نہایت عالی دماغ مفتی اور قاضی پیدا ہوئے تو ان عبادات اور ارکانِ اسلام نماز، زکوٰۃ اور صوم کی برکت سے ہوئے ورنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جنگی اور حربی کالج نہیں قائم کیا تھا اور نہ کسی قسم کے مدرسے کھولے تھے، فقط مسجد نبوی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلم تھے، اب اس وقت وہی مسجد نبوی ہے اور وہی قرآن ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا معلم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تمام مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں۔

مسکت جواب کے باوجود یہود ہٹ دھرم مناظر

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: ربع ثالث تک ان کی ایسی ذلت بیان کی گئی کہ نہ ان میں علمی لیاقت ہے، نہ عملی جذبہ ہے اور نہ اخلاقِ حمیدہ ہیں، بالواسطہ بھی ذلیل ہوئے اور بلا واسطہ بھی، جوابِ مسکت ان کو ملے گا، پھر بھی وہ اپنی شرارت سے منع نہیں ہوں گے اور مسلمانوں کو اُکسائیں گے، ہٹ دھرم مناظر ہیں، اب کہتے ہیں کہ باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن جنت میں تو صرف یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے، یہود کہتے ہیں جب تک یہودی نہیں بنو گے، اللہ راضی نہیں ہوگا، نصاریٰ بھی یہ کہتے ہیں کہ جب تک نصرانی نہیں بنو گے، اللہ راضی نہیں ہوگا۔

من گھڑت آرزوئیں اور اختراعات

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یہ ان کی اپنی من گھڑت آرزوئیں

ہیں اور مناولی اختراعات ہیں کہتے ہیں، جواب تو ٹھیک ہے مگر جب تک یہودیت اور نصرانیت کے دائرہ میں نہیں ہوں گے نجات نہیں ملے گی، ان دعووں کے لئے کوئی دلیل لاؤ جبکہ نجات کا پروگرام تو سچائی میں ہے أَمَانِيُّهُمْ۔ یعنی آرزو اپنے ذہن کی گھڑی ہوئی بات۔

یہودیت اور نصرانیت کے دائرہ میں نجات محدود نہیں

بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: ایسا نہیں بلکہ نجات کا دارومدار اس پر ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کے احکام کا تابع ہوا صرف زبانی خرچ کرنے والا نہ ہو بلکہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کو عملی جامہ بھی پہنانے والا ہو تو اس کو نجات کا تمغہ ملے گا۔ یہودیت اور نصرانیت وغیرہ کے دائرہ میں نجات محدود نہیں نجات مَنْ أَسْلَمَ پر ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکائے اور کہے کہ......

سپر دم بہ تو مایہء خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی اور وراثت جنت کی یہ شرطیں ہیں کیا تم میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں؟ یعنی نیکوکار بھی ہو اور اسے عملی جامہ پہنانے والے بھی ہو تو اس کے لئے ان کا بدلہ اس کے رب کے ہاں ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

رکوع 14

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاری ٹھیک راہ پر نہیں اور

النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ

نصاری کہتے ہیں کہ یہودی راہ حق پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب

الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

کتاب پڑھتے ہیں ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

پھر اللہ قیامت کے دن ان باتوں کا کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ

خود فیصلہ کرے گا۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے

مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ

اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے کی ممانعت کر دی اور ان کے

خَرَابِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا

ویران کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے کہ ان میں داخل ہوں مگر

خَآئِفِيْنَ ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق

بہت بڑا عذاب ہے۔ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

سو تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے بے شک اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ لَهُ مَا فِي

اور کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ﴿١١٦﴾ بَدِيعُ

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ

اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ

كُنْ فَيَكُونُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا

ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔ اور بے علم کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ

کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگ

قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ

بھی ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں ان کے دل ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کے لیے تو ہم نشانیاں

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ

بیان کر چکے ہیں۔ بے شک ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے کے لیے اور

نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

ڈرانے کے لیے اور تم سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہ ہو گی۔ اور تم سے

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

یہود اور نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

نہیں کرو گے کہہ دو بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم نے

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ

ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس کے بعد جو تمہارے پاس علم آ چکا تو تمہارے لیے

اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وقف منزل

اللہ کے ہاں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہو گا۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ

وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں

يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ع ۱۴

وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

رکوع (۱۴)

خلاصہ: یہود بحث نسخ فی الشرائع چھیڑ کر مساجد الٰہیہ کو غیر آباد کرنا چاہتے ہیں۔

ماخذ: وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرة:۱۱۴)

انتہائے حکم لانتہائے علت

انتهائے الحکم لانتہاء علۃ ہوتا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک مریض کا معدہ پانی بھی قبول نہیں کرتا تو اُسے شوربا ''حریرا'' دیا جاتا ہے پھر مرغی اور چھوٹی بکری کی یخنی دی جاتی ہے پھر معمولی سا گوشت پھر تھوڑی سی روٹی یخنی کے ساتھ دی جاتی ہے، اس ترتیب سے اس کا معدہ قوی بنا کر ہر قسم کے کھانے کی اجازت دی جاتی ہے چنانچہ اس طرز پر شراب کے متعلق يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا(البقرة: ۲۱۹) سب سے پہلے اتری جس میں اشارے سے سمجھایا گیا کہ زیادہ نفع کی چیز نہیں پھر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء: ۴۳) اتری کہ کم از کم نماز تو نشے کی حالت میں نہ پڑھا کرو، پھر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ(المائدة: ۹۰) سے کھلی تحریم نازل ہوئی۔

یہود و نصاریٰ کا اپنے ہاں نسخ پر اتفاق مگر مسلمانوں پر اعتراض

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ: نصاریٰ کہتے ہیں ہماری شریعت یہود کی شریعت کی ناسخ ہے، یہود کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں، ہر مسئلہ

ان کے درمیان وجہ نزاع بنا ہوا ہے اور یہود سے پہلے شرائع اگر منسوخ نہ ہوں تو یہودیت کیسے معمول بہا بنتی تو جب ناسخ منسوخ کا مسئلہ تمہارے درمیان خود ہے تو ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ یہ بھی الزامی جواب ہے، معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں بھی النسخ فی الشرائع ہے اگر ہمارے ہاں نسخ کی کوئی بات ہوتی ہے تو جھگڑے کی کیا بات ہے اور ہمارے ساتھ کیوں الجھتے ہو؟ تم پہلے نصاریٰ سے نمٹ لو، ان کو چاہیے تھا کہ مابہ النزاع کو مابہ النزاع رکھتے اور باقی سب چیزوں میں ایک دوسرے کی تصحیح کرتے اور کہتے کہ ہمارا فلاں مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن وہ ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگے، سلب کلی کرنا بداخلاقی ہے، سالبہ کلیہ کے استعمال کرنے میں باطل پرسبک مزاجی ہے اور جس چیز میں حقانیت ہو اُسے حق کہا جائے، سلب کلی نہیں کرنا چاہیے، ہم احناف، شوافع کو یا دیگر ائمہ کو حق پر مانتے ہیں، صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارے احناف اور شوافع کا فلاں مسئلہ میں اختلاف ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نسخ فی الشرائع

وَّ هُمۡ یَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ: دونوں فریق اپنی اپنی کتابیں بھی پڑھتے ہیں، یہودیوں کے ہاں بھی نسخ فی الشرائع اور عیسائیوں کے نزدیک بھی ہے تو پھر مسلمانوں پر کیوں اعتراض کرتے ہیں؟

عقل مند کا حق اور باطل میں تمیز

کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ اسی طرح جاہل لوگ بھی کہتے ہیں اور ایسی ہی باتیں بے علم بھی کہتے ہیں، یہود و نصاریٰ بھی جاہلوں کے مانند ہیں، عقل مند انسان حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے، بے وقوف دونوں کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتا، حق بات یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دو کہ ملت یہودی درست ملت تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد اور انجیل کے نزول کے بعد وہ منسوخ ہوگئی، الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ سے مراد مشرکین مکہ اور بت پرست ہیں جو صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور دیگر تمام قوموں کو باطل پر۔

اختلاف رائے میں بھی اخلاق کا لحاظ

جیسے کہ بعض حضرات صرف اپنے آپ کو صراط مستقیم پر سمجھتے ہیں اور دیوبندیوں کے بارے میں مختلف مخالفانہ فتویٰ وغیرہ دیتے ہیں تو یہ کیسے اخلاق ہیں؟ اختلاف رائے ایک چیز اور اخلاق دوسری چیز، اسلام بہت بلند اخلاق کا متقاضی ہے۔ شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری آل

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیتؓ سے بہت محبت وعقیدت ہے، ہم بھی کہتے ہیں کہ ہماری بھی خاندانِ نبوت اور اہل بیتؓ کے ساتھ حد درجہ محبت وعقیدت ہے۔

شیعوں سے اختلاف اظہار محبت کے طریقوں سے ہے

حضرت حسینؓ اوران کے رفقائے کرامؓ کی شہادت سے ہمارے قلوب بھی مجروح ہیں مگر ہم اظہارِ محبت کے لئے تعزیہ کے خلاف ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کو امہات المؤمنین سمجھتے ہیں، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کرامؓ اور جان نثار صحابہ کرامؓ کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور خلفائے راشدینؓ ہمارے سروں کے تاج ہیں، عقل بھی عقل مندوں کے ساتھ بیٹھنے سے آتی ہے، میں بعض حضرات کو کہتا ہوں اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ سارے ہی اندھے ہو، تم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو برا بھلا کہتے ہو، تم دیکھتے نہیں کہ ان کی قبر پر تو رحمتیں نازل ہورہی ہیں، ان کی قبر روضة من رياض الجنة ہے۔ یہی حال حضرت انور شاہ کشمیریؒ کا بھی ہے، ایک بھی تم میں آنکھوں والا نہیں، تمہیں شرم نہیں آتی کہ ان اولیاء اللہ مقربین بارگاہ الٰہی کو برا بھلا وغیرہ کہتے ہو۔

اصلاح کی توقع عبث

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ : اس میں ترشح ہے اس بات کا کہ ان کی اصلاح کی توقع نہیں رکھنی چاہیے يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خدا ہی فیصلہ کرے گا، اگر یہود کو طلب حق ہو تو حق ظاہر ہوسکتا ہے لیکن جب طلب ہی نہ ہو تو حق کیسے ملے؟

تحویل قبلہ کی مخالفت کی آڑ میں دنیا بھر کی مساجد سے روکنا

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا : اصل بحث نسخ في الشرائع میں ہے۔ یہودیوں نے تحویل قبلہ پر اعتراض کیا، اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ نہ رہے اور خانہ کعبہ کی طرف جتنی مساجد کا رخ ہے، ان سب کو غیر آباد کیا جائے، دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ مقدم ہے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ شریف کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کا حضرت اسحاقؑ نے تعین کیا، اس کے بعد حضرت داؤدؑ نے تعمیر شروع کی اور حضرت سلیمانؑ نے اختتام کو پہنچایا تو اولیت کا شرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ کو ہے اور جس وقت تحویل ہوئی اس وقت اعتراض کرتے

ہیں، یہ ان کی سراسر بد دیانتی ہے کیونکہ اگر تحویل نہ ہوتی تو بھی اعتراض کا موقع تھا کہ مکہ میں بیت اللہ الحرام کی طرف نماز پڑھتے تھے اور جس وقت مدینہ پہنچے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں لیکن یہ امر ان کے موافق تھا اس لئے اس کو نہ چھیڑا، اگر خانہ کعبہ کو قبلہ نہ بنایا جائے، جس طرح یہود و نصاریٰ اس کے بارے میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں تو پھر دنیا کے کونے کونے سے کون خانہ کعبہ کو آنے کا حالانکہ مکی زندگی کے تیرہ سال میں جتنے قبائل مسلمان ہوئے، اسلام پھیلا، خانہ کعبہ کی طرف مساجد بنائی گئیں تو اب ان سب کو غیر آباد کرایا جائے، بیت المقدس کی تحویل سے اگر خانہ کعبہ کو قبلہ نہ رہنے دیا جاتا تو کیا اس کے دیکھنے کو خلقت خدا جاتی؟ اب ہر سال لاکھوں لوگ جاتے ہیں، اس کے مقابلہ میں بیت المقدس کو لوگ صرف سیاحت و تفریح کے لئے جاتے ہیں لیکن اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کیلئے جو مساجد بنائی گئی ہیں، ان کو غیر آباد کر دیا جائے؟ اگر تحویل نہ ہوتا تو پھر کعبہ ماوئی اور ملجا نہ ہوتا اور حدیث میں ہے كانت الكعبة غثاء على الماء قبل ان يخلق الله عزوجل السموت والارض باربعين سنة ومنها دحيت الارض (مصنف عبدالرزاق: ح ۹۰۹۸) یعنی اول پانی تھا اور اس پانی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے جہاں اس جگہ خانہ کعبہ ہے ایک بلبلہ سا اٹھا اور جھاگ نمودار ہوا اس سے زمین کی بناء شروع ہوئی۔

مانعین مساجد میں نصاریٰ اور کفار مکہ

ان آیات کے شان نزول کا سبب دراصل نصاریٰ کا وہ فعل بد ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو مسمار کر دیا اور تورات کے نسخے جو مسجد اقصیٰ میں پڑے تھے، سب کو جلا دیا اور اسی طرح اس کے شان نزول میں کفار مکہ بھی داخل ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دوران انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو عمرہ کرنے سے منع کیا۔

بیت المقدس کے قبلہ ہونے سے خانہ کعبہ کے متعلق تمام آیات مبارکہ کی مخالفت آئیگی

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ: یہ قاعدہ ہے کہ دشمن کے سامنے آجانے سے طبیعت میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے کہ مخالفین ڈر کر مساجد میں جائیں، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھے اور ان کو ہلاک کر دے، اب اگر بیت المقدس کی تحویل برقرار رہے تو ان ساری نصوص کی جڑ کٹ جائے گی، جس میں خانہ کعبہ کا ذکر ہے، بنائے ابراہیمی، دعوات ابراہیمی وغیرہ کا ذکر ہے۔

یہود دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ : یہود کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم ہے، ان یہودیوں نے جب مساجد کا احترام نہ کیا تو دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم کے مستحق بنے، اگر یہود کے کہنے کے مطابق خانہ کعبہ قبلہ نہ رہے تو پھر کس غرض کے لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس بیت عظیم کی بنیادیں دوبارہ اٹھائیں وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ (البقرۃ:۱۲٦) دونوں باپ بیٹے (ان پر اللہ تعالیٰ کا لاکھوں درود وسلام) خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور ان کے مبارک زبانوں پر یہ دعائیہ کلمات تھے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرۃ:۱۲٦) اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ اعمال قبول فرما بیشک تو ہی دعاؤں کو قبول فرمانے والا دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے، اگر اس بیتِ معظم کو قبلہ نہ بنایا جائے تو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعائیں کہاں چلی گئیں اور جس غرض کے لئے اس گھر کو بنایا گیا تھا وہ غرض کہاں غائب ہوگئی؟ تو اس گھر کو قبلہ نہ بنانا اس کو ویران کرانے کے مترادف ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب و انتقام کو دعوت ہے، منکرین بیت اللہ کے لئے رسوائی ہے اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

ایک اور الزامی جواب

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : یہ الزامی جواب ہے، مشرق ومغرب اللہ ہی کے لیے ہے، جدھر چاہے توجہ کا حکم صادر فرمادے، اگر بیت المقدس کی تحویل ہو تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا اور خانہ کعبہ کو رُخ کرے تو کیا معلوم نہیں ہوگا؟ یہ لوگ اللہ کی رحمت کو بیت المقدس ہی میں محدود کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جائے تو نماز قبول ہوتی ہے اور اگر بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی جائے تو قبول نہیں ہوتی، ان کے یہ خیالات بالکل غلط ہیں، حالانکہ مشرق ومغرب سب جہات اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اللہ کے کہنے پر جس طرف بھی نماز پڑھو گے، بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف پاؤ گے، اس کی رحمت کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا اور وہی جانتا ہے کہ اُس کا صحیح محل نزول کون سا ہے؟

رحمت الٰہی ایک جہت میں محدود نہیں

اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ : تم اللہ تعالیٰ کو مجبور و مقہور کرنا چاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت تمام کائنات پر محیط ہے، وہ انتہائی مہربانی فرمانے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے اُس کی رحمت ہر جگہ موجود ہے، کسی ایک جہت میں اس کی رحمت محدود نہیں، وہ بندوں کی مصلحتوں کے پیش نظر کبھی ایک قبلہ کبھی دوسرے قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم فرماتا ہے، جس طرف کو بھی چاہے، اسے قبلہ کا شرف بخش دے۔

اعتراض تحویل قبلہ تمہارے عقیدہ ابنیت کی طرح بے بنیاد ہے

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ : تمہارا یہ اعتراض تحویل قبلہ پر ایسا ہی ہے جس طرح مسئلہ توحید و اتخاذ ولد میں دھوکہ کھا رہے ہو جس طرح یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے، اسی طرح یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اِن تمام بے ہودہ باتوں سے پاک اور منزہ ہے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے، تمام کائنات سماوی اور ارضی اللہ ہی کی مملوک و مخلوق ہیں، سب کے سب اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔

عالم میں کارفرما اللہ کی تین صفات شاہ ولی اللہ کی نظر میں

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تین صفات دنیا میں کارفرما ہیں۔

(۱) ابداع: إيجاد الشيء لا من شيء. اللہ تعالیٰ نیا پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، آسمان اور زمین کو اسی طرح پیدا فرمایا کہ اس کا مادہ پہلے موجود نہیں تھا، بغیر مادہ کے آسمانوں اور زمینوں کو ازسرنو پیدا فرمایا۔

(۲) خلق: خلق الشيء من الشيء. جس طرح مٹی بنادی، پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آدم علیہ السلام کا مادہ مٹی ہے، پھر اس سے ساری چیزیں بنادیں۔

(۳) تدبیر: جعل الأسباب موافقة للنظام المطلوب اللہ تعالیٰ سب کا مبدع ہے کان اللہ و لم یکن شیئا غیرہ (صفت تدبیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات پیدا کرنے کے بعد اس کا نظم و انتظام خود ہی فرما رہے ہیں)

کُنْ کہنے سے چیز کا وجود میں آنا

وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ : اللہ تعالیٰ جب بھی کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف یہی کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے، فإن الأمر بين الكاف و النون سارا کام کاف اور نون میں ہے یعنی کلمہ کُنْ کے فرمانے سے تمام کائنات کو پیدا فرمایا ہے وہاں مادہ، آلات واسباب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نبوت کے لئے مطلوبہ صفات اور نزول وحی کے لئے خاص محل اور مستقر

وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ : جاہل لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بذات خود کیوں بات نہیں کرتا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں آتی؟ یا کوئی نشانی ہم پر کیوں نہیں آتی، جس سے اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہو سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے قبل بھی ایسا ہی کہا گیا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف: ۳۱) انہوں نے کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ مکرمہ، طائف) کے کسی سردار پر کیوں نازل نہیں ہوا حالانکہ مکہ مکرمہ اور طائف میں بڑے بڑے سردار اور مالدار موجود ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو غریب ہیں، ان جاہلوں کو معلوم نہیں کہ نبوت کیلئے مال و دولت اور منصب وسطوت کی ضرورت نہیں ہوتی، أزهد الناس، أكرم الناس، أورع الناس، أتقي الناس اور أشفقهم على الخلق جیسی صفات جس میں ودیعت ہوں، ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالیٰ صفات و ملکات باطنی کو جانتے ہیں کہ پیغمبری کے لیے کون سے نفوس قدسیہ مناسب ہیں، وحی کے نزول کے لیے خاص محل ہوتا ہے اور ان قلوب کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، جو وحی کا مستقر ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقانیت کے ساتھ خوشخبری سنانے اور ڈرانے کیلئے بھیجا

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا : یقیناً ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی اور حقانیت کے ساتھ بھیجا ہے اور آپ کا عہدہ یہ ہے کہ آپ ان اعمال کی بشارت دیں جو دخول جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور اُن چیزوں سے ڈرائیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر اور شرک ہیں۔

یہود کی واہی تباہی بکنے سے آپؐ فکرمند نہ ہوں

وَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ: جس وقت یہود راہ راست پر نہ آئے بلکہ ادھر ادھر کے واہی تباہی اعتراض کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فکر ہوئی، اس لئے کہا گیا وَلَاتُسْئَلُ اور تجھ سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہ ہوگی، دوسری جگہ ہے فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ:۲۱-۲۲) ازالہ شبہات کرانا، راہ راست پر لانا اور لوگوں پر عمل کرانا نہیں بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور انذار و تبشیر کرانا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن نالائقوں کے ایمان نہ لانے پر غمگین نہ ہونے کی تسلی فرمائی۔

یہود و نصاریٰ کے بیہودہ اعتراضات کا مقصد آپؐ کو صراط مستقیم سے ہٹانا

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى: تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے، یہود و نصاریٰ دراصل یہ اعتراضات تحقیق حق کے لیے نہیں کرتے، ان کی چھیڑ چھاڑ کا مقصد یہ ہے کہ بے ہودہ اعتراضات سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جادۂ حق اور صراط مستقیم سے ہٹایا جائے، وہ اسی کوشش میں ہیں کہ یہ دین جدید دین اسلام کو قبول کرنے والے اپنے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین میں آجائیں، ان سے کہہ دیجیے! اللہ جسے چاہے، ہدایت عطا فرما دے، یہودیت و نصرانیت میں ہدایت محدود نہیں۔

اب نہ یہودیت و نصرانیت میں ہدایت ہے اور نہ یہ ملت ہیں بلکہ مجموعۂ اہواء ہیں

وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حقیقت منکشف ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ان کی خواہشات کی طرف توجہ نہ فرمائیں، اگر خدانخواستہ بفرض محال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مائل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام عالم کیلئے داعی و رہنما ہیں اور رہتی دنیا تک اگر کوئی نظام الاوقات و پروگرام ہے تو وہ قرآن ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (السبا: ۲۸) یہودیت اپنے حلقہ میں محدود ہے۔ نصرانیت، نصرانیوں کی اصلاح تک محدود ہے اور یہ یہود و نصاریٰ جس

کو ملت کہتے ہیں، وہ حقیقت میں ملت نہیں ہے اور نہ وہ دین الٰہی ہے بلکہ ان کی ملت مجموعۂ اہواء (خواہشات) ہیں جیسا کہ جن بدعات اور خرافات کو ہمارے مسلمان حنفیت سمجھ رہے ہیں وہ فی الواقع حنفیت نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے افترائی خواہشات ہیں اس کو حنفیت سے موسوم کر رکھا ہے۔

ان سے کٹ کر اپنی مقدس جماعت کی تربیت کرتے رہو

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ : یہود کو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمیوں سے باز نہ آئے اور نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو سکتے ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تابع ہو سکتے ہیں، تو جب ان سے توقع نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کلی انقطاع کر کے اور ان سے توجہ ہٹا کر اپنی مقدس جماعت کی تربیت میں مصروف رہیں، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف ہے کہ وہ کتاب اللہ پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں تو آپ (علیہ السلام) مخالفین اہل کتاب کی پرواہ نہ کیجئے آپ (علیہ السلام) کے متبعین تو قرآن کا حق ادا کرتے ہیں۔

رکوع 15

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میرے احسان کو یاد کرو جو میں نے تم

عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اتَّقُوْا

پر کیے اور بیشک میں نے تمہیں سارے جہاں پر بزرگی دی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ

جس دن کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی، اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا فرمایا بے شک میں

جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ

تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنا دوں گا کہا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا میرا

عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اور جب ہم نے کعبہ لوگوں کیلئے عبادت گاہ

وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ

اور امن کی جگہ بنایا (اور فرمایا) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور

إِلَىٰٓ إِبۡرٰهٖمَ وَإِسۡمٰعِيلَ أَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَ

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور

الۡعٰكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذۡ قَالَ إِبۡرٰهٖمُ

اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ اور جب ابراہیم نے کہا

رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ أَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اے میرے رب اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے

مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِؕ قَالَ وَمَنۡ

جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا اور جو

كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيلًا ثُمَّ أَضۡطَرُّهٗٓ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِؕ وَ

کافر ہو گا سو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا اور

بِئۡسَ الۡمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾ وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ

وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے

وَإِسۡمٰعِيلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّاؕ إِنَّكَ أَنۡتَ السَّمِيعُ

اے ہمارے رب ہم سے قبول کر بے شک تو ہی سننے والا

الۡعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ

جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی

اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ

ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتا دے اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو بڑا

اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔ اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھیں اور انہیں کتاب

ع ۱۵ ۸ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ ع

اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

رکوع (۱۵)

خلاصہ: مسلمات یہود پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت اللہ الحرام ہی ہونا چاہیے۔

ماخذ: (۱) وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ (البقرۃ: ۱۲۴)

(۲) وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا ؕ وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَہِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ (البقرۃ: ۱۲۵)

(۳) وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ ہٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَہۡلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ (البقرۃ: ۱۲۶)

(۴) وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (البقرۃ: ۱۲۷)

(۵) رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (البقرۃ: ۱۲۹)

یہود کا مسئلہ نسخ فی الشرائع کی آڑ میں تحویل قبلہ پر اعتراض اور ان پر اتمام حجت

چھ رکوع میں یعنی چار رکوع پارہ اول اور دو رکوع پارہ دوم تک بحث نسخ فی الشرائع کے ضمن میں تحویل قبلہ کا مسئلہ ہے، یہود نے اصل میں تحویل قبلہ سے مشتعل ہو کر بحث نسخ فی الشرائع کا مسئلہ چھیڑا لیکن اس سے محض تحویل قبلہ پر اعتراض مقصود ہے چونکہ وہ علماء ہیں اور چالاک بھی، اس لئے تحویل کا مسئلہ صراحتاً نہیں چھیڑتے بلکہ دوسرے مسئلہ کے ضمن میں اس کو چھیڑا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے متفق علیہ و مسلم التعظیم رہنما ہیں، یہودی،

نصرانی، مسلمان سب انہی کو مانتے ہیں اور ان کی ملت کو تسلیم کر رہے ہیں اِن کی زندگی کے واقعات اور تعمیر خانہ کعبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نام لیواؤں کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے ہیں، بیت المقدس کی نہیں اور اسکی آبادی کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔

تذکیر بالآء اللّٰہ اور بما بعد الموت سے شہادت لینی ہے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: چونکہ شہادت لینی ہے، اس لئے آیات میں پہلے تذکیر بالآء اللّٰہ کی جارہی ہے کہ آپ شاہ زادے اور نبی زادے ہیں لہٰذا اس شرافت کو ملحوظ رکھ کر دیانت داری سے گواہی ادا کریں، اگر وہ واقعاتِ ماضیہ کا خیال نہ کریں تو استقبال کا خیال کر کے سچی گواہی ادا کریں، اگر جھوٹ بولا تو قیامت میں برسرِ عام ذلیل ورسوا ہوں گے، اس لیے پہلی آیت میں تذکیر بالآء اللّٰہ کا بیان ہے اور دوسری میں تذکیر بمابعد الموت کا۔

تذکیر بما بعد الموت سے ڈرانا

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ: فرمایا کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو، ایمان اور اعمال صالحہ میں لگنے کی طرف متوجہ ہو اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرو اگر انسان اللہ کی نعمتوں کو سامنے رکھے کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے ہیں اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے کہ میں نے ان کے مقابلے میں کیا کیا؟ اور ساتھ میں فکرِ آخرت بھی ہو تو ایسا شخص ایمان صالح سے دور نہیں رہ سکتا، لیکن یہودی ایمان سے بھی گئے اور اعمال صالحہ سے بھی، تو اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دن کسی کی طرف سے کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔

ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اور کلمات سے مراد

وَ اِذِابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا: یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات شروع ہوتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت المقدس ہونا چاہیے کیونکہ یہ واقعات یہود کے بھی مسلمات میں سے ہیں، اس لئے اُن پر الزام دیا جارہا ہے بِكَلِمٰتٍ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد سنن عشرہ ہیں جیسا کہ ارشاد

نبوی ہے عشر من الفطره قص الشارب واعفاء اللحية والسواك، واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء. قال زكريا قال مصعب وليست العاشره الا أن تكون المضمضة (مسلم ح ٢٦١) اور بعض مفسرین کے اقوال اس کے برعکس ہیں، وجہ اختلاف یہ ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مذکور نہیں ہے، بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ کَلِمٰتٍ کی تفسیر میں کوئی ایسی چیز لی جائے جو قیامت تک کی آنے والی قوموں میں زندگی کی روح پھونکنے والی ہو اور اس میں آزمائش کا معنی بھی ہو تا کہ لوگوں کا امام بنانے کے لیے دلیل بنے۔

اولاد کے لئے بہتری کی دعا

قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ : فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا، فطری قاعدہ ہے کہ انسان اپنے لئے جو بہتری چاہتا ہے، اولاد کے لیے بھی اس کا طالب ہوتا ہے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہہ دیا وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ یہ مِنْ تبعضیہ ہے۔

قرآن میں ذکر شدہ پانچ امور یا کلمات

وہ امور جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، وہ پانچ ہیں۔

(۱) انقطاع عن الباطل (باطل سے بائیکاٹ)

تمام اہل شرک اور باطل پرستوں سے انقطاع بھرے مجمع میں اُن سے کھلم کھلا اعلانِ مقاطعہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا (الممتحنة:٤) ''کہ بیشک ہم تم سے بیزار ہیں اور اُن سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم نے تمہارا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو گیا''

(۲) الاستقامة والاعتماد علی اللّٰه

اپنی جان کو آگ کے حوالے کرنا، یعنی آتش نمرودی، شاہِ وقت نمرود مع اپنی قوم کو سخت ترین سزا دیتا ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو ملائکہ عظام امداد کیلئے حاضر ہوئے لیکن آپ علیہ السلام نے انکار کیا اور بالآخر یہ کہا کہ

اگر آپ ہم سے امداد نہیں چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جواب دیا بکفبني عن سوالي علمه بحالي جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتنی قوی استقامت دیکھی تو فرمایا قُلْنَا يٰنَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء: ۶۹) اے مسلمانو! دیکھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اتنی استقامت تھی اور اعتماد علی اللہ تھا کہ ملائکہ کی امداد کو رد کرتے ہیں اور سوال کرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں: بکفبني عن سوالي علمه بحالي اور ہماری یہ حالت ہے کہ خدائے قدوس قاضی الحاجات بلا واسطہ جو کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق: ۱۶) کا اعلان کر چکے ہیں اور دوسرا یہ کہ ہمارے حق میں یہ فرمایا گیا ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۶۸) اسکو چھوڑ کر مقابر اور اشجار و احجار پر جا کر ناک رگڑتے ہیں، اس بنا پر کہ یہ اہل قبور حاجت روا ہیں حالانکہ اس کے جواز کا ثبوت ملنا بہت مشکل ہے۔

مسئلہ سماع موتی میں اختلاف

اول تو یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بہت مختلف فیہ رہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں اور پھر قرب اور بُعد کا جھگڑا ہے، بعض کہتے ہیں کہ قریب سے سنتے ہیں، بعید سے نہیں، اگر مان بھی لیا جائے کہ بعید سے بھی سنتے ہیں تو اس میں شک ہے کہ میت مقبول بارگاہ الٰہی ہے یا نہیں؟ کیونکہ جمیع اہل قبور کی مقبولیت قطعی نہیں ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ مقبول ہیں تو کیا انہوں نے ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے کہ ہر وقت وہ تمہاری ڈاک اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچاتے رہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کی ارواح کسی عالی کام میں مشغول ہوں، غرض یہ ہے کہ آزمائش کے کئی مراحل سے گذر کر حقیقت پہچانی جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرۃ: ۱۸۶) اور وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق: ۱۶) اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے سننے کا ذمہ لیا ہوا ہے، فرماتے ہیں لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ (البقرۃ: ۲۵۵) تو اب موتی اور اہل قبور کے ذریعے سے دعا مانگنا الٹی ڈاک کا نقشہ ہو جائے گا۔ بہر حال! جہاں تک حیات الانبیاء بعد الممات اور ان کے سماع کا مسئلہ ہے وہ سلف صالحین اور اکابر دیوبند کا ایک مسلمہ و متفقہ عقیدہ ہے جبکہ عام اموات کا سماع تو خیر القرون سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، کوئی قائل ہے اور کوئی نہیں۔

(۳) ہجرت الی اللہ

اتنی تکالیف کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت الی اللہ کے اہم فرض کو

ترک نہیں کیا، آخر آپ کو وہ منزل اختیار کرنا پڑی، جو ہر داعی حق کے لئے ضروری ہے، وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ (صٰفٰت:۹۹) پس توحید کے لئے انہیں وطن چھوڑنا پڑا اور بتادیا کہ وطنیت اسلام کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی لہٰذا آپ کا اپنی اہلیہ کے ساتھ پردیس جانا جہاں بیوی کو بہن کہنے کا واقعہ پیش آیا، وطن اور دیار کو رضائے الٰہی کیلئے خیرباد کہنا۔

(۴) اعتماد علی اللہ

حضرت ہاجرہؑ کو بمع شیر خوار بچے کے ایک جنگل میں چھوڑنا، عفت مآب بیوی کو اور شیر خوار بچہ کو غیر ذی زرع اور بنجر زمین میں چھوڑ دینا، جہاں نہ پانی ہے اور نہ کوئی رہائش کا سامان جب وہاں چھوڑ کر چکنے سے واپس ہوتے ہیں اور حضرت ہاجرہؑ پیچھے ہیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کلام کرتی ہیں اور اُن کے پیچھے پیچھے چلی آرہی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ان کو کچھ جواب نہیں دیتے، خاموشی سے سنتے چلے جارہے ہیں، بالآخر حضرت ہاجرہ والدہ ماجدہ حضرت اسماعیلؑ فرماتی ہیں کہ ہمیں یہاں اس جنگل میں چھوڑے چلے جارہے ہو؟ کیا یہ حکم خداوندی ہے؟ ابراہیمؑ نے صرف نعم کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں یہ حکم خداوندی ہے، پس حضرت ہاجرہ واپس ہوتی ہیں اور ساتھ یہ فرماتی ہیں اذا لا یضیعنا بس اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔

(۵) قربانی ولد: (اپنے بیٹے کی قربانی دینا)

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (صٰفٰت:۱۰۱-۱۱۰)

"پس ہم نے اُسے ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا، کہا اے بیٹے! بیشک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے ابا جان! جو حکم آپ کو ہوا ہے کر دیجئے! آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پس جب

دونوں نے تسلیم کرلیا اور اُس نے اِسے پیشانی کے بَل ڈال دیا اور ہم نے اُسے پکارا کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا، بیشک ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، البتہ یہ صریح آزمائش ہے اور ہم نے ایک بڑا ذبح اس کے عوض دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی، ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو، اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

یہ کچھ فطرت اور قاعدہ ہی ٹھہرا ہوا ہے کہ بڑھاپے میں اگر کسی کی اولاد ہو جائے بشرطیکہ پہلے اولاد نہ ہوئی ہو، اُس حالت میں اولاد بہت محبوب ہوتی ہے اور اِس وقت کا ہونا اور پھر ذبح کرنا بحکم خداوندی یہ ایسے ویسے کے کرنے کا کام نہیں اور بچہ جب دوڑنے چلنے کا ہو جو باپ کے ساتھ چل پھر سکتا ہو، اس وقت میں ذبح کرنا کارِ ہر یک نیست فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ اس واقعہ ابراہیمی سے یہ بھی مسئلہ واضح ہوگیا کہ رؤیا نبی کی وحی ہے، غرضیکہ محبت اولاد کی دونوں کو یعنی نبی اور غیر نبی کو ہوتی ہے اور اسی طرح نیک اور بد کو مگر نیک کو اس ذریعہ سے کہ میرے بعد دین کی خدمت کرے گا اور بد کو غیر ذلك میراث مالی وغیرہ کی وجہ سے، جب حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۰ سال تھی، چنانچہ اِسی محبت کی بناء پر حضرت نوحؑ نے بھی اپنے لڑکے کنعان کے لئے کہا کہ بیٹے کافروں کے ساتھ میل جول کو چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، جواب ملا سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ نوحؑ کی طرف سے جواب ملا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ(ھود:۴۳) اس کے غرق ہونے کے بعد نوحؑ خدا سے عرض کرتے ہیں کہ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ(ھود:۴۵) ارشاد خداوندی ہوتا ہے اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ(ھود:۴٦) کہ اے نوح! یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل بیکار ہیں معلوم ہوا کہ بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی قوم سے بھی نہیں شمار کیا جاتا ہے۔

پانچ کلمات رب اور سات الزامی جوابات سے تحویل قبلہ کا ثبوت

یہ پانچ واقعات اس بات پر دلیل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت اللہ ہی ہونا چاہیے اور یہ یہودیوں کے مسلمات میں سے ہیں اس لئے ان واقعات کی روشنی میں ان پر سات طریقوں سے الزام کیا جا رہا ہے۔

(۱) زندہ قوم کے لئے زندہ مرکز

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا : مَثَابَةً لِّلنَّاسِ میں نہ لوگوں کی تخصیص ہے اور نہ زمانہ کی یعنی کعبہ ابدالآباد تک تمام مخلوق کیلئے قبلہ ہو گیا اور اگر کعبہ کو تمام مخلوقات کیلئے ابدالآباد تک قبلہ نہ رکھا جائے تو مَثَابَةً لِّلنَّاسِ نہ رہے گا لہٰذا زندہ قوم بننے کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر مرکز دو قسم پر ہے، ایک دینی جیسا کہ بیت اللہ الحرام اور جو مرکز دینی ہوتا ہے اس کے ساتھ فدائیت اور فنائیت کا تعلق ہوتا ہے یعنی اس کی حفاظت کے لیے قوم اپنی جان اور مال فنا و قربان کرنے کو تیار ہو جاتی ہے اور پھر اگر یہ انسان کا بنا ہوا ہو تو اس میں اتنی روح نہیں ہوتی اور جو اللہ تعالیٰ کی تعیین اور ارشاد سے ہو اس پر سب کچھ قربان کیا جانا، خصوصیت بیت اللہ کی ہے، بیت المقدس کی نہیں۔

اثر سے ذی اثر کی طرف توجہ کا منعطف ہونا

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى : یہ قاعدہ ہے کہ اثر سے ذی اثر کی طرف توجہ منعطف ہوتی ہے جیسا کہ گنبد خضرا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طبیعت متوجہ ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں اب تک موجود ہیں کہ انسان ان کو دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو۔

مقامِ ابراہیم میں داخلہ کا شرف

مقام ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا کہ تین دفعہ حج کا اتفاق ہوا ہے لیکن کبھی بھی مقام ابراہیم کو سوائے ایک دفعہ کے کھلا ہوا نہیں پایا، فضل خداوندی ہے کہ ایک دفعہ صبح تقریباً اس وقت جس وقت حاجی اپنا کھانا پکانے کا انتظام کرتے ہیں، اس وقت مقام ابراہیم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، مقام ابراہیم کھلتا ہی نہیں، نہ معلوم کیا وجہ ہوئی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدۃ: ۵٤) بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اس وقت حاجی کھانے کے انتظام میں تھے اس شخص نے مقام ابراہیم کا دروازہ کھولا اور میں بیٹھا تھا میں گیا مجھے اندر داخل کر دیا اور خود جا کر چاہ زمزم سے ایک لوٹا پانی کا لایا اور جہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نقشے ہیں وہاں بہا دیا میں نے وہاں سے پیا میرے دیکھنے کے بعد مجھے نکال دیا اس پر قدم رکھنے کے علاوہ پانچ چھ انگل بچتا ہے نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں، زمین سے بلند ہے تقریباً نصف گز کے اندازہ پر قدموں کے آثار بھی ہیں اور وہ بند جگہ، وہی تھا مقامِ ابراہیم (مقام ابراہیم کی موجودہ شکل سے پہلے کی بات ہے، سمیع الحق)

(۲) آئندہ آنے والوں کے لئے ماویٰ وملجا

وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ: اس بیت سے مراد خانہ کعبہ ہے، آئندہ آنے والے طَآئِفِیْنَ، عٰكِفِیْنَ، راکعین ساجدین کے لئے ملجا و ماویٰ یہی بنانے جا رہا ہے، اگر کعبہ کو ابد الآباد تک قبلہ مقرر نہ کیا جائے تو تعطل آتا ہے، تطہر بیت، طائفین و راکعین ساجدین و عاکفین کے لئے تا ابد الآباد تب ہوگا جب یہ قبلہ بھی ابد الآباد تک ہو، یہود کے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جد امجد ہیں، یہود بھی ان کو مانتے ہیں، سب سے پہلا گھر وہی بیت ابراہیمی خانہ کعبہ ہے......

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ تمہارے دادا کا دین ہے، مسلمان ان کے مرہون منت ہیں مولی القوم منهم پھر جب یہ سارے واقعات ہیں تو قبلہ کون سا ہونا چاہیے؟

احرام اور طواف کا فلسفہ

لِلطَّآىِٕفِیْنَ: انسان کی پیدائش سے غرض یہ ہے کہ جو تعلق باللہ کا بیج اس میں بویا گیا ہے، اس کو بڑھائے اور مثمر (ثمر آور) بنائے اور ایسا مضبوط تر بنائے کہ جذب الی اللہ اور عشق باللہ کا رنگ آجائے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس قسم کا رنگ پیدا کرانا ہو تو ایسا ہی کام کرایا جاتا ہے جیسے کہ اگر کسی کو شجاع بنانا ہو تو اس کو اندھیری راتوں میں سفر کرایا جاتا ہے۔

عاشق زار کے حالات اور کیفیات سے عشق حقیقی تک رسائی

اسی طرح جذبۂ عشق پیدا کرانے کے لئے اس سے عاشق زار جیسے افعال کرائے جاتے ہیں تا کہ اس کے قلب میں عشق الٰہی کا جذبہ بھڑک اٹھے تو جیسے عاشق کی حالت ہوتی ہے ننگے سر، بال بکھرے، ننگے پاؤں، ننگے سر پر دستار ہی نہیں، بدن پر قمیص نہیں، نہ کوٹ نہ صدری، نہ پاجامہ نہ شلوار، اپنے محبوب کے کوچہ میں چکر لگا رہا ہے اور نہایت درد بھرے لہجے سے پکار رہا ہے لبیک اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك اے میرے محبوب حقیقی! اے مطلوب قلبی! حاضر ہوا ہوں تیرے دربار میں، تیرے سوا میرا کوئی محبوب اور مطلوب نہیں اور تیرا کوئی شریک نہیں، یہ اس لیے کر رہا ہے کہ کہیں میری خوش قسمتی سے

میرا محبوب نظرِ شفقت کردے، یہ احرام اور طواف کی معقولیت ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا مسلک عشق حقیقی ہوتا ہے، بس قدم اٹھایا اور محبوب حقیقی کے دربار میں پہنچا۔

اعتکاف کی حکمت: غار حرا یکسوئی کا مرکز

وَ الْعٰكِفِیْنَ : مشاغلِ دنیا میں مصروف ہونے سے جو قلب پر غفلت اور کدورت کا زنگ چڑھ جاتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے خانۂ خدا میں بیٹھا ہے، اس لیے بیع وشراء اور ایک منٹ کے لئے بلا ضرورت انسانی کے کام جائز نہیں ہیں، قاعدہ ہے کہ یادالٰہی کرنے والے کو دیدۂ زیب مکان نہیں بھاتے بلکہ پہاڑوں اور جنگل اور خرابات اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر بیٹھتے تھے، وہ نہایت سخت گزار جگہ ہے یعنی چڑھائی اور اترائی ہے اور پھر اتنی جگہ ہے کہ موٹا آدمی نہیں گزر سکتا، تو وہیں وہ جا سکتا ہے، جس کی غرض فقط غار میں محدود ہونا ہو کیونکہ وہاں نہ سبزہ ہے نہ پانی۔

سارے قطعہ کو بے آب وگیاہ دیدہ زیب نہیں

جس وقت اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے اللہ والوں کیلئے یکسوئی کا مرکز بنانا تھا تو اس کیلئے تو کافی جگہ ہونی چاہیے، اس لیے تمام قطعہ کا قطعہ ایسا بنا دیا کہ سرسبز بھی نہیں ہے، خشک اور گرم بے آب وگیاہ کہ وہاں جانے میں دنیاوی کشش اور جاذبیت نہ ہو، اسلئے سیاح وغیرہ ترکی، مصر وغیرہ کو جاتے ہیں لیکن حجاز کو زیادہ نہیں جاتے کیونکہ بظاہر وہ دیدہ زیب یعنی سرسبز وغیرہ نہیں ہے مگر منور قلوب ہے تو اشخاص اگر عشق حقیقی کے جذبہ کو کامل کرنے کیلئے جائیں تو انکا مقام بیت اللہ ہے۔

امن گاہ عالم اور وسعت رزق کی دعا، قبلہ ہونے کا متقاضی

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ : اے میرے پروردگار! اس شہر کو ابدالآباد تک امن کا گہوارا بنا اور اس میں بسنے والوں کو جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہوئے ہیں پھلوں کا رزق عطا فرما، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُن دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا، میدانِ حرم کو اللہ تعالیٰ نے تا قیامت امن وسکون کا گہوارہ بنایا، اس کا حکم صادر فرما دیا اور یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقرر کر دیئے ہیں کہ جو فساد کرے، اس کو سزا دیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس کو مأمن بنا دے، جو اس امن کو توڑے گا وہ شرعاً باغی ہوگا، ان تمام شواہد ودلائل اور واقعات کے ہوتے ہوئے اگر

اس کو قبلہ نہ بنایا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا برائے آبادی کیسے قبول ہوگی، جس طرح بیت المقدس کی طرف کوئی نہیں جاتا، صرف سیاح جائیں گے اور خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے بیت امن ہو گیا ہے، لوگ باپ کے قاتل کو بھی وہاں نہیں چھیڑتے ہیں اور نہ اس کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں، رزق کی دعا بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمانداروں کے لیے فرمائی ہے تاکہ حرم کعبہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک و صاف رہے۔

نسلِ ابراہیم کے دُرِّ یتیم کی آمد کا اعلان

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اس ڈر سے مومنوں کی قید لگائی کہ اللہ تعالیٰ کفار کے لئے دعا کرنے سے ناراض نہ ہو جائے، یہ نسل ابراہیمی اور صلب اسماعیل کے دُرِ یتیم کی آمد کا پیغام تھا، یہود پر اعتراض ہے کہ بتلاؤ کہ امتِ مسلمہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہیں؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل سے ہیں اور یہود کا ایک غصہ یہ بھی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام بنو اسحاق میں سے ہوئے ہیں اور یہ بنو اسماعیل میں سے کیسے آ گئے؟

حقیقت میں توحید کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے رکھی

قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ : فرمان الٰہی ہے کہ میں کافروں کو بھی رزق دوں گا، پھر ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈالوں گا، جو رہنے والوں کیلئے بہت بری جگہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی شان کے مطابق دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی کے مطابق تقسیم فرما رہے ہیں تو حقیقت میں توحید کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی اور باقی انبیائے کرام علیہم السلام نے ان کی بنیادوں پر تعمیر کی ہے تو ان واقعات کے پیش نظر بیت اللہ شریف ہی قبلہ ہونا چاہیے، اس لیے رکوع کے آغاز میں يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا لایا گیا جس میں تذکیر بالآء اللہ ہے یعنی اے یہود! تم تو نبی زادے ہو، شہزادے ہو، خدارا تم خداوندی نعمتوں کو ملحوظ رکھ کر انصاف سے بتادو کہ کون سا قبلہ افضل ہے بیت اللہ یا بیت المقدس؟

ہندوستانی ہاتھوں سے حرم پاک کی توہین

۱۹۱۴ء کی جنگ میں ہندوستانیوں نے جتنی توہین حرم پاک کی کی، اتنی جہلائے مشرکین نے بھی نہیں کی کیونکہ ہندوستانی شریف حسین کی حمایت میں ترکوں پر حرم میں گولہ باری کرتے

رہے اسی طرح حضرت شیخ نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا کہ ''سوئی شریف'' سندھ میں ایک قصبہ ہے، وہاں ایک کامل بزرگ تھے، وہ لنگر چلاتے تھے اور ہر عام وخاص کو کھانا کھلاتے تھے بشرطیکہ وہ شخص نماز پڑھے تو اتفاق سے ایک سید صاحب آئے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے تو لنگری نے کہا کہ اگر تم نماز پڑھو گے تو کھانا ملے گا، ورنہ نہیں کیونکہ پیر سائیں نے مجھے تاکید فرمائی ہے، اس نے کہا کہ پہلے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تو آج محض پیٹ کیلئے نہیں پڑھوں گا، مقدمہ پیر صاحب کے ہاں پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو مطلق رازق ہے، اس سے تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، مجھ سے تو ایک ایک دانے کا حساب لیں گے کہ کہاں کہاں خرچ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی سوال کرنے والا نہیں ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (الانبیاء: ۲۳) وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے وہ جو چاہتا ہے کرلیتا ہے، میں تو ایک فقیر ہوں۔

مقام ابراہیم پر نماز کے حکم کا تقاضا

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: جب ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ! جس غرض کے لیے ہم یہ عمارت بنا رہے ہیں اسے قبول فرما یعنی اس گھر کو خدا پرستوں کا ملجا وماویٰ بنا کہ بلاشبہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے، مقام ابراہیم کا پتھر بہشت سے آیا، خانہ کعبہ کے گرداگرد مطاف ہے اور مطاف کے سامنے مشرق کی طرف مقام ابراہیم گنبد کے اندر ہے، مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ سامنے آجاتا ہے تو اگر کعبہ کو قبلہ ابدالآباد کے لیے نہ بنایا جائے تو وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ کے حکم پر عمل کس طرح آئے گا۔ بلاشبہ اللہ کی ذات سننے والی اور جاننے والی ہے، اُس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔

ذریت ابراہیم واسماعیل ہونے کا تقاضا

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ: المتعلقة ببيت الله الحرام یہ سارے واقعات اس کے قبلہ ہونے کے دلائل وشواہد ہیں، ورنہ ساری دعائیں مہمل چلی جائیں گی رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اس سے بنی اسرائیل مراد نہیں کیونکہ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ امت مسلمہ تب ہوگا جب حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام دونوں کی اولاد سے ہو تو یہاں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، امت مسلمہ لی

جا سکتی ہے اور آگے ہے تو امت مسلمہ کا قبلہ کعبہ ہے اور حج تو بیت اللہ کا کیا جاتا ہے، اس لیے ہمیشہ کے لیے حج بیت اللہ تب کیا جائے گا جب کہ قبلہ ہمیشہ کے لیے بیت اللہ ہو۔

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ : اللہ تعالیٰ نے اس امت مسلمہ کے سمجھانے کیلئے ایک پیغمبر کو بھیج دیا ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر مکہ معظمہ میں نہیں آئے، پس اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام پیغمبر بنی اسرائیل میں سے تھے، ایسا پیغمبر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہو تو وہ فقط حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ماسوائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا تو اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ خانہ کعبہ نہ رہے تو پھر یہ باپ بیٹے کی دعائیں کیسے قبول ہوئیں حالانکہ ان برگزیدہ نفوس قدسیہ کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے وہ قبولیت عطا فرمائی ہے کہ کسی اور دعا کو اتنی پذیرائی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ابدالآباد تک اس قبلہ کو کائنات کیلئے ایک عظیم مرکز بنایا، ہر سال لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے کونے کونے سے فرزندانِ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدایانہ کارناموں کو حج اور عمرہ کی صورت میں زندہ کر رہے ہیں اور دن رات میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا جس میں اس بیت اللہ الحرام کے ارد گرد توحید کے پروانوں کا ہجوم نہ ہو، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعائیں اس صورت میں پوری ہو سکتی ہیں کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت اللہ رہے، اب اگر ان حقائق کے باوجود یہود تحویل قبلہ کا اعتراض واپس نہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انکو دین ابراہیمی سے عداوت ہے

دعائے ابراہیمؑ کے وقت بیت المقدس کا وجود بھی نہ تھا

دوسری بات یہ کہ اس وقت بیت المقدس کا وجود بھی نہ تھا کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے اور بیت المقدس کی تعیین بیت اللہ الحرام کی تعمیر سے چالیس سال بعد ہوئی اور تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام نے کی اور اس تعمیر کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے درجۂ اختتام تک پہنچایا تو اے یہود! ایمان سے کہیے کہ آیا یہ واقعات صحیح ہیں یا نہیں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض اربعہ

اب اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض اربعہ کا بیان ہے۔

اول: تلاوت کتاب اللہ، تلاوت سے مراد تلاوت مسنونہ ہے یعنی تلاوۃ مع فھم المعنی.

دوم: تعلیم کتاب اللہ، یعنی بحیثیت مدرس کے تعلیم دینا اور شکوک وشبہات کو بھی حل کرنا۔

علم کے لئے دانش کی ضرورت

سوم: تعلیم حکمت دانش مندی کی تعلیم دینا ایسا ہی لفظ سورہ جمعہ میں بھی حکمت کا لفظ آیا ہے تو حکمت کے شاہ ولی اللہؒ نے معنی دانش کے لکھے ہیں، دانش موقع پر سمجھ میں خدا کی مہربانی سے ایک چیز آتی ہے جیسے کہ ایرانیوں سے صحابہؓ کی جنگ ہوئی ہے تو ایرانی جنگ میں ہاتھی لائے اور صحابہؓ اونٹ کے اوپر جال ڈال کر سامنے لائے ہاتھی دیکھتے ہی بھاگ گئے، غرضیکہ دانش اسی چیز کا نام ہے کہ کسی چیز کا سمجھنا اور چیز ہے اور دانش اور چیز ہے، کتاب اور حکمت اور چیز ہے تو دانش کے سوا علم بیکار ہے یعنی انتظام اور نبض شناسی کا مادہ پیدا کرنا کہ اس حیثیت سے دینی کام سرانجام دے کہ وہ ترقی کرتا ہوا چلا جائے اور بگڑنے نہ پائے جیسا کہ مبلغ کو چاہیے کہ جس قوم کو راہ راست پر لانا ہے، پہلے مختلف جزئیات پیش نہ کرے بلکہ پہلے اسلام کے اصول پیش کرے تو جس وقت اس میں کچھ سوجھ بوجھ کا مادہ پیدا ہو جائے تو ان میں جو امراض ہوں، ان کا علاج کرنا شروع کردے، خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت ان کو اعتماد ہو جائے تو ان کے حال پر تنبیہ شروع کردے۔

تزکیہ نفوس

چہارم: وَيُزَكِّيهِمْ ان کو امراض روحانیہ سے شفا دے گا اب تزکیہ نفوس کیلئے جو تعلیم دیں وہ رنگ بھی چڑھا دیں یعنی بخل کے بجائے سخاوت، غضب کے بجائے رحمت، تکبر کے بجائے تواضع اور اعتماد علی الناس کے بجائے اعتماد علی اللہ پیدا ہو جائے، فقط باتیں ہی باتیں نہ ہوں اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ خود معلم میں رنگ ہو اور سامعین کی فطرت سلیم ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوگا اور بعض کے ساتھ دو آدمی تو ان کے اخلاص اور تعلیم میں کوئی شک نہیں لیکن وہ سامعین ممسوخ الفطرت تھے۔

علماء کی ادائے نیابت میں کوتاہی

اب جو عالم یہ فرائض ادا نہ کرے تو اس کو عالم نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إن العلماء ورثة الأنبياء، إن الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما بل ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظٍ وافر (ابوداود: ح ٣٦٤١) تو جو وارث ہو کر بھی منصب کے تقاضے ادا نہیں کرتا تو وہ وارث ہی نہیں ہے، علمائے عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت ادا کرنے میں سخت کوتاہی کر رہے ہیں۔

رکوع 16

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط

اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے سوائے اس کے جو خود ہی احمق ہو

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ج وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ

اور ہم نے تو اسے دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ لا قَالَ اَسْلَمْتُ

اچھے لوگوں میں سے ہو گا۔ جب اسے اس کے رب نے کہا فرمانبردار ہو جا تو کہا میں جہانوں کے

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ

پروردگار کا فرمانبردار ہوں۔ اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی

وَ يَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

کہ اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین چن لیا سو

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

تم ہرگز نہ مرنا مگر در آنحالیکہ تم مسلمان ہو۔ کیا تم حاضر تھے

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

جب یعقوب کو موت آئی تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت

مِنْ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ

کرو گے انہوں نے کہا ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ

اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اسی کے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

فرمانبردار ہیں۔یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ان کے اعمال ہیں

وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ

کیا کرتے تھے۔اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جا

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ

تاکہ ہدایت پاؤ کہہ دو بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی پر رہیں گے جو موحد تھا اور مشرکوں میں سے

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

نہیں تھا۔ کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور

مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ

جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب

وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِيَ

اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ

نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم کسی ایک میں ان میں سے فرق نہیں کرتے اور

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

تو وہ بھی ہدایت پا گئے اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ ؕ

سو تمہیں ان سے اللہ کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؗ وَّنَحْنُ لَهٗ

اللہ کا رنگ اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اسی کی

عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ

عبادت کرتے ہیں۔کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کی نسبت جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور

رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ

تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہاری لئے تمہارے عمل اور ہم تو

مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ ۙ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں۔یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور

وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ

اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا

نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ

نصرانی تھے کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے

مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

جو گواہی چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بے خبر نہیں اس سے

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا

جو تم کرتے ہو وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ان کے عمل ہیں اور

مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا

تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت نہیں

كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶

پوچھا جائے گا۔

رکوع (۱۶)

خلاصہ: دین میں ہمارا مسلک یہود کے مسلّم التعظیم بزرگوں (انبیاء) والا ہے۔
ماخذ: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرة:١٣٦)

مسلک ابراہیمی بلاشرط وقید اطاعت کا نام

مسلک ابراہیمی اطاعت اور انقیاد الٰہی بلاشرط و قیود کے ہے اور بعینہٖ یہی ہمارا مسلک ہے اور یہ مضمون نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ تک ہے، یہود دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کے مسلک و مذہب پر ہیں تو ان کو جواب دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مسلک پر اطاعت الٰہی بلاشرائط ہے، الحمد للہ امت محمد یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتی ہے اور ہر پیغمبر کے دین سے اصولی طور پر اتحاد اور اتفاق رکھتی ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة:٢٨٦) ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، جتنے احکام سابقہ پیغمبروں کے ذریعے اللہ نے ان کی امتوں پر نازل فرمائے تھے، اگر وہ آج ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دیئے جاتے تو ہم بسر و چشم ان تمام احکام پر عمل کرنے کیلئے تیار تھے، ہم بحمد اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر شدہ قبلہ کو اپنا قبلہ سمجھ رہے ہیں اور جو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مسلک سے خلاف کرے گا وہ احمق و نادان ہوگا، عقلمند انسان کبھی بھی پیغمبران عظام کی مخالفت نہیں کرے گا۔

اہل کتاب کا احمقانہ رویہ

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِي

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ : ہم تو اہل کتاب کو اوپر چڑھانا چاہتے ہیں اور وہ ہم کو نیچے گرانا چاہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مبعوث ہوئے تاکہ ان کے ذریعے کعبہ خانۂ خدا آباد رہے اور اس جگہ اللہ اللہ ہوتا رہے اور تم کہتے ہو کہ قبلہ بیت المقدس ہو تو آپ مسلک ابراہیمی کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں اور جو مسلک ابراہیمی کے خلاف کرے وہ تو احمق ہے یعنی وہ دعویٰ تو کریں ملت ابراہیمی ہونے کا اور عملاً اس کا خلاف کریں، ایسا کوئی احمق ہی کرے گا، عقل مند تو خلاف نہیں کرے گا۔

مسلک ابراہیمی کے حقیقی پیروکار مسلمان ہیں نہ کہ یہودی

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ : حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حد درجہ فرمان بردار تھے، وہ تو مجسمۂ اطاعت و انقیاد تھے جب اُسے رب العالمین جل جلالہ نے فرمایا اَسْلِمْ فرمانبردار ہو جا تو فوراً اس نے لبیک کہا اور فرمایا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوں، یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت ......

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

مسلک ابراہیمی انقیاد الٰہی بلا اشتراط شرائط ہے تو آپ شرائط و قیود کیوں لگاتے ہیں جیسا کہ غلام ہندوستان میں لوگ اصلاً اُس بادشاہ کے تابعدار تھے (جولندن میں بیٹھا تھا) پھر جو وائسرائے یعنی اس کا ترجمان ہوتا اس کو بھی مانتے، خواہ وہ جو بھی ہوتا، اگر کوئی کہتا کہ ہم بادشاہ کو مانتے ہیں اور کسی وائسرائے کو نہیں مانتے تو وہ باغی ٹھہرتا، اسی طرح یہی مرض یہود میں ہے لیکن یہ تفریق تو تم یہود نے ڈال رکھی ہے۔

اسلام غیر مشروط انقیاد تام کا نام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو فرمایا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کل ما جاء منك فانا أسلم له تو ہمارا مسلک بھی یہی ہے کل ما جاء به إبراهيم و إسماعيل و إسحاق عليهم السلام نحن نؤمن به تو "جو بات بھی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کے ذریعے ہمیں پہنچی ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام غیر مشروط مکمل انقیاد کا نام ہے" تو ملت ابراہیمی کے متبع ہم ہیں اور تم تو نام کے متبع ہو۔

حضرت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام کا اپنے بیٹوں کو وصیت

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ : و المراد من الإسلام الانقياد المطلق بغير الشرط و لا نشترط بشرط في القهالك بل منقاد في كل أمر منزل منك (اسلام غیر مشروط اطاعت وانقیاد کا نام ہے ہم اللہ کے نازل کردہ ہر حکم کے منقاد ہیں) دلیل عقلی ونقلی دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اولاد کو اسلام کی وصیت کی تھی نہ کہ یہودیت اور نصرانیت کی، دلیل عقلی یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شروع ہوئی تو کیسے؟ انہوں نے اس کی وصیت کی دلیل نقلی یہ کہ قرآن کا کہنا ہے کہ انہوں نے اسلام کی ہی وصیت کی تھی، اللہ تعالیٰ جو بھی حکم فرمائے فوراً اس کی تعمیل کی جائے، یہی اسلام ہے کہ تیرے نازل کردہ ہر حکم کی بلا چوں وچرا انقیاد کریں......

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں مبعوث ہوئے تو سب یہود نے کہا نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کے لئے ہیں لیکن جس وقت مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے تکذیب کی، اس لیے ان کو الزام دیا جاتا ہے کہ اگر نبی مانتے ہو تو نبی جو کہتا ہے وہ سچ ہوتا ہے تو تم اگر خدا پرست ہو تو اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو ورنہ تو تم موسیٰ پرست ہوئے، خدا پرست نہ ہوئے۔

یہود کا قول اور عمل میں تضاد

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: أي و انتم مسلمون لله تعالى في كل ما جاء من الله بواسطة الأنبياء عليهم السلام بغير شرط من غير فرق بين نبي دون نبي تو اے یہود! دعویٰ تو ملت ابراہیمی کے اتباع کا کرتے ہو حالانکہ عمل یہ ہے کہ إن نزلت الأحكام بواسطة موسىٰ عليه السلام نؤمن بها و إلا فلا یہ تفریق تم کرتے ہو ہم نہیں کرتے، ہم تو بلا قیود وشرائط یعنی ہر کتاب اور ہر رسول کو مانتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہمیں جس کی تابعداری کا حکم کریں گے ہم تیار ہیں لیکن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہمارے حصہ میں

آ گئی لیکن تم لوگوں کا دعویٰ و عمل آپس میں متضاد ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے واسطے سے آئے احکام کو مانتے ہیں دیگر انبیاء علیہم السلام کے نہیں۔

حضرت ابراہیم، حضرت یعقوبؑ اور حضرت محمدؐ تک انقیادِ مطلق (اطاعت)

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ:

پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اطاعت مطلقہ کے متعلق اپنے بیٹوں سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہمارا انقیادِ مطلق اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور امت محمدی کا انقیادِ مطلق اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ پس قدر مشترک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے انقیادِ مطلق اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ اب یہود جو اعتراضات کر رہے ہیں کہ یہ دین الٰہی نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ ہمارا مسلک بھی وہی ہے جو تمہارے بزرگوں کا تھا، ان کے اعلانات اور ہمارے اعلانات ایک ہو گئے، لہٰذا یہود کو ہم پر اعتراضات نہیں کرنے چاہئیں۔ اس سے ماقبل پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آ چکا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جس مقصد کے لیے تعمیر بیت اللہ کی تھی، وہ مقصد تب پورا ہوتا ہے کہ یہ ابدالآباد تک قبلہ مقرر کیا جائے، جس سے یہ پتہ چلتا رہے کہ دین ابراہیمی کیا ہے؟ اے یہود! ہم دین ابراہیمی پر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی بنیاد ملت ابراہیمی ہے اور اسی کعبہ کی آبادی اور تعمیر ملت محمدی ہے۔

اسلام کی دو قسمیں

اسلام کی دو قسمیں ہیں: ایک اسلام مطلق اور دوسرا اسلام مخلوط مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر: ۳) جس توحید کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی، ہم اس توحید کے پابند ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیئے، یہ ہے اسلام مطلق وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر: ۷) یہود کہتے ہیں کہ اصل دین حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہمارے پاس ہے، ہم کہتے ہیں کہ تم غلط کار ہو، عقائد تمہارے کفریہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے جبکہ اصل دین یعقوبؑ کا امت محمدیؐ کے پاس ہے۔

بلاکسی شرط وبغیر کسی تفریق کے فرمان الٰہی کو بسر وچشم تسلیم کرنا

وَّ نَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ: ای من غیر شرط و من غیر فرق بین نبی دون نبی ہم بلاکسی شرط اور بغیر کسی تفریق کے رب العالمین جل جلالہ کے ہرفرمان اور حکم کو بسر وچشم تسلیم کررہے ہیں اور تم اے یہود! کہتے ہو ان نزل اللہ احکاماً بواسطہ موسیٰ علیہ السلام نومن بہا والا فلا نؤمن بہا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہمیں احکام ملیں تو ہم ان پر ایمان لائیں گے ورنہ دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی تعلیمات پر ایمان نہیں لائیں گے، یہ تفریق تم کرتے ہو، ہم امت محمد یہ نہیں کرتے چونکہ یہودی حد درجہ ہٹ دھرم اور ضدی مناظر ہیں، وہ (خوئے بدرا بہانہ بسیار بود) کے مطابق کہنے لگے کہ جیسا بھی ہو، ہمارا دین حضرت ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام والا ہے اور ہم جیسے بھی ہیں اپنے اِن بڑوں کی برکت سے کامیاب ہوں گے اپنے بزرگوں کے ثواب میں ہمیں بھی پورا حصہ ملے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رَد فرمایا۔

پیغمبرانِ سابق کے حوالے دے کر ایمان سے جی چراتے ہو

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَ لَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ وَ لَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ: آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بہانے بناتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جی چراتے ہو، گھبراتے ہو اور سابق پیغمبران علیہم السلام کے حوالے دیتے ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، ان حوالوں سے کچھ نہیں بنتا، پدرم سلطان بود کی رٹ سے کچھ فائدہ نہیں، تم خود سوچو یہ واقعات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یہ واقعات درست ہیں یا غلط؟ یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوت اسلام دیتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ہمارے بزرگوں کے مسلک کے خلاف ہے تو کہا جاتا ہے کہ تم ان کے قصوں کو چھوڑو بلکہ تم خود فکر کرو، آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ ملت ابراہیمی پر امت محمدیہ قائم ودائم ہے، امت محمدیہ تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کی فرمانبردار ہے، یہودیوں نے ایک شوشہ چھوڑا ہے، ہٹ دھرم مناظر ہار جاتا ہے مگر کہنے لگے جب تک کوئی یہودیت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوگا، اس کو نجات نہیں ملے گی، نصرانی بھی یہی رٹ لگارہے ہیں کہ نصرانیت ہی میں نجات ہے، یہود ونصاریٰ کے پاس کوئی معقول اور صحیح جواب نہیں ہے، ایک ہی بے دلیل دعویٰ کی رٹ لگائے جارہے ہیں۔

مسکت جواب سن کر بھی ساکت نہیں ہوتے

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا : قاعدہ ہے کہ جو تیز مناظر ہوتا ہے وہ جس وقت تنگ آجاتا ہے تو وہ ساکت نہیں ہوتا اور کوئی بات معقول بھی نہیں کہتا بلکہ منہ چڑھاتا ہے اور کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے، یہاں بھی اسی طرح ہے کہ یہود ساکت بھی نہیں ہوتے اور کوئی بات معقول بھی نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور اپنی ضد سے واپس نہیں ہوتے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہدایت صرف یہودیت میں ہے، اس میں اشارہ ہے کہ تم شرک کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہی ہمارا دین دینِ ابراہیمی ہے جیسے فی زماننا مرزائی جماعت کہ جتنا مسکت جواب دو، وہ ساکت نہیں ہوتے بلکہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ مرزا نبی ہیں (العیاذ باللّٰہ)

ہدایت ملتِ ابراہیمی کے دائرے میں محدود ہے

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا: جس وقت یہودی تم کو کہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ تو تم اُن کو کہو کہ یہودیت ونصرانیت کے دائرہ میں ہدایت محدود نہیں بلکہ ملت ابراہیمی کے دائرہ میں ہدایت محدود ہے جو دین توحید پر قائم ہے۔

یہودی اور عیسائی شرک کی وجہ سے ملتِ ابراہیمی سے خارج ہیں

وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہیں تھے، اس میں یہود ونصاریٰ پر تنقید ہے کہ تم تو مشرک ہو، یہودی عزیر ابن اللّٰہ کہتے ہیں اور عیسائی مسیح ابن اللّٰہ کہتے ہیں، ان عقائد کی بنیاد پر دونوں فریق مشرک ہیں، حدیث شریف میں ہے: لعن اللّٰہ الیہود و النصاری اتخذوا قبور أنبیاء ھم مساجد (البخاری: ح ۱۳۹۰) ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ بنایا'' تو یہ شرک ہونے کی وجہ سے ملت ابراہیمی سے خارج ہو گئے۔

اپنے مسلک کا بیان

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ : قولوا أیھا المسلمون پہلے ان کے بزرگوں کا حال بیان کیا گیا

ہے، اب یہاں سے اپنا مسلک بیان کرتے ہیں کہ ہم سب انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لائے ہیں، ایک اللہ کے بندے ہیں لہٰذا جس رسول کے ذریعے بھی احکام ملیں، ان کو مانیں گے، یہ نہیں کہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ (النساء۔١٤٩) یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام لائے، تب مانیں گے، نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور عیسیٰ علیہ السلام لائے تب مانیں گے، ہم کہتے ہیں: وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ خدا کی طرف سے جو پیغمبر (علیہ السلام) آئے، ہم اس کو مانتے ہیں۔

ملتِ محمدیہ ہی ملت ابراہیمی ہے

ملت ابراہیمی اور امت محمدی دونوں ملت مشترک ہیں، ملت ابراہیمی کی تفسیر اطاعت حق ہے، پس ملتِ ابراہیمی ایک لقب ہے ملت محمدیہ کا، حسنِ اتفاق یہ ہے کہ ہم امت محمدی میں آئے، اسی وجہ سے ہم عملاً اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع قرآن کرتے ہیں جو آخری رسول اللہ اور آخری کتاب ہے، اب جب راستے دو ہو گئے تو لازماً ٹکر ہوگی۔

یہود کی اسلام دشمنی اور فریب کاریوں سے نہ ڈرنا

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ : اگر یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے مسلک کو مان لیں تو صد غنیمت اگر نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے کہلائیں گے کیونکہ تم نیک نیت ہو اور راہ راست پر ہو، اللہ تمہارے لیے کافی ہے، تم ان کی اسلام دشمنی اور فریب کاریوں سے مت ڈرنا، اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہے، اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا ہے اور لوگوں کے بھیدوں اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

اصل رنگ اللہ تعالیٰ کا ہے مسیحیت کا نہیں

صِبْغَةَ اللّٰهِ: نصاریٰ کی عادت ہے کہ جو شخص نصرانی ہو، اس پر زرد رنگ ڈالتے ہیں، نو مولود کو اس رنگ میں نہلا کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ اب پکا نصرانی بن گیا اور وہ کہتے ہیں کہ جب تک نصرانیت کے رنگ میں نہ رنگا جائے تو وہ راہِ راست پر نہیں آتا تو ان کو یہ جواب دے کر تردید کرتے ہیں کہ اصل رنگ تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور تمام رنگ جھوٹے ہیں، اہل اسلام نے دین حق کا رنگ قبول کیا ہے، دین اسلام کے دائرہ میں آکر بندہ تمام ظاہری و باطنی آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جاتا

ہے، رضائے مولیٰ میں جو بندہ محو و مستغرق ہو جاتا ہے، اس پر ایسا رنگ چڑھتا ہے جو نہ دیدہ اور نہ شنیدہ ہوتا ہے۔

رنگ اور رنگ فروش و رنگ ساز

رنگ ہے قرآن، رنگ فروش ہیں علمائے کرام اور رنگ ساز ہیں صوفیائے عظام، یہ (صوفیاء) حال کے اور وہ (علماء) قال کے اور دونوں ہیں خادم اسلام کے اور تکمیل تب ہوسکتی ہے جب وہ خود لیا جائے۔ ایک آدمی دکاندار کے پاس جاتا ہے، اس سے چار آنے کا رنگ خریدتا ہے، پھر کپڑے اور رنگ کو رنگ ساز کے پاس لے جاتا ہے کہ اس کپڑے کو یہ رنگ دے دو، وہ رنگ ساز اس کپڑے کو رنگ دیتا ہے۔

طلبہ کو زریں نصیحت، اللہ والوں کی صحبت کی تلقین

تقویٰ اور خوف خدا عقلی علم کے پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ قرآن و سنت پڑھنے سے اور اللہ والوں کی صحبت سے یہ جواہر نصیب ہوتے ہیں، قرآنی معلومات اور نبوی ارشادات کو نصب العین بنانے سے نورانیت حاصل ہوتی ہے، علمائے ربانیین کی مجالس میں بیٹھنے سے تزکیۂ نفوس کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اکابر کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھنا چاہیے، میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مجلس میں دو دو، تین تین گھنٹہ خاموش بیٹھا رہتا تھا، ان کے سامنے کبھی ایک لفظ تک نہیں بولا، ادب سے عقل آتی ہے۔ ع نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن

بہرحال! عرض یہ ہے کہ انسانیت کا پروگرام ہے قرآن اور اس سے آگاہ کرنے والے ہیں علمائے کرام اور رنگ چڑھانے والے ہیں صوفیائے عظام۔

بہترین رنگ چڑھانے والا اللہ

وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ: یہودی لوگ سب کو یہودیت کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، وہ عزیر ابن اللہ کے عقیدے کو پھیلانا چاہتے ہیں، یہود کہتے ہیں کہ دائرۂ یہودیت میں آئے بغیر رنگ نہیں چڑھتا، ان کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر رنگ چڑھانے والا کون ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل بن جاؤ، یہی بہترین رنگ ہے، ان کو بتادو کہ ہم ایک ہی اللہ کو مانتے ہیں، وہی معبود برحق ہے، اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

یہودیت کو عنایات ربانی کا مستحق سمجھنے کا دعویٰ غلط

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے فرمایا کہ ان یہودیوں کو بتا دیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کی نسبت جھگڑا کرتے ہو، اہل کتاب اس زعم میں تھے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہم پر مہربان ہیں لہٰذا آخری نبی بھی بنو اسحاق میں سے آنا چاہیے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر دیتا ہے لہٰذا وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم جو صرف اپنی یہودی قوم کو عنایات ربانی کا مستحق سمجھتے ہو، یہ تمہارا دعویٰ غلط ہے بلکہ وہ اب فقط تمہارا نہیں ہے بلکہ وہ سب کیلئے ہے اور تم جو باطل نظریات کی طرف بلاتے ہو یعنی یہودیت و نصرانیت تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت لامحدود ہے۔

یہ انبیاء نہ یہودی تھے نہ نصرانی

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ: اگر وہ کہیں کہ ان میں کوئی یہودی اور نصرانی نہ تھا تو فھو المراد اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان میں یہودی اور نصرانی تھے تو انہیں کہہ دیں کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ کہ انبیائے سابقین کس طریقے پر تھے؟ وہ تو نہ نصرانیت پر تھے اور نہ یہودیت پر بلکہ وہ تو حنیف تھے جو خالص اللہ کے مطیع و فرمانبردار تھے بہرحال یہودی اور نصرانی اپنے اپنے مذہب کی حقانیت پر اتنا زور دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بھی یہودی یا نصرانی تھے، حالانکہ یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے، یہودی مذہب بہت بعد کی پیداوار ہے، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد وجود میں آیا۔

امداد کن، امداد کن کہنے پر رد: قادریہ کوئی جزوِ ایمان نہیں

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت شدہ شہادت اور سچی بات کو چھپا دے، لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ وہابی ہے، میں ان کے غلط عقیدے اور باطل نظریات کا رد کرتا رہتا ہوں، امداد کن امداد کن یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ جیسے کلمات پر جب رد کرتا ہوں کہ کیا یہ جملے

حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کبھی کہے تھے؟ تو پھر کہتے ہیں کہ یہ سلسلۂ قادریہ کا ہی منکر ہے جبکہ قادریہ کوئی جزوِ ایمان نہیں ہے۔

رزق اور مدد رب سے ہی مانگنی چاہیے؟

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (پیدائش: ۱۷ر مارچ ۱۰۷۸ء بمطابق ۴۷۰ھ، وفات: بروز پیر ۱۱ر ربیع الثانی ۵۶۱ھ ۱۴ر فروری ۱۱۶۶ء) گیارہویں صدی میں گزرے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ گیارہویں شریف دین میں سے ہے، حالانکہ دین وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما أنا علیه و أصحابي اعلان الٰہی ہے اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ (المائدہ:۳) تو اگر کوئی گیارہویں شریف اس نیت پر دے کہ اس کے ذریعے رزق میں برکت آتی ہے اور اگر نہ دے تو رزق میں تنگی آتی ہے تو یہ شرک ہے، رزق اور مدد صرف ایک ہی رب العالمین سے مانگنی چاہیے۔

انبیاءؑ اور صحابہؓ صرف اللہ سے مدد مانگتے تھے

پیغمبرانِ عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر زمانے کے صلحائے امت صرف اللہ ہی سے مدد مانگتے تھے، ابوالبشر حضرت آدمؑ نے بارگاہ الٰہی میں دست سوال دراز کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف:۲۳) اسی طرح حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر:۱۰) حضرت موسیٰؑ نے بھی اپنے پروردگار سے دعائیں مانگیں جب اس کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (طٰہٰ:۲۵-۳۲) اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام (دعوت تبلیغ) آسان فرما (تاکہ فرض منصبی کو آسانی سے ادا کرسکوں) اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے خاندان میں میرے بھائی ہارونؑ کو میرا معاون بنا جو میری کمر کو مضبوط کرے اور میرے بھائی کو میرے کام میں شریک فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبولیت بخشی قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی (طٰہٰ:۳۶) تیری دعائیں قبول ہوئیں۔ ہم نماز میں کئی بار اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پڑھتے ہیں اے رب العالمین! ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی ابن عباسؓ کو فرمایا: اذا استعنت فاستعن باللّٰه وإذا سألت فاسأل

اللہ مدد اللہ ہی سے مانگا کریں، سوال اسی سے کیا کریں الحمد للہ، اللہ کا فضل ہے، ناکام نہیں ہوں،
امیر شریعت (سید عطا اللہ شاہ بخاری) کا ارشاد ہے کہ آپ امرتسر میں ہوں تو اچھا ہوتا ہے اور
والے تو کوئی ہیں الحمد للہ لاہور میں (کوئی ولا دار نہیں)

پاکیزہ ہستیوں کا نام نہ لو اپنی خیر مناؤ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: اے یہودا تم ان مقدس ہستیوں کا نام کیوں لیتے ہو؟ تم ان مقبولین بارگاہ الٰہی پر کیوں اتہام باندھتے ہو؟ ہم تو آپ کو اوپر لے جانا چاہتے ہیں، تم پیچھے یہودیت کی طرف جانا پسند کرتے ہو، یہ عقیدہ تمہارا باطل ہے کہ ہم اپنے بڑوں کے طفیل بخشوائے جائیں گے، یہ بے ہودہ خیال ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ پاکیزہ جماعت گزر چکی ہے، ان کے لئے ان کے اعمال تھے، تمہارے لیے تمہارے اعمال اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، تم اپنی خیر مناؤ، یہ لوگ ان مقدس ہستیوں کا نام ہی کیوں لیتے ہیں جن کے متعلق ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی یہ اپنی خیر منائیں۔

رکوع 17

الجزء ٢

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا

الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ

جس پر وہ تھے کہہ دو مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾

وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں برگزیدہ امت بنایا تاکہ تم

عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ

اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

ہم نے وہ قبلہ نہیں بنایا تھا جس پر آپ پہلے تھے مگر اس لیے کہ ہم معلوم کریں آپ کو

يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ

جو رسول کی پیروی کرتا ہے اس سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک

كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا

یہ بات بھاری ہے سوائے ان کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا بے شک اللہ لوگوں پر

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ

بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ بیشک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

پھرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں پس اب اپنا منہ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور جہاں کہیں تم ہوا کرو

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو اور بے شک وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے

لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

یقیناً جانتے ہیں کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

وہ کر رہے ہیں۔اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ

جنہیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہیں مانیں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

اور نہ ان میں کوئی دوسرے قبلہ کو ماننے والا ہے اور اگر آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا تو بے شک آپ بھی تب

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ وقف لازم

ظالموں میں سے ہوں گے ۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے پہچانتے ہیں

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک کچھ لوگ ان میں سے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ وقف منزل

حق کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷

آپ کے رب کی طرف سے حق وہی ہے۔ پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

رکوع (۱۷)

خلاصہ (۱) تحویل قبلہ کا تحقیقی جواب۔

(۲) اہل کتاب کی خوشنودی بیت المقدس کو قبلہ بنانے سے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ ان کی خواہشات کے اتباع سے حاصل ہوسکتی ہے اور وہ بدترین جرم ہے۔

ماخذ (۱) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ:۱۴۳)

(۲) وَ لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:۱۴۵)

ربط

جو مضمون اہم ہوتا ہے اُس کو خلاصہ بنایا جاتا ہے اور دیگر آیات سے ربط دیا جاتا ہے، پہلے چار رکوع میں الزامی جواب تھے اور ان میں یہ بحث تھی کہ بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کی طرف کیوں توجہ کی؟ اور اس رکوع میں یہ بیان ہے کہ بیت اللہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟ بیت المقدس کا تعین تو اسحاق علیہ السلام نے کیا تھا پھر یعقوب علیہ السلام و دیگر انبیائے اسرائیل اسی پر گزرے مگر چونکہ یہود اتباع ابراہیم علیہ السلام کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے امتحان کے لئے اللہ نے تحویل الی بیت اللّٰہ الحرام کا حکم دیا۔

تحویل قبلہ پر اعتراض کا الزامی جواب

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ : ہم نے کافی جوابات یہود کو دیئے لیکن یہ مطمئن نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ کے لیے تمام جہات مساوی ہیں جس جہت کی طرف توجہ کریں گے اللہ تعالیٰ سامنے ہوں گے لیکن جو احمق ہیں وہی کہتے پھریں گے، یہ بھی الزامی جواب ہے کہ مشرق ومغرب خدا تعالیٰ کیلئے یکساں ہیں اگر کعبہ کی طرف نماز پڑھے تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر عالم نہ ہوگا؟ یعنی جس امت کیلئے جو چیز مناسب ترین ہوتی ہے، اس کی تعین ان کیلئے کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے لئے کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا مناسب سمجھا ہے، لہٰذا بیت اللہ الحرام پہلا گھر ہے کہ جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور لوگ دور دور سے پہنچتے ہیں اور جتنا بیت اللہ الحرام مظہر تجلی ہے اتنا بیت المقدس نہیں ہے۔

عبادت میں افراط وتفریط سے ممانعت

اس طرح یہ بھی الزامی جواب ہے کہ امت کو ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے منع کیا گیا ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ کا واقعہ ہے کہ چند صحابہ کرامؓ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا تو ازواج مطہراتؓ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا وقت سوتے ہیں، پھر اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں پھر سو جاتے ہیں، پھر اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، غرضیکہ اسی طریقے سے صبح ہو جاتی ہے تو (جو وفد سائل عن عبادة رسول اللہ تھا) انھوں نے اپنی جگہ اپنے لئے ایک ایک عبادت مقرر کر لی ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ کے لئے صائم رہوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ کے لیے رات کو جاگا کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں نکاح نہیں کروں گا۔ اس واقعہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے جیسا تم میں سے کون ہے؟ مجھے تو اللہ کھلاتا ہے اور تم میں سے اس کی کسی کو طاقت نہیں، شب بیداری کے متعلق فرمایا کہ ان لجسدك عليك حقاً و ان لزوجك عليك حقاً و ان لربك عليك حقاً ولنفسك عليك حقاً ولاهلك عليك حقاً اعط كل ذی حق حقه (البخاری، ۱۸۴۲) آپ کے جسم کا، آپ کی بیوی کا، آپ کے رب کا، آپ کے نفس کا، تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے پس ہر ایک کو اس کا حق دیا کرو اور تیسرے کے متعلق فرمایا النکاح من سنتی فمن لم

يعمل بسنتي فليس مني (سنن ابن ماجه: ح ١٨٤٦) نکاح میری سنت ہے، جس نے اس پر عمل نہیں کیا تو اُس نے میری سنت کو نظرانداز کیا تو پھر صحابہؓ نے ایسے کاموں کے ارادوں کو ترک کیا کہ واقعتاً اس بات کی طاقت ہم میں نہیں ہے، غرضیکہ افراط اور تفریط سے منع کیا گیا۔

امت بھی وسط اور قبلہ بھی وسط

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا : كَذٰلِكَ مشبہ ہے اور مشبہ بہ آتيناكم القبلة وسطاً كما جعلناكم امةً وسطاً والمراد من الوسط خير الامور یہ تحقیقی جواب ہے اور وَسَطاً کی دلیل لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ہے لِتَكُوْنُوْا میں لام نتیجہ کیلئے ہے اور اُمَّةً وَّسَطًا ہونے کا ایک ثبوت ہے اور اُمَّةً وَّسَطًا سے مراد امت محمدی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ تم کو امت وسط بنایا ہے، اگر دو آدمیوں کو کسی ایک منزل اور ایک نشان تک دوڑایا جائے تو جو بھی ان دونوں میں آگے نکل جائے گا اس کی بہادری سمجھی جائے گی اور اگر نشان پہنچنے کے مختلف ہوں تو پہلے پہنچنے والے کو کچھ فوقیت واقعہ کے لحاظ سے نہیں دی جاتی، ایسے تمام امم کے مقاصد وصول الى البارى تعالىٰ ایک ہیں، اب ان میں سے اگر امت مرحومہ آگے نکل جاتی ہے تو یہ اُس کا کمال ہے اس وجہ سے اُمَّةً وَّسَطًا فرمایا گیا، دین میں تحریف کرنا یہود وغیرہ کا شیوہ تھا اور جو واقعتاً تھا بھی نہیں، انہوں نے اِسے بنا ڈالا، امت مرحومہ میں یہ چیز خدا کے فضل سے کم ہے کیونکہ جھوٹی باتیں بنا کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں آپ کی طرف منسوب کرنے کے متعلق آپ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار (البخاري: ۱۲۲۹) حضرت ابوبکرؓ کا باوجود کثیر الملازم ہونے کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر میں ساتھ ہونے کے قلیل الرواية ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ ان کی روایات سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ ہوتیں لیکن ایسا نہیں اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مذکور سے ڈرتے تھے کہ کہیں غلط نسبت نہ ہو جائے کہیں معاملہ خراب نہ ہو جائے۔

امت محمدیہ کی شہادت سے انبیاء کا دعویٰ تبلیغ ثابت ہوگا

تنازع بين المدعى والمدعىٰ عليه میں گواہ کے بیانات پر جج فیصلہ کرتا ہے انہی کے بیانات شاہد عدل ہوتے ہیں، ہر نبی کے بارے میں پوچھا جائے گا فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ

اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ (الاعراف:٦) نوحؑ سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا ھل بلغت؟ اور امت سے پوچھے گا ھل بلغکم؟ جواب میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور گواہ پیش کریں گے، خصمین نوحؑ اور ان کی امت ہے نوح علیہ السلام مدعی اور امت مدعا علیہ ہے، امت کہے گی مَا جَآءَنَا مِنْ ۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ (المائدۃ:١٩) اور پیغمبر کہے گا ہم نے تبلیغ کی تو پیغمبران کی امت پر آنحضرتؐ اور اپنی امت بطور شاہد عدل پیش کریں گے، حدیث میں ایسے ہی الفاظ ہیں، اب نوحؑ کی امتیں امت محمدیؐ پر جرح کریں گے تو وہ کہیں گے ہاں! ہم تو تم سے بعد میں آئے لیکن خدا نے ہمیں بتلا دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دیگر امتوں کے درمیان فصل خصومات (جھگڑوں کا فیصلہ) کی گواہ بنے گی۔

تمام انبیاء کی تبلیغ پر امت محمدیہ کی شہادت

ہماری امت کی شہادت اتنی مضبوط ہوگی کہ ان کی شہادت سے انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ ثابت ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ روز محشر میں انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ بتلاؤ تم نے میرے احکام اپنی امتوں تک پہنچائے یا نہیں؟ تو انبیاء علیہم السلام جواب میں ہاں کہیں گے پھر امتوں سے پوچھیں گے کہ کیا میرے احکام تم کو دنیا میں پہنچاتے تھے؟ تو امتیں انکار کریں گی مَا جَآءَنَا مِنْ ۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ (المائدۃ:١٩) کہ ہماری طرف کوئی بھی ڈرانے والا نہیں آیا پھر انبیاء سے پوچھا جائے گا کہ اب بتلاؤ تمہاری امتیں تو انکار کرتی ہیں، اب تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ تو اب انبیاء فرمائیں گے کہ ہماری تبلیغ کرنے پر (ہم نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی) امت محمدیہ گواہ ہے، اب امت مرحومہ کو بلایا جائے گا کہ بتلاؤ! ان فلاں فلاں انبیاء نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! تبلیغ کی، پوچھا جائے گا کہ تم کو ان کی تبلیغ کا کیسے علم ہے؟ کہیں گے کہ یارب! ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں بتایا وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ (العنکبوت:١٤) پس ہم نے اِن کے احوال پڑھے تھے کہ انبیاء نے تبلیغ کی تھی لیکن امتوں نے انکار کیا، غرض یہ کہ انبیاء کی تبلیغ پر امت مرحومہ شاہد ہوگی۔

حضورؐ کی تبلیغ کے بارے میں سوال نہ کرنے کی وجہ حجۃ الوداع میں شہادت ہے

کبھی ذکر نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا کہیں

اس کے متعلق بات نہیں تو بات یہ ہے کہ آپ کی شہادت تو دنیا میں ہو چکی ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بتلاؤ میں نے احکام خداوندی تم تک پہنچائے ہیں؟ تو سب نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام خداوندی ہم کو پہنچائے ہیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اے باری تعالیٰ! آپ گواہ رہیں کہ اِن تمام نے میری تبلیغ کا اقرار کیا ہے میں نے تیرے احکام ان تک پہنچائے ہیں، غرض یہ کہ قیامت میں آپ سے تبلیغ امت کے متعلق سوال نہیں ہوگا، حجۃ الوداع میں فرمایا کہ نشهد انك قد اديت الامانة وبلغت الرسالة ونصحت الامة یعنی آپؐ نے پوچھا کہ کیا میں نے تم تک اللہ کے احکام پہنچائے ہیں؟ جواب میں سب نے ہاں کہا اور اس مجمع میں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا کہ اہل عرب کا ایک خود ساختہ قاعدہ تھا کہ حج کے ایام میں عمرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب آپ لوگوں کو یعنی صحابہ کرامؓ کو کہہ رہے ہیں کہ وہ حضرات جن کے پاس ہدی نہیں ہے وہ حلال ہو جائیں اور جن کے پاس ہے وہ حلال نہ ہوں، اب صحابہؓ کو اشکال ہو رہا ہے کہ یہ کیسے کریں؟ تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت گرانی ہوئی کہ میں کہہ رہا ہوں اور انہیں تردد ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو انی استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الهدى (ابوداؤد: ح ۱۷۸٤) کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ پیش آئے گا کہ لوگوں کو حلال ہونے میں تامل ہوگا تو میں ہدی ساتھ نہ لے کر آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدی ساتھ لے گئے تھے بعد میں یہ واقعہ پیش آ رہا ہے۔

حضورؐ کو علم غیب نہ ہونے کے تین بڑے دلائل

اب ان لوگوں سے علم غیب کے متعلق پوچھا جائے گا کہ بتلاؤ اب تک تو علم غیب نہیں دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشان ہیں فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا، یہ کیا چیز ہے علم غیب کا ثبوت کہاں سے ہے؟ یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے ایسا ہی واقعہ افک کا حال ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان واقعہ افک میں تقریباً چالیس (۴۰) پچاس (۵۰) دن تک صحابہ کرامؓ سے مشورہ میں رہے ہر ایک سے پوچھا جا رہا ہے، سخت پریشانی ہے، کبھی ام مسطح سے پوچھا جاتا ہے، کبھی حضرت علیؓ سے پوچھا جاتا ہے، کبھی حضرت بریرۃ سے، آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ ایسے ہی وہ واقعہ کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر آنے سے بعض

لوگوں کو فرشتے ہٹائیں گے، آپ فرمائیں گے کہ ان کو کیوں نہیں چھوڑتے یہ تو میری امت کے بندے ہیں؟ تو فرشتے جواب دیں گے انك لاتدری ما احد ثوابعدك کہ آپ کو معلوم نہیں ہے جو کچھ انہوں نے آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کیا ہے؟ یعنی بدعات وغیرہ کے رائج کرنے والے، یہ سارے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کر رہے ہیں۔

تحویل کا تحقیقی جواب

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ: اصل تحقیقی جواب یہ ہے کہ تحویل الی بیت المقدس کے حکم کا ذکر قرآن میں نہیں تھا، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بامر الٰہی تھا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ قریش ملت ابراہیمی کو اپنا شیوہ بتلاتے ہیں اور تعظیم بیت اللہ کو اپنا شعار بتلاتے ہیں اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعلیم دی تو وہ ایمان لائے۔

تحویل الی بیت المقدس سے ایمانداروں کا امتحان

اب اللہ تعالیٰ ان کا امتحان لیتا ہے کہ آیا قریش مکہ ان باتوں کو بحیثیت اپنے پرانے ملت کی تسلیم کرتے ہیں یا اس حیثیت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل نبی مانتے ہیں کہ جس طرح حکم کرے اس کو ماننے کے لئے تیار ہیں اور یہ امتحان نہایت مشکل تھا جو کہ اصل الاصول ایک عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے وہ چھڑوایا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین قبلہ عطاء فرمایا اور امتوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بہترین امت بنایا اور عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنوانے کی غرض یہ تھی کہ ایمانداروں کے ایمان کا امتحان ہو جائے اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ جب کعبہ سے بیت المقدس کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوا تو اس میں مسلمانوں کا امتحان تھا اس لئے بعض مرتد ہو گئے اور جن لوگوں کے ساتھ ایمان کامل کی روشنی تھی وہ ثابت قدم رہے، پس جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مان چکے تو جو بھی ترمیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہے سابقہ شرائع میں کرے وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ (المصادر كالمخنث قد یذکر و قد یؤنث) كَانَتْ ضمیر راجع ہے تحویل کی طرف جو مذکر ہے وَ اِنْ كَانَتْ تحویل القبلة لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ اور جو تذبذب میں تھے وہ ہٹ گئے۔

تحویل عارضی آزمائش تھی اللہ آپ ﷺ کی کعبہ سے عقیدت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ :ایمان کے معنی بعض مفسرین صلوتکم سے کرتے ہیں اور اس کا حوالہ حدیث مبارکہ سے پیش کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! جو لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور تحویل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ: ای صلواتکم

مولانا سندھیؒ کی توجیہ

ہمارے شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے تھے کہ یہ تفسیر بھی ٹھیک ہے لیکن لازم اور ضروری نہیں، ایمان اپنے معنی پر بھی صحیح ہو سکتا ہے اِيْمَانَكُمْ کی تبدیلی صلواتکم سے کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ نص (قرآن) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴) سے معلوم ہوا کہ محل الایمان ہو القلب ای فعل القلب وھذا المعنی الحقیقی للایمان، اب یہاں معنی کیا ہے؟ (میں سابق توجیہ کی بھی تصدیق و تائید کرتا ہوں تردید نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی ہزاروں سال خانہ کعبہ سے لوگوں کی وہ عقیدت تھی کہ اللہ اکبر! وہ اپنے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہاں قربان کرنے کو تیار ہوتے، اسی طرح ان کا قبلہ کے ساتھ ایک حسن عقیدت اور محبت تھی کہ اس کی حفاظت سعادت اور اس کی اہانت شقاوت تھی اس سے بڑھ کر حسن عقیدت نہیں ہو سکتی اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی قوم کے لیے مناسب ہوتی ہے خدا اس قوم کے لیے اس چیز کا تعین فرماتا ہے، مسلمانوں کی عقیدت کعبہ شریف کے ساتھ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ ان کے عقیدہ کے خلاف کیا جائے۔

حضرت عبد المطلب کی نذر اور حضرت عبد اللہ کا فدیہ سو اونٹ

حتیٰ کہ بعض اوقات بیٹوں کو بھی ذبح کر دیتے تھے جیسے حضرت عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر میرے بیٹے ہوئے تو میں ایک کی قربانی کروں گا تو جس وقت تعداد معین کو پہنچ چکی تو قربانی کا ارادہ کیا اور قرعہ ڈالا تو قرعہ حضرت عبد اللہ (والد ماجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکلا جب ان کے ذبح کا ارادہ کیا تو قریش مانع ہوئے کیونکہ یہ نہایت حسین اور جمیل تھے حاکم وقت کی عدالت میں فیصلہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایک طرف عبد اللہ اور دوسری طرف اونٹ ہوں، پھر قرعہ ڈالا گیا قرعہ عبد اللہ کے نام پر نکلا پھر ایک اونٹ اور بڑھایا، پھر قرعہ ڈالا پھر عبد اللہ کے نام پر

نکلا اس طرح بڑھاتے بڑھاتے جس وقت ۱۰۰ اونٹ تک پہنچے تو قرعہ اونٹوں پر نکلا، اسی دن سے دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محبت اور ہزار ہا سال کے تعلق کو ضائع نہیں کرتا، اسی طرح اس حسن عقیدت پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی پیش کیا گیا وہ الگ بات ہے کہ اللہ نے معاف کرایا وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (الصّٰفّٰت:۱۰۴-۱۰۵) اس عقیدت کے باوجود تحویل الی بیت المقدس مسلمانوں کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی اس کی حفاظت کے لیے وہ جان و مال قربان کرتے تھے ایک لاکھ سے زائد پیغمبر بھی اس کا طواف کرنے آتے تھے اس کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ بیت المقدس کے ساتھ کہاں تھی پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر ملائکہ عظام نے کی وہ قبلۃ الانبیاء اور مطاف ملائکۃ عظام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ سے عقیدت قلبی کو ضائع نہ ہونے دیا

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ : یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عقیدت قلبی کو ضائع نہیں کرنا چاہتا یہ امتحانی چیز اور عارضی تحویل تھی، یہ عقیدت بھی مسلمانوں کی جان اور بڑی چیز ہے اِيْمَانَكُمْ ای عقیدتکم جس موقع پر اللہ تعالیٰ جس اسم مبارک کو استعمال کریں وہ اوفق بالموقع ہوگا یہاں بھی رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا جو اوفق بالموقع تھا ۱۹۹ اسماء ہیں اور خانہ کعبہ اس بیت المعمور کے محاذات میں ہے جس کا طواف ملائکہ عظام کرتے ہیں اور پھر دوسری مرتبہ ان کی باری نہیں آتی تو یہ رأفت اور رحمت تھی کہ ایسے قبلہ کی جانب تحویل کا حکم دیا، اس لیے ہمارے قدیمی تعلق اور محبت کو ضائع نہیں کریں گے جو سراسر ہمارے لئے تکلیف کا باعث ہے۔

کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم اور آپؐ کو شدت سے اس کا انتظار

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ : یہاں بیت الحرام شطر البیت نہیں فرمایا کیونکہ مسجد وسیع ہے بنسبت بیت کے اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نہیں فرمایا بلکہ شَطْرَ ذکر فرمایا کیونکہ اس طرف استقبال ضروری ہے، عین مسجد کو ضروری نہیں، بہر حال! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی جانتے تھے کہ تحویل الیٰ بیت المقدس عارضی ہے تو بار بار اشتیاق و انتظار کی وجہ سے نظر اٹھاتے تھے تو حکم توجہ الی القبلۃ یعنی کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم نازل ہوا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت سے اسکا انتظار تھا ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ سترہ مہینے تک رہا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

یہود و نصاری کی ضد و عناد کی وجہ سے کعبہ کو قبلہ نہ ماننا

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ : جن لوگوں (یہود و نصاری) کو کتاب دی گئی ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی نبی ہیں جن کی بشارت اِن کی کتابوں میں موجود ہے اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کو علم صحیح حاصل ہے پھر باوجود علم صحیح کے یہ لوگ شرارتیں کرتے ہیں، اسے سب کچھ معلوم ہے یہ لوگ اپنے کفر اور اعمالِ بد کی سزا پائیں گے۔

تحویلِ قبلہ میں اہل کتاب کا مسلمانوں کے ساتھ تخالف

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بھی نشانی و دلیل لائیں مگر ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں ہو سکے گا کہ وہ اپنے قبلہ کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبلہ کعبہ کی اتباع کریں وہ ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ہستی بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے سے قائم رہے گی، وہ تخالف ضروری سمجھتے ہیں کہ تم اور ہو اور ہم اور ہیں اور تیرے قبلہ کو رخ کرنے پر سمجھتے ہیں کہ ہماری ہستی فناء ہو جائے گی اور ہم ان میں جذب ہو جائیں گے۔

قبلہ کے معاملہ میں ان کی آپس میں بھی مخالفت

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ :قبلہ کے معاملے میں تو وہ ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں آپس میں بھی متحد نہیں عیسائی کچھ مشرق کے حصہ کو کچھ مغرب کے حصہ کو رخ کرتے ہیں نصرانیوں

نے الگ حصہ خاص کرلیا ہے یہود جانب غربی کو اور دوسرے اِس جانب کی طرف رُخ کرنے کو نا جائز سمجھتے ہیں۔

اہل کتاب طالب حق نہیں بلکہ مخاصم ہیں

وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ: اہل کتاب طالب حق نہیں مخاصم ہیں اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوط کیا جا رہا ہے کہ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے! کیونکہ آپؐ کے پاس اللہ کی طرف سے علم آ گیا اور یہ یقین ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اور معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہش کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، ان کا حق قبول کرنے کا ارادہ نہیں ہے لہٰذا بالفرض اگر آپ نے ان کی خواہشات کا اتباع کرلیا تو آپ ان لوگوں میں شمار ہو جائیں گے جو ظلم کرنے والے اور حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف جانے والے ہیں۔

آپ کی نبوت کی طرح بیت اللہ کے قبلہ ہونے کا بھی انہیں یقین

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ: ضمیر حقانیت قبلہ کو راجع ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بحث نہیں بلکہ قبلہ سے ہے اور اہل کتاب سے بیت اللہ الحرام کی حقیقت اور اس کے قبلہ بن جانے کے معارف پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ وہ اِن چیزوں سے اسی طرح آگاہ ہیں جس طرح کہ اپنی اولاد سے آگاہ ہیں، مفسرین حضرات لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت یعنی آپ کے نبی ہونے کو کافر ایسے جانتے تھے اور اس کے متعلق ایسا علم رکھتے تھے جیسے کہ اپنے بیٹوں کے متعلق علم ہوتا ہے اور حضرت مخدومنا المکرّم نے یوں فرمایا کہ بیت اللہ کے قبلہ ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ان کو ایسا یقین اور ایسا علم ہے جیسے کہ اپنے بیٹوں کے متعلق علم ہوتا ہے اور اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، ایسا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ الحرام کے قبلہ ہونے کو کیونکہ بحث تحویل قبلہ کی ہے نہ کہ آپ کی نبوت کے متعلق یہی قرینہ ہے يَعْرِفُوْنَهٗ سے قبلہ لینے کا۔

مسلمانوں کا دائمی قبلہ بیت اللہ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ: هذا هو الحق الذى قلنا لك فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ یعنی قبلہ کے معاملہ میں صحیح مسلک وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے لہٰذا اس پر جمے رہو، مسلمانوں کا دائمی قبلہ یہی ہونا چاہیے اس لئے دل میں کبھی کوئی شک نہ پیدا ہونے پائے۔

رکوع 18

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا

اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف

تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

دوڑو تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ سمیٹ کر لے آئے گا بے شک اللہ

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا

مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے اور

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں۔ اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا

تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم بھی جہاں کہیں ہو تو

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ

اپنا منہ اس کی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا

ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تم بھی ان سے نہ ڈرو اور

تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ

ہم سے ڈرتے رہا کرو اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور

وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا

تاکہ تم راہ پاؤ۔ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی

مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ

میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور

وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ

تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ معانقة

تم نہیں جانتے تھے۔ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا

وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع ۱۸/۵

اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

رکوع (۱۸)

خلاصہ	(۱)	تلقین استقامۃ علی القبلۃ
	(۲)	تہذیب الاخلاق کے دو مسائل: ذکر اور شکر
ماخذ	(۱)	وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ إِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَ مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (البقرۃ:۱٤۹)
	(۲)	فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرۃ:۱۵۲)

تہذیب اخلاق اولاً انفرادی پھر اجتماعی

پہلے ماخذ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ میں تاکید و تلقین ہوئی کہ کہیں بھی ہوں کسی خطے میں بھی ہوں اس قبلہ سے ہٹنے نہ پائیں آگے وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ میں تاکید مزید آ رہی ہے، ابتداء سے یہاں تک یہود کے ساتھ مناظرہ تھا اور یہاں اٹھارہویں رکوع سے تہذیب الاخلاق کے مسائل شروع ہو رہے ہیں اور آیت فَاذْكُرُونِي میں تہذیب اخلاق کے دو مسائل ذکر و شکر کا بیان ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصول کے مطابق قوم کو پہلے انفرادی طور پر اخلاق کی تہذیب اور اصلاح کرنی چاہئے تاکہ وہ ترقی کے بام عروج پر پہنچ سکے تہذیب اخلاق کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد کے ساتھ کامیابی ہوتی ہے، باب تہذیب اخلاق کے کل پانچ مسائل ہیں دو یہاں اور بقیہ تین کا ذکر اگلے رکوع میں آ رہا ہے۔

آئندہ ہرگز مصلحتاً تحویل نہیں ہوگی

ایک دفعہ تحویل ہوئی تو یہود چیخ و پکار کرتے رہے اگر یہ تحویل بار بار ہوتی رہی تو ہرگز

پہچانا چھوڑیں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ مصلحت کے لئے تحویل ہرگز نہیں ہونی چاہئے بالفرض اگر ہم ہندوستان پہنچیں اور گنگا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تا کہ ہندو اسلام کی طرف مائل ہو جائیں اس لئے بار بار تاکید کی گئی ہے، اب اخلاق کو مہذب بنانے اور سنوارنے میں ذکر و شکر کا کیسا دخل ہے؟ اس کو بیان کرنے سے پہلے ربط و تفصیل پڑھئے!

تقرب الٰہی میں جذبہ استباق (سبقت) کی ضرورت

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ : ہر امت کا اپنا اپنا قبلہ رہا، قیامت کے دن دیکھا جائے گا کہ کس امت نے اپنے قبلے کی کتنی قدر کی اور اس کی طرف توجہ کر کے یاد الٰہی کا کتنا حق ادا کیا؟ اب چونکہ قبلہ کے جہات مختلف ہیں لیکن مسجود ایک ہی ہے تو ہم دیکھیں گے کہ تقرب الٰہی کا جذبہ کس شخص میں زیادہ ہے؟ جب کہ ہر ایک کے لیے وِّجْهَةٌ (طرف) اور رُخ ہے تو سبقت الی الخیرات کیسے ہوگی؟ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ كانت قبلة على حدة فعلم من ذلك ان لكل قبلة بخلاف قوم آخر فكيف الاستباق ولا بد لها من اتحاد الجهة؟ جواب یہ ہے کہ استباق (سبقت) سے استباق فی الخیرات مراد ہے یعنی کس قوم نے اپنے اپنے قبلے کے تحفظ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کتنی قربانی دی تھی، یہ ہے ایک قدر مشترک جس میں تو استباق ہو سکتا ہے یعنی تمام قبلوں میں مقصود بالذات ذات الٰہی ہے، خانہ کعبہ کی طرف توجہ کرنے والے زیادہ ہیں یا بیت المقدس کی طرف؟

تم جہاں بھی ہو اپنا رُخ بیت اللہ کی طرف کیا کرو

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : مرکز قائم کرنے کا یہی مقصد ہے کہ جب ہر ایک مسلم کو حج بیت اللہ کے لئے جانا ضروری ہے اور وہاں دنیا کے بہترین مسلمان جمع ہوں گے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنے اندر اس قدر طہارت و پاکیزگی پیدا کرلیں کہ ان کے سامنے ذلیل و رسوا نہ ہوں اگر ایک مرکز نہ ہوتا تو اس قدر جوش و ولولہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا، رہا اس جگہ پر دنیا کے ہر گوشے سے مسلمانوں کا جمع کرنا سو یہ اللہ کے قبضے میں ہے وہ ضرور سب کو یہاں لا کر چھوڑے گا، تمہارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جہاں کہیں سے نکلو گے تو تمہارا رُخ مسجد حرام کی طرف ہو اور باقی تمام مسلمان

بھی اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں، اگر تم اس مرکز کا احترام کرو گے تو ضرور دنیا و آخرت میں سرفراز ہوں گے اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

دنیا کے کسی حصہ میں بھی جاؤ قبلہ تمہارا یہی رہے

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ : اس آیت میں مزید تاکید کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ ہمیشہ اسی کو اپنا قبلہ بنائیں یعنی دنیا کے کسی حصہ میں جہاں بھی جاؤ قبلہ تمہارا یہی رہے ایک لحہ کیلئے بھی کسی مسلمان کو قبلہ بدلنے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے استدلال کرنے کا خیال پیدا نہ ہو بلکہ اب اس میں کبھی تبدیلی نہ ہوگی اور مخالفین اسلام کو یہ کہنے کا موقع بھی نہ ملے کہ مسلمانوں کا کوئی اصول نہیں وہ جس قوم میں جاتے ہیں اسی قبلہ کی طرف منہ کر لیتے ہیں اگرچہ ظالم تو اس ایک دفعہ تحویل کے باعث بھی پیچھا نہیں چھوڑتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً امرِ الٰہی کے مطابق کی اور تم پر یہ الزام نہ ہو کہ مسلمانوں کے دین میں اضطراب ہے جہاں جاتے ہیں قبلہ تبدیل کر لیتے ہیں مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تو تم بھی اِن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ تمہیں بہترین قبلہ دیا گیا ہے جیسا کہ تمہاری طرف کامل و اکمل رسول بھیجا گیا ہے تا کہ تم سیدھے راہ کی ہدایت پاؤ۔

تمہارے پیغمبر کی طرح تمہارا قبلہ بھی بہترین

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ : ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتا ہے، تشبیہ اس امر میں ہے کہ جس طرح ہم نے تم کو افضل کعبہ عطا کیا اور تم کو خیر الامم بنایا اسی طرح تمہاری طرف افضل الانبیاء بھی مبعوث فرمایا یعنی تمہارا قبلہ ایسا بہترین ہے جیسا تمہارا پیغمبر، نہ امت کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر اور نہ اس امت کی کوئی مثال، نہ اُس قبلہ جیسا کوئی قبلہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ

تَكُونُوْا تَعْلَمُوْنَ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض تھے:

(۱) تلاوت آیات

تالی (تلاوت کرنے والا) آج کل اکثر حفاظ محض تالی ہوتے ہیں تلاوت آیات کرتے ہیں مگر نہ خود مطلب سمجھ سکتے ہیں نہ اوروں کو سمجھا سکتے ہیں۔

(۲) تزکیہ نفوس

قرآن کا رنگ چڑھانا اور قال سے حال بنانا۔

(۳) تعلیم کتاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خداداد قابلیت کے ذریعے تعلیم کتاب بھی دیتے ہیں، یعنی قرآن کا مفہوم لوگوں کو سمجھانا جیسے کہ علماء اس فرض کو سرانجام دے رہے ہیں۔

(۴) تعلیم حکمت

دانشمندی، علم اور چیز ہے اور عقل اور چیز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں وہ عقل اور قابلیت حاصل ہوتی تھی جس کے آگے فہم وادراک ہیچ ہیں، مقولہ مشہور ہے......

ع یک من علم را دہ من عقل باید

چنانچہ اس تعلیم نبوی کی برکت سے صحابہ کرامؓ ان کمالات اربعہ کا مکمل نمونہ ہیں اور اہل اسلام کے لئے مشعل راہ ہدایت ہیں آج چونکہ اسلام کے اجزاء سے تعلیم وتزکیہ کو ترک کر دیا گیا ہے تو یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض اہل علم حضرات دس گیارہ سال تعلیم میں گزار کر نیت بد (غلط نیت) لاتے ہیں کہ اہل دنیا کی اصلاح کریں گے مگر تزکیہ نہیں ہوا ہوتا تو خود بُرے اعمال میں پڑ کر حسد، کینہ اور دل میں بغض رکھ کر غیبت کرنے والوں کے ساتھ جو پڑھا اس کو بھی ایسا سمجھا کہ لوگوں پر کفر کے فتوی دے دے کر ہدایت کے بجائے خود لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور کئی آ کر مساجد میں خطیب اور امام بن کر عبدالبطن (پیٹ کا بندہ) ہو کر پیٹ کی خاطر رسم ورواج وبدعات جاری کر دیتے ہیں اور جو سمجھانے لگے تو سننے کے بجائے خود فتوی دے مارتے ہیں اور لوگوں کو اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں کیونکہ تکبر، انانیت، بطن پرستی، ہوابازی اور لاأبالی پن سے طبیعت بھری ہوئی ہے اور ایسے خدا کے بندے کے پاس نہیں رہے کہ نفس کی ایسی سرکوبی کرتے کہ کہہ اٹھتے......

صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی میری مٹا دے خاک پامال کر دے

خلافِ شریعت کام کرنے والے پیر سے بیعت حرام

یہ گوہر اللہ والوں کے پاس ملتا ہے مگر یہ بھی ہے کہ موتی ملنے ارزان اور اللہ والے اس سے بھی گران ہیں (یعنی مشکل سے ملتے ہیں) کئی بہروپے ہوتے ہیں، مرید بنا کر جبے پہن کر یتیموں کا مال کھاتے ہیں، حرام وحلال میں تمیز نہیں کرتے اور لوگوں کو بہکاتے پیٹ پالتے ہیں ایسے پیر اگر ہوا میں اُڑتے آئیں اور لاکھوں کی تعداد میں مرید بنا کر پیچھے لائیں مگر پابندِ شریعت نہیں ہیں تو اس کی طرف نگاہ اٹھانا گناہ اور بیعت ہونا حرام ہے اور اگر غلطی سے بیعت ہو جائے تو توڑنا فرض، اللہ والے کی خدمت میں رہنے سے دینی رنگت چڑھتی ہے، حضرت امرؤٹی رحمہ اللہ کو ایک خادم (جو بالکل جاہل تھا) کہنے لگا کہ حضرت! آپ کی کھجوروں کو لڑکے کچا توڑ توڑ کر خراب کردیتے ہیں تو حضرت نے اُسے فرمایا کہ جاؤ! بدمعاشوں کو پکڑ لاؤ تو خادم نے کہا کہ اول بدمعاش تو میں ہوں، چنانچہ حضرت نے پھر اس جواب کے بعد کچھ نہ فرمایا، یہ ہے اللہ کا رنگ، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے ہر آنے والے مسافر اور نصرانی سے بھی اپنا نفس کمتر معلوم ہوتا ہے۔

کسی کا نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تو آپ کیا مسئلہ بتائیں گے؟

اہل علم حضرات ذرا یہ تو بتائیں کہ ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ خوب سمجھتا ہوں کہ نماز فرض ہے اور تارك الصلوٰة فاسق ہے مگر کیا کروں، دل نہیں چاہتا نماز پڑھنے کو تو آپ کیا مسئلہ بتائیں گے یہ مسئلہ تو تمہیں فتاؤں میں نہیں مل سکتا، آؤ تزکیہ کرو اور سیکھ کر دیگر لوگوں کا تزکیہ کراؤ اور پھر اس شخص کو کہو کہ جناب! آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ تو جواب دے گا کہ ملازمت یا تجارت وغیرہ تو آپ پوچھئے کہ خرچ کتنا ہے؟ تو وہ مثلاً کہے کہ سو روپے ماہوار خرچ ہے تو آمد پوچھئے تو ضرور اس سے زیادہ نہ کہے گا بلکہ کہے گا کہ ستر، اسی یا نوے ہے تو پوچھئے کہ پھر خرچ میں یہ زیادہ روپے کہاں سے آئے تو وہ کہے گا کہ رشوت یا دیگر ناجائز طریقے سے حاصل ہو رہا ہے تو کہو کہ اس کو چھوڑ دو اور نماز شروع کرو اور سو سو بار استغفار پڑھا کرو تو پھر خود آکر کہے گا کہ اب تو جی عبادت سے ہٹتا نہیں، ایسے دیگر امراض باطنیہ کا علاج تمہیں فتاؤں میں نہیں ملے گا اور میں پوچھتا

ہوں کہ تمہیں حلال وحرام چیز سامنے رکھ کر تمیز حاصل ہوتی ہے، آیئے! تزکیہ حاصل کریں، اس کے بعد تمہارے سامنے ایک قسم کا پھل مثلاً ناشپاتی، کچھ نشانہ لگا کر کچھ حرام رکھی جائیں اور کچھ حلال رکھی جائیں تو آپ صاف صاف بتا سکو گے کہ یہ حرام ہیں اور یہ حلال؟ کیونکہ سینہ ایک نور تزکیہ سے منور ہوگا۔

طہارت اور تزکیہ

طہارت سے مراد ظاہری پاکی اور تزکیہ سے مراد باطنی پاکی، روحانی امراض سے شفاء، روحانی امراض میں (۱) شرک (۲) کفر (۳) نفاق اعتقادی (۴) کبر (۵) حسد (۶) عجب وغیرہ شامل ہیں، پہلے تین کیلئے نہ شفاعت ہے اور نہ مغفرت باقی تینوں کے لئے دونوں ہیں، نفاق اعتقادی یہ ہے کہ دل سے کافر اور بظاہر مسلمان ہو۔

تہذیب الاخلاق کے مسائل

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ : ذکر، شکر یہ تهذیب الاخلاق کے مسائل ہیں اور باقی کا ذکر آنے والی آیت میں آئے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ ہر قوم کی ترقی کے لئے پہلی چیز اخلاق کا سنوارنا ہے، جب ہر مرد، عورت اور بچے کے اخلاق سنور جائیں تو اسلام کے لئے عزت و سرفرازی کا باعث ہوگا اور اگر اخلاق بگڑ جائیں تو اسلام کے لئے وہ ترقی عزت و سرفرازی کی بجائے ذلت اور توہین کا باعث ہوگا، تهذیب الاخلاق کے پانچ مسائل میں پہلا مسئلہ ذکر الٰہی ہے۔ فَاذْكُرُوْنِىْ ای فی الحال وبایّ مکان فی الجلوة والخلوة والیوم واللیل، ومن التزم ذکر اللّٰه فی ای حال وبایّ مکان فی الجلوة والخلوة والیوم واللیل لا یبقی له وقت للمجادلة والمخاصمة والحرب والغیبة والشتم وللقنانیة، بل بذکر اللّٰه تعالیٰ فی ای حال وبای مکان وهذا شی تخرج من اُذْكُرُوْنِىْ ہر حال ہر جگہ (خلوت وجلوت) میں ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو جنگ وجدال جھوٹ، غیبت، گالم گلوچ سے محفوظ رہے گا۔

اس قسم کے ذکر الٰہی سے اخلاق کی تہذیب ہوتی ہے جب ذکر اللہ آجائے گا تو اللہ تعالیٰ کا نور اس کے ہر ہر ذرہ وجود میں آجائے گا پھر اس کے دیکھنے سے یاد الٰہی تازہ ہوگی۔ جیسا کہ لوہا آگ میں ڈال کر انگارہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ لوہے اور آگ کی تمیز نہیں ہو سکتی تو اسی طرح ذکر الٰہی سے اس کے ہر ذرہ وجود میں نور الٰہی پیدا ہو کر اس کے دیکھنے سے یاد الٰہی تازہ ہو جاتی ہے تو ذکر الٰہی سے ضرور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے۔

ذکر کی حقیقت اور ذکر ہی ذریعہ اصلاح

جو شخص ذکر کو ہر دم، ہر آن اپنا شیوہ بنائے گا خدا کی یاد اپنا نصب العین حیات بنائے گا بایں خیال کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے باوجود نہ دیکھنے کے اُس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے ویظن ان اللہ موجود و یسمع ذکری وھو یرانی وان لم اکن اراہ، یہ تصور لگ جائے تو خدا کو سامنے موجود تصور کر کے بھی کیا کوئی گناہ کرسکتا ہے؟ پھر خود انفرادی اخلاق سنورتے ہیں ایک بے سمجھ بچہ استاذ کے سامنے کچھ نہیں کرسکتا تو انسان عاقل، بالغ، موحد، مؤمن، اللہ بصیر وعلیم کے سامنے کوئی نقل وحرکت اُس کی مرضی کے خلاف کیسے کرسکتا ہے؟ ذکر ہی میں اصلاح ہوگئی......

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نہ قماش و نقدہ و میزان و زن

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ایسا رابطہ مضبوط تر قائم ہو جائے کہ کسی حالت میں یعنی جلوت و خلوت میں اور عسر اور یسر میں خلل نہ ہونے پائے جیسا کہ عاشق زار کو اپنے محبوب کی یاد میں ایک سوز وگداز پیدا ہو جاتا ہے کہ کبھی زائل نہیں ہوتا خواہ جیسی بھی حالت ہو اس کا نام ذکر ہے، اگر ایسا ہی ہے تو فبہا جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا تھا ورنہ تو مشق کرانے سے بھی یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ زبان سے اتنی مشق کرتے ہیں کہ ہر حالت میں قلب اور لطائف جاری ہو جاتے ہیں کیونکہ افعال جوارح کا قلب پر اثر پڑتا ہے اور جس وقت یہ ملکہ حاصل ہو جائے گا تو اُس شخص میں نہ بہیمیت رہے گی اور نہ اُس میں شر رہے گا بلکہ نفس مطمئنہ ہو جائے گا۔

کفر وشکر کی حقیقت اور کفرانِ نعمت

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ: جو نعمت جس کام میں صرف کرنے کے لئے دی گئی ہے اس کو اسی میں خرچ کرو یہ شکر ہے صرف الشیء فی محلہ اور بے مصرف جگہ میں نعمت صرف کرنا اس کی ضد کفر یا کفرانِ نعمت ہے لہٰذا کفر اور ظلم بھی اُسے کہتے ہیں وضع الشیء فی غیر محلہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے عجائب مخلوقات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے تو یہ آنکھ کی نعمت کا شکر ہوگا اور اگر کسی نے کسی اجنبی عورت کو دیکھ لیا تو اس نعمت کی ناشکری ہوگی، اسی طرح زبان دی گئی ہے تا کہ اس سے ذکر الٰہی کیا جائے اور حق کی تبلیغ کی جائے تو اگر انسان نے ایسا

ہی کیا تو اس نعمت کا شکر ادا کیا اور اگر اس نے ذکر اللہ سے غفلت کی اور تبلیغ حق سے کنارہ کشی کی بلکہ اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کی اور جھوٹ بولا تو اس نعمت کی ناشکری کی تو جو شخص شکر الٰہی کو نصب العین بنائے کیا وہ شخص برائی کر سکتا ہے، غیر مکلف بچے بھی نگران کے سامنے خاموش بیٹھے ہوتے ہیں جنت کا سماں ہوتا ہے......

بہشت آنجا ست کہ آزارے نباشد

کسے را باکسے کارے نہ باشد

اس سے انسان انسان بن جاتا ہے مہذب اور بااخلاق ہو جاتا ہے۔ابتداً انفرادی طور پر امت محمد یہ تہذیب اخلاق کرے گی، پھر آگے بڑے گی۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء:١٤٧)

آں را کہ حساب پاك است

از محاسبہ چہ باك است

ذکر وشکر سارے تصوف کی روح

جب امت شکر کو بھی اپنا شیوہ بنائے تو پھر گناہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی قرآن کے ایک لفظ وَاشْكُرُوْا لِيْ میں دنیا کی اصلاح ہے، یہ ہے قرآن، کسی بھی قوم کے پاس ایسی جامع کتاب نہیں، مردوں اور عورتوں سب کی اصلاح ایک ہی لفظ سے ہے جس کا ربط وتعلق اللہ سے ایسا جڑ جائے یہ ذاکر وہ مذکور یہ منادی وہ مجیب تو سارے کے سارے اولیاء بن سکتے ہیں، ایک جاہل بھی مقربین الٰہی میں سے ہو سکتا ہے اور ایک عورت بھی، اس لائن پر چلنے سے تو دنیا کے صفحہ سے فسق وفساد مٹ جائے گا شیطان بیٹھ کر روئے گا، یہ تعلیم دنیا کی کس قوم کے پاس ہے؟

کفر اعتقادی اور کفران نعمت

اب قرآن مجید کی اصطلاح میں کفر کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) کفر ملی یعنی کفر اعتقادی

(۲) کفران نعمت

کفران نعمت جو شکر کی ضد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (النمل:٤٠) اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم خدادادنعمت بتلانے کے لئے کفیل ہیں تو آپ ایمان اور بصیرت سے بتلایئے کہ جس وقت ذکر اور شکر انسان کا حال بن جائے تو کیا اس سے گناہ صادر ہوگا؟ تمام تصوف کی روح اس میں آجاتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ صوفی کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی چارہ نہیں لہٰذا جو اپنے آپ کو صوفی بتلاتا ہے اور وہ ان نعمتوں سے محروم ہے تو وہ صحیح معنی میں صوفی نہیں ہے اور مخلوقات کے لیے صحیح ہادی نہیں بن سکتا ہے۔

رکوع 19

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ

انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن

لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

تم نہیں سمجھتے۔ اور ہم تمہیں کچھ خوف

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ

اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی معیبت پہنچتی ہے

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ

تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔یہ لوگ ہیں جن پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی

الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

ہدایت پانے والے ہیں۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ

پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے

بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ قدردان جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى

بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جسے ہم نے نازل کر دیا ہے

مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ

اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا یہی لوگ ہیں

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا

توبہ کی اور اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا

رکوع (۱۹)

خلاصہ باب تہذیب اخلاق کے بقیہ مسائلِ ثلاثہ

(۱) صبر (۲) دعا (۳) تعظیم شعائر اللہ

ماخذ (۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرة:۱۵۳)

(۲) اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ (البقرة:۱۵۸)

امراضِ یہود کے بیان کے بعد جدید احکام کا ذکر

پہلے پارے اور دوسرے پارے کے دو رکوع تک یہود کے ساتھ مناظرہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو کوئی حکمِ جدید نہیں دیا گیا اور یہود کا معارضہ محض بے ایمانی، ہٹ دھرمی، حبِّ دنیا وحبِ جاہ پر مبنی تھا تو ان کے تمام امراض کو ایسی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر اعلیٰ اور ادنیٰ سمجھ سکتا ہے کہ واقعی یہود میں یہ امراض ہیں اب یہاں سے احکام بیان کئے جاتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کاشتکار زمین کو کاشت کے واسطے تیار کرتا ہے تو پہلے اس سے خاردار جھاڑیاں اور بیکار گھاس (جو زمین کی طاقت کو نقصان دینے والی ہوتی ہے) کو صاف کرتا ہے پھر اس میں بیج بوتا ہے تو یہاں بھی ایسا ہے کہ پہلے تو مسلمانوں کے قلوب کو یہودی خطرات سے بالکل پاک اور صاف کیا گیا پھر احکامِ جدید بتلائے گئے اگر پہلے ان کے قلوب کو خطرات یہود سے پاک اور صاف نہ کیا جاتا تو یہود ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے اور احکامِ جدید کو مسلمانوں کے قلوب میں جاگزیں نہ ہونے دیتے اور یہود مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ متین سے بدظن اور بہکانے کی کوشش میں رہتے تھے، اب ان کی کوشش بیکار رہے گی اور مسلمانوں کے

قلوب یہود کے خطرات سے متاثر نہیں ہو سکتے لیکن ان کو عزت کا راستہ بتلایا جاتا ہے اور ان کو صحیح مسلک پر چلایا جاتا ہے اور جس قوم کی ترقی مطلوب ہو یعنی ترقی کرائی جائے تو اس کا پہلا زینہ ترقی تہذیب اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ قوم کے ہر فرد کے اخلاق درست ہو جائیں کیونکہ قوم مجموعہ افراد کا نام ہے۔

رکاوٹوں اور مصائب پر صبر

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ : صبر کے معنی ایک یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو مصیبت آئے اس کو دل و جان سے قبول اور برداشت کرنا اور دوسرا معنی استقامة علی الدین ہے، صبر ہمیشہ علی المصائب ہوتا ہے اس سے یوں معلوم ہوا کہ اپنے فرض منصبی کو انجام دینے میں انسان کے سامنے رکاوٹیں یقیناً آئیں گی والأمر للوجوب عند الأحناف وَاسْتَعِیْنُوْا صيغة امر فعلم من ذلك ان الصبر واجب علی كل مسلم والايمان هو التصديق بكل ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم ولو لم يعلم سره اسْتَعِیْنُوْا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے ہوتا ہے تو اب صبر ہر مسلمان پر واجب ہے، ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کا نام ہے اگرچہ اس کی حکمت اور اسرار ہمیں معلوم نہ ہوں، آپ لوگوں کا درجہ اوپر ہے کہ آپ شرح صدر سے اس کو اپنی طبیعت کے مناسب پائیں، عالم کا تو درجہ یہ ہے خواہ کتنے زیادہ نیک ہوں اُس پر مصیبتیں ایسی ہی آئیں گی اشد الناس بلاءً الانبياء ثم الامثل فالامثل (ابن ماجه: ح ٤٠٢٤) یہ جہاں ہے ہی ایسا جس میں آرام کسی کو نہیں ملے گا نیکوں اور بدوں دونوں کو، یہ جہان چین اور امن کا ہے ہی نہیں لہٰذا ہر انسان کو مصائب کا یہاں پیش آنا لازمی ہے یہ خاصہ لازمہ ہے۔

نماز تعریف وتوصیف اور دعا کا مجموعہ

وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ : صلوۃ سے مراد نماز ہے، قسمت الصلوٰة بيني وبين عبدي نصفين (المسلم :٦٣٣) والمراد من الصلوٰة ههنا الفاتحة وثلث آيات ونصف لله تعالىٰ وثلث آيات ونصف للمصلى فعلم ان المراد من الصلوٰة الحمد والثناء لله تعالىٰ والدعاء للمصلى نماز میں قرآن کی تلاوت فرض عین ہے اور اسی طرح نماز میں دعا اصل ہے دعا کی صورت مخصوص ہے نماز دعا علی باب اللہ تعالیٰ کی تصویر خصوصی ہے

پہلے حمد وثناء پھر دعائیں، دعا کس سے مانگنی چاہئے؟ طریقہ بتایا جارہا ہے کہ دعا اُسی سے مانگنی چاہیے جو عطاء کرتا ہے، اس کے حکم سے حاجات پوری ہوتی ہیں اور اگر کسی مصلحت سے نہیں دیتا تو کسی اور کے دروازے پر نہ جایئے بلکہ مانگنے کا سلسلہ جاری رکھیں، مایوس نہیں ہونا چاہئے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے جب تک وہ مایوس ہوکر یہ نہ کہے کہ اب دعا قبول نہیں ہوتی، یہ نماز ایک انسان کو کامل واکمل بنانے کے لیے اور عزت دینے کے لیے اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے کے لیے پوری کفیل ہے اور بادشاہ کے حضور میں محضر نامہ پیش کرنے سے قبل اس کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے تو نماز بھی محضر نامہ ہے یعنی صلوٰۃ مجموعہ معجون مرکب ہے اور اس جگہ جو صلوٰۃ کا معنی ہے وہی لیا گیا ہے لیکن جہت دعا کو مدنظر رکھا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے قسمت الصلوة بيني وبين عبدى نصفين (المسلم: ٦٣٣)

نماز دعا کی خصوصی تصویر ہے

پہلے اس شہنشاہ حقیقی کی تعریف وتوصیف ہے پھر دعائیں، ضروریات کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ تو تمہید وتوطئہ ہوتا ہے اصل میں تو کچھ لینے کیلئے آتے ہیں الدعاء مخ العبادة (الترمذی: ٣٢٧١) دعا عبادت کا گودا (مغز) ہے، خدا سے اپنی حاجات پوری کرنے کیلئے استعانت۔ اگر انسان کی ہر حاجت روائی میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہی ذریعہ بن جائے تو یہ مذہبی نکتہ نگاہ سے اخلاقی بلندی ہے یا نہیں؟ ایک ہی دروازے پر دستک دی جائے یہ کمال ہے یا نہیں؟ جس شخص کے اندر یہ کمال پیدا ہوا پھر دیکھئے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد: ٧) یہی طریقہ اختیار کرو پھر دیکھو اللہ کی مدد کیسی ہوتی ہے کہ ہر حاجت کی حاجت روائی اس سے ہوجائے گفتن وکردن فرق دارد (قول اور فعل میں فرق ہوتا ہے) یہ جو کچھ بیان ہو رہا ہوں یہ اولیاء اللہ کی صحبت اور جوتیوں کو سیدھا کرنے سے حاصل ہوتا ہے کتابوں سے نہیں، مقصدِ حیات کی تکمیل میں جو رکاوٹیں آئیں ان کیلئے اللہ سے درخواست ودعا کی جائے اور دعا کی تصویر خصوصی یہی نماز ہے

توکل کی حقیقت

لیکن یہ بھی نہیں کہ مصیبت میں چادر اوڑھ کر لیٹ جائے کہ چلو یہ توکل ہے، یہ توکل نہیں توکل یہ ہے کہ ساری خداداد قوتوں کو رضائے الٰہی میں صرف کردے، ایک منٹ کی فراغت نہ ملے پھر اللہ تعالیٰ کو حاجت روا ہی سمجھے، اس پر بھروسہ رکھے یہ توکل ہے اور فَهُوَ حَسْبُهٗ (کہ وہی

اس کے لئے کافی ہے) اس کے بارے میں کہا گیا ہے یہ ہے توکل یہ نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے یہ تو جرم ہے۔

صبر و توکل کا عملی نمونہ حضرت شیخ کی اپنی کہانی

میں لاہور جب آیا تو ظاہری اسباب میں سے کوئی سہارا نہ تھا، ایک روپیہ آجاتا تھا پھر جب ایک آنہ رہ جاتا تو اور آجاتا، میری بیوی کو خدا خوش رکھے، عالم کی بیٹی ہے، میرا نکاح دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں ہوا اور نکاح پڑھانے والے شیخ الہند تھے، گھر والی بھی خدا نے ظاہری اور معنوی خوبیوں والی دی تھی، شیخ الہند کے شاگرد مولانا ابو محمد احمد نے ہر طرح کے حالات برداشت کیے، اُف تک نہ کی ہر حال میں ہمارا بھروسہ اللہ پر رہا، آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ شریف گئے، بیوی بھی ساتھ گئی۔ اگلے سال گئے تو دس ہزار روپے صرف ہوئے امراء (اغنیاء) سے نہیں لیتا۔

اعتماد اور توکل خود ذریعہ معاش ہے

بھروسہ اللہ پر رہا تب اللہ نے بہت بڑا فضل کیا والانقطاع عن الخلق فی الحوائج الضروریة هذا اهم الاسباب (حاجتوں میں مخلوق سے بے نیازی اہم سبب ہے) یہ اللہ کے پاک نام سے ہوتا ہے اعتماد علی اللہ اور توکل خود ذریعہ معاش ہے اور اس کا ثبوت انبیائے علیہم السلام کے ارشادات میں موجود ہے، قرآن میں قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (الفرقان:۵۷) وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:۱۰۹) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (الفرقان:۵۸) پیغمبر علیہ السلام کے چوبیس (۲۴) گھنٹے تو دعوت میں صرف ہو جاتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا (المزمل ۱:۳) تہجد میں قرآن پڑھا کر دن کو تو بڑی ڈیوٹی ہے کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مقام دعوت سے پہلے انبیائے علیہم السلام نے فرمایا قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا (نوح: ۵) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) ہمیں بھی یہی حکم ہے۔

علماء کا دعوت میں لگے رہنا اور کفیل خدا کو ماننا انبیاءؑ کی وراثت

اب علماء کو انبیاء علیہم السلام کی سیرت اپنانی پڑے گی اگر وہ پیدا نہ کی تو دنیا دار اور علماء کا فرق نہیں رہے گا اشاعت دین الٰہی میں لگا رہنا اور ضروریات دنیوی کا کفیل خدا کو ماننا عز من

قنع و ذل من طمع (قناعت کرنے والا معزز اور طمع کرنے والا ذلیل ہوا) یہاں ایک بہت بڑے آدمی خلیفہ شجاع الدین (جو انجمن حمایت اسلام کے صدر بیرسٹر لاء تھے) وہ کہتے تھے کہ میری لڑکی اور لڑکے کا جھگڑا تھا، لڑکی نے کہا مولوی جی آ رہے ہیں، تمہیں ماریں گے، لڑکے نے کہا وہ بھی تو اباجی کے نوکر ہیں (نواب مظفر خان صاحب وغیرہ) نواب ظاہر میں غنی ہیں، میں باطن کا غنی ہوں یہ حضرات مجھ سے زیادہ محتاج ہیں، دونوں نواب میرے سامنے بیٹھے تھے میں نے کہا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ ایک مسجد کا امام ہوں بحیثیت ایک مسلمان کے آپ لوگوں کے نکاح میں شریک ہوا (آنکھیں دنیادار کی تب کھلتی ہیں) یعنی جس وقت تم اللہ تعالیٰ کے دروازے پر کھڑے رہو گے اور کہیں نہیں جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے گا۔

شہداء کا مقام ومرتبہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ: جس وقت ہم مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ملتا نہیں تو جب تک کامیابی نصیب نہ ہو ہم دروازے سے نہیں ہٹیں گے اور اگر چند آدمی کامیابی سے پہلے مر گئے ہیں یعنی منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے بعض آدمی راستے میں فنا ہو جائیں اور مسلک صبر وصلوۃ پر چلتے ہوئے بعض افراد قتل بھی ہوئے تو انہیں اموات (مُردے) نہ کہیں اور خیال نہ کریں کہ وہ الٰہی نعمتوں سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ اُن کو حیات اخروی مل چکی ہے اور وہ رحمت الٰہی سے مستفید ہو رہے ہیں لیکن تم معلوم نہیں کر سکتے کہ دنیا کی نعمتوں سے زیادہ نعمتوں سے وہ محظوظ ہو رہے ہیں محروم نہیں۔ یہی احیاء کا مطلب ہے یعنی 'لان حیاۃ الشھداء غیر حیاۃ الدنیا حیوتھم حیاۃ الاخرویۃ لھم حیاۃ لکن لیست کحیوۃ الدنیا فانّ ارواحھم فی حوا صل طیور الخضر تمام مسلمان بعد از محشر جنت جائیں گے اور شہداء قبل از محشر جنت جاتے ہیں لیکن میدان محشر میں آئیں گے تاکہ قاتلین پر اتمام حجت ہو جائے کافروں پر اللون لونُ الدم وَالریح ریح المسک (رنگ خون کا اور خوشبو مشک جیسی) صبر اس وقت تک کیا جائے جب تک کہ قتال کا حکم نہ ملے تو فرض منصبی کے ادا کرنے میں تکلیفیں آئیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام جانشین ائمہ دین اور صوفیائے کاملین پر تکالیف ضرور آئیں گی۔

امتحان کی بھٹی

وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ : قرب الٰہی کے لئے جس وقت قدم اٹھاؤ گے اور نصرت واعانت کے لئے دروازہ عالیہ پر ہاتھ پھیلاؤ گے تو پہلے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جاؤ گے، یہ دفع ہے اس وہم کا کہ ایسا نہ ہونا بھی ممکن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قطعی الوقوع (یقینی) ہے اور ہماری طرف سے مخلصین اور منافقین کے درمیان امتیاز کے لئے امتحان ضرور ہوگا۔ اس امتحان کی تفصیل اس آیت میں موجود ہے۔

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

پاکیزہ نفوس انبیاء علیہم السلام اور (جن کے دامن ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہیں) وہ بھی کڑی اور سخت مصیبتوں میں مبتلا ہوئے اور مصائب آنے پر دو صورتیں ہیں یا تو ہمت کر کے بڑھتے جائیں یا ہمت ہار کر پیچھے بیٹھ جائیں، پہلی صورت یہی ہے کہ یہ مصائب پر صبر کرے اور کام کو جاری رکھے جب کوئی شخص اس درجہ کا ہو جائے وہ ہمیشہ بامداد الٰہی کامیاب ہوگا۔

صبر اور عظمت کی علامت بلندی اخلاق

یہ بہت بڑے بلند اخلاق کا مقام ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام اس فن میں کامل تھے قوم کی قوم لاکھوں لوگ سب کے سب دشمن تھے بعض پیغمبر قیامت کے دن ایسے آئیں گے جن کے ساتھ ایک ہی آدمی (امتی) ہوگا کما فی الحدیث اہل حق کو کتنی مصیبتیں انسانیت کے فرائض کی انجام دہی میں پیش آئیں بہت بڑا بلند حوصلہ تھا ان لوگوں کا اور جس کو صبر کی توفیق مل جائے سبحان اللہ! جو شخص صابر ہو تو یہ بھی بلند اخلاق کی علامت ہے قوموں کے بڑے لوگ اسی وجہ سے ہوتے ہیں......

دست از طلب ندارم، تا کام من بر آید
یا تن رسد بہ جانان یا جان زتن بر آید

یہ بلندی کا معیار ہے جو زندہ قومیں ہیں ان سے پوچھئے کہ بلند مقام کس کا ہے؟ وہ بزدل ہے کہ مصائب پیش آنے پر پیچھے ہٹ جائے ......

شکست و فتح امیدوں سے ہے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

پیغمبر کی ہمت تھی کہ مرتے دم تک ایک ہوا نہ ہو لیکن ہمت نہیں ہاری یہ ہیں بلند اخلاق۔ اس صبر میں بھی خوبی کمال ہے یا نہیں؟ بقول علامہ اقبال مرحوم

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

پیغمبر اپنی شان میں کھڑا ہوا ہے جو لوگ امتحان میں کامیاب ہوں گے انہیں بشارت دی گئی ہے یعنی وہ ضرور منزل مقصود پر پہنچا دیئے جائیں گے۔

مملوک میں تصرف کا ہر کسی کو حق ہے

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ: لام للتمليك ہے جو لوگ مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے لیے ہیں یعنی ہمارا مال جان سب کچھ اسی کا ہے تو وہ جو چاہے اپنے مملوک میں تصرف کرے، اپنی مملوک میں تصرف کرنے میں ہم خود مختار ہیں اور اگر ہم مرغی کو ذبح کر دیں ہم اس میں ظالم نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جو مالک اور خالقِ حقیقی ہیں اس کو بطریق اولیٰ اختیار کلی ہوگا اور یہ تکالیف ہماری رائیگاں نہیں جائیں گی اگر ان تکالیف کا اجر ہمیں دنیا میں نہ ملا تو آخرت میں ضرور ملے گا۔

تتمۂ صبر مُهْتَدُوْنَ میں شمولیت

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ: مسلمان کو اللہ تعالیٰ کتنے اونچے درجے پر لے جاتا ہے، شہید یہی تو کرتا ہے اس میں یہی تو کمال ہے کہ جان تو دیتا ہے ہے مگر مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتا اور جو ان مصائب کی بھٹی میں پاک اور صاف ہو کر کندن کی طرح نکلیں وہ مُهْتَدُوْنَ ہیں یہ تتمۂ صبر ہے جو مصائب آئیں ان پر صبر کریں یہ (صبر) رائیگاں نہیں ہوگا بلکہ اجر ضرور ملے گا۔

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ شیخ الہندؒ کی نظر میں

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں جنہیں رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت، شاباش ان کے رب سے اور بخشش شاباش باعتبار ماضی کے اور بخشش

باعتبار استقبال کے، حضرت مولانا شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ اگر قرآن مجید بالفرض اردو زبان میں نازل ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی زبان پر نازل ہوتا۔

تہذیب اخلاق کا تیسرا مسئلہ تعظیم شعائر اللہ

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ : قاعدہ ہے کہ جس وقت محبت کا پیالہ لبریز ہو جاتا ہے اور عشق عاشق کی رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے تو محبوب کے متعلقین سے بھی الفت ہو جاتی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ......

پائے سگ بوسیدہ مجنون خلق گفتی چہ بود
گفت گاہے گاہے ایں درکوئے لیلیٰ رفتہ بود

(مجنوں نے کتا چوما، لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے تو کہا کہ یہ کتا کبھی کبھی لیلیٰ کی گلی میں جاتا تھا)

تعظیم شعائر اللہ اور بت پرستی میں فرق

خیال فرمائیں کہ کہاں مجنون اور کہاں لیلیٰ کے گھر کی دیوار، کہاں کوچہ اور کہاں سگ؟ مگر چونکہ کچھ تعلق ہے اور ادھر آتش عشق بھڑک رہی ہے تو وہ کتے کے پاؤں چومنے کے لیے تیار ہو گیا تو شعار کا معنی ما یختص به الشئی جیسا لوہے کا کڑا سکھوں کے لئے اور بودی (سر گنجا کر کے تھوڑے بال سر پر چھوڑنا) ہندوؤں کے لیے اور ترکی ٹوپی مسلمانوں کے لیے، شعائر اللہ جو چیز بھی مختص باللہ ہو تو شعائر اللہ کے آداب بجالانا یہ کمال محبت کی علامت ہے، اصل محبت تو اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن اس کی وجہ سے جو چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص کا رُتبہ رکھتی ہے وہ بھی محبوب ہو گئی، یہاں ان شعائر اللہ کا ذکر کیا گیا ہے جن کو کامل بہیمیت والے بھی سمجھیں اور جن کی بہیمیت بالکلیہ فنا ہو کر صفت ملکیہ کامل آجاتی ہے اور عشق الٰہی میں بالکل جذب ہو جائے وہ تو تمام مخلوق خدا کے شعائر سمجھتے ہیں بلکہ جو بدترین مخلوق ہو اس کو بھی اپنے محبوب کی مخلوق سمجھ کر اُس سے بھی محبت کرتے ہیں جیسا کہ بعض مجاذیب کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کتوں کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں تو ہم ان شعائر کو بذاتہ محبوب نہیں رکھتے بلکہ ہمارا محبوب تو خداوند کریم ہے لیکن اِن شعائر میں اپنے محبوب کا جلوہ پاتے ہیں اِس لیے ان کی تعظیم کرتے ہیں اور کفار جو بتوں کو پوجتے ہیں تو وہ بالذات

ان کی تعظیم کرتے ہیں، اب اس سے بت پرستی اور تعظیم شعائر اللہ میں فرق واضح ہوگیا (تعظیم سے مراد ان شعائر سے متعلقہ شرعی احکام ہیں مثلاً بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی)

صحابہ کا وجد میں نہ آنا کمال ضبط اور صوفیاء کا وجد نقصان ضبط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بسبب برکت صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ضبط تام اور تحمل تھا اور سینہ فراخ تھا، اس لیے جس قدر بھی ان میں عشق الٰہی بھڑکتا اور موجزن ہوتا اتنا ہی ضبط کر جاتے اور وجد وغیرہ تک نوبت نہ پہنچتی اور صوفیاء اس زمانہ کے اکثر تو مکار ہیں جو کچھ وہ وجد وغیرہ کرتے ہیں محض نمود و نمائش ہوتی ہے اور پیٹ کی خدمت کے لئے ساری تکلیف ہوتی ہے، انہیں کے حق میں عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے ان کو شیطان چھیڑتا ہے اس لیے کودتے ہیں اور بعض جو محقق ہوتے ہیں چونکہ وہ تنگ ظرف اور کم ضبط ہوتے ہیں اس لیے تھوڑی سی غلبہ محبت سے بھی وجد میں آجاتے ہیں تو صحابہؓ میں وجد کا نہ ہونا کمال کے باعث ہے اور بعض صوفیاء کا وجد کرنا اور چیخ پکار کرنا بسبب نقصان ضبط اور تنگ ظرفی سے ہے، یہ ایک ایسی صفت ہے کہ ہر ایک انسان کو کامل بنانے والی اور تقرب الٰہی کا تمغہ دلانے والی اور دین اور دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ عزت بخشنے والی ہے تو جس انسان میں سب جمع ہو جائیں تو سبحان اللہ وہ اسی دنیا میں ہے لیکن بہشتی (جنتی) ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فلاں بہشتی ہے۔

صفا و مروہ شعائر اللہ کی ایک بڑی علامت

تعظیم شعائر اللہ سے بھی اخلاق کی بلندی پیدا ہوگی عزت بھی ہوگی کہ خدا پر اعتماد کرے اور ماسوائے اللہ سے استغناء کرے وہ مسلک نبوت کے دائرے میں آگیا، اسی طرح تعظیم شعائر اللہ انسان کے اخلاق کے سنوارنے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ جب عشق ہو تو وہ عشق معشوق کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے اور عشق معشوق کے متعلقات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح خدا سے محبت اور لو لگانے کی ایک پہچان تعظیم شعائر اللہ بھی ہے، محبوب کے متعلقات کی محبت دل میں گھر کر جائے اور وہ بھی دل میں محبوب ہوں تو یہ محبت کا اونچا درجہ ہے تو محبوب کتنا محبوب ہوگا؟ شعار قوم الذی هو مختص بهذا القوم ولا یوجد فی غیره کسی قوم کا شعار وہ ہے جو اس قسم کے ساتھ تو مختص ہو اور لوگوں میں نہ پایا جائے۔

شعائر کی اقسام اربعہ امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک

شعائر کی اقسام اربعہ حضرت شاہ ولی صاحبؒ نے یہاں بیان فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بڑے شعائر چار ہیں، کتاب اللہ، بیت اللہ، نبی اللہ اور نماز۔

کتاب اللہ

جس طرح سلاطین کی طرف سے رعایا کو فرامین بھیجے جاتے ہیں نیز بغیر کتاب کے جس کو وہ پڑھے یا روایت کرے لوگوں کا عرصہ دراز تک ان علوم کا پابند ہونا محال ہے اور ایسی کتاب کی تعظیم بھی بھیجنے والے کی نسبت سے ضروری ہوئی۔

کعبۃ اللہ

کعبہ کا شعار ہونا اس لئے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر عبادت خانے اور کلیسائیں بنائیں کیونکہ کسی ذاتِ مجسم وغیر مخصوص کی طرف متوجہ ہونا اِن کے نزدیک محال تھا، اِسی وجہ سے اُس زمانہ کے لوگوں نے چاہا کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعے سے ہو جن کا لوگ طواف کریں اس لئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کی طرف بلایا اور اس کی تعظیم کا حکم دیا۔

نبی اللہ

نبی کی تعظیم بھیجنے والے کی تعظیم ہے، لہٰذا رسول اللہ کو شعائر الٰہیہ میں شامل کیا گیا اور اس کی اطاعت واجب کی گئی۔

الصلوٰۃ (نماز)

نماز کو شعار اس لئے بنایا گیا کہ اِس سے مقصود غلاموں سے تشبیہ دینا تھا کہ وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر عاجزی کرتے ہیں۔

صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں خدشے کا ازالہ

جب مسلمانوں پر حج فرض ہوا تو بعض مسلمانوں کو اِساف ونائلۃ کی وجہ سے صفا و مروہ جانے سے کچھ خدشہ سا پیدا ہوا کیونکہ ان دو پہاڑوں پر بت نصب تھے اور اہل مکہ جاہلیت کے زمانہ میں ان کی پوجا کرتے تھے، جس وقت اسلام لائے اور اس جگہ کے سعی کا حکم ہوا، ابتداء میں تو

عبرت کے طور پر اساف ونائلہ رکھے گئے تھے پھر ذہنیت بدل گئی اور ان سے عقیدت ہوئی اور عبادت کرنے لگے یہاں آیت میں اس خدشہ کا ازالہ کیا گیا جس کو صحابہ کرامؓ مکروہ سمجھنے لگے تھے تو ان کی کراہت کو دفع کیا جاتا ہے یعنی اُن کی نیت درست کر دی اور صحیح نیت سے فعل صحیح ہو جاتا ہے چونکہ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت زندہ رکھنے کے لئے یہ عمل جاری رکھا گیا۔

حضرت ہاجرہؓ کے عمل سعی کی یاد

وہ قصہ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں سعی اس لیے کرائی جاتی ہے کہ حضرت ہاجرہؓ نے سعی کی تھی یعنی ان دو پہاڑوں کے درمیان دوڑی تھیں تو یہ سعی اس یادگار کے زندہ رکھنے کے لیے ہے اور حضرت ہاجرہؓ کی سعی رضائے الٰہی کے لئے تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کو چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! تو حضرت ہاجرہؓ نے کہا: اذالا یضیعنا پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا، پیاس سے تنگ آ کر ہاجرہؓ کبھی صفا پر چڑھتی تھیں اور کبھی مروہ پر میلین اخضرین نشیب والی زمین تھی، انہوں نے آبادی کو چھوڑ کر جنگل اور بنجر زمین کو اختیار کیا جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا تو اللہ نے اس کو آباد کر دیا۔

اللہ والا جنگل کو آباد اور غافل آدمی آبادی کو برباد کر دیتا ہے

قاعدہ ہے کہ اللہ والے جنگل کو منگل بنا دیتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بعد منبع فساد ہو جائے اور غافل آدمی آبادی کو برباد کر دیتا ہے، پرانے شہر سب غافلین کی نحوست سے تباہ اور برباد ہو گئے ہیں، حضرت ہاجرہؓ اس لیے وہاں دوڑ کر جاتی تھیں کہ انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نظر نہیں آتے تھے، سات دفعہ اس پریشانی کی حالت میں آتی جاتی رہیں تو یہ سنت ہاجرہ ہے، محبت الٰہی کا حق ادا کیا انقیاد الی اللہ کیا تو جس طرح حضرت ہاجرہؓ بے یار و مددگار تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے منقاد ہو کر اُن کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں اسی طرح ہم کو بھی ان کی سنت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا حاجت روا اور کفیل ہے۔

سنتِ ہاجرہؓ اعتماد علی اللہ کی تصویر: خانہ کعبہ درسگاہ ابراہیمی

جب کوئی شخص خدا کا اس حد تک عاشق ہو جائے اور متوکل علی اللہ عفت مآب لڑکی

(حضرت ہاجرہؓ) جنگل میں بے آب وگیاہ لق ودق صحرا اور غیر آباد ویرانے میں بیٹھی ہیں تو اس دوڑ اور سعی سے حضرت ہاجرہؓ کی سیرت کا سارا نقشہ سامنے آجائے گا، جس میں اعتماد ورجوع الی اللہ کی تصویر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیتِ خالصہ کے بناء پر یہ عمل ایسا مقبول کیا کہ مخلصین عالم وہاں جمع ہوتے ہیں خانہ کعبہ درس گاہ ابراہیمی ہے، زبانِ حال سے درس ابراہیمی دینے والے وہاں موجود ہیں چاہ زمزم ہو یا مقام ابراہیم۔

تہذیب الاخلاق کے مسائل پر عمل سے انسان صحیح معنوں میں انسانِ کامل بنے گا

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ : جو شخص ذکر وشکر کا شیوہ اپنائے، صبر ودعا پر گامزن ہو اور تہذیب اخلاق کے ان اوصاف حمیدہ پر متصف ہو تو وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگا یا نہیں؟ وہ اپنی مراد فنا کر کے اللہ کی مراد کو باقی رکھتا ہے۔ باب تہذیب اخلاق میں جن مسائل کی تعلیم دی گئی ہے اگر انسان کے اندر یہ صفات حمیدہ پیدا ہو جائیں تو وہ صحیح معنی میں انسان کامل نظر آئے گا، اس سے خدا تعالیٰ بھی راضی ہوگا اور خلق خدا بھی راضی ہوگی، اس کی دنیا بھی سنور جائے گی اور وہ آخرت میں بھی نجات پائے گا اور اسی طرح جب مصیبت آئے گی تو کہے گا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، یہ انسان کے لئے بہترین راہِ عمل وراہ نجات ہے۔

نسخہ نجات کو چھپانے والا عالم سارے ظلم وفساد کا ذمہ دار ہے

یہ نسخہ جو انسان کو کامل مکمل بنانے والا دینی، دنیاوی عزت بخشنے والا اور دوزخ جیسی آفت سے بچا کر بہشت میں داخل کرنے والا اور جس شخص کو یہ نسخہ قرب الی اللہ کا معلوم ہوا اور وہ خلق اللہ کو نہ سمجھائے اور ان کو نہ پہنچائے تو وہ مجرم ہے اور پھر لطف یہ کہ دو منٹ میں سمجھ میں آجائے بشرطیکہ سمجھانے والے میں قوت بیانیہ ہو اور سامعین کی فطرت سلامت ہو اگر ایسے نسخہ سے ساکت رہے اور سینکڑوں مخلوقات غفلت کا شکار ہو کر جہنم رسید ہو رہی ہوں اور اس وجہ سے لوگوں میں فسادات پیدا ہوں اس جہاں میں لوگ جیل خانوں میں جائیں تو واقعی اس کتمانِ حق کرنے والے کی سزا یہی ہونی چاہئے اور یہی مجرم ہے؟ الکاتم لا یکون کاتما الا من کان من

شانہ ان یکون مبینا المبین من کان عالما بکتاب اللہ والسنۃ کما فی المتعلق الاعمیٰ من شانہ ان یکون بصیراً فلا یقال للجاھل کانما اسی طرح جو شخص تہذیب اخلاق کے بہترین پروگرام کا عالم ہو اور وہ اس قیمتی چیزوں کو لوگوں سے چھپائے تو کیا وہ ظالم نہ ہوگا، جنگل میں میٹھے پانی کا کنواں ہے اس کو یہ کنواں معلوم ہے اور تمام لوگ پیاس سے مر رہے ہیں تو کیا ان تمام لوگوں کے قتل کا باعث نہ ہوا؟ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہاری مثال پروانوں کی ہے کہ شمع کے اوپر جلتے اور مرتے ہیں تم بھی معصیت کے مرتکب ہو کر جہنم میں گرتے ہو میں تمہاری کمر کو پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ سے بچاتا ہوں انما مثلی ومثل أمتی کمثل رجل استوقدناراً فجعلت الدواب والفراش یقعن فیہ فانا أخذ بحجزکم وانتم تقحمون فیھا (المسلم : ۲۲۸٤)

روح کا قاتل جسم کے قاتل سے بڑا ظالم

قاتل جسم جو کہ کسی کی چند یوم کی زندگی کو تلف کرتا ہے اس کی سزا ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا اور جو شخص قاتل روح ہے اور اس کی ابدالآباد کی روحانی زندگی کو تلف کرتا ہے اگر یہ مہر سکوت توڑتا اور کامل اکمل نسخہ کو بیان کرتا تو ہزاروں جانیں بچ جاتیں تو جو شخص انسانی جسم کو نقصان دینے اور ہلاکت کا باعث بننے پر ظالم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ دنیاوی زندگی چندروزہ ہے تو روح کی ابدی ہلاکت کا ذریعہ بننے والا کتنا بڑا ظالم ہوگا۔

داعی و مبلغ عالم کی فضیلت

جب عالم مبلغ ہو تو زمین کی ہر شے اسے دعا دے گی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عالم کو تمام چیزیں دعائیں دیتی ہیں حتی النملۃ فی جحرھا و حتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر (الترمذی: ۲٦۸۵) (یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں اپنے بلوں میں) کیونکہ خدا کو راضی کرنے کا مقصد، حیات کی تکمیل ہے خلق اللہ کی ہدایت کا یہ راستہ ہے والمراد من اللعنۃ البعد من الرحمۃ (لعنت سے مراد اللہ کی رحمت سے دوری ہے) اور جب یہ کتمان حق نہیں کرتا تو تمام چیزیں اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے اگر کہیں ایک عالم ہو اور تبلیغ نہ کرے اور لوگ جہنم میں جائیں تو ان کے جانے کا

باعث یہ بھی بنے گا، ہاں! اگر دو علماء ہوں ایک گاؤں میں اور ایک اِن میں سے تبلیغ کر دے کم از کم جمعہ میں کر دے تو دونوں بری الذمہ ہو گئے ورنہ دونوں ماخوذ ہوں گے۔

کاتمین حق بھی لعنت کے مستحق ہیں

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ: تبیین (وضاحت) کتمان کی ضد ہے اگر کتمان حق سے تائب ہوئے اور تبیین شروع کی یعنی اعلاء کلمۃ اللہ شروع کیا تو وہ کتمان کی سزا سے بچ جائیں گے یعنی صفا و مروہ کے معاملے میں انہوں نے حق بات چھپانے سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر کے حق بات کو مان لیا اور توبہ کر لی، پس اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ قبول کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے۔

کتمان علم کی وجہ سے چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی لعنت کریں گی

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ: جب یہ عالم تبلیغ نہ کرے خلق خدا کافر ہوں جہنم میں جائیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور وہی کتمان کی لعنت اُن پر بھی پڑے گی چونکہ یہ عام فہم ہیں اسلئے ان کو ذکر کیا گیا ورنہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی لعنت کریں گی، جیسا کہ علماء ربانیین کے حق میں دعا کرتی ہیں، یہاں ربط آیات کے لحاظ سے کَفَرُوْا سے وہ بھی مراد لینا چاہیے جنہوں نے کتمان حق کیا اور فرض ادا نہ کیا۔

کتمان حق والے تخفیف سزا کے مستحق نہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ: ایک مقتول جسمانی کا قاتل جہنم میں جاتا ہے تو مقتول روحانی کے قاتل کی سزا اس سے بدرجہا زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ جسمانی مقتول کا قاتل مقتول کو فقط جسمانی دنیا کی نعمتوں سے محروم کرتا ہے، اس کے برخلاف روحانیت کا قاتل اپنے مقتول کو ابدالآباد کی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے اور کتمان حق کرنے والے عالم کے مقتولین روحانی بیسیوں سینکڑوں بلکہ ممکن ہے لاکھوں تک پہنچ جائیں لہٰذا یہ شخص واقعی تخفیف سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا، تہذیب اخلاق کا بیان مقدم کرنا مناسب تھا اس واسطے کہ مقصود اصلی یہی ہے لیکن مناظرہ یہود اور ان کے ذکر قبائح کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے قلوب یہودیوں

کے قبائح سے واقف ہونے کے باعث ان کے مکروفریب سے بچ کر صاف اور قابل تعلیم قرآنی ہوجائیں جس طرح پہلے زمین کو صاف کیا جاتا ہے پھر بیج بویا جاتا ہے۔

رکوع کا خلاصہ واحد معبود حقیقی سے تعلق کی درستگی

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ : اس سارے رکوع کا خلاصہ خالق کائنات سے تعلق درست کرنے کا تھا. حاصل وہی ہے کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یہ جو کچھ تلقین کی جا رہی ہے، اس واحد معبود حقیقی سے تعلق درست رکھنے کے لئے کی جارہی ہے کہ اُسے راضی کرلو کیونکہ وہ سخت گیر نہیں ہے اگر کہیں درشتی بھی کرتا ہے تو یہ اُس کے عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

رکوع 20

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ

اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر

النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

چلتے ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے پھر اس سے

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ

مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے

وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ

اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کے تابع ہے

وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ

البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور اپنے لوگ بھی ہیں

مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ

جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اللہ سے رکھنی چاہئے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ

جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔جب وہ لوگ بیزار ہو جائیں گے جن کی پیروی کی گئی تھی

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھ لیں گے اور اُن کے تعلقات

الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً

ٹوٹ جائیں گے۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی تھی کاش ہمیں دوبارہ جانا ہوتا

فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ

تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح

اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ

اللہ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لیے دکھائے گا اور وہ

ع ۲۰ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ع

دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

رکوع (۲۰)

خلاصہ: تدبیر منزل کے پانچ مسئلوں میں سے پہلا مسئلہ کسب رزق

ماخذ: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ (البقرة:١٦٤)

ارتقائے انسانی کا فطری طریقہ

ارتقائے انسانی کا فطری طریقہ یہ ہے کہ تہذیب الاخلاق و تدبیر منزل کو علی التدریج طے کر کے ترقی کے مدارج پر پہنچے اولاً اصلاح اخلاق ہے جس سے دنیا میں امن و تہذیب پیدا ہوں، اس کے بعد تدبیر منزل کا درجہ ہے کیونکہ اللہ انسان کو ترقی دینے کی خاطر فطری طور پر ایک سے دو بناتا ہے، یہ میاں بیوی کا جوڑا بنتا ہے تو اس کے متعلق ہدایات ضروری ہیں تاکہ انسان انہیں ضابطہ حیات بنا کر دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا جائے، تدبیر منزل کے مسائل یہاں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس عنوان تدبیر منزل کے پانچ ابواب آئیں گے

(۱) کمانے کے اصول
(۲) صَرف (خرچ) کرنے کے اصول
(۳) نظام فوجداری (مار پیٹ)
(۴) نظامِ دیوانی (اموال کے متعلق)
(۵) اشاعت تعلیم (فروع علم)

تدبیر منزل سے سیاست مدنیہ تک

پہلے قلوب مسلمین کو خطرات اور خدشات مخالفین سے پاک اور صاف کیا گیا اس کے بعد فرداً فرداً تہذیب اخلاق کیا گیا اور اس کے بعد تدبیر منزل ہے، یہ ارتقاء طبعی ہے کیونکہ پہلے ایک

ہوتا ہے اس کے بعد نکاح کرتا ہے تو اس میں کمانے اور صَرف کرنے کی ضرورت پڑے گی، اس کا نام تدبیر منزل ہے اور جب بچے پیدا ہو گئے تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ گھر ہوگا جس سے ایک بستی بن جائے گی اور ان کی آپس میں کسی وقت تکرار اور جھگڑے کی نوبت بھی آئے گی تو وہ اپنا ایک چودھری (امیر) مقرر کریں گے اس کا نام سیاست مدنیہ ہے اور جیسا فرداً فرداً آپس میں شح اور بخل ہوتا ہے اسی طرح اقوام میں بھی شح وبخل ہوتا ہے بلکہ بہ نسبت افراد کے زیادہ ہوتا ہے تو ضرور دو قومیں آپس میں لڑیں گی۔

جنگ وجدال میں نظام امن قائم کرنے کی ضرورت

اس وقت دو قسم کے قوانین ہوں گے ایک ملک گیری کا قانون کہ اس میں تشدد ہوتا ہے تا کہ قوم پر ایک قسم کا دباؤ پڑ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (النمل: ۳۴) تو جس وقت ملک ہاتھ آجاتا ہے تو راعی اور رعایا کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں جنگ وجدال بھی ہوتا ہے تو جنگ و جدال کو ختم کرنے کے لئے نظامِ امن قائم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جس کے لئے قوانین نرم ہوتے ہیں اس کو ملک داری کہتے ہیں۔

کمانے کے اصول

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: اس رکوع میں کمانے کے اصول ہیں یعنی کمانے کی ضرورت گھر بسانے کے بعد ہی آتی ہے، خانہ داری ہوتی ہے بیوی، بچوں کے لیے کمانا پڑتا ہے، تجرد کی زندگی میں کمانا فرض اور ضروری نہیں اور جب متاہلانہ (گھریلو اور خاندانی) زندگی شروع ہو تو ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، اگلے رکوع (۲۱) میں صَرف (خرچ) کرنے کے اصول بیان ہوں گے کہ رزق کو کس طرح صَرف کیا جائے اور یہ صَرف تو کمانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کمانے کے اسباب بنائے

فرمایا کہ زمین کے پیدا کرنے اور آسمان سے پانی برسانے اور پھر اس سے احیاء الارض بالماء وغیرہ کو سمجھا دیا گیا ہے کہ اس طریقہ سے تمہیں رزق حاصل ہوگا، آسمان سے پانی

برسایا، زمین میں قوت نامیہ رکھی، زمین خشک سالی کے بعد جیسے مردہ تھی پانی سے زندہ ہو جاتی ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خزائن اللہ موجود ہیں اور خداوند تعالیٰ نے عقل اس لئے دے دی ہے کہ تم خداداد عقل سے غور اور فکر کر کے خزائن اللہ سے فائدہ اٹھاؤ جیسے زراعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کر دی اور پھر بارش برسائی تاکہ تم اس میں ہل چلاؤ اور بیج ڈالو تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اناج پیدا کر دے گا، اسی طرح آسمان سے سورج کی گرمی اور روشنی اور پانی کا انتظام کیا تو مخلوق کی دو قسمیں ہیں، ایک آسمان سے دوسری زمین سے، بیج اور زمین میں بیل ہل چلانے اور دیگر انتظامات فرمائیں، اسی طرح گاڑی ہے اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کر دیا، آگ اور لکڑی پیدا کر دی انسان نے خداداد عقل سے کام لیا تو گاڑی بنا ڈالی اور اسی طرح دن رات کو پیدا کیا تاکہ گرمی و سردی مخلوط ہو کر ہماری ضروریات کو پوری کر دے وسائل حصول رزق خدا نے مہیا کر دیئے تاکہ ان کی ترکیب و تحلیل کر کے عقل کے ذریعے کام میں لائے، اللہ پاک نے رزق پیدا کر دیا تو یہ تمام چیزیں خدا کی مخلوقات ہیں، اس میں تاثیرات بھی خدا نے رکھ دی ہیں۔

اسباب سے استفادہ کے لئے عقل سے کام لینا

عقل بھی خدا نے دی، اب ان خداداد چیزوں کے خواص خداداد عقل کے ذریعے معلوم کر کے فائدے حاصل کرو یعنی جو شخص اپنی عقل سے کام لے گا تو وہ دنیا میں مالا مال ہو جائے گا اور جو بے عقل ہے یا اپنی عقل سے کام نہیں لیتا وہ مفلس رہے گا۔

عقل سے خوشحالی اور بے عقلی سے افلاس

جب تک ہندوستان والے اپنی عقل سے کام لیتے تھے تو یورپ ان کا محتاج تھا اور جب انہوں نے عقل سے کام لینا چھوڑ دیا یا چھڑوایا گیا تو ہندوستانی مفلس ہو گئے اور اب وہ ہر چیز میں یورپ کے محتاج ہو گئے اور اسی طرح افغانستان کو دیکھئے! باوجود یہ کہ خزائن الٰہی موجود ہیں لیکن وہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے لہٰذا وہ خزائن بیکار ہیں حالانکہ سونے کی کان موجود ہے، خود نکالتے نہیں کیونکہ ان کے پاس وہ آلات نہیں جس کے ذریعے سے سونے کو پتھر اور مٹی سے جدا کر دیں اور دوسرے کو بھی ٹھیکہ نہیں دیتے کیونکہ امیر عبدالرحمٰن خان نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں اس نے یہ وصیت کی ہے کہ غیر ملکی کو ٹھیکہ نہ دینا کیونکہ اسی حیلہ سے چند روز کے بعد یہ لوگ ملکی امور میں دخل دینے لگیں گے اور اپنا اقتدار بھی قائم کر لیں گے۔

اسی طرح یاقوت کا پہاڑ بھی ہے لیکن وہ آلات نہیں کہ جس کے ذریعے سے وہ یاقوت کو جدا کریں دیگر معدنیات سے بھی زمین بھری ہے۔

حیوانات کو تمہاری ضروریات کے لئے پیدا کیا گیا

وَ بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ : اگر خود نہیں کما سکتے تو اللہ پاک نے تمہاری ضرورتوں کے لیے ہر طرح کے حیوانات پیدا کئے جس سے تم کاشت کا کام لے سکتے ہو اور اسی طرح جن شہروں تک تم نہیں پہنچ سکتے تو چوپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسی طرح ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ چوپائے تمہارے لئے زینت کا باعث بھی ہیں۔

ہواؤں کا تغیر و تبدل

وَّ تَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ : ہواؤں کا تغیر و تبدل خود ایک حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، آج ہم اپنے گرد و پیش کی طرف نگاہ دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا ہوا سے کیا کیا کام لے رہی ہے، اور علوم و معارف کے ذریعے سے اس کو کس طرح اپنے تابع کر لیا ہے، پس اللہ نے کھیت و وسائل رزق کے موافق موسمی ہوائیں چلائیں، وسائل و اسباب رزق اس جگہ میں جمع کر دیئے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے استفادہ کر کے رزق کمانے کا طریقہ بتلایا، جن کو خدا نے عقل دی ہے وہ اس نظام وکارخانہ و طریقہ خلق و احیاء سے کمانے کے اصول سمجھ لیتا ہے، حاصل یہ ہوا کہ اسباب کسب معاش پیدا کر دیئے، اس لئے يَّعْقِلُوْنَ کہا گیا ہے یؤمنون نہیں کہا گیا۔

خالق کے پیدا کردہ اسباب میں کفرانِ نعمت اور شرک

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا : بلحاظ قاعدہ کہ جس کا کھائے اسی کا گائے اب خدا کا شکر بجالانا چاہئے تو اس آیت میں شکایت فرما رہے ہیں یعنی ذرائع معاش میں دست اندازی کرنے کے بعد رکاوٹوں کا پیدا ہونا لازمی ہے اور اس وقت انسان شیطان کے مشورہ سے بعض اوقات غیر اللہ کے دروازے پر جا کر حاجت روائی کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے اور حق عبودیت کے پھول ان ہی کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرتا ہے تو جو محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے تھی اب وہ غیر اللہ سے کرتے ہیں، سو (۱۰۰) بوری گندم پیدا ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اس میں میں نے اتنا مال فلاں کے نام پر دیا اس لیے زیادہ پیدا ہوگئی تو اسباب خدا نے پیدا کئے اور ممنون غیر اللہ کا بن

گیا اس لئے یہاں فقط کمانا مقصود نہیں ہے بلکہ خدا کو بھی یاد کرنا ہے، حصول رزق میں جب خداداد نعمتوں سے کمائے گا تو آخر کہیں جا کر ٹھوکر کھائے گا تو غیبی قوت سے مدد لے گا جو فطرتِ سلیمہ والے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے اور جو ممسوخ الفطرت (مسخ شدہ فطرت والے) ہیں وہ غیر اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔

مؤمنوں کی اللہ تعالیٰ سے اشد محبت

یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ : جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا شریک بناتے ہیں تو وہ اس سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرنی چاہیے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص قید میں ہے اور اس کا والد اپنے لڑکے کے ساتھ سپاہی کے ذریعے سے حسن سلوک کرتا ہے تو وہ قیدی اُسے سپاہی کا احسان سمجھتا ہے کہ یہ سپاہی میرے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہے جو درحقیقت والد کا کام ہے چونکہ ظاہری شاہان اور ملوک تو جواب دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کبھی جواب نہیں دیا اس لیے مؤمنین کی محبت اللہ تعالیٰ سے اشد ہے، محبت دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ براہ راست محبت ہو جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کسی سے محبت رکھی جائے۔

بیوی اور بچوں سے بڑھ کر محبت الٰہی کا غلبہ

عربی دان حضرات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ آیت میں اَشَدُّ کا لفظ اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایماندار بندوں کی ایک ایسی قسم بھی ہے جن کے دل میں ساری دنیا کی تمام دل لبھانے والی چیزوں اور تمام اعزہ واقرباء حتیٰ کہ بیوی اور بچوں سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ غالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں اولاد تک کی محبت ان کے دل میں پہاڑ کے مقابلہ میں رائی کے دانے جتنی قیمت بھی نہیں رکھتی۔

غیر اللہ کو معبود بنانے والوں کی قلعی قیامت کے دن کھلے گی

وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ: کاش! کہ وہ چیز جو قیامت میں سمجھیں گے وہ اس کو اب بھانپ لیں جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے کہ قوتیں سب اللہ کی ہیں نہ کہ غیر اللہ کی یعنی نہ پیپل کے درخت کی ہے اور نہ بتوں کی

دنیا میں جس چیز کو معبود بنایا تھا اس کے کارآمد نہ ہونے کا راز قیامت میں کھل جائے گا تو آج اس چیز کا اندازہ لگالیں اور رب سے تعلق جوڑلیں، امتیاز کا اور کون سا وقت ہوگا؟

مشرکین کے مقتداؤں کی عذاب الٰہی سے بیزاری

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ: اگر اللہ تعالیٰ کی قوائے مودعہ (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ادراکی قوتیں) سے کام لیا اور فرض منصبی کو انجام نہ دیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا اس آیت میں قیامت کے دن مشرکین کی حسرت کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین جن کو اپنے معبود اور مقتدا سمجھتے تھے قیامت کے دن وہ اللہ کے عذاب سے ان کو چھڑانے سے بیزار ہو جائیں گے۔

مرید، جاہل پیروں کی کھیتی

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ: مشرکین انتہائے حسرت و یاس کے عالم میں آرزو کریں گے کہ کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے اور ہم ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح آج انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے، اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو ہم کبھی بھی شرک نہیں کریں گے اور صرف اللہ ہی کی عبادت کریں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لئے دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں یعنی جس نے پیروں کی خدمت کی اور نذرانے وغیرہ پیش کئے تو حاصل یہ نکلا کہ عقل خداداد سے اسباب معاش مخلوقہ میں تصرف کر کے رزق پیدا کرو اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو الانسان عبدالاحسان نہ یہ کہ کھاؤ اس کا اور گاؤ دوسروں کا (جو علاقے بارانی ہیں وہاں زمین سے پانی نکالنے کی تدبیر سمجھادی اور حیوانات سے کام لیا، پیروں کی کھیتی ہے مرید اور مراد پیر یہ کبھی نہیں ڈوبتے نہ سوکھتے ہیں، ان کے ہاں مرغ و پلاؤ پکتا رہتا ہے ہمیشہ ان کے بنگلے ہوتے ہیں) سب اسباب رزق خدا نے پیدا کئے اور بانٹ لئے پیران پیر کے نام، اس کے اور پیدا کرنے میں پیران پیر کا کیا حصہ؟ یہ ظلم ہے یا نہیں؟ وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ اور جب کوئی انہیں اس کام سے روکتے ہیں تو اس کو طعنے دیتے ہیں۔

غیر اللہ کو معبود کا درجہ دینے سے شرک کا لزوم

حضرت مولانا رشید گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا وہابی کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ وہابی اس ملک میں دیندار کو کہتے ہیں، اے پنجابی! تیری بڑی بدقسمتی ہے جو مشرک وہ ''ایماندار'' اور جو موحد وہ ''بے ایمان''، لیکن اللہ تعالیٰ بھی اتمام حجت کرتا ہے، اگر ایک لاکھ میں ایک بینا بھی ہوتا تم میں تو لاہور پُرنور بن جاتا، اب اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لئے قرآن پڑھواتا ہے قیامت کے دن پتہ لگے گا کہ سوائے خدا کے کسی کے قبضے میں بچانا اور دینا نہیں ہے جن کو تم نے (خدا کو چھوڑ کر) خدائی کا درجہ دے رکھا ہے انہیں خدا کہو نہ کہو لیکن اس سے تعلق رکھو گے تو تم مشرک بن جاؤ گے، یہ بھی ایک عقدہ ان سے حل نہیں ہوتا جو تعلق بندے کا خدا سے ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اس عبادت واستعانت میں تو شیطان نے انہیں گمراہ کر رکھا ہے۔

بے نیازی کی نشانی صرف خدا میں ہے باقی سب محتاج

معبود وہ ہے جس کے ہم محتاج ہیں وہ ہم سے بے نیاز ہے یہ درجہ سوائے خدا کے کسی میں نہیں پیغمبروں میں بھی نہیں وہ مجبور ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اللہ کے اوامر واحکام فرض ہیں، انہیں بھی چپ رہ کر بیٹھنے کا اختیار نہیں وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ:٦٧) آمر صرف ایک اللہ ہے، اب تم جس کو سوائے خدا کے بے نیاز سمجھو اور اپنے آپ کو اس کا محتاج سمجھو تو یہ شرک ہے وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِO وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (الشعراء:٧٩-٨٠) امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ کلمات ہیں وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِO اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ان ظالموں نے ماسوی اللہ کے ساتھ تعلق معبودیت کا رکھا اگرچہ نام نہیں رکھا تو یہ مشرک ہیں تو بزعم باطل خویش تمہارے معبود تم سے بیزار ہو جائیں گے ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَO قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (السبا:٤٠-٤١) ہر اس گناہ سے ہم اب قلعی کھولیں گے، مسلمان ہو کر شرک کرتے ہیں، ہمارے یہاں تو ایسا ہی ہے آپ کے سرحد (خیبر پختونخوا) کا علم نہیں خدا تمہیں ہدایت فرمادے الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ، اللہ تعالیٰ ہمارے

اکابر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، انھوں نے رُخ پھیر دیا ورنہ بڑے بڑے عالم گمراہ ہوجاتے ہیں یہ ہماری بدقسمتی ہے۔

قرآن کی سب سے بڑی خاصیت

لکل شیء خاصة وللقران خواص والخاصة الأولی للقرآن التوحید ہر چیز کی خاصیت ہوتی ہے اور قرآن کی کئی خاصیتیں ہیں جس میں قرآن کی پہلی خاصیت توحید ہے، خدا جب روٹھتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے، قرآن کا خاصہ معرفت ہی ہے یہ لوگ قرآن نہیں پڑھتے تو خدا کی ذات وخصوصیات سے کیسے روشناس ہوں گے، گنگارام سے دو آنے کی ریوڑیاں پکوڑے لاکر مولوی کے سامنے رکھ دیئے اس نے کہا بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ گئے۔

رکوع 21

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا

اے لوگو ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور

تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ کے ذمے تم وہ باتیں لگاؤ

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ

جنہیں تم نہیں جانتے۔اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۗ اَوَلَوْ

اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگر چہ

كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾

ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا

اور ان کی مثال جو کافر ہیں اس شخص کی سی ہے جو اس چیز کو پکارتا ہے جو سوائے پکار

لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ

اور آواز کے نہیں سنتی وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٧١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ

وہ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ

جو ہم نے تمہیں عطا کی اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی

تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم پر مردار اور خون

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

اور سؤر کا گوشت اور اس چیز کو کہ اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے پس جو لاچار ہو جائے

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

نہایت رحم والا ہے۔ بیشک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا

اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ

يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ

اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر آگ اور اللہ ان سے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو بدلے ہدایت کے خریدا اور عذاب

بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

کو بدلے بخشش کے پس دوزخ کی آگ پر ان کا کتنا بڑا صبر ہے۔یہ اس لیے کہ

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى

اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ اتاری اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا

الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۱/۹ ۵

البتہ ضد میں بہت دور جا پڑے۔

رکوع (۲۱)

خلاصہ: صَرف (خرچ) کرنے کے اصول یعنی کمانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے۔

ماخذ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرۃ: ۱۶۸)

اشیاء کی حلت وحرمت اللہ ہی کے قبضہ میں

ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے حلتِ اشیاء اور حرمتِ اشیاء اُسی کے قبضے میں ہے، وہ اپنی حکمت بالغہ سے جس چیز کو چاہے حلال کردے اور جس کو چاہے حرام کردے اور حلت کے معنی ہیں ممانعت کی گرہ کھول دینا اور حرمت کے معنی روکنا یعنی ہم کو اس سے علیحدہ رکھنا پھر حرمت دو وجوہ سے ہوتی ہے یا عزت اور کرامت سے جیسا کہ انسان کا گوشت کھانا اور اُس کے چمڑے اور ہڈیوں کا استعمال کرنا اس کی کرامت کی وجہ سے حرام ہے، دوسری وجہ خبث اور خست (حقارت) کی وجہ سے تو اس کا گوشت کھانا اور اس کا چمڑا اور ہڈیوں کا استعمال کرنا اس کی خبث کی وجہ سے حرام ہے، پہلا مسئلہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ اور دوسرا مسئلہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک اور محرمات کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ محرمات تھوڑے ہیں اور اگر تمام حلال اشیاء کو ذکر کیا جاتا تو ان

کے بیان کے لئے تو ایسے کئی قرآن چاہئے اور بعض محرمات پر اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ وہ واقعتاً حرام تھے لیکن انہوں نے بے جامداخلت کر کے ان کو حلال کر رکھا تھا جیسا کہ مَیۡتَۃَ، دم مسفوح اور خنزیر جن کو فطرت سلیمہ حرام جانتی تھی اور جہاں مداخلت بے جا نہیں ہوئی ان کو ذکر نہیں کیا گیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حلال چیز کی گرہ کھول کر (اجازت دے کر) تمہارے سامنے رکھ دیا کہ استعمال کرو، شیطان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے حیائی سکھاتا ہے، حرام چیز کو حلال بناتا ہے اور پھر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے۔

فطرت مسخ کرنے والا ہدایت کی آواز نہیں سن سکتا سوائے پکار اور آواز کے

ایسے قسم کے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال اس گڈریے کی ہے جو مویشیوں کو پکارتا ہے اور مویشی کچھ نہیں جانتے اسی طرح یہ بھی پیغمبر کی آواز نہیں سمجھتے جب راستہ غلط کر دیا تو ایسا ہے جیسا کہ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ ہوں، سورج زمین کے ہر ذرہ پر روشنی اور گرمی ڈالنے کی استعداد رکھتا ہے مگر درمیان میں پردہ ہم نے لٹکایا جو آڑ بنا۔

اسی طرح پیغمبر کی آواز فطرت سلیمہ والے سن سکتے ہیں لیکن جو فطرت ضائع کر دے وہ نہیں سن سکتا۔ کسب رزق کے اسباب خدا نے پیدا کر دیئے ادھر عقل دی کہ اسباب میں تصرف کر کے رزق کمایئے! تو اب صرف کرنے کے اصول کیا ہیں؟

حلال عام ہے اور طیب خاص

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا : حلال عام ہے اور طیب خاص ہے، انسان اس کیلئے مجبور نہیں کہ ہر حلال کھائے، الحل (گرہ کشادن) خدا نے مخلوق میں سے جس چیز کی گرہ کھول دی ہے اسے کھاؤ اور جس کی گرہ نہیں کھولی نہ کھاؤ۔ صاحب دعوت کے ہاں جو اس نے پلیٹوں میں سامنے رکھا اسے کھا سکتے ہیں اور جو نہیں رکھا تو ہمیں اس کا حق نہیں کہ ہم ہانڈی تلاش کرتے پھریں اور کھائیں، اب اللہ حلال وحرام میں امتیاز فرماتا ہے چونکہ حرام قلیل ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا کہ باقی سب حلال ہیں فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ پس جو لاچار ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، باغی حلال کو حرام بناتا ہے اور حرام کو حلال تب عَادٍ نہ ہوگا کہ حرام چیز اتنی کھائے کہ کسی ایسی آبادی تک پہنچ جائے جہاں طیب ملے، یہ قاعدہ ہے کہ اللہ کے اسماء میں سے

وہ اسم ذکر کیا جاتا ہے جو اس موقع کے زیادہ مناسب ہو، یہاں مضطر کا ذکر ہے، اس لئے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

حرام کھانے پینے کا وبال

نجات کا مدار اکل وشرب حلال پر ہے اگر حرام ہو تو پہلی سزا یہ کہ عبادت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور اگر کرے تو اس عبادت کی قبولیت نہ ہوگی جیسا کہ مظروف پاک ہو لیکن ظرف ناپاک ہو تو ہم اس ظرف کی ناپاکی کی وجہ سے وہ پاک مظروف (دودھ وغیرہ) کبھی بھی نہ پئیں گے، یہ شرط حلال کے لئے ہے، حلال ایک چیز ہے اور طیب اور چیز ہے ہر حلال جائز نہیں جو پاکیزہ اور ستھری ہو وہ کھاؤ کسی چیز میں تغیر پیدا ہو حلال تو ہے لیکن طیب نہیں رہی فطرت سلیمہ جس کے کھانے کو قبول کرتی ہو مثلاً باسی روٹی یا سالن اور اسی طرح کچھوا، مینڈک اُن کے متعلق امام شافعیؒ حلال ہونے کا فرماتے ہیں اور احناف اس کو حلال نہیں سمجھتے اول تو اس کی عدم حلت کو دلائل سے ثابت کریں گے اور اگر بالفرض وہ تسلیم نہیں کریں گے تو ہم کہیں گے کہ طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے، وہ جانور بھی جو حتف انفہ (اپنی موت آپ مرا ہے) مرا ہے طبیعت اس کے کھانے کو تیار نہیں، اچھا خاصا جانور خود ذبح کیا جائے تب کھانا جائز ہے، ہر حلال، حلال نہیں ہوتا اس میں پاکیزہ حلال ہوتا ہے۔

نفس کا ماننا اور خدا کا نہ ماننا شیطان کی اتباع ہے

وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ : حلت کے دائرے کو توڑ کر باہر نہ جاؤ کہ حلال وحرام جو کچھ آئے بس کھاتے جاؤ، رشوت کا مال ہے، مالک حقیقی اور خالق کی مرضی کے خلاف آیا ہے تو نفس کا فیصلہ ماننا خدا کا نہ ماننا ہی نہیں بلکہ تتبع شیطان بھی ہے جس نے حکم کی تعمیل نہ کی اور اپنی علت نکالی کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف:۱۲) تو خدا کے حکم میں بحث نہیں ہونی چاہئے یعنی تم حلال اور طیب چیزیں کھانے میں فرمانبردار بنو شیطان کی طرح نافرمان اور خواہش پرست مت بنو کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں باہر لے جائے لیکن تم نہ جانا۔

بے حیائی اور بداخلاقی کی تعلیم دینا شیطان کا کام

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ : شیطان کا ذکر آیا تو

اب فرمایا کہ خدا کی مرضی کو نہ مانو گے تو شیطان تمہیں برائی اور بے حیائی کی طرف لے جائیگا یعنی شیطان بے حیائی اور بد خلقی کی تعلیم دیتا ہے۔ بے حیائی یہ ہے کہ گناہ کے بعد انسان کی حیاء کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور بے حیائی آ جاتی ہے، وہ تو کہے گا خدا پر بہتان باندھتے جاؤ اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کیلئے باتیں بناؤ اور یہ دعویٰ کرتے رہو کہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کر رہے ہیں اور اسی طرح کھاتے جاؤ بہانے بناؤ اور باتیں بنا کر تو حیثیت بدل جاتی ہے، حیثیت ہی سے تو احکام میں فرق آ جاتا ہے، السُّوْٓءِ عام ہے فَحْشَآءِ خاص ہے۔

جاہل آباؤ اجداد کی پیروی کو اتباع پیغمبر پر ترجیح دینا

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ : بعض لوگوں کو جب حلال طیب کھانے کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ اپنے آباؤ اجداد کی اتباع کو ترجیح دیتے ہیں، یہی آیت اس مضمون کی طرف مشیر ہے اور ان کی مذمت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اتباع ہویٰ کریں گے بہ القاء شیطان اور منہ سے کہیں گے کہ ہم تو متبع اللہ ہیں یہ ہے بے حیائی کہ کریں بے حیائی اور دعویٰ کریں اللہ کی اتباع کا تو تو بڑا عقلمند ہے، تار ہلاتا ہے شیطان اور یہ دوڑتا ہے آگے بڑے بڑے مولوی اس کے اثر میں آ گئے، جس وقت اِن کو کہا جاتا ہے کہ تم کیوں تاویلیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام کو صاف صاف بیان کر دیا ہے اور اسی طرح یہ لوگ نبی کی تعلیم چھوڑنے پر کسی کا اتباع نہ کرتے تو بھی عیب ہوتا لیکن یہ تو نبی کی تعلیم کو چھوڑ کر باپ دادا کی رسمیں پوری کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی انہیں منہ پر ہی مارتا ہے کہ تمہارے باپ دادا بدقسمت تھے نا سمجھ تھے تو کیا ان کا مسلک کوئی حجت ہوسکتا ہے؟ تمہارے باپ دادا کو قرآن سمجھانے کون آتا؟ بہر حال! کسی نہ کسی قانون کی پابندی تو یہ ضرور کریں گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ نبی کے قانون کا اتباع کریں اور یہی قانون گھر میں جاری کریں اگر نبی کا اتباع نہیں کرتے تو انہیں جاہلوں کا اتباع کرنا پڑے گا۔

کافروں کی جانوروں سے تشبیہ

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ : تدبیر منزل کی جو مصلحتیں ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں ان پر یہ لوگ اس لیے غور نہیں کرتے کہ ان کے اپنے طریقوں کی غلطیاں ظاہر ہو جائیں گی جنہیں اپنے باپ

دادا کی پیروی میں انہوں نے اختیار کر رکھا ہے انہیں لوگوں کو بالفاظ دیگر کافر کہا جار ہا ہے یَنْعِقُ بمعنی آواز دینا یعنی وہ جانور جو آواز دینے والے کی لغت ہی نہیں سمجھتے یہ آواز تو سنتے ہیں ان ممسوخ الفطرۃ لوگوں کی حالت بھی ایسی ہے آواز تو سنتے ہیں باقی اس کے لغت اور مفہوم کو نہیں سمجھتے کہ خدا کیا حکم دے رہا ہے، قرآن کیا کہہ رہا ہے، یہاں کافر اور مسلمان کی مثال بیان کرتے ہیں کہ اگر خدا کی اطاعت کرتے ہو تو طبیعت اور حواس کو استعمال کرو، واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ جو حرام چیزوں کا استعمال کرتے تھے، اس واسطے فرمایا یہ کچھ قاعدہ بھی رہا ہے کہ نبی جب بھی تشریف لائے ہیں وہ تبدیل شدہ چیزوں کی اصلاح کے لئے آئے ہیں، پس جو لوگ مسخ ہو چکے ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہیں، اندھا نہ ہو بہرا ہو اشارہ تو سمجھے گا بہرا نہ ہو اندھا نہ ہو آواز تو سنے گا جب صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ ہو تو اس کو کون سمجھائے گا۔

ایمان کی تعریف: ارادہ ہی اصل چیز

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ : یہاں پر مستقل طور پر حلال طیب کھانے کی مسلمانوں کو تعلیم ہے اور اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو تعلیم نبوی پر چلنے کا ارادہ کرلیں، ایمان کی تعریف میں بہت اختلاف ہے لیکن مذکورہ معنوں پر سب محققین کا اعتماد ہے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ ارادہ ہی اصل چیز ہے اور اگر کام بھی کرلیا جائے تو وہ اسلام ہے، یہاں رجوع الی اصل الحکم ہے یعنی جن چیزوں کی تمہیں نبی اجازت دیتا ہے ان میں جو پسند آئیں وہ کھاؤ اور خدا کا شکر بجالاؤ کہ رازق بھی وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق صرف کرو اور جو تمہارا مقصد متعین تھا یعنی عبودیت کا حق ادا کرنا اس کو پورا کرو، خدائے واحد کے تابع فرمان ہو کر چلنے کا طریقہ یہی ہے کہ خداداد نعمت کو خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف کرو اور خدا کی بندگی اختیار کرو نہ کہ غیر اللہ کی۔

کچھ حلال وحرام اشیاء کا بیان

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ: اشیاء محرمہ دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن سے لوگ بھی نفرت کرتے ہیں اور عنداللہ بھی حرام ہیں، اس کی تحریم کے لئے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی کیونکہ لوگ خود بذاتہ اس سے متنفر ہیں، دوسری وہ اشیاء ہیں جو عنداللہ حرام ہیں لیکن لوگ ان چیزوں کو کھاتے ہیں، ان اشیاء کی حرمت کیلئے یہ آیت نازل ہوئی، تو یہاں پر تمیز کے لیے حلال

وحرام کا بیان چاہئے تو حرام اشیاء معدودے چند ہیں اور حلال اکثریت میں ہیں تو حرام کا بیان کیا گیا کہ معدودے چند ہیں اس کے ماسوی حلال ہیں۔

مُردار اور خون کی حرمت میں حکمت

اَلْمَیْتَةَ : مردار وہ ہے کہ وہ خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اس کو ذبح یا شکار کیا جائے اور خون سے مراد وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے، ارشاد نبویؐ ہے احلت لنا میتتان و دمان أما المیتتان فالسمك والجراد وأما الدمان فالکبد والطحال (مسند احمد ۵۷۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شارع ہیں، انہوں نے تفصیل فرما دی، بہر حال! میتہ کی حرمت میں حکمت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے طبیعت میں کثافت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعید من اللہ ہوتا ہے تو اس کے حرام ہونے کے باعث انسان آفت بعد من اللہ سے بچ جائے گا اور ذبح کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ہم اس جانور کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے مقابل ذبح کرتے ہیں، اسی طرح اگر عظمت دین الٰہی کے لئے ہمیں جان قربان کرنی پڑے تو ہم تیار ہو جاویں گے۔

خنزیر کے حرام ہونے کی حکمت

خنزیر اعلیٰ درجہ کا بے حیاء جانور ہے اگر یہ حلالی ہوتا تو اس کو ہم اپنے گھروں میں حلال جانوروں کی طرح پالتے تو ایسے بے حیا اور حرام جانور کو گھروں میں پالنے کی وجہ سے ہمارے بچے اس کی خبیث عادت سے متاثر ہو کر مظہر افعال خبیثہ ہوتے کیونکہ یہ بے غیرتی اور بے حیائی اور رغبت الی النجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اس لئے اس کو نجس العین کہا گیا لہٰذا خنزیر زندہ ہو یا مردہ یا قاعدہ شرعیہ کے مطابق ذبح کر دیا جائے ہر حال میں حرام ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح

وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: ملکاً نہیں عبادتاً غیر اللہ کا نام لینا، ملکاً تو جائز ہے، ان میں عبادت تو مقصود نہیں مجازی ملک تو ہوتا ہی ہے جس پر اہلال لِغَيْرِ اللّٰهِ ہوگا وہ حرام پہلے ہو چکا ہوگا کہ نسبت غیر اللہ کو کی گئی ہے اکل و شرب تو ذبح کے بعد ہی آتے ہیں اہلال دراصل نسبة لِغَيْرِ اللّٰهِ کو کہتے ہیں، الاہلال بمعنی آواز بلند کرنا یعنی جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اور آواز کرتا ہے اس کو اہلال کہتے ہیں اور جس وقت چاند دیکھنے والا چاند دیکھ کر آواز بلند کرتا ہے اس کو بھی اہلال کہتے

ہیں اور عام مفسرین اہلال اس کو کہتے ہیں جو ذبح کے وقت خاص آواز بلند کی جائے اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی ترجمہ میں عام مفسرین کا اتباع کیا ہے لیکن ان کی تحقیق یہ نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ جو چیز غیر اللہ کی رضامندی اور عبادت کے لحاظ سے نذر مانی جائے خواہ وہ جاندار ہو جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ یا غیر جاندار ہو جیسے چاول اور گوشت روٹی وہ سب مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے جیسا کہ ان کے رسالہ تحفۃ الموحدین میں ہے، الغرض ذبح اہلال کے لغوی معنی میں داخل نہیں ہے اور اس کیلئے دو شاہد بیان کئے گئے ہیں لیکن اس پر یہ خدشہ ہوتا ہے کہ مفسرین نے ذبح کو اِہلال کے مفہوم میں کیوں داخل کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کی یہ غرض نہیں ہے کہ ذبح اہلال کے مفہوم میں داخل ہے بلکہ بیان واقعہ کا ہے کہ عرب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارتے تھے مگر آج یہ مصیبت بن گئی ہے کہ پہلے تو پیر وغیرہ کے نام پر نامزد کیا ہوتا ہے اور ذبح کے وقت خدا کا نام لیکر ذبح کر دیتے ہیں، اہل عرب کا یہ طریقہ نہیں تھا بلکہ یوں تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کے نام پر نامزد کرتے تو خدا تعالیٰ ہی کے نام پر ذبح بھی کرتے اور اگر غیر اللہ کے نام پر نامزد کرتے اسے غیر اللہ کے نام پر ہی ذبح بھی کرتے تھے باسم لات والعزیٰ وغیرہ۔

اہلال میں بھی اہل عرب میں دورنگی نہیں یکجہتی

اہل عرب میں چونکہ دو طرفی اور دورُخی نہیں تھی اگر غیر اللہ کے نام پر کہا ہے تو اس کے نام پر ذبح کیا، چنانچہ قرآن مجید خود شاہد ہے فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الانعام:۱۳۶) غرضیکہ یک طرفی تھی یا یہ ہے یا وہ اور اب بھی اہل عرب میں قاعدہ ہے جو کہ بدو ہیں کہ راستہ میں لوٹ لیتے ہیں جو پا پیادہ قافلہ دیکھا بس اونٹ پر سوار ہے اور دوڑتا آرہا ہے اور آتے ہی بندوق سیدھی کی، جھٹ تلاشی شروع کر دی، اگر آتے ہوئے السلام علیکم کہا جائے تو اگر اس کی غرض لوٹ کر مارنا ہے تو وہ سلام کا جواب نہ دے گا، وہ سمجھتا ہے کہ اگر سلام کا جواب دیا تو پھر شرافت اور مروت کے خلاف ہے کہ لوٹ ڈالوں اور ان کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر پاس سے کچھ مل گیا تو لے لیا، اگر حاجیوں کے پاس سے کچھ نہ ملا تو اپنے پاس سے کچھ دے دیتے اور آگے جب گئے تو دوسرے اس سے چھین لیتے ہیں، غرضیکہ اب بھی ان میں یہ چیز پائی جاتی ہے، یہ نہیں کہ اندر کچھ اور ہو اور ظاہر میں کچھ اور بلکہ یکجہتی ہے، نفاق نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہؒ اور مسئلہ انذار کی تفصیل

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب ہے ''وصیت نامہ'' اس میں مسئلہ انذار (نذر ماننے کو) بالتفصیل ذکر کیا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی میٹھے چاول بھی کسی کے نام پر بطور عبادت کے پکائے اور کہے کہ یہ میرا حاجت روا ہے تو بھی حرام ہے، اب چند مقدمات کے بعد مسئلہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔

عربوں کا غیر اللہ کے نام پر ذبح کے بارے میں چند مقدمات

خیارہ فی الجاهلیة اور خیارفی الاسلام عرب نہایت قوی الملکات (دل میں راسخ قوت) تھے اگر کفر میں تھے تو نہایت پکے اور جس وقت اسلام لائے تو پھر ان جیسا کوئی مسلمان اور موحد نہیں تھا جیسے حضرت عمرؓ یا تو اپنی جوان بہن کو جو اِن سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں سخت پیٹ رہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں سے سخت دشمنی ہے لیکن جس وقت ان کا سینہ انوار اسلام سے منور ہوتا ہے تو اسلام کے مقابلے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ چلو بیت اللہ میں جا کر نماز پڑھیں اور اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے، الغرض عرب چونکہ نہایت شجاع اور قوی القلب تھے اس لیے جو کچھ دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر چونکہ ان کے قلوب میں بتوں کی عزت تھی اور ان کو اپنا معبود سمجھتے تھے، اس لیے ذبح بھی ان کے نام پر کرتے تھے اور اس میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور پنجابی اور ہندوستانی چونکہ بزدل اور ضعیف القلب ہیں اس لئے جو کچھ قلب میں ہوتا ہے ڈر کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے، قلب میں غیر اللہ کی وقعت اور رضا مندی کا خیال ہوتا ہے لیکن بزدلی کی وجہ سے اس کو ظاہر نہیں کرتے اور زبان سے خلاف ما فی الضمیر ظاہر کرتے ہیں اور زبان سے اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں۔

مدار اعمال نیت پر ہے: غیر اللہ کے نام پر نذر حرام ہے

احکام کا دارومدار نیت پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات (البخاری: ج۱) اور دوسری حدیث میں ہے ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (المسلم ٢٥٦٤) یا جیسا کہ ہندو کسی غیر اللہ کو اپنا حاجت روا

سمجھ کر بکری کی نذر ماننے یا کسی ولی کا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اولیاء کے نام کا ایک بکرا دوں گا، خدا تعالیٰ نے اس کا کام کر دیا ہمارا تو یہی عقیدہ ہے کہ حاجت روا سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے کسی کو ثواب پہنچانا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، باقی کسی چیز کا کسی کے نام پر نامزد کر دینا یہ حرام ہے ہاں! وہ مسئلہ تھا کہ نذر ہے ہندو کی اب وہ اپنے کام کے ہو جانے کی وجہ سے بکرا لاتا ہے کہ یہ بکرا ہے فلاں ولی اور بزرگ کا اور قصائی کو کہتا ہے کہ اس کو ذبح کرے اب قصائی اللہ کے نام سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا ہے حالانکہ ذبح خدا کے نام پر ہو رہا ہے اب اس کا کیا حکم ہے اہل ظاہر کہیں گے کہ یہ اس وجہ سے حرام ہے کہ اس کا لانے والا کافر ہے اور وہ عبادت کا اہل نہیں ہے اور اہل باطن کہیں گے کہ یہ اصل میں اولیاء کے نام پر بطور عبادت کے نامزد ہے اس لیے حرام ہے بہر حال! حرام ہونے میں اتفاق ہے لہٰذا کوئی بھی چیز ہو جو کہ غیر اللہ کے نام سے نامزد ہوا اور بوقت ذبح اگر چہ اللہ کا نام بھی لیا جائے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے، خدا کو اپنی ذات کے ساتھ شریک کرنا کسی بھی طریقہ سے پسندیدہ نہیں ہے، یہ تھا مسئلہ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا کیونکہ مسلمان تو اجیر محض ہے اس کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے نذر ماننے والے کی نیت کا اعتبار ہے اور اس کی نیت غیر اللہ کی رضامندی ہے۔

نذر لِغَيْرِ اللّٰه کے بارے میں دو آراء

پھر علماء کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں، ایک ظواہر وہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ذبح کے وقت زبان سے اللہ اکبر کہہ دیا دل میں کچھ بھی خیال ہو مذبوحہ حلال ہے اور دوسری جماعت اہل باطن جو حقیقت بین ہے وہ کہتی ہے کہ جب احکام کی بناء نیتِ قلب پر ہے تو جو شخص غیر اللہ کی رضامندی اور رشتہ عبادت کا لحاظ کر کے ذبح کرے اگر چہ زبان سے اللہ اکبر بھی کہے وہ چیز مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر حرام ہے کیونکہ اس کی بناء فساد پر ہے۔

حرام لذاتہ وحرام لغیرہ

پھر محرمات دو قسم پر ہیں ایک حقیقی جیسے خنزیر، کتا اور گیدڑ وغیرہ دوسرے حکمی جو ناراضگی اور غضب کے باعث حرام ہوں تو جو چیز غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی ہے وہ حکماً حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر حرام کر دی ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بڑا آدمی قوم سے ناراض ہو کر ان کی بارات میں شامل نہیں ہوتا تو اس کے بیٹے پوتے وغیرہ بھی شامل نہیں ہوں گے تو یہاں بھی

اسی طرح ہے جب اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اسے حرام کر دیا ہے ہم نے بھی حرام کر دیا ورنہ تو بالذات اس میں کوئی حرمت نہیں ہے اور اگر اس شخص نے توبہ کر لی اور اس کو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے کر دیا ہے تو وہ حلال ہے۔

ایک بزرگ کا کھانے میں احتیاط

ایک بزرگ حافظ صدیق محمد صاحب ؒ مرشد حضرت امروٹی صاحب ؒ کسی کے ہاں دعوت کا کھانا کھا رہے تھے تو صاحب دعوت نے کہا کہ حضرت! یہ طعام نذر لغیر اللہ کا ہے تو بزرگ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا پھر اس نے کہا کہ حضرت! یہ اللہ کے واسطے ہے تو پھر انھوں نے کھانا شروع کر دیا۔

لاچاری کی حالت میں کھانے کی اجازت

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: جو شخص قانون شکنی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ مجبوری سے کھاتا ہے یعنی کوئی بھوک سے مرنے لگے تو اس کو لاچاری کی حالت میں کھا لینے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نافرمانی اور حد سے تجاوز نہ کرے تو اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں، یہ معنی نہیں کہ وہ چیز حلال بھی ہو جاتی ہے وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور:۳۳) مجبوری کی حالت میں اجازت کے ساتھ دو قیدیں بھی لگا دیں، ایک یہ کہ صرف بوقت ضرورت کھائے اور بلا ضرورت نہ کھائے اور دوسری یہ کہ بقدر سد رمق (گزارہ حال) کھائے اور ساتھ نہ لے جائے، پس اللہ تعالیٰ بعض اوقات تمہارے گناہوں پر مواخذہ نہیں کرتا اور مشکل اوقات میں آسانیاں بہم پہنچا دیتا ہے۔

حلال وحرام سمجھانا علماء کا فریضہ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ: حلت وحرمت کا مسئلہ تو صاف ہوا جس شخص کو معلوم ہو حلال وحرام کی تمیز ہو اور اسی طرح جن لوگوں کو درآمد (کمانے کا) اور برآمد (صرف کرنے کا) قانون معلوم ہو اور خلقِ خدا کو منع نہ کرے دنیاوی منافع اور مفادات کے خیال سے تو یہ جرم ہے کیونکہ اس کی خاموشی کی وجہ سے لوگ جہنم جاتے ہیں جس طرح عام ائمہ مساجد ایسا ہی کرتے ہیں کہ حق کہیں گے تو امامت موقوف ہو جائے گی؛ اسی طرح دو قسم کے عالم بلا خوف حق بتا سکتے ہیں، ایک وہ جو ماسویٰ اللہ سے منقطع ہو جائے اور اہل اللہ کی صحبت میں رہے اور دوسرے وہ جو خود کمائے تجرد کی

حالت میں کمانا ضروری نہیں ہے لیکن جب ایک سے دو ہو جاتے ہیں تو فطری طور پر کچھ کمانا ہوتا ہے اور پھر ایک گھر بن جاتا ہے اب اس گھر کا انتظام کس طرح کریں گے اس کو کہتے ہیں تدبیر منزل، اب چونکہ کھانے کا قانون ختم ہو گیا پہلے حکم ہوا تھا کہ اللہ کے خزانوں سے محنت کے ساتھ کما کر کھاؤ اور کھانے میں یہ قاعدہ بیان ہوا کہ مقتدیٰ کی رائے ہر حال میں مقدم ہے، جن چیزوں کی اجازت دے کھاؤ اور باقی چیزوں سے رُک جاؤ اس کے بعد بیان ہوا کہ تم اپنے گھر میں کوئی نہ کوئی قاعدہ ضرور رکھو گے تو پھر نبی کی تعلیم جو عقل کے موافق ہے اس کا اتباع بہر حال بہتر ہے۔

کاتمینِ حق علماء کو وعید

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ : علمائے کرام کا فرض ہے کہ گھر کے قانون کے یہ دو چھوٹے حصے عام کر دیں اگر علماء دنیا کے فائدے کی وجہ سے اس قانون کی اشاعت سے رُکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی عزت نہیں۔ اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے گا، شرف بازیابی نہیں عطا فرمائے گا اور ان کے گناہ معاف نہیں کرے گا اور جنت میں نہیں جائیں گے۔

تزکیہ کی تفصیل

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : تزکیہ کی تفصیل حدیث شریف میں آتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عصاۃ مؤمنین کو دوزخ میں سے نکال کر نہر حیات میں ڈالا جائے گا، نہر میں ڈالنا یہ تزکیہ ہے اور جن کا اللہ تعالیٰ تزکیہ نہیں کریں گے ان کو نہ دوزخ میں سے نکالا جائے گا اور نہ نہر حیات میں نہلایا جائے گا اور ان کاتمینِ حق (حق کو چھپانے والے) کو اتنی بڑی سزا اس لیے ہے کہ جتنا بڑا جرم ہوتا ہے اتنی ہی سخت سزا ہوتی ہے چونکہ کاتمین نے جرم بہت سنگین کیا ہے، اس لیے سزا عظیم کے مستحق ہوئے ہیں۔

اکل حرام کی سزا، عبادات نامقبول و مردود

جرم کے عظیم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يارب! يارب! ومطعمه حرام و مشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فانى يستجاب لذلك (الترمذی ۲۹۸۹)

تو یہ عدم اجابت دعا اس لئے ہے کہ اکل و شرب غلط ہوا ہے اور جس شخص کو یہ مسائل معلوم ہیں اور

پھر کتمان کرتا ہے اور خلق خدا غلط راستہ پر جا رہی ہے تو نہ اس کی عبادت مقبول ہے اور نہ دعا مقبول ہے اور یہ باوجود عالم ہونے کے اپنے دنیاوی مفاد کیلئے بیان نہیں کرتے اور مخلوقات ان کے کتمان کی وجہ سے جہنم رسید ہو رہی ہے والکاتم من کان شانہ ان یکون مبینا ایک شخص یہی مشقتیں اٹھاتا ہے گرد آلود پراگندہ بالوں کے ساتھ اللہ کو تضرع والحاح سے پکارتا ہے مگر اس کا کھانا پینا پوشاک حرام کمائی سے ہے پھر دعا کیسے قبول ہو؟ اور جہنم رسید ہونے کا باعث یہ شیطان اخرس ہوا، اس لیے اتنی بڑی سزا تجویز کی گئی ہے۔

گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدنا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ:

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ تعلیم پا کر ہدایت پاتے لیکن انہوں نے بجائے ہدایت کے گمراہی خریدی اور بجائے مغفرت کے عذاب پا لیا، اسی طرح عالم کے لئے ہر چیز دعا کرتی ہے بشرطیکہ مبیّن (بیان کرنے والا) اور مبلغ ہو اور جس وقت بجائے مبلغ کے کاتم (چھپانے والا) ہو گیا تو جس جگہ سے دعا آتی تھی وہاں سے لعنت آئے گی، ہدایت کے بجائے ضلالت مغفرت کے بجائے عذاب خوب سمجھتے ہیں پھر بھی خاموش ہیں، بس دوزخ کی آگ پر ان کا کتنا بڑا صبر ہے یعنی عالم ہوئے تو بجائے مبلغ کے کاتم بنے اور کتمان کی وعیدیں سنیں پھر بھی مہر سکوت نہ توڑے تو اس کی آگ پر بہت صبر ہے۔

کتاب اللہ سے گریز اور اس کا وبال

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ:

یہ تمام سزائیں اس لیے دی جاتی ہیں کہ کتاب تو ضرورت پوری کرنے کیلئے نازل کی گئی تھی اور ان لوگوں نے کتاب کی تفسیر میں اتنا اختلاف پیدا کر دیا ہے جس سے وہ قابل فیصلہ ہی نہیں رہی یعنی اتنا اختلاف کیا کہ قرآن مجید سے اعتماد اٹھ گیا ہے اور ضد میں بہت دور جا پڑے، اب قرآن مجید میں ان کے اختلاف کے سبب لوگ ڈرتے ہیں کہ قرآن کے ترجمہ سے کہیں کافر نہ ہو جائیں لیکن قرآن کریم سے صحیح مطلب اخذ کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ انسان علم وادب اور صرف ونحو کو مدنظر رکھے اور خالی الذہن ہو کر مطالعہ میں مشغول ہو، بفضل الٰہی صحیح مطلب سے بہرہ ور ہوگا، دوسرا طریقہ جس کے باعث آراء مختلف ہوتی ہیں اور جس کی طرف شقاق بعید مشیر ہے کہ ایک شخص ہے

جس کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہے جو آیت دیکھتا ہے اپنے مطلب کی تاویل کرتا ہے، اس کو جو آیت ملے اپنے مطلب کی طرف ماؤل (موڑنا) کرتا ہے، یہ دوسرا طریقہ اختلاف کا باعث اور غیر صحیح ہے۔

جو امراض یہود میں تھے وہی امراض بعینہ مسلمانوں میں بھی ہیں

اصل میں یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ نزول قرآن مجید کے وقت مسلمانوں کی یہ حالت نہ تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر ذراعا بذراع (البخاری:٣٤٥٦) تو جو امراض یہود میں پائے جاتے تھے وہی امراض بعینہ مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں علماء کے امراض علماء میں اور جہال کے امراض جہال میں پائے جاتے ہیں۔

رکوع 22

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو

وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ

بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے

الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ

اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور اس کی محبت میں

عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور

ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ

مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور

الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا

نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد

عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ

کر لیں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر

الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

کرنے والے ہیں یہی سچے لوگ ہیں اور یہی

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ

پرہیزگار ہیں۔اے ایمان والو مقتولوں میں برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے

الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ

آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور

الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ

عورت بدلے عورت کے پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کیا جائے تو

بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ

دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے یہ تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

آسانی اور مہربانی ہے پس جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰٓاُولِی

عذاب ہے۔اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا

تاکہ تم خونریزی سے بچو۔ تم پر فرض کیا گیا ہے

حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ

کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

کے لیے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

حق ہے۔ پس جو اسے اس کے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ ان ہی پر ہے

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ ؕ فَمَنْ

جو اسے بدلتے ہیں بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ پس جو

خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

وصیت کرنے والے سے طرف داری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان کے درمیان اصلاح کر دے تو

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع ۲۲

اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

رکوع (۲۲)

خلاصہ: مسئلہ سوئم: نظام فوجداری (فوجداری کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاملات جن میں تشدد یعنی لڑائی جھگڑا ہو)
مسئلہ چہارم: نظام دیوانی (دیوانی کا مطلب مالی معاملات ہیں)

ماخذ: (۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ:۱۷۸)

(۲) كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۱۸۰)

علمی و عملی لحاظ سے انسان کی اچھائی

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ: اس رکوع میں تدبیر منزل کا دوسرا حصہ آئے گا جس میں علمی لحاظ سے انتظامی مشق ہوگی تو قرآن کو اچھا سمجھنے والا معزز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (البخاری:۵۰۲۷) اور عملی لحاظ سے اچھائی کا معیار یہ ہے کہ جو انسان گھر میں اچھا ہو وہی اچھا ہے کیونکہ جو شخص یہاں اپنے لواحقین میں اچھی طرح رہ سکتا ہے وہی اوپر جا کر بھی اچھا رہے گا، جب گزشتہ حالت سے ترقی ہوئی تو فرائض کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم آگے بڑھنا چاہتے ہو تو یہ سب کام کرو، انفاق مال پر زور اس لیے دیا گیا ہے کہ بخل دور ہو اور بخیل آدمی کبھی اچھا حاکم نہیں بن سکتا

اور جن لوگوں پر انسان احسان کرے گا وہ اس کے تابع ہو جائیں گے تو آیت میں ذکر ہوا کہ فقط نماز پڑھ لینا مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے مکمل اسلام و مسلمان بننے کا معیار نہیں ہے۔

خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ درستگی لازمی

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ : اصل نیکی یہ ہے کہ خالص ایمان اور عمل صالح ہو یعنی نیکی کرنے والا وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی اسلامی ہوں اور تعلق بالخالق و بالمخلوق دونوں درست ہوں چونکہ اس آیت میں ایمان کا ذکر ہے یعنی اللہ پر، قیامت پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر، ایمان سے مراد یہ ہے کہ بندے کا ایمان خالص ہو شرک سے پاک ہو اور بلا تفریق بھی ہو ایسا نہ ہو کہ بعض فرشتوں اور پیغمبروں کو مانے اور بعض سے عداوت رکھے، اسی طرح بعض کتابوں کو مانے اور بعض کو نہ مانے، ایسا ایمان قابل قبول نہیں۔

رضائے الٰہی کے مطابق مال کا خرچ کرنا

وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ: مال کے خرچ کرنے کا مصرف بھی درست ہو اور رضائے الٰہی کے مطابق ہو لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق بالخالق درست ہوتا ہے لیکن حقوق العباد کا لحاظ نہیں کرتے، یہ چیزیں اُس وقت ہو سکتی ہیں کہ جب انسان مجرد اور تنہا ہو تو اس پر تکلیف کم ہوتی ہے اور کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہوتی پھر جب شادی کرے تو بس ہر قسم کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، بیوی کا خرچہ پورا کرنا پڑتا ہے، ادھر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، ادھر بھائی بہنوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا، ادھر ہمسایہ کے ساتھ برتاؤ، ادھر چچا چچی، ماموں کے ساتھ رشتہ رکھنا ہے غرض یہ کہ تزوّج کے بعد بہت سی ذمہ داریاں آجاتی ہیں لہٰذا تم اپنے اندر خرچ کرنے کی عادت پیدا کرو اور مال و دولت کی محبت پر غالب آؤ اور ایسے وقت میں صدقہ کرو کہ تندرست و جوان ہو مال کی محبت دل میں اور فقر کا اندیشہ دماغ میں ہو۔

صحیح انسان کی پہچان تعلق بالخالق و بالمخلوق کا درست ہونا

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ : اعتقادات و انفاق مال کی درستگی کے بعد اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ بھی ضروری ہے یہ دونوں تو فرض عین ہیں، بعض لوگ حقوق العباد کا لحاظ نہیں کرتے، نماز

پڑھتے ہیں، حج روزہ کے فرائض ادا کرتے ہیں لیکن لوگوں پر سخت گیر ہوتے ہیں اور بعض لوگ اس کے برعکس حقوق العباد کا تو لحاظ کرتے ہیں لیکن حقوق اللہ ادا نہیں کرتے، یہ دونوں قسم کے انسان فالج زدہ ہیں صحیح انسان وہ ہیں جن کا تعلق بالخالق یعنی عبادات اور مخلوق کے ساتھ تعلق بالخدمت درست ہو، تعلق بالخالق میں اعتقادات واعمال کے لحاظ سے درست ہو اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ المتصفين بهذه الصفات الذين صدقوا فى دعوى الايمان وفى دعوى الاسلام الذين يعبدون الله فى العبادة البدنية والمالية ويؤدون حقوق العباد فعلم من ذلك ان المومن الكامل الذى يكون متصفا بالصفات المذكورة (ان صفات سے متصف لوگ ایمان اور اسلام کے دعوے میں سچے ہیں، مومن کامل وہ ہے جو اللہ اور مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرے) یعنی پہلے کامل مؤمن کی صفات بتلائے، اب ان کے درمیان لڑائی جھگڑوں میں مساوات کا فیصلہ رکھنا ضروری ہے مظلوم کے لئے ظالم سے بدلہ لیا جائے تو حاصل یہ نکلا کہ جو مالی بدنی اطاعت کو عملی جامہ پہنائے وہ سچا مسلمان کہلائے گا، فقط زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہر حکم کی تعمیل اسلام کا لازمی رکن ہے۔

امام بننے کے قابل اوصاف

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ : جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب عہد کرلیں اور تنگدستی، بیماری اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں، ان فرائض کو بجالانے والے لوگ ہی سچے ہیں، وہی لوگ پرہیزگار اور متقی ہیں اپنے اخلاق و اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بری باتوں سے، پس یہی لوگ امام بننے کے قابل ہیں جو ان صفات پر پورا اُترتے ہیں۔

قصاص کا مقصد مساوات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : یہاں سے نظام فوجداری شروع ہوتا ہے جس کی رعایت رکھنا فوجداری بھی ضروری ہے۔ اس کیلئے قرآن مجید میں ایک قانون کلی بیان کیا جاتا ہے جو تمام ملل اور آئندہ کی تمام نسلوں کے لیے کافی ہے اور

قیامت تک کافی ہے اس میں ترمیم اور تنسیخ کی ضرورت نہیں ہے، پھر اس میں سے جزئیات نکالنا اس کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں اور نظام فوجداری میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ظالم اور مظلوم میں مساوات قائم کیا جائے، مثلاً اگر گھر میں دو بچے آپس میں لڑتے ہیں ماں زیادتی کرنے والے بچے کو مارتی ہے، مظلوم بچہ خوش ہوتا ہے کہ مجھے مارا تو اس کو بھی مار پڑی تو اس کے درمیان فیصلہ گھر کا بڑا آدمی کرے گا کہ گھر میں سیاست کا مادہ پیدا ہو سکے، فیصلہ کے بعد ظالم کو سزا ملنے سے مظلوم کا دل ٹھنڈا ہو جائے گا اور کینہ باقی نہیں رہے گا اور اس سے خونریزی کا سلسلہ بند ہو جائے گا، اگر پہلی دفعہ قاتل کو سزا نہ دی جائے تو خونریزی کا دروازہ کھل جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدۃ:٤٥) اور اس بدلہ لینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بدلہ لے یعنی قصاص، دوسری یہ کہ دیت دے کر قصاص معاف کر دے اور جو تنازعات مالی معاملات کے متعلق ہوں اس کو دیوانی کہتے ہیں، مالی معاملات میں بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے۔

طالب اور مطلوب دونوں کو معروف کا حکم

طالب کی جانب سے احسان اور مروّت ہونی چاہئے، دستور کے مطابق مطالبہ کرنا چاہیے یعنی مطلوب کی جانب سے بھی مروّت ہونی چاہئے اور اُسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے یعنی ایسا نہ ہو کہ دوسو (٢٠٠) روپیہ ماہوار آمد ہے اور دو روپیہ ماہوار ادا کرے الغرض جانبین سے حسن سلوک ہونا چاہئے، یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی ہے یعنی اگر ایک چیز معین ہوتی تو تم مشقت میں پڑ جاتے۔

قصاص کا مطلب برابری اور مساوات

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : قصاص کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں، قصاص میں حیات اس طرح ہے کہ مجرم کو اتنی تکلیف پہنچائے جو اس نے دوسرے کو دی ہو تاکہ اسے محسوس ہو تو اس طرح خود بخود جرائم بند ہو جائیں گے اور قصاص میں ایک جان آ جائے گی تو جب قصاص لیا جائے گا تو مقتول کے وارثوں کا دل بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور لوگ قتل سے بھی احتراز کریں گے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مساوات کو پیش

کر کے دکھایا جیسے کہ واقعہ مشہور ہے کہ شاہ غسان مسلمان ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کرنے گیا تو دوران طواف شاہ غسان کی چادر پر کسی نے پاؤں رکھا تو اس نے طمانچہ مارا اور اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر دعوی دائر کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے شاہ غسان کو بلا کر کہا کہ آپ سے بدلہ لیا جائے گا چنانچہ اسی وجہ سے وہ بادشاہ مرتد ہو کر بھاگ گیا، اس کو یہ خیال ہوا کہ میں بادشاہ ہوں اس میں میری ذلت ہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کچھ غم نہ ہوا کیونکہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (شرح الـ... ۲۴۵۵۹) تو مساوات میں زندگی ہے اور یہ مساوات مذہب اسلام ہی میں ہیں، انگریز اہل کتاب ہوتے ہوئے ہر موضع میں تخصیص کرتے ہیں، گاڑی میں آرام کے لئے ان کے خاص ڈبے ہوتے تھے اور جب ان کی عورت حاملہ ہوتی تھی تو لندن بھیج دیتے تھے تاکہ بچہ وہاں جنم کر آئے کیونکہ اس لڑکے کو پھر ایک خاص تنخواہ ملتی تھی اور جو اِس ملک میں پیدا ہوتا تھا، اِس کی اتنی قدر نہ ہوتی۔

ایک ہندو کا قرآن سے متاثر ہونا

ایک دفعہ میں ملتان کی جیل میں تھا وہاں بھی درس قرآن دیا کرتا تھا تو ایک ہندو نے مجھ سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، پڑھتے پڑھتے جب یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا پر پہنچے تو وہ ہندو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ آخر مجھے یقین ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے جس میں غریبوں، دولتمندوں، مغل، چماروں تمام کو ایک ہی طرح مساوی خطاب کیا جا رہا ہے ہمارے ہاں تو جب پنڈت چلتا ہے تو آگے کئی آدمی پوش پوش کر کے لوگوں کو ہٹاتے ہیں تاکہ کسی گناہ گار کی نظر پنڈت پر نہ پڑ جائے۔

مساوات کو مدنظر رکھنے میں قوم کی زندگی

قصاص کے معنی قتل کرنا غلط ہیں شاہ ولی اللہؒ نے المسوئ شرح الموطاء میں قصاص کے معنی مساوات کے لکھے ہیں یعنی مساوات کو مدنظر رکھنے میں قوم کی زندگی ہے کیونکہ مساوات کے باعث وہ ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں گے اور تمہارا تعلق باللہ بھی بگڑنے نہ پائے اور اگر شریعت کی لاج نہ رکھنے سے تعلق بالمخلوق بگڑ جائے تو تعلق باللہ بگڑ جاتا ہے اور اگر تعلق بالمخلوق ٹھیک ہے تو تعلق بالخالق بھی ٹھیک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صالحہ عورت بلی کو تکلیف دینے کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے ایک کتے کو پانی پلا دیا تو وہ بہشت میں چلی گئی۔

نظام دیوانی (یعنی قوانین مالیہ)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ: اب دیوانی معاملات کا بیان ہے یعنی قوانین مالیہ، مالی معاملات میں انسان کو خود مختار نہیں چھوڑا گیا کہ جس طرح چاہے تصرف کرے بلکہ عدل اور انصاف سے کام لے اور ہر صاحب حق کی نگہداشت کرے اگر یہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے اور انسان کا حال بن جائے تو دنیا میں کسی کی حق تلفی نہیں ہو سکتی اور یہ قانونِ وصیت سے مستنبط ہوتا ہے کیونکہ جس وقت مرنے کی حالت میں مختار نہیں ہے بلکہ قانون کے اندر رہ کر تصرف کر سکتا ہے تو زندگی میں بطریق اولیٰ اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ جیسے چاہے خرچ کرے۔

قانونی وصیت

فوجداری میں تو مار پیٹ کے مقدمات ہوتے ہیں اب مالی معاملات کا قانون بیان ہو رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ تقسیم مال میں بھی مساوات قائم رکھو اور ہر ایک کے جو حصص شریعت میں مقرر ہیں اُسے ادا کرو كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ آیت میراث اور حدیث لا وصیة لوارث (النسائی: ۳٦٤٣) کی بناء پر منسوخ کیا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے وصیت فرض تھی جب تک آیات میراث نہیں آئی تھیں یعنی ہر آدمی وصیت اپنے پاس لکھ کر رکھتا تو مرتے وقت وہ انصاف کے مامور ہوتے

متقدمین اور متاخرین کی ناسخ اور منسوخ میں توجیہات

تحقیق نسخ میں دو جماعتیں ہیں ایک متقدمین کی اور ایک متاخرین کی اور ایک قول عام مفسرین کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آیت میراث سے یہ منسوخ ہے، متقدمین کے ہاں ناسخ و منسوخ کا دائرہ بہت وسیع ہے جب عام ہو اور پھر اس سے تخصیص دوسری آیت میں آ جائے تو اس عام مخصوص منه البعض کو منسوخ ٹھہرایا جاتا ہے، متاخرین کے ہاں نسخ وہ ہے کہ جب دو آیتوں میں تعارض ہو اور تطبیق کسی صورت میں ممکن نہ ہو اور متقدم اور متاخر معلوم ہوں تو متاخر ناسخ ہوگا اور اگر تطبیق ممکن ہو تو کسی آیت کو بھی ناسخ و منسوخ نہیں قرار دیا جاتا، علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں کل سترہ یا اٹھارہ آیات ناسخ و منسوخ مانی ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ صرف پانچ آیات کو منسوخ مانتے ہیں اور وہ مذکورہ حدیث لا وصیة لوارث (النسائی: ۳٦٤٢) کی وجہ

سے اس کو پانچ منسوخ آیات میں سے مانا ہے اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی توجیہ پر یہ بھی منسوخ نہیں جبکہ کوئی نہ کوئی توجیہ عمل کی ممکن ہو۔

آیت وصیت کے بارے میں مولانا سندھیؒ کی رائے

مولانا سندھیؒ کے نزدیک آیات میں تطبیق کرائی جائے تو ناسخ و منسوخ ہے ہی نہیں، شاہ ولی اللہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''گواین حکم وصیت منسوخ است بآیت مواریث'' لیکن مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نزدیک تطبیق ممکن ہے اس لیے یہ منسوخ نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آیت مواریث میں مسلمان ماں باپ کے لئے حصے مقرر ہیں، ان کے لئے وصیت نہیں ہوگی لیکن اگر والدین مشرک ہوں تو اختلاف دینین کی وجہ سے وراثت کا تعلق کٹ جاتا ہے، اس لئے کافر والدین کے لئے اور اقربین کے لئے وصیت اب بھی چاہیے، بیٹے پر کافر والدین کی خدمت فرض ہے تو ان کے بارہ میں وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان: ۱۵) اب کفر کی حالت میں تو انہیں وراثت نہیں ملے گا اس واسطے وصیت کرے گا، مشرک والدین کے لئے کیونکہ لا وصية لکافر تو نہیں لوارث ہے اور یہ والدین مشرک وارث تو نہیں ہیں اس توجیہ پر اس آیت کو منسوخ کرنے سے بچ گئی، توجیہ ایسی کرنی چاہیے کہ آیات کو معمول بہا بنایا جائے۔

آیات وقوانین میں اِعمال بہتر ہے نہ کہ اہمال

قوانین صرف اِعمال کیلئے ہوتے ہیں نہ کہ اہمال کیلئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نزدیک کوئی آیت بھی منسوخ نہیں تاکہ آیت کا اِعمال ہو نہ کہ اہمال ہو، مسئلہ نسخ زمانہ نزول قرآن میں تھا لیکن نزول قرآن کے بعد بند ہوگیا، اب خلاصہ قانون کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے والدین غیر مسلم ہیں اور وہ مفلس ہیں، نان نفقہ کے محتاج ہیں اور یہ شخص مالدار ہے تو اس پر نان نفقہ والدین غیر مسلم کا واجب ہے اور جس وقت مرنے لگے تو وصیت بھی ضروری ہے اور اگر وصیت نہیں کی اور وہ فاقہ میں ذلیل رہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہے اور اسی طرح کسی آیت کے قابل عمل ہونے کی صورت بن جاتی ہے تو پھر اسے منسوخ کہنا ٹھیک نہیں ہے اور قانون جامع وہ ہوتا ہے کہ ضرورت کیلئے ضامن ہو اور ہر جزئی کے لیے ماخذ بن سکتا ہو کہ جس وقت بھی ضرورت پڑے اس کا حل موجود ہو اور یہ قرآن مجید کا خاصہ ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ضرورت ہی نہ پڑے اور یہ آیت باعتبار بعض مصادیق کے منسوخ ہے کیونکہ والدین دو قسم کے ہوسکتے ہیں مسلم اور غیر مسلم اور یہ

آیت بحق مسلم والدین منسوخ ہے کیونکہ ان کے لئے میراث کا حکم ہے اور بحق غیر مسلم معمول بہ ہے اور ایسی آیات ہیں کہ باعتبار بعض مصداق کے منسوخ ہیں اور باعتبار بعض کے معمول بہ ہیں۔

تقسیم میراث کی حکمتیں

حاصل یہ نکلا کہ مالی معاملات میں کسی کی حق تلفی نہ کی جائے اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ قرآن کو محقق کر کے دکھائیں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (النساء ۱۱) کیونکہ ازدواج کی حالت میں لڑکے پر دگنا خرچ پڑتا ہے اور عورت کی اس آدھے کو بھی حاجت نہیں رہے گی صرف حفظ ماتقدم کے طور پر حصہ رکھا جاتا ہے لہٰذا متقین پر فرض ہے کہ غیر مسلم والدین کیلئے وصیت کر جائیں۔

وصیت میں ردوبدل کرنے والوں پر گناہ

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ : جو شخص میت کا وصی ہے یا وصیت کا شاہد ہے اگر یہ لوگ بعد میں وصیت میں ردوبدل کر دیں یا سرے سے وصیت کا انکار کر دیں تو اس تبدیلی وتغیر کا گناہ ان تبدیل کرنے والوں پر ہے نہ کہ وصیت کرنے والے پر، اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور وصیت میں ردوبدل کرنے والوں کے اقوال وافعال کو سنتا اور جانتا ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

موصی کی رہنمائی کرنے والا اجر عظیم کا مستحق

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ: اگر کسی آدمی کو ڈر ہو کہ وصیت کرنے والا غلطی سے یا عمداً وصیت میں شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے یا دوسرے ورثا کی حق تلفی کر رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ وصیت کرنے والوں کی رہنمائی کرے اور انہیں حق وانصاف کی راہ بتائے اور پھر ان کے درمیان اصلاح کرا دے تو مصلح پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک نیتی سے اصلاح کرنے والوں کی لغزشوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

رکوع 23

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے

كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾

جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ

گنتی کے چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا

عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ

سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور ان پر جو

يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے نیکی کرے

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

تم جانتے ہو۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے واسطے

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے

لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ

لیے پردہ ہیں اور تم ان کے لیے پردہ ہو اللہ کو معلوم ہے تم اپنے

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ج

نفسوں سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص

سو اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری

مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى

سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جاوے پھر روزوں کو

الَّيْلِ ج وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ لا فِي

رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو

الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ

یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے

لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ

لیے پردہ ہیں اور تم ان کے لیے پردہ ہو اللہ کو معلوم ہے تم اپنے

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ

نفسوں سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠

سو اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری

مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى

سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جاوے پھر روزوں کو

الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى

رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو

الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ

یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٨٧﴾ وَلَا

اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔اور ایک دوسرے

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ

کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور انہیں

اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ

حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ

بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ع

سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

رکوع (۲۳)

خلاصہ: (۱) مسئلہ پنجم: اشاعت تعلیم اور قانون اصلاح معاملات

ماخذ: (۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرة:١٨٥)

(۲) وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرة:١٨٨)

اشاعت تعلیم میں والدین کا فریضہ

اشاعت تعلیم باب تہذیب الاخلاق کا پانچواں مسئلہ ہے صحابہ کرامؓ کی زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح قرآن ہی کے ذریعے سے ہوئی۔ اصل منبع تو قرآن ہے دوسری چیز یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مدارس اسی شکل میں موجود نہیں تھے، ماں باپ کے ذمہ داری تھی کہ تعلیم خود دیں یا دوسروں سے دلوائیں یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحريم:٦) كل مؤمن مخاطب بل مأمور بتعليم امره ته واولاده (ہر مومن مخاطب ہے اور بیوی بچوں کو تعلیم دینے پر مامور ہے) اور یہ تعلیم ہی سے ہوگا تو تعلیم دینا فرض ہے اگر نہ دلائی جائے تو يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (الاحزاب:٦٦) میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ نمبر اول میں والدین آئیں گے کہ یا اللہ! پرائمری سے ایم اے تک انہوں نے تعلیم دلائی لیکن کسی بھی اللہ والے کے سامنے انہیں نہیں بٹھایا کتنے بوڑھے ہیں جنہیں

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی توفیق و سمجھ بھی نہیں ہوتی، عمر ساری گریجویٹ انگریز بننے میں گزاری اور جب ریٹائر ہوئے تو گلبرک میں کوٹھی بنا کر جا کے بیٹھ گئے، انگریز خبیث کی ساری تعلیم میں الف سے یاء تک کلمہ تک نہیں، کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته الامام راع ومسئول عن رعیته، والرجل راع فی اهل وهو مسئول عن رعیته والمرأة راعیة فی بیت زوجها ومسؤلة عن رعیتها والخادم راع فی مال سیده ومسئول عن رعیته (البخاری:ح ۸۹۳) اس حدیث مبارکہ کی بناء پر جیسے والدین پر اولاد کی تربیت جسمانی ضروری ہے اسی طرح تربیت روحانی بھی ضروری ہے۔

شہر رمضان میں نصاب ونظام تعلیم کا ذکر

اس رکوع میں نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم بیان کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے نصاب تعلیم قرآن ہے اور زمانہ تعلیم ماہ صیام اور طریقہ تعلیم ختم قرآن مجید علی وجه المسنون یعنی مقتدی قرآن مجید کا ترجمہ جانتے ہوں، گویا تراویح میں ایک سناتا ہے اور دوسرے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور یہ بہترین طریقہ تعلیم ہے کہ معلم واستاد بولیں شاگرد ہمہ تن متوجہ ہو کر سنیں، امام اور ماموم (مقتدی) فقط قرآن کی اشاعت میں ایک ہیں دیگر ارکان تو دونوں الگ الگ کرتے ہیں وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف:۲۰۴) یہی تو احناف کی دلیل ہے اور قرآن اعلمهم اور اقرء هم بکتاب اللّٰہ کو سنانا چاہئے فینبغی له ان یکون هو الامام، اصل تو عرب ہیں ہم تو دوسرے درجہ میں مسلمان ہیں مولی القوم منهم مخاطب اولین تو وہ تھے سبحان اللہ! تو فرائض کی ذمہ داری میں بیوی بچوں کی تعلیم بھی ہے اور ہر ماں باپ کو بچوں کی تعلیم پر مامور کیا گیا ہے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی (طٰہٰ:۱۳۲) سات سال والے بچے کو قرآن سکھائے، رزق ہمارے ذمے ہے اور تعلیم دینا والدین کے ذمے ہے۔

رمضان نزول قرآن کی سالگرہ

تعلیم کے لئے رمضان شریف کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ اس لیے کہ تمام قوموں کا عام قاعدہ ہے کہ جس دن یا مہینہ میں کسی قوم پر خصوصی نعمت الٰہی کا فیضان ہوا اس کو تہوار اور عید کے طور پر مناتے ہیں تو مسلمانوں کے لئے رمضان کا پورا مہینہ عید ہے، اس واسطے مسلمانوں کے لئے یہ

مقدس مہینہ جس میں رحمت الٰہی بکثرت نازل ہوتی ہے اور مہینہ عید کا، وقت تعلیم مقرر کیا گیا ہے، یہاں پر کوئی یہ اشکال نہ کریں کہ عید کے دن کو کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے اور یہاں پر ممانعت ہے تو یہ کیسی عید ہوئی؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عید اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت عظمٰی نازل فرمائی ہے اور روزہ ہم اس لئے رکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحمت مجسمہ نازل فرمائی تو ہم بطور ہدیہ اللہ کے دربار میں صوم (جواحب الاعمال الی اللہ ہے) پیش کرتے ہیں، دوسرا جواب رمضان شریف میں رحمت الٰہی بکثرت نازل ہوتی ہے اس کی فرحت سے مسلمان اتنے خوش ہوتے ہیں کہ کثرت خوشی کے باعث طعام کی بھی پروانہیں رہتی، جیسے کہ شادی اور عید وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے، ایک اور اعتراض کہ رمضان میں تعلیم کتاب اللہ کیلئے بجائے دن کے رات کے مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس واسطے کہ دن کو تعلقات دنیوی کے باعث وقت کم ہوتا ہے، اور رات کو انسان فارغ ہو کر اطمینان قلبی کے ساتھ دربار الٰہی میں تعلیم قرآن کے لئے حاضر ہو سکتا ہے۔

اہل یہود کی فرعون سے نجات پر تہوار

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے عشرۃ المحرم کے بارہ میں پوچھا جب انہوں نے تہوار نجات از فرعون وغرق فرعون کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دن اور مزید ایک دن زیادتی کے ساتھ روزے رکھوائے۔

عید قربان سنت ابراہیمی کی سالگرہ

اسی طرح عید الاضحیٰ کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے لئے یادگار ہے یعنی جس وقت انہوں نے خداوند کریم کی رضامندی کیلئے اپنے فرزند کی قربانی پیش کی اور وہ منظور ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک مینڈھا بھیجا تو اب مسلمانوں کا قربانی کرنا اس قربانی کے لئے سالگرہ ہو گیا، اسی طرح ہمارے لیے عظیم نعمت قرآن مجید ہے جو ماہ رمضان میں نازل ہوا تو ہمارے لئے ماہ رمضان عید ہے اور رمضان میں لیلۃ القدر بھی ہے تخصیص وتعین تو نہیں جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی تھی وہ اکیسویں رات تھی عشرہ وسطٰی میں اعتکاف فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ ابھی نہیں گزری اس صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کریں گے، چنانچہ صبح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو محراب بارش اور کیچڑ سے بھر گئی، چھت ٹپک گئی، تب پتہ چلا کہ لیلۃ

القدر تھی، اسی طرح دیگر راتوں مثلاً ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں وغیرہ میں بھی لیلۃ القدر ہو سکتی ہے۔

بیس رکعت تراویح حضرت عمرؓ کی سنت

یہ مہینہ قرآن کی سالگرہ ہے اس میں ہم پر یہ لازم ہے کہ قرآن پاک بامعنی سنیں بغیر ترجمہ کے ہم اس سنت کے کما حقہ پورا کرنے سے (کہ قرآن بامعنی پڑھ کر سنیں) قاصر ہیں یعنی ما انا علیه واصحابی کی سنت پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے، بیس (۲۰) رکعت تراویح حضرت عمر فاروقؓ کی سنت ہے، ہم حضرت ابو بکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ کی سنت پر عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی بناء پر کر رہے ہیں فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (الترمذی: ۳۶۶۲) اور اسی طرح یہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی سالگرہ میں پورا نقشہ کھینچا جاتا ہے جیسا کہ ہندو رام اور راون کی سرائے کی سالگرہ کرتے ہیں تو آپس میں مصنوعی لڑائی لڑتے ہیں۔

روافض کا تعزیہ ہندوؤں کی نقل: روزہ نزول قرآن کا شکریہ

جیسا کہ روافض حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت کی تصویر کھینچتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقل اُتارنا انہوں نے ہندوؤں سے سیکھا۔ اس لئے تعزیہ کی رسم ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں ہے تو اب قرآن مجید کیلئے سالگرہ یہ ہوگی کہ اس کا سارا نقشہ کھینچا جائیگا اور وہ یہ کہ تمام قرآن مجید پر عبور حاصل کیا جائے اور یہی مسنون ہے اور بہترین وقت وہ ہے جو کہ انسان سب کام کاج سے فارغ ہو اور وہ وقت رات کا ہے اس لئے رات کا وقت مقرر کیا گیا اور جب یہ ہماری عید ہوئی تو پھر روزہ کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روزہ شکریہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہترین نعمت نازل فرمائی ہے۔ اس لیے شکریہ بھی بہترین عبادت سے کیا گیا یعنی صوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الصوم لی وانا اجزی به (البخاری: ۷۴۹۲)

روزہ کی حکمت: قوت ملکیت کو بہیمیت پر غالب کرنا

انسان میں دو قوتیں ہیں، ملکیت اور بہیمیت، ہر ایک کی غذا علیحدہ علیحدہ ہے اور راحت ورنج کے اسباب بھی الگ الگ ہیں چونکہ جسم عناصر میں سے ہے اس لئے اس کی غذا بھی خالص عناصر سے ہے اور چونکہ ملکیت عالم اعلیٰ سے ہے اس لیے اس کی غذا بھی وہیں سے ہے یعنی ذکر اللہ، باعتبار مقاصد زندگی کے ملکیت راجح ہے کیونکہ جس وقت ملکیت غالب آجائے تو دنیا اور

آخرت حاصل ہوگی اور باعتبار حصول غذائیت جسمانی کے جسمیت راجح ہے کیونکہ آٹھ پہر میں سے تھوڑا سا وقت تو عبادت کیلئے ہو جو ملکیت کے لئے غذا ہے اور باقی تمام وقت غذائے بہیمیت کیلئے ہے، اس نقصان کے جبیرہ کیلئے بہترین وقت مقرر کیا گیا ہے کہ تمام رمضان شریف روزہ رکھا جائے تا کہ سارے سال کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔

تعیین صیام رمضان سے امت میں انضباط اور اتحاد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: تعیین صیام رمضان اس لیے کیا گیا تا کہ امت میں انضباط اور اتحاد رہے تو اب ساری دنیا میں رمضان ہی رمضان ہے مقصود اصلاح حال ہے اور روزے کا خاص مقصد بھی قانون الٰہی کی پابندی سکھلانا ہے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں سے بھی روزے رکھوائے گئے یعنی ترجیح دینا ملکیت کو بہیمیت پر پہلے امتوں میں بھی تھا تا کہ سارے سال کی کمی پوری ہو کر تمہارا تعلق باللہ ٹھیک ہو جائے اور تم پرہیزگار بنو۔

دنیا میں ہر چیز کی کوئی نہ کوئی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی دنیا میں پیدا کی ہے اس کے متعلق کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد کی ہے اور ہر چیز اپنی اپنی ذمہ داری ادا کر رہی ہے مثلاً گھوڑے، گدھے، بیل، اونٹ وغیرہ جانوروں کو دیکھئے! ہر چیز انسان کی جس خدمت کیلئے مامور ہے اس خدمت کو انجام دے رہی ہے خود انسان کے وجود کے اعضاء کو دیکھئے! آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ اور پاؤں اپنی اپنی متعلقہ خدمت کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اسی مذکورہ بالا قاعدے کی بناء پر انسان کی اس جہان میں بھی کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق فرمان شہنشاہی یعنی قرآن مجید کا اعلان ہے، انسان کا فرض ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرے تب یہ کامیاب سمجھا جائے گا۔

فقط رضائے مولیٰ ہی مطلوب

دراصل فقط رضائے مولیٰ ہی مطلوب ہے مگر اللہ جل شانہ نے اپنی رضا کا تمغہ دینے میں یہ شرط لگا دی ہے کہ جب تک میری مخلوقات کے حقوق ادا نہیں کرو گے اس وقت تک میں تم سے راضی نہیں ہو سکتا، اس لیے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ خالق عزاسمہ کو بہ عبادت اور مخلوق کو بخدمت راضی کرے تا کہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔

روزہ دار کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم

روزہ دار کے اخلاق کے بلند کرنے کی کیسی عمدہ تعلیم ہے کہ روزہ دار میاں بیوی کی حیوانی خواہش کا روزہ میں ذکر تک نہ کرے اور چھچھوری طبیعت کے انسانوں کی طرح چیخ چیخ کر باتیں نہ کرے بلکہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے آہستہ بولے اگر روزہ دار کو کوئی گالی بھی دے یا اس کے ساتھ لڑنے کے لیے بھی آئے تو بھی یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اس لیے میں تم سے مقابلہ نہیں کرتا، آپ خیال فرمائیں کہ اگر کوئی انسان اس درجہ کا متحمل مزاج اور بردبار ہو جائے کہ اس کے ساتھ جو بدسلوکی بھی کرے یہ برداشت کرتا جائے اور صبر کرے تو کیا اس شخص کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو سکتا ہے؟ اس کے صبر اور ضبط نفس اور بردباری کے باعث اس پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

اصلی انسان کیا چیز ہے؟

دراصل اصل انسان وہی شخص ہے جس میں وحشت اور نفرت نہ ہو بلکہ اس میں الفت اور شفقت پائی جائے۔ انسان کا مفہوم اور مطلب سمجھنے میں عام طور پر غلطی کی جاتی ہے عام طور پر انسان کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ دو پاؤں، دو ہاتھ، دو آنکھیں، بتیس دانت، دو کان، ایک زبان اور سیدھا قد ہونے کا نام انسان ہے۔ حالانکہ یہ چیز حقیقتاً انسان نہیں ہے البتہ انسان کا لفافہ ضرور ہے جس طرح کہ خط لفافہ کو کہا جاتا ہے حالانکہ لفافہ خط نہیں ہو سکتا بلکہ لفافہ کے اندر خط ملفوف ہوتا ہے اگر لفافہ کے اندر خط نہ ہو تو لفافہ بیکار اور فضول ہے اسی طرح اگر اس انسانی لفافہ کے اندر انسانیت پائی جائے تو پھر یہ لفافہ قابل قدر ہے اور اگر اندر انسانیت کا جوہر نہیں ہے تو پھر یہ لفافہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے اور وہ شکل انسانی جس میں انسانیت کا جوہر نہ ہو اس کی ردی کی ٹوکری دوزخ ہے۔

روزہ سے اصلی انسان کیسے بنا؟

روزہ دار سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور مخلوق خدا بھی اس سے راضی ہو جاتی ہے کیونکہ روزہ، روزہ دار کو اتنا شریف بنا دیتا ہے کہ خود تو آواز تک بلند کرنے سے بچتا ہے اور کسی انسان کو کوئی دکھ نہیں دیتا بلکہ اتنا با اخلاق ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس سے لڑتا جھگڑتا ہو تو بھی مقابلہ نہیں کرتا بلکہ یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں۔

ماہ رمضان میں تین مقصودی چیزیں

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ : ماہ رمضان میں تین چیزیں مقصود نظر آتی ہیں، اول گھروں میں مذہبی تعلیم پھیلانا، دوم قانون مذہب اور روح مذہب کا پابند بنانا، سوم انتظام قائم کرنا۔ اس آیت سے عبداللہ چکڑالوی تین روزے ثابت کرتے ہیں لیکن انہی کی تردید فَلْيَصُمْهُ میں موجود ہے، کیونکہ ضمیر کا مرجع الشَّهْرَ ہے یعنی سال کے تین سو ساٹھ (۳۶۰) دنوں میں سے کل تیس دن رمضان المبارک کے ہیں، گنتی کے چند روز۔

عاجز اور معذور بندوں کی رعایت

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ: اب جو اس اجتماع میں حاضر نہیں ہوسکتا کہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتا، اس لیے مسافر، مریض کی استثناء کی گئی کہ وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے، اللہ تعالیٰ تو بندے کے عجز کو دیکھ کر رحم فرماتا ہے، ان کو حصول مقصد کے لیے شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اس عمل سے اس میں روزہ دار کے اخلاق کی تکمیل مقصود ہے، محض بھوکا پیاسا رکھنا مقصد نہیں ہے، اس لیے اگر بیمار یا مسافر ہونے کی وجہ سے روزے کے مقصد کی طرف پوری توجہ نہیں کرسکتا تو ان عوارض کے رفع ہونے کے بعد رکھ لے کیونکہ اس حالت میں اس کا دماغ سرگردان اور طبیعت پریشان ہوتی ہے تو اس کو روزہ رکھنے میں حکمت روزہ کا مراقبہ حاصل نہیں ہوتا۔

آیت يُطِيْقُوْنَهٗ میں توجیہات

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ: سرسید احمد خان تو کہتے ہیں کہ انسان کو اختیار ہے خواہ روزہ رکھے یا نہ رکھے اور فدیہ دیدے یہ بالکل غلط ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں چونکہ اس آیت کے سمجھنے میں دقت ہے اس لئے مفسرین نے اس کی چند توجیہات پیش کی ہیں، ایک توجیہ تو اس میں یہ ہے ابتداء زمانہ میں تخفیف تھی کہ باوجود طاقت رکھنے کے پھر بھی فدیہ دے دے تو جائز ہے پھر منسوخ ہوئی، آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے بعض کہتے ہیں وَعَلَى الَّذِيْنَ لا يُطِيْقُوْنَهٗ کہ یہاں لا مقدر ہے لا يُطِيْقُوْنَهٗ یا ہمزہ افعال کا سلب کیلئے ہے کہ جس کو طاقت نہ ہو یعنی سلب طاقت، یا یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے، ابتدائے اسلام میں افطار کے بعد اگر انسان سو جاتا تو روزہ شروع ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک صحابیؓ مزدور تھا، وہ دن کو کام کرکے آیا تو بیوی نے اس کے کھانے کا انتظام کرنا

شروع کیا، اتنے میں وہ سو گیا یہ ایک بڑی مشقت تھی اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یا اس سے مراد شیخ فانی ہے، دوسری توجیہ ہمارے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ مأول اور اس میں ہمزہ سلب کے لیے بھی نہیں ہے بلکہ اپنے ظاہر پر ہے اور اس سے صدقہ فطر نکلتا ہے اور ضمیر (ہ) جو یُطِیْقُوْنَہٗ میں موجود ہے وہ فدیہ کی طرف راجع ہے اور اضمار قبل الذکر بھی نہیں ہے کیونکہ فدیہ باعتبار رُتبہ کے مقدم ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ روزہ بھی رکھے اور فدیہ طعام مسکین کو بھی دے اور اس کو فدیہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر روزوں میں کچھ نقصان ہوا ہو تو یہ اس کے لئے جبیرہ ہے۔

صدقۃ الفطر سے روزہ کا کفارہ اور صدقہ

فِدْیَۃٌ مبدل منہ اور طَعَامُ مِسْکِیْنٍ مضاف مضاف الیہ بدل ہے اور عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ اس کا خبر مقدم اور فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ مبتداء مؤخر ہے، قاعدہ ہے کہ خبر مشتق ہو تو اس میں سے ضمیر مبتدا کی طرف ضرور راجع ہوتی ہے تو یہاں طَعَامُ مِسْکِیْنٍ کی طرف راجع کیجئے صِیَامٌ کی طرف نہیں، ضمیر مذکر مرجع مؤنث کا حال یہ ہے کہ مشتق سے مبتدا کی ضمیر راجع ہوئی تو روزہ بھی فرض ہے اور جن کو توفیق ہو تو وہ روزے کا صدقہ بھی دیں اور صدقۂ فطر رمضان کی کمزوریوں کا ہی کفارہ اور صدقہ ہے، صدقہ بھی دیں تو اس سے صدقۃ الفطر نکل آتا ہے اور آیت منسوخ نہیں رہتی اور صدقہ فطر کا ذکر قرآن میں سوائے اس توجیہ کے کہیں نہیں لیکن اگر اس آیت سے صدقہ فطر مراد نہ لی جائے تو پھر صدقہ فطر کا ثبوت احادیث سے ہوگا، اس لئے ہر آیت کو قابل اعمال بنانا چاہئے نہ کہ اہمال اور اب جب آیت منسوخ نہ رہی تو کہیں گے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ والصوم خیر لکم اور شہوات ہی انسان کو غلط راستے پر ڈالتی ہیں زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ(ال عمران:١٤) وحجبت النار بالشهوات وحجبت الجنة بالمكاره(البخاری:٦٤٨٧) تو صوم ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ شہوات سے انسان بچتا ہے لانہ ینھی الانسان عن الشھوات اور جب شہوات پر قابو پانے کی مشق پڑ جائے تو سبحان اللہ۔

صدقہ فطر کے وجوب کی حکمت

صدقہ فطر جو استطاعت والوں پر واجب ہے اس کے وجوب کی حکمت بیان کر دینا بھی ضروری ہے روزے کی اصلی روح اور حقیقی مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی

خوبیاں پیدا ہو جائیں کہ اسے جب کسی محبوب چیز کے چھوڑنے کا حکم ملے تو بلا تامل اس کی تعمیل کیلئے تیار ہو جائے اور انسان کی ذاتی مرغوبات میں سے خورد و نوش سے بڑھ کر اور کوئی چیز محبوب نہیں جس پر اس کی حیات مستعار کا انحصار ہے اور روزہ میں چونکہ انسان ایک معین وقت تک کھانے پینے سے رُکا رہتا ہے اور ماکولات و مشروبات کا استعمال اس پیمانہ پر نہیں کرتا جس پیمانے پر ماہِ رمضان سے پہلے یا بعد میں کرتا ہے اس لیے خطرہ تھا کہ کہیں کھانے پینے سے معین وقت میں احتراز کے باعث بخل کی خصلت نہ پیدا ہو جائے، اس خطرے کے انسداد کے لیے بظاہر یہ مناسب تھا رمضان میں انسان کو حکم دیا جاتا کہ مقررہ وقت میں کھانے پینے سے الگ رہنے کے علاوہ روزانہ اپنا کھانا مسکینوں کو دیدیا کرے لیکن اس طرح کا حکم مشکل بن جاتا اور عام مسلمان اس کی پیروی نہ کر سکتے، دوسری صورت یہ تھی کہ رمضان کے اختتام پر سارے مہینے کا کھانا جمع کر کے مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا لیکن اس میں بھی مشکلات تھیں، لہٰذا یہ حکم دیا گیا کہ رمضان کے اختتام پر نماز عید سے قبل ہر ذی استطاعت مسلمان ایک مقرر مقدار میں صدقہ فطر ادا کرے، چھوٹے بچوں، غلاموں، عورتوں سب کی طرف سے صدقہ فطر کو واجب بنا دینے سے مقصد کثرت صدقہ بھی پورا ہو گیا، بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ فطر ادا نہ کرے اس کے روزے قبول نہیں ہوتے، فقہائے احناف کے نزدیک صدقہ فطر صاحب نصاب یا غنی کے ذمے واجب ہے، علامہ منذریؒ نے یہی لکھا ہے۔

صاحب نصاب پر صدقہ فطر کا وجوب

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص عید کے دن ادائے صدقہ کی استطاعت رکھتا ہو اس کے ذمے واجب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کا معمول بھی یہی رہا ہے، احناف کی تاویل یہ معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ بہر حال صاحب استطاعت یا غنی پر واجب ہے اور غنی کا عام معیار یہی ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو۔

صوم اور دیگر ارکان کو حال بنانا

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۚ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، روزے سے خواہشات کو منقطع کرنا نہیں بلکہ خواہشات نفسانی کو قبضہ میں لینا ہے پھر اس کا ربط عدم

نسخ کی توجیہ کے ساتھ آ گیا تو روزے میں تمہارے لیے بہتری ہے، اگر روزہ اسی مراقبہ (عبرت) کا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لحاظ کر کے رکھا جائے تو روزہ تمہارے اندر ایک روح پیدا کر دے گا۔ اسی طرح اگر ارکان خمسہ کو مسلمان اپنا ہی حال بنالیں تو کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہی حالت صحابہ کرامؓ کی تھی کہ وہ ارکان خمسہ کے پابند تھے اور ارکان خمسہ ان کا حال بن گیا تھا، اس لیے ان کے حق میں کہا گیا کہ رات کو رہبان (عبادت کرنے والے) اور دن کو فرسان (گھوڑوں پر سوار) تھے اور کسی نے کہا ہے کہ رات کو ملک (فرشتے) اور دن کو دیو تھے۔

قرآن کا نزول رمضان میں

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ: رمضان المبارک میں قرآن نازل ہوا لہٰذا اسی مہینہ میں اس کی عید منائی جائے اور یاد تازہ کی جائے اور جو قرآن پر عمل کرے اس کی دنیا وآخرت بھی سنور گئی اور جس نے قرآن پر عمل نہ کیا اور نہ اس کی مشق کی تو دنیا وآخرت میں ذلیل ہو گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ: ۱۲۴) تو رمضان سالگرہ ہے قرآن کی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ "حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور تورات اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نازل شدہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرر سنا جاتے تھے، ان سب حالات سے رمضان کے مہینے کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہوگئی، اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اسی مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہیے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔"

شہر رمضان کے اسمائے گرامی اور فضیلت

۱) شهر عظیم بڑی عظمت (بزرگی) والا مہینہ۔

۲) شهر مبارك برکت والا مہینہ۔

۳) شهر فيه ليلة خير من الف شهر ایسا مہینہ جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

۴) شہر الصبر خواہشات نفسانی سے بچا لینے والا مہینہ۔

۵) شہر المواساة آپس میں ہمدردی کرنے کا مہینہ۔

۶) شہر یزاد فیه رزق المومن ایسا مہینہ جس میں مومن کے رزق میں برکت دی جاتی ہے۔

۷) وھو شھر اوله رحمة وہ مہینہ ہے جس کی آمد اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے۔

۸) واوسطه مغفرة اور اس کا درمیان بخشش کا زمانہ ہے۔

۹) وآخره عتق من النار اور اس کے اخیر میں (مومنوں کیلئے) دوزخ سے آزادی ہے۔

فلسفہ روزہ: تمام امتوں میں روزہ

پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں بھی روزہ اسی طرح رکھا جاتا تھا کہ روزے کے دن کھانا پینا اور عورتوں سے صحبت کرنا حرام تھا، روزہ کا یہ طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک یوں رہا، چنانچہ ابتدا میں جب مسلمانوں پر روزہ فرض ہوا اور اس کی شرائط کا انہیں علم نہیں تھا تو اہل کتاب کی طرح روزہ رکھنا شروع کیا کہ افطار کے بعد سونے سے پہلے کھانے پینے وغیرہ سے فراغت پالیتے، سونے کے بعد پھر دوسرا روزہ شروع ہوجاتا، کچھ عرصہ کے بعد اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ والی آیت نے اس طرز کو منسوخ کیا۔

اوقاتِ صوم میں اختلاف

البتہ علم تاریخ کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کے اوقات ہر امت میں علیحدہ علیحدہ تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام پر ہر مہینے کے ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو روزہ فرض تھا، حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے اور یہود پر عاشورہ اور ہر ہفتہ کے علاوہ چند دن اور بھی فرض تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرتے تھے لیکن جب انہیں سخت گرمی اور سردی کے روزے میں دقت محسوس ہوئی تو یہ فیصلہ کیا کہ موسم ربیع میں بجائے تیس کے پچاس رکھا کرینگے

روزہ کی صورت بغیر روح بیکار ہے

ہر عقل مند کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی کام کرتا ہے اس کا فائدہ پہلے سوچ لیتا ہے، وہ فائدہ اس کی روح اور جان ہے لہٰذا روزے کی بھی ایک صورت ہے اور دوسری اسکی روح۔ صورت تو یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر آفتاب تک کھانا پینا ترک کردیا جائے عورت اور مرد (میاں بیوی) آپس

میں ملنے نہ پائیں لیکن اگر مقصد روزہ اس صورت کے اندر نہ پایا جائے تو وہ بیکار ہے چنانچہ دربار نبوت سے ارشاد ہوتا ہے من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه (البخاری: ح ۱۹۰۳) ''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے چھوڑنے کی کوئی پرواہ نہیں (یعنی روزہ سے قرب الٰہی اور حصول رضائے مولیٰ کا جو نتیجہ مرتب ہونا چاہئے (وہ نہیں ہوگا)'' اور دوسری روایت میں مروی ہے: الغیبة تفطر الصائم ''غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں جس طرح مذکور بالا افعال ناجائز ہیں اسی طرح دوسرے کی غیبت جو زبان کا جرم ہے وہ بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ روزے کا مقصد فقط کھانے پینے سے رُکنا نہیں بلکہ اس سے بہت اعلیٰ، ارفع مقاصد اور بھی ہیں۔

روحِ روزہ

اسلامی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہوں صفات حمیدہ سے آراستہ ہو بداخلاقی سے اسے نفرت ہو، خواہشات نفسانی پر قابو پائے، ضبط نفس اور تحمل کا خوگر ہو، فتنہ انگیزی سے باز آئے، شرارت نہ کرنے پائے، ان تمام خوبیوں کے پیدا کرنے کیلئے بہترین علاج یہی ہے کہ انسان کے حیوانی زہر کو نکال دیا جائے، اس زہر کے نکالنے کا بہترین تریاق روزہ ہے۔ قوت حیوانی کی شدت کی وجہ سے تمام خرابیاں انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں، اگر قوت حیوانی کو کمزور کر دیا جائے تو بہت سی برائیوں سے یقیناً انسان رک جائے گا چنانچہ اسی قاعدے سے اسلامی شریعت میں قوانین روزہ کو پرکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے ذریعے سے اپنی امت کو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر پہنچانے کی سعی فرمائی ہے۔

روزہ کی دنیاوی برکتیں

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کی تعمیل میں دنیا کی بہتری اور آخرت کی نجات کی خاصیت پائی جاتی ہے، چنانچہ رمضان شریف کے روزے رکھنے میں مسلمان قوم اس قابل ہو جاتی ہے کہ زندہ قوم کہلائے، اس کا ہر فرد عزت کی زندگی بسر کرے اور عزت کی موت مرے۔

روزے سے اخلاقی و معاشرتی اصلاح

گزشتہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ روزہ دار کے اخلاق کا معیار اعلیٰ ہو جائے گا،

ضبط نفس اور تحمل اس میں آئے گا، شرارت اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچائے گا، دنیا میں اعلیٰ درجے کا امن پسند اور مرنجان مرنج شریف نظر آئے گا۔ ساتھ ہی اس کے معاشرتی اصلاح بھی ہو جائے گی جب ہر ایک مسلمان اوصاف حمیدہ سے مزین ہوگا تو معاشرتی تعلقات میں کبھی بگاڑ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ ہر سال ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی غرض ہی یہی ہے کہ سال بھر کے بعد اس نصاب کی یاد تازہ ہو جائے۔

سیاسی فائدہ

دنیا میں ہمیشہ وہی قوم عزت سے زندہ رہ سکتی ہے جس کے پاس قومی حیات کے اعلیٰ اصول ہوں اور وہ ان کی پابندی کے لئے ہر مصیبت کو برداشت کرتا ہو اور ہر مشقت کے سامنے سینہ سپر ہو، روزے میں اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ بارہ یا چودہ بلکہ بعض اوقات چوبیس گھنٹے بے آب ودانہ رہے خواہ شدید گرمی کا موسم ہی کیوں نہ ہو، سحری کھانے کے لئے آنکھ نہیں کھلتی اور روزہ چھوڑ نہیں سکتے، دن کے کاروبار کا حرج بھی نہیں کر سکتے لیکن کاشتکار ملازمت پیشہ اور مزدور غرضیکہ ہر ایک کام والا باوجود سحور نہ کھانے کے اپنے کام میں مصروف ہے اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ دن کو یہ مشقت اور رات کو بیدار رہنا اور کافی وقت کھڑا ہو کر نماز تراویح ادا کرنا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ ہر مسلمان ایک فوجی سپاہی ہے جو بسکٹ اور کیک سوڈا اور لیمن کی بجائے پانی پیئے اور بغیر کھانا کھائے اگر ضرورت پیش آجائے تو دن اور رات کے چوبیس گھنٹے مسلسل کام کر سکتا ہے اور اس بات کا بھی عادی ہے کہ ان مصیبتوں میں وہ کسی پر احسان نہیں کر رہا بلکہ اسے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء مطلوب ہے چنانچہ فتوحات اسلامی میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں کہ مسلسل چوبیس گھنٹے لڑائی جاری رہی دشمنان اسلام کے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہے اور مسلمان اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹے جب تک میدان جیت نہیں لیا۔

پیغام فتح اسلام

جو قوم سطح زمین پر اپنے چالیس کروڑ افراد رکھتی ہو اور وہ ان اصولوں کی پابند ہو جائے جو ارکان اسلام کے اندر انہیں سکھائے گئے ہیں اور پھر فیصلہ کرے کہ یا تخت یا تختہ وہ قوم کبھی مٹ نہیں سکتی بلکہ دنیا کی قوموں میں سردار ہو کر رہے گی کیونکہ خدا تعالیٰ اس کی پشت پناہی فرمائے گا،

ظاہر و باطن اور زمین و آسمان کی تمام خدائی طاقتیں اس کی خدمت کے لئے وقف ہو جائیں گی وَلَوْ

أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۚ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ (المائدہ ۵:۶۶)

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

زندہ قوم بننے کی شرائط

۱) دنیا میں وہ قوم زندہ رہ سکتی ہے جسے اپنے جذبات طبع پر قابو ہو۔ جب ضرورت پیش آئے تو جان دینے سے بھی جی نہ چرائے اور موقعہ نہ ہو تو بادِ مخالف کے طوفان بھی اسے اشتعال میں نہ لائیں اور اس کے وقار اور ثابت قدمی میں ذرہ بھر فرق نہ آئے، چنانچہ روزہ دار کو اپنے جذبات پر قابو پانے کی مشق کرائی جاتی ہے، یہاں تک کہ اسے کوئی گالی دے یا قتل کرنے کے لئے بھی آئے تو اس کا مقابلہ نہ کرے، اتنا کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

۲) دنیا میں وہ قوم زندہ رہ سکتی ہے جو منظم ہو جس قوم کا شیرازہ منتشر ہو وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی، روزے میں مسلمان کی تنظیم ملاحظہ فرمالیجئے! دن میں سب روزہ دار اور رات کو سب بیدار، یہ تنظیم اس اسلام میں ہے جو مدینہ منورہ سے آیا ہے ہمارے خودساختہ ''پنجابی اسلام'' میں یہ چیز نہ پائی جائے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

۳) دنیا میں وہ قوم زندہ رہ سکتی ہے جو ایک ہی ضابطہ اور قانون کی پابند ہو، چنانچہ ساری دنیا کے مسلمان رمضان شریف کی راتوں میں ایک ہی ضابطہ الٰہی (قرآن مجید) کو سروقد کھڑا ہو کر ہمہ تن متوجہ ہو کر سنتے ہیں۔

۴) دنیا میں وہ قوم زندہ رہ سکتی ہے جو اپنی تنظیم میں قابلیت کو مدارِ انتخاب قرار دے، قابلیت کے مقابلہ میں، جانبداری، سرمایہ داری، تعلقات دنیوی کا کوئی لحاظ نہ رکھے، چنانچہ رمضان شریف کی راتوں میں حفاظِ قرآن کو امام بنایا جاتا ہے، سادات کرام علوی حضرات، قریشی صاحبان، راجپوت برادری والے، کشمیری حضرات جو حفظِ قرآن کی نعمت سے مشرف نہیں ہیں سب اسی حافظ صاحب کے پیچھے کھڑے ہو کر قرآن کریم سنتے ہیں۔

۵) دنیا میں وہ قوم زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے جس میں مساوات کی روح پائی جائے، یہ الگ چیز ہے کہ کوئی امیر ہے اور کوئی غریب مگر قومی پلیٹ فارم پر سب برابر سمجھے جائیں، چنانچہ رمضان المبارک میں نمازوں میں زیادہ رونق ہوتی ہے اور ہر نماز اور بالخصوص تراویح میں یہ سماں نظر آتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

٦) دنیا میں وہ قوم امام الاقوام کا منصب حاصل کرسکتی ہے جس کے دن اور رات کی ہر گھڑی اور ہر لحظہ رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے وقف ہوجائے۔ خدا تعالیٰ اس کا حامی اور مددگار ہو جاتا ہے پھر وہ قوم بامداد الٰہی دوسری قوموں پر فاتح اور سربلند ہوجاتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اسلام نے اسی خوبی کے باعث اپنے عروج کے زمانہ میں دنیا کی تمام طاقتور سلطنتوں پر فتح پائی تھی، کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی سلطنت کی جزو بن گئی تھیں۔

روزے کی اخروی برکتیں اور فائدے

حدیث مبارک میں من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه ومن قام لیلة القدر ایماناً واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه (البخاری : ٢٠١٤) ''جس شخص نے روزہ رکھا اس حال میں کہ اس کے دل میں ایمان ہو اور اللہ سے اجر پانے کے خیال سے رکھا اس کے سارے پہلے گناہ بخشے جائیں گے اور جس شخص نے لیلۃ القدر کی رات کو قیام کیا اور اس حال میں کہ ایمان دار ہو اور اللہ سے اجر پانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔''

حکمتِ مغفرت

روزے کے باعث سابقہ سارے گناہ معاف ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ گویا روزہ دار زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں نے کھانے پینے اور خواہشات نفسانی وغیرہ کے پورا کرنے میں جو تیری مرضی کے خلاف قدم اٹھایا ہے اس سے باز آتا ہوں اور تیری رضا حاصل کرنے کے لئے سب کو چھوڑتا ہوں اور مسلسل روزہ رکھنے سے یہ ثبوت دیتا ہوں کہ تیری رضا

کی پابندی مسلسل کروں گا، تیری مرضی کے خلاف خواہشات نفسانی کو ہمیشہ چھوڑ دوں گا اور رمضان المبارک کے علاوہ شوال کے چھ روزے رکھ کر اس کا مزید ثبوت دیتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنی شفقت و رحمت سے اعلان کیا ہوا ہے کہ میں ہر نیکی کا دس گنا کم از کم اجر دوں گا لہٰذا رمضان المبارک کے علاوہ چھ روزے شوال کے اس حساب سے کم از کم دس گنا ہوتے ہیں گویا کہ میں تیری رضا حاصل کرنے کیلئے سارا سال ہی روزہ دار رہا ربنا تقبل منا واعف عنا علیٰ ہذا القیاس رمضان المبارک کی راتوں کے قیام کی بھی یہی غرض ہے کہ اے اللہ! میں نے تیرے قرآن حکیم سے جو اعراض کیا ہے اس سے تائب ہو کر تمسک بالقرآن کرنے کا عملی ثبوت دیتا ہوں (گویا کہ نمازی اپنے عمل سے ثابت کر رہا ہے) اور مسلسل قیام کرنے سے عملاً یہ ثابت کر رہا ہے کہ میرا تمسک بالقرآن (قرآن مجید پر عمل) آئندہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

انا اجزی بہ کی حکمت

ہر عمل صالح کی ایک جزائے خیر ہے اور روزے کی جزا ذات حق جل وعلا خود دیتا ہے (یا بنتا ہے) کیونکہ جب روزہ دار نے ان چیزوں کو رضائے الٰہی کے لئے چھوڑ دیا جن پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا گویا کہ اس نے زندگی کو خیر باد کہہ کر خدائے قدوس وحدہ لاشریک لہ کا وصال پسند فرمایا بارگاہ الٰہی میں ہر عمل کی جزا اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے ایسے متوکل علی اللہ محب خدا کی جزا یہی ہو سکتی ہے کہ خدائے قدوس اسے تشفی دیں کہ جب تو میرا ہے تو میں تیرا ہوں۔

حقیقت شفاعت

جس جہاں میں ہم بود و باش رکھتے ہیں اسے عالم ناسوت کہتے ہیں اس کے علاوہ تین جہان اور بھی ہے عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت، عالم ملکوت کو عالم مثال بھی کہتے ہیں عالم مثال میں یہاں کی ہر ایک چیز کا مثالی وجود بلکہ وہاں ان چیزوں کا بھی مثالی وجود ہے جن کا وجود اس جہاں (عالم ناسوت) میں نہیں ہے، مثلاً انسان کے اعمال یا روزہ اور قرآن وغیرہ لہٰذا قیامت کے دن روزہ اپنے اس مثالی وجود سے مجسم ہو کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا اور روزہ دار کے حق میں شفاعت کرے گا، انسان نے اپنے وطن میں روزے کی حمایت و ہمدردی کا حق ادا کیا تھا، اس کے بدلے میں روزہ اپنے وطن (عالم مثال) میں روزہ دار کی حمایت کرے گا۔

۱) جس شخص کے دل میں ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے روزہ

رکھے اس کے پہلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

۲) جو شخص رمضان کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس کے پہلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

۳) انسان کو ہر نیکی کے بدلہ میں دس گنا سے لے کر سات سوگنا تک ثواب ملتا ہے مگر (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) روزہ میرے لئے ہے اور میں خود روزے کا بدلہ ہوں۔

۴) روزہ اور قرآن انسان کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اسے کھانے اور خواہشات پورے کرنے سے دن میں روک دیا تھا لہٰذا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات کو سونے نہیں دیا تھا لہٰذا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما پھر دونوں کی شفاعت قبول ہو جائے گی (روزہ دار عذاب الٰہی سے بچ جائے گا)

۵) رمضان المبارک میں نفلی عبادت کا اتنا ثواب ملتا ہے جتنا غیر رمضان میں فرض کا۔

۶) رمضان المبارک میں فرض عبادت کا اتنا ثواب ملتا ہے جتنا غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرنے کا۔

۷) رمضان المبارک کی آخری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بخش دیا جاتا ہے، عرض کی گئی یا رسول اللہ! کیا یہ لیلۃ القدر ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ کام کرنے والا جب کام پورا کر دے تو اس کو مزدوری دی جاتی ہے۔

قرآن لوگوں کے لئے ہدایت

هُدًى لِلنَّاسِ: فرمایا کہ قرآن رہنما ہے اور رہنمائی بھٹکے ہوئے کو ہوتی ہے تو **هُدًى** میں تین چیزیں آ گئیں ہادی، مہدی اور منزل مقصود، قرآن مجید رہنما ہے مسلمان اس کا رہرو ہے جبکہ منزل مقصود ہے دربان رحمان، مقصود بالذات دیدار الٰہی ہے اور جنت مقصود نہیں وہ ثانوی ہے۔

پس جب قرآن مجید رہنما، یعنی راستہ دکھانے والا ہے تو اس کے معنی سمجھنے کے بعد انسان کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کسی راہرو یعنی راستہ چلتے مسافر کیلئے ہی رہنما ہوگا، پھر غور کرنے سے یہی فیصلہ عقل میں آتا ہے کہ راہرو کلمہ گو مسلمان ہے۔ پھر یہ خیال بھی فوراً ہر عقلمند کے دل میں آئے گا کہ رہنما تو ہوا قرآن اور راہرو ہوا مسلمان، اس راہرو (مسلمان)

کی منزل مقصود کون سی ہے، جہاں ہر مسافر پہنچنا چاہتا ہے، وہ منزل مقصود ہے دربار رحمن۔ اس کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس رہنما کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھے اور زندگی کا ہر لحہ اس کی رہنمائی میں بسر کرے تا آنکہ پیغام موت آئے اگر بالفرض اپنے اندر اتنی استعداد نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر معاملہ میں قرآن مجید سے استصواب رائے کر سکے تو پھر ایسے عالم سے وابستہ ہو جائے جو خود قرآن شریف کی روشنی میں چلتا نظر آئے اور دوسرے احباب کو بھی اسی کی روشنی میں چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ اس طریقہ پر زندگی بسر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یقین کامل ہے کہ اس شخص کا خاتمہ ایمان کامل پر ہوگا اور مرنے کے بعد قبر بہشت کا باغ بن جائے گی۔

ہدایت کی روشن دلیلیں

وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى : اب قرآن کو بینات کے سانچے میں ڈھالنا یہ ہے کمال، یہ ہدایت کی واضح روشن چیز ہے کہ فطرت سلیمہ والوں کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور قرآن میں کم ذہن کیلئے تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش ہے اور زیادہ ذہن والے کیلئے بھی ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

فی الاصل المنبع والمنشاء القرآن وتفصیل القرآن السنة و رسول اللّٰہ وبینهما تلازم لا ینفك احدهما عن الآخر (سرچشمہ قرآن ہے حدیث اور رسول کریم اس کی تفصیل ہے اور دونوں کے درمیان ایسا تلازم ہے کہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتا) ترجمہ میں ''روشن دلیلیں'' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، روشنی کے مقابلہ میں دنیا کی اصطلاح میں اندھیرے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ راستہ میں اگر مکمل روشنی ہو تو انسان بآسانی صحیح راستہ پر چلتا جائے گا اور بھٹک نہیں سکے گا اور اگر راستہ میں روشنی نہ ہوتی تو مسافر کے بھٹک جانے کا منٹ منٹ میں خطرہ تھا لہٰذا قرآن مجید کی اس صفت کا حاصل یہ نکلا کہ جو شخص بھی اپنی زندگی میں اس کو رہنما بنائے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اور سیدھا دربار الٰہی میں پہنچ جائے گا۔

الْفُرْقَانِ کا معنی اور مفہوم

وَ الْفُرْقَانِ: الفارق بین الحق والباطل ان اقول کل ما خالف القرآن فهو باطل وکل ما یتکلم بخلاف القرآن فهو مبطل قرآن کے تقاضے کیا ہیں؟ اور آپ کی ذمہ داریاں کیسی ہیں؟ الحق ما رضی اللّٰہ عنه والباطل ما سخط اللّٰہ علیه حق وہ ہے جس

سے، اللہ راضی ہو اور باطل وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ حق اور باطل کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے وہ حق ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے مرضی کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یا خلاف مرضی بتلانے والا آسمان سے نازل شدہ اس وقت تمام دنیا پر فقط قرآن مجید ہی ہے، اب جو شخص قرآن مجید کی رہنمائی کے مطابق حق پر چلے گا وہ حق پرست کہلائے گا، ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد دنیا میں بھی شامل حال ہوگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ رضائے الٰہی کے باعث اس کے دل میں اطمینان اور سکون ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ جو سلوک بھی ہوگا اس میں محبوب کی رضا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے راضی رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا خاتمہ ایمان کامل پر ہوگا اور اسی کی قبر بہشت کا باغ بن جائے گی، بخلاف اس کے جو شخص قرآن مجید کی رہنمائی کے باوجود اس کی مخالفت کریگا وہ باطل پرست کہلائے گا، ایسے شخص کو دنیا کی زندگی میں بھی دل کا چین ہرگز نصیب نہ ہوگا، خواہ دولت کے لحاظ سے کروڑ پتی کیوں نہ ہو اور زمینداری کے لحاظ سے نواب صاحب کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں صاف اعلان ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ: ۷) ''اور جو میرے ذکر (قرآن مجید) سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی یعنی باوجود مال اور اولاد کے چین نصیب نہیں ہوگا۔''

عبادات کے نظام اجتماعی میں برکت اور طاقت

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ : ضمیر (ہٗ) الشَّهْرَ کی طرف راجع ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ پورے مہینہ روزہ رکھیں اور اہل قرآن (منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہلانے والے) لوگ کہتے ہیں کہ تین روزے ہیں یعنی انفرادی یا افتراقی نظام کے بجائے اجتماعی سلسلہ میں برکت ہوتی ہے، اب حج میں جو لطف ہے وہ اجتماع کا لطف ہے انفرادی عمل سے کہاں آسکتا ہے؟ روزوں سے استفادے کا موقع ملتا ہے امت کا نچوڑ جمع ہو جاتا ہے کوئی انتہاء تک پہنچا ہوتا ہے کوئی مبتدی ہے کوئی عالم کوئی جاہل ہے اسی طرح اجتماعی نماز باجماعت سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ انفرادی نماز میں کہاں؟ عوام کی نماز میں خواص کی صحبت سے برکت آجاتی ہے اور عوام خواص کے رکوع وسجود کو بھی دیکھیں گے، تعلیم وتربیت بھی ہوتی رہے گی تو نظام اجتماعی میں برکت اور طاقت ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص اذان سن کر گھر میں نماز پڑھتا ہے وہ گناہگار ہوگا، اب

سارے کے سارے جو روزے رکھیں گے تو تراویح بھی پڑھیں گے تو سب کی تعلیم و تربیت ہو جائیگی مقصود تو ہدایت و اصلاح ہے صائم (روزہ دار) حلال چیزوں کو بامر الٰہی چھوڑ دیتا ہے حرام سے تو سب رک جائیں گے مگر حلال سے رضائے الٰہی کے لئے رک جانا بلند مرتبہ ہے۔

فاسق اور کافر میں فرق

فاسق وہ ہوتا ہے جو بُرے کاموں سے بچنا چاہتا ہے مگر نفس کو نہیں روک سکتا اور کافر رُکنا ہی نہیں چاہتا یہی فرق ہے فاسق و کافر کے درمیان۔

تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے درمیان قانون اصلاح معاملات

یہاں تک تدبیر منزل کے پانچ مسائل بیان ہوئے ہیں، آگے آئیں گے سیاست مدنیہ کے مسائل اور درمیان میں ہیں، اس قانون اصلاح معاملات کا کچھ تذکرہ ہے جو تدبیر منزل و سیاست مدنیہ کے درمیان ایک باب ہے، فلسفہء شاہ ولی اللہؒ کے مطابق گھر میں جب بال بچے پیدا ہوئے تو پھر ان کی شادی کرائی جاتی ہے، وہ اپنے اپنے گھر میں جائیں گے یہ فطری تقاضے ہیں نظام ہر ایک کا الگ الگ ہو اور اب معاملات کی ضرورت پیش آئے گی کیونکہ ہر گھر کے منافع الگ ہیں اور ہر شخص کی تمام ضروریات پوری نہیں کر سکتے، کوئی لکڑی لا سکتا ہے کوئی پانی، اس سے تقسیم معاملات پیدا ہوا پھر مبادلۃ الاشیاء بالاشیاء کی صورت پیش آتی ہے، ایک لکڑی دے دیتا ہے دوسرا پانی، آگے چل کر ایک کے پاس جب جنس زیادہ ہوگئی ہے دوسروں کو جنس کی ضرورت ہے اس کو نہیں تو اس سے سونے چاندی کے سکے چلتے ہیں، جو خراب نہیں ہوتے تو اصلاح معاملات کا ذکر اگلی آیت وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ میں ذکر کیا گیا ہے۔

حکم کا اعادہ کر کے رعایت کا فائدہ

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ‎:

چونکہ حکم کا اعادہ کیا گیا ہے اسلئے استثناء کا بھی اعادہ کیا گیا ہے اگر کوئی طالبعلم جماعت (کلاس) میں حاضر نہ ہو سکے تو اسے لازم ہے کہ اپنی جگہ پر مضامین یاد کرے، اللہ تم پر تنگی نہیں بلکہ آسانی چاہتا ہے تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر کرو، شکر کا یہ مطلب ہے کہ جو نعمت تمہیں ملی ہے اسے صحیح مصرف میں صرف کرو یعنی جب

اللہ نے تمہیں قرآن عطا فرمایا ہے تو اسے لے کر آگے بڑھو اور کوئی چیز تمہیں نہیں روک سکے گی۔

دعا اور قبولیت کے اعلیٰ اوقات و شرائط

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ : ربط بماقبل اس سے پہلے اتباع احکام الٰہی اور دعا کی تدبیر دی گئی ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سائلین کی دعا میں منظور کرتا ہوں جب وہ صدق دل سے طلب دعا کرے لہٰذا اب دوسرا کام (روح تعلیم) شروع ہوتا ہے عملی طور پر مذہبی پابندی کیلئے دعا نہایت عمدہ ذریعہ ہے، حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادة (الترمذی: ۳۳۷۱) اس کے آزمانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو اعلیٰ سے اعلیٰ قبولیتِ دعاء کے اوقات ہیں ان میں دعا کی تمام شرائط کو پورا کر کے دعا کرو اگر اچھا نتیجہ نکلا تو سمجھ لینا کہ دعا بھی کوئی چیز ہے، قبولیت دعا کے اعلیٰ اوقات اور شرائط دعا موجود نہ ہوں تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا اس کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ اگر ہم کسی کو گندم کے اُگنے کا تجربہ کرانا چاہیں گے تو یہ فصل گندم کی کاشت کے اوقات ہی میں اُگایا جا سکے گا، ایسے ہی دعا کے بھی آداب و مراسم اور خاص مواقع ہیں جن میں اس کو شرف اجابت بخشا جاتا ہے۔ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہم اسباب و وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں دعا بھی ان میں سے ایک سبب ہے، اس کی بدولت بعض ایسے آسان و سہل تر ذریعوں کی اطلاع ہو جاتی ہے جو اب تک ہم پر مخفی تھے، دوسری بات یہ کہ ہم اللہ کو حاکم علی الاطلاق تسلیم کر کے دعا مانگتے ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ہر دعا قبول ہو کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ اس دعا کی قبولیت ہمارے حق میں مضر ہو، تیسری بات یہ کہ بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا غلط ہے کہ دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہم حالت مرض میں دوا کا استعمال کرتے ہیں بسا اوقات دوا مفید نہیں ہوتی مگر علاج ترک نہیں کرتے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ دعا قبول نہ ہونے پر اس کو ترک کر دیا جائے من لم یسال اللہ غضب اللہ علیہ (الترمذی: ۳۳۷۳)

اہل کتاب کے قانون صوم سے امتیاز

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ : چونکہ مسلمانوں میں دشمن سے لڑنے کی قوت پیدا کرنا سخت ضروری ہے اس لیے ان کا موٹا تازہ رہنا بھی ضروری ہوگا اور موٹا تازہ رہنے کے بعد اگر وہ نکاح نہ کرے تو سخت خرابیاں پیدا ہوں گی اور نکاح کے بعد ایسے آدمیوں سے اہل کتاب

کے قانون صوم (یعنی مغرب کے بعد اگر نیند آجائے تو کھانا پینا اور میاں بیوی کا ملنا حرام ہو جاتا) کی پابندی کرانا سخت تکلیف کا باعث ہوگا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سحر تک خورد نوش اور میل جول وغیرہ کی اجازت دے دی اور اس مباشرت سے مقصد یہ ہے کہ اولاد پیدا کرو تا کہ مسلمانوں کی جماعت میں ترقی ہو اور تمہارے مقاصد حیات کی تکمیل ہو۔

مرد وعورت کے اخلاقی عریانی کے لئے لباس اور پردہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ: لباس سے انسان کی عریانی مستور ہوتی ہے یعنی جو چیزیں معیوب تھیں وہ چھپ جاتی ہیں عورت مرد کے اخلاق پر لباس ہے اور مرد عورت کے اخلاق پر یعنی اخلاقی عریانی کے لیے نکاح پردہ ہے۔

روزہ میں کھانے پینے کے اوقات کا تعین

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ: اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفس سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا سو اب ان سے مباشرت کرو اور اللہ سے اولاد طلب کرو جو اللہ نے آپ کے لئے لکھ دی، آیت مذکورہ میں رمضان کے متعلق کھانے پینے کے اوقات متعین کر دیئے اور بتا دیا کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ان میں سے کوئی چیز استعمال نہیں کر سکتے، یہ حدود الٰہیہ ہیں ان کے قریب جانے کا خیال بھی دل میں نہ آئے کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ ان کا قرب واتصال بتدریج حدود کے توڑنے کی دعوت دے اور تم گناہ میں مبتلا ہو جاؤ اس لئے دور ہی رہنا اسلم واحوط ہے، پس اللہ نے ان قوانین کو شرح وبسط سے بیان کیا کہ لوگوں میں صلاح وتقویٰ پیدا ہو اور قوم بدعملی اور بدکرداری سے محفوظ رہے۔

قانونِ اصلاح معاملات

تدبیر منزل سے اوپر اور سیاست سے نیچے قانون اصلاح معاملات ہے اسکے بغیر زندگی

ممکن نہیں شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے اگر لڑکا اور لڑکی کسی جنگل میں ہوں اور یہ قدرتی پھل وغیرہ پر گزارہ کریں تو لازمی طور پر ان کے درمیان ازدواجی تعلقات شروع ہونگے پھر گھر بنے گا، ایک کاشت کریگا دوسرا دکان کریگا اسلئے تدبیر منزل کی ضرورت ہوگی پھر ایک گھر سے کئی گھر نکلیں گے۔

ناحق کھانے کے بارے میں جامع آیت جس سے فقہ کے بڑے دفاتر نکلتے ہیں

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: تدبیر منزل کے فرائض انتظامی بھی ختم ہو چکے، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے درمیان ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جسے شاہ صاحبؒ کی اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں اس آیت میں اس کا بیان ہے مثلاً: چار گھر مل کر رہیں گے تو انہیں تبادلہ اشیاء کی ضرورت پڑے گی اس کے لیے قاعدہ بتادیا گیا کہ ایک دوسرے کا مال رضامندی کے بغیر نہ کھاؤ اگرچہ ناحق دعویٰ پیش ہونے پر حکومت کی عدالت بھی اس کے مطابق فیصلہ کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض انسان اپنی تیز لسانی (چرب زبانی اور طراری) کی وجہ سے غالب آجاتے ہیں حالانکہ اُن کا حق نہیں ہوتا ہے اور حاکم اُن کے حق میں فیصلہ کردیتا ہے، تو گویا وہ آگ لے گئے ہیں اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کردیتا ہوں، اصل میں وہ ٹکڑا ہے آگ کا، وہ خیال نہ کرے کہ اگرچہ باطن میں میرا حق نہیں تھا لیکن میرے حق میں جو فیصلہ ہوگیا ہے بس خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کیلئے اصلاح معاملات کا اتنا قانون کافی ہے جتنا اس آیت میں بتلایا گیا ہے، ایسا بھی نہ کرو جیسے واقعہ کے لحاظ سے ہو اس پر عمل کرو بِالْبَاطِلِ کا یہ مطلب ہے وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ حکام کے پاس نہ لے جاؤ کیونکہ اس نے ظاہر کے لحاظ سے فیصلہ کرنا اور اگر ناحق فیصلہ ہوگیا تمہارے حق میں تو یہ قطعة من النار ہے، اس آیت سے تمام معاملات درست ہو سکتے ہیں۔

مدعی، مدعی علیہ کے خوف خدا سے تمام عدالتیں اور مقدمے ختم

اگر یہ قانون سمجھ میں آجائے تو تمام مقدمات دفتر سے واپس آسکتے ہیں اور آئندہ کوئی مقدمہ عدالت میں نہ جائے کیونکہ جس وقت مدعی علیہ جانتا ہے کہ واقعی مدعی کا حق ہے اور ادھر اللہ کا خوف دامن گیر ہے تو فوراً ادا کرے گا اور مقدمہ تک نوبت نہیں آئے گی اور اگر مدعی جانتا ہے کہ واقعہ میں مدعی علیہ کا حق ہے اور میرا دعویٰ غلط اور ادھر خوف خدا بھی دامن گیر ہے تو مقدمہ دائر ہی نہیں کرے گا لہٰذا اس آیت میں مال حرام سے روزہ (بچنا) مدت العمر کے لئے ہے اس کے

لئے کوئی حد نہیں جیسے چوری خیانت، دغابازی یا رشوت وغیرہ۔

رشوت کیا چیز ہے؟

رشوت عربی لفظ ہے اور رشاء سے ماخوذ ہے اُس رسی کو کہتے ہیں جس سے پانی نکالا جائے۔ رشوت دینے والا رشوت کے ذریعے سے اپنا کام نکالتا ہے، یہ تو اس لفظ کی لغوی تحقیق تھی شریعت میں رشوت کا یہ مطلب ہے الرشوة مایعطی لابطال حق اولاحقاق باطل (حاشیہ مشکوة المابیح ص ۳۲۶) ''رشوت وہ چیز ہے جو کسی حق کے باطل کرنے کا یا کسی ناحق کو حق ثابت کرنے کیلئے دی جائے۔''

رشوت کی مثال

تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے کئی باشندوں نے رشوت دے کر مکانات اور کوٹھیاں، کارخانے، زمینیں اپنے نام الاٹ کرائی ہیں حالانکہ حکومت پاکستان کا اعلان تو یہ تھا کہ غیر مسلموں کی ہر قسم کی جائیداد، منقولہ ہو یا غیر منقولہ، سب پناہ گزینوں کا حق ہے اس قسم کے لوگوں نے رشوت دے کر پناہ گزینوں کا حق باطل کر دیا اور اپنے آپ کو غیر مستحق ہونے کے باوجود حق دار ثابت کر دیا۔

دوسری مثال

افسران بالا کو جب اپنے محکمہ میں بھرتی کرنے کا حکم ہوتا ہے تو اکثر اس موقع پر رشوت کا بازار بلیک مارکیٹ کی طرح گرم ہو جاتا ہے، جن امیدواروں نے رشوت دی انہیں رکھ لیا گیا، خواہ وہ لائق بھی نہ ہو اور جو لوگ نہ دے سکیں نہ دینا چاہیں خواہ وہ لائق کیوں نہ ہو انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

تیسری مثال

بعض افسران بالا کے اختیار میں ماتحتوں کی ترقی اور تنزل ہوتا ہے، جس میں سینئر ملازم کی ترقی کا حق ہوتا ہے مگر جونیئر رشوت دے دیتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی بے معنی اور لغوی عذر کر کے جونیئر کو ترقی دے دی جاتی ہے اور سینئر مظلوم سرد آہ بھر کر رہ جاتا ہے۔

یہ چیز رشوت نہیں

ہاں! اگر کوئی شخص کسی کا حق نہ چھیننا چاہے اور نہ اپنے لئے ناحق کوئی چیز لینا چاہے بلکہ محض اپنے جائز حق لینے کے لئے کوئی ظالم افسر کو کچھ دے دے جب کہ اس ظالم افسر سے یہ خطرہ

ہو کہ اگر اسے کچھ نہ دیا گیا تو میری حق تلفی کردے گا تو یہ چیز رشوت نہیں ہے، اس دینے والے پر کوئی جرم نہیں ہے، ہاں اوہ ظالم افسر (رشوت لینے والا) عند اللہ مجرم ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل ہوگا اور حرام خور سمجھا جائے گا۔

رشوت لینے والے کے دونوں جہان برباد

رشوت لینے والے کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوں گی، رشوت دینے والے اس معاملے میں اس شخص کو ظالم اور حرام خور سمجھ کر رشوت دیں گے، یہ سب کی نظروں میں ذلیل ہوگا، سب لوگ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور حرام مال میں چونکہ برکت نہیں ہوتی، اس لئے رشوت خور کے گھر میں برکت نہیں ہوگی، جس طرح لوگ کہا کرتے ہیں کہ کبھی کسی نے چوروں کے محل بنتے دیکھے ہیں؟ دنیا میں تو اسکی یہ حالت ہوگی اور آخرت کے سلسلہ میں اسکی کیفیت یہ ہوگی کہ چونکہ حرام خوری کے باعث اسے نیکی سے نفرت اور برائی سے محبت ہوگی۔ اس لئے ہر ایسا کام کرے گا، جس سے بارگاہ الٰہی سے مردود ہوتا جائے۔ غرض کہ حرام خوری کے باعث اسے نیکی سے نفرت اور برائی سے محبت ہوگی، غرض کہ حرام خوری کے باعث جو لعنت اس پر پڑی تھی اس کے علاوہ اور کئی لعنتیں اپنے سر لے گا، اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں ایک گڑھا بن جائے گی، قیامت کے پچاس ہزار سالہ دن میں یہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور اس کے بعد جہنم کا ایندھن بن جائے گا البتہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اسکے شامل حال دنیا میں ہو جائے اور صدق دل سے توبہ کرے تو پھر مذکورۃ الصدر یعنی گزشتہ سارا نقشہ بدل جائے گا۔

رشوت کا اہل وعیال پر اثر

رشوت لینے والا جب اپنی بیوی بچوں کو حرام کا روپیہ کھلائے گا تو ان کے گوشت پوست، ہڈیوں اور خون میں بھی حرام مخلوط ہو جائے گا، اس قسم کے آدمیوں کو اول دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اس کے بعد اگر ان کے دل مین ایمان ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں لائے جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یدخل الجنۃ لحم نبت من سحت النار اولی بہ (مسند احمد: ۱۴۰۳۲) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ گوشت بہشت میں داخل نہیں ہوگا جو حرام کے مال سے بنا ہو، دوزخ اس گوشت کی زیادہ مستحق ہے۔“

رکوع 24

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ

آپ سے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے

وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ

وقت کے اندازے ہیں اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں

ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

ان کی پشت کی طرف سے آؤ اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے اور تم گھروں میں

مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ١٨٩

ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ١٩٠ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں قتل کرو جہاں

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ

پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور غلبہ شرک

اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو

حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ

جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو

جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾

کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾

پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور سب قابلِ تعظیم

قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ

باتوں کا بدلہ ہے پھر جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا

جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو

ع وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ

اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ

اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ کے لیے حج

وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ

اور عمرہ پورا کرو پس اگر روکے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو اور

الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ

مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ

جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو

رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ

تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے فدیہ دے پھر

اَمِنْتُمْ ۟ وقفة فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

جب تم امن میں ہو تو جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

قربانی سے جو میسر ہو (دے) پھر جو نہ پائے تو تین روزے

أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ

حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب تم لوٹو یہ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي

دس پورے ہو گئے یہ اس کے لیے ہے جس کا گھر بار

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

مکہ میں نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ع ﴿١٩٦﴾

سخت عذاب دینے والا ہے

رکوع (۲۴)

خلاصہ: (۱) باب السیاسۃ المدنیۃ ملک گیری

(۲) غایۃ القتال

(۳) مسائل الحج

ماخذ: (۱) وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرۃ:۱۹۰)

(۲) غایۃ القتال

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (البقرۃ:۱۹۳)

(۳) وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ (البقرۃ:۱۹۶)

تدبیر منزل کا تتمہ اور قانون اصلاح معاملات

ان میں پہلی دو آیتوں کا ماقبل سے تعلق ہے یعنی تدبیر منزل کے لئے تتمہ ہے اور ان میں قانون اصلاح معاملات کو بیان کیا گیا ہے، پہلے انسان مجرد (اکیلا) ہوتا ہے تو اس کے اخلاق کی تہذیب کی جاتی ہے کیونکہ قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے تو جب تک افراد مہذب نہیں ہوں گے قوم مہذب نہیں ہوسکتی اور جب تک قوم خود مہذب نہ ہو تو وہ کسی دوسری قوم کی مقتداء نہیں بن سکتی اور نہ اس کو راہ راست پر لاسکتی ہے، پھر جب نکاح کیا تو ایک سے دو ہوئے تو تدبیر منزل کے فرائض ادا کرنے پڑیں گے کیونکہ جس وقت ترقی ہوتی ہے تو فرائض بڑھتے جاتے ہیں پھر جس وقت اولاد ہوگی تو ایک خاندان سے کئی خاندان بنیں گے، اس وقت سب سے پہلی شے جس کی

ضرورت پڑے گی وہ اشیاء و منافع کا تبادلہ ہے جیسا کہ موچی کے پاس جوتا ہے روپیہ نہیں ہے اور دوسرے کے پاس روپیہ ہے جوتا نہیں، اس کو معاملات کہتے ہیں، اب چونکہ اس باب میں دو چیزیں ذکر ہوں گی، (۱) ملک گیری (۲) ملک داری۔

ملک گیری کا نقشہ تو بلقیس نے پیش کیا قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (النمل: ۳٤) تو رعب بٹھانے کے لئے بادشاہ حملہ آور ہو کر تشدد کرتا ہے تاکہ رعب بیٹھ جائے، فوجداری معاملات میں مساوات رہے گا حاکم مظلوم کی دادرسی کرے گا اور ظالم کو جو مناسب ہو سزا دے گا قانون ہمیں بتلا دیا گیا ہے، تفصیلات خود ان کے ذمہ ہیں، اس سے آگے دیوانی معاملات ذکر ہوئے، اب ملک گیری کا بیان ہے۔

علمائے دیوبند کی جہادی کوششیں اور ''وہابی'' نام پر بدنامی

جب ہندوستان میں انگریز آیا تو انہوں نے پانچ سو علماء کو پھانسی پہ چڑھایا یا کالے پانی (بہ عبور دریائے شور) بدر کیا، میں انگریزی دانوں کو کہا کرتا ہوں کہ علماء کی برکت سے تو دین زندہ ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے انگریز کا پورا مقابلہ کیا، اسی واسطے تو دیوبندیوں کو ''وہابی'' کا طعنہ دیا جاتا ہے ورنہ ہم نجدی وہابی نہیں ہیں، وگرنہ مخالفین نے تو انگریزوں کے شامیانے پکڑے تھے تاکہ اس کا سایۂ حکومت اُڑ نہ جائے، حضرت حاجی صاحب (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) انگریز سے اپنی کرامت سے بچ کر چلے گئے اور مکہ معظمہ پہنچ گئے اسی طرح حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بھی اپنی کرامت سے بچ گئے، پولیس نے پوچھا: مولوی محمد قاسم کہاں ہیں؟ مولانا جہاں کھڑے تھے وہاں سے ذرا ہٹ گئے اور فرمایا ابھی تو یہاں تھے تو اس طرح بچ گئے، حضرت حاجی صاحبؒ کرامت سے رئیس کے مکان میں چھپ گئے، یہ ہے اخفاء عن النظر اب بھی شیخ نجدی کا پوتا، قاضی القضاۃ اور پڑپوتا شیخ الحرم ہے، تمام قُبے شیخ عبدالوہاب نے گرا ڈالے اور بھی بعض تشددات انکے ہیں، علمائے دیوبند نے انگریز کی مخالفت کی اسلئے بدنام کرنے کے بناء پر انہیں ''وہابی'' ہی کے لفظ سے مشہور کر دیا۔

قمری و شمسی تقویم اور اَلْاَهِلَّةِ کی حکمتیں

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ: صحابہ کرامؓ نے سوال کیا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ چاند کبھی بڑا اور کبھی چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی بالکل باریک ہوتا ہے تو اس کا جواب نہیں دیا گیا بلکہ اس کی حکمت بتلائی گئی کہ اس میں

کی بیشی کیوں ہوتی ہے کہ کبھی ہلال کبھی بدر منیر کبھی كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (یٰس:۳۹) دنیا میں تو میں دو قسم کے مہینے شمار کرتی ہیں، شمسی اور قمری مہینے اسلام کے احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں اور دیگر اقوام کے ہاں شمسی مہینوں پر مدار ہوتا ہے، قمری مہینہ چاند پر مبنی ہوتا ہے، سورج سال بھر ایک حالت پر رہتا ہے اور قمر میں تبدیلی آتی رہتی ہے، یہاں پر الْاَهِلَّةِ کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے چاند سے نہیں کیا بلکہ مہینہ لیا تو اب مطلب یہ نکلا کہ وہ پوچھتے ہیں مہینے قمری استعمال کریں یا شمسی؟ حالانکہ شمسی مہینوں میں دقت ہوتی ہے وہ عام فہم نہیں ہیں اور ایک اچھے محاسب کی ضرورت پڑتی ہے جس طرح ہندوؤں کے ہاں برہمن ہوتے ہیں اور مذہبی ضروریات کے لئے ممکن ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ اچھے محاسب نہ مل سکیں جبکہ قمری مہینے عام فہم ہیں اس لئے حکم ہوا کہ ان کا اعتبار کیا کریں نیز قمری حساب میں ایام حج اور مہینے کی ابتدا و انتہا معلوم ہوتی ہے۔

ملت ابراہیمی کے ہاں قمری حساب کے فائدے

ملت ابراہیمی میں بھی ماہ قمری کا حساب رکھا گیا تھا کیونکہ یہ محسوس ہے (یعنی آنکھوں کے سامنے) ہر انسان دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے چونکہ اس میں سہولت تھی اس لئے یہ حساب رکھا گیا بخلاف حساب شمسی کے کہ اس میں یہ سہولت نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دنیا میں پھیلنا ہے، جنگلوں پہاڑوں کی چوٹیوں میں بھی جائیگا وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (السباء:۲۹) اور چاند جہاں بھی ہو دیکھا جا سکتا ہے جب ذرا سا ہلال کی شکل میں نمودار ہوا تو سمجھے کہ پہلی تاریخ ہے اور آخر میں نمودار ہوا تو وہ مہینہ کا آخر ہے تو پہاڑوں اور وادیوں والے بھی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اگر شمسی والے نظام سے حساب رکھنا پڑتا تو وہ دیہات و جبال والوں کے لئے مشکل ہو جاتا، ہندوستان کے حسابات بھی دراصل شمسی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا هكذا يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين (البخاری: ح ۱۹۱۳) ''ہماری امت کی اکثریت ان پڑھ ہے حساب کتاب رکھنا اسے دشوار ہے البتہ چاند کو دیکھ کر اندازہ کر لیتا ہے'' ان کیلئے قمری مہینے ہی مناسب تھے شواهق الجبال (دور دراز پہاڑی علاقہ) میں ایک بوڑھا ریوڑ چرانے بیٹھا ہے چاند دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے۔

احکام خداوندی میں حیلہ سازی سے گریز کا حکم

قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : حج کے ایام کا دورانیہ قمری مہینوں سے آئے گا، شمسی سے نہیں اور ہمارے مذہبی احکام قمری مہینوں پر دائر و سائر رہیں گے، ملت ابراہیمی میں یہ قانون تھا کہ احرام سے لے کر فراغت حج تک گھروں میں جانا جائز نہیں تھا، پھر انہوں نے اس قانون میں تحریف کر دی کہ دروازے سے نہیں آتے تھے بلکہ پیچھے سے سوراخ کر کے داخل ہو جایا کرتے تھے لیکن ہمارے ہاں بھی احرام باندھنے کے بعد واپس نہیں ہو سکتا الا یہ کہ راستہ بالکل روک دیا گیا ہو، وہاں بھی ایسا ہی تھا کہ احرام باندھنے کے بعد گھر نہیں آنا چاہتے احرام سے مذاق نہیں ہونا چاہیے۔ اب ان کے ہاں ایک رسم تھی کہ گھروں کو آنا ضرورت کے بناء پر ضروری ہوتا وہ دیواریں پھلانگ کر آتے، اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرما دی کہ اگر واپس آنے کی ضرورت پیش آئی تو دروازوں سے آیا کرو دیواروں کے پیچھے سے نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ خوفِ خدا ہر حالت میں رہنا چاہیے، اب اگر مجبوری سے آنا پڑے تو بے شک آؤ لیکن دیوار پھلانگ کر نہیں۔

امور خانہ داری، سیاسی اور دینی تمام معاملات میں کمی بیشی کرنے کا ہمیں حق نہیں

تعلق باللہ کو ہر حال میں قائم رکھے جب حیلہ سازی کر کے گھر میں داخل ہوا تو تعلق باللہ ٹھیک نہ رہا اور اگر کوئی چیز بھول گئے ہو تو اس کو لینے کے لئے دروازے سے داخل ہو کر لے جاؤ، بلا ضرورت واپس نہ آؤ جس کام کا حکم خدا نے دیا ہے، اس میں کمی بیشی کا حق ہمیں نہیں نہ معاملات خانہ داری و سیاسی میں نہ معاملات دینی میں جس معاملہ میں جو الٰہی فیصلہ آئے، اسی کے مطابق ہمیں عمل کرنا چاہیے۔

ربط آیات

ما قبل سے بھی مناسبت آئی اور مابعد سے بھی یعنی دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ اپنے مصالح و مرضی سے احکام الٰہی میں ترمیم و تنسیخ نہ کی جائے بلکہ جو حکم من جانب اللہ ہوگا اس کو نبھانا ہوگا اور پھر ان دونوں آیتوں کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ تدبیر منزل میں جو حکم من جانب اللہ دیا گیا ہے، اس کو نبھاؤ اپنی طرف سے ترمیم و تنسیخ نہ کرو۔

قوانین وراثت میں ترمیم وتنسیخ کی ممانعت

اللہ فرماتے ہیں يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء:۱۱) تو اصل قانون وراثت کے متعلق یہ ہے کہ لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا اب مسلمانوں نے یہ ترمیم کر رکھی ہے کہ لڑکی کو جہیز دے دیتے ہیں اور میراث نہیں دیتے اگر ان کو کہا جائے کہ تم میراث کیوں نہیں دیتے تو کہتے ہیں کہ ہم نے جہیز دے دیا ہے حالانکہ ان کے میراث کا حق دو ہزار ہے اور وہ دوسو کا جہیز دے کر جان چھڑا لیتے ہیں، یہ ترمیم اور تنسیخ ہے تو حاصل یہ ہوا کہ تدبیر منزل میں جو قانون دیا گیا ہے، اس سے باہر قدم نہ اٹھائیں، اسلام جو قانون وضع کرتا ہے اس میں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں ہونی چاہیے مثلاً بیع وشراء اور بیع مضاربت جیسے معاملات میں جانبین کی بہبود ہوتی ہے، اگر اس قانون میں تھوڑی سی بھی ترمیم اور تنسیخ کر دی جائے تو ضرور اس میں ضرر (نقصان) ہوگا۔

سیاست مدنیہ اور اس کے دو شعبے

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ: ارتقائے طبعی کے لحاظ سے جب بہت گھر بن جائیں گے تو بعض کجرو ہوں گے اور دوسروں پر ظلم کریں گے تو فصل خصومات (مقدمات کے فیصلے) کی ضرورت پیش آئے گی تو کوئی حاکم مقرر کریں گے، اس کا نام سیاست مدنیہ ہے۔ پھر اس کے دو شعبے ہوں گے۔ ایک تو وہ کہ حاکم رعایا پروری اور حفاظت مال اور جان کے لئے قانون تجویز کرے گا، اس کا نام ملک داری ہے اس میں نہایت سہولت اور نرمی کو مدنظر رکھا جائے گا اور بعض دفعہ اس کو ملک گیری بھی پیش آئے گی کیونکہ بعض لوگ قانون کی خلاف ورزی کریں گے تو حاکم ان کے مٹانے کے اقدامات کرے گا اور اسی طرح جو حاکم دنیا دار ہوگا وہ بھی پیش قدمی کرے گا لیکن ان دونوں میں فرق ہے، دیندار کی پیش قدمی اللہ کے واسطے ہوگی اور دنیا دار کی پیش قدمی اس لئے ہوگی کہ حلقہ سلطنت وسیع ہو جائے اور میں دنیا میں بڑا بادشاہ کہلاؤں اور ملک گیری کے قوانین میں یہ شدت ہوتی ہے کیونکہ جو حکومت ہے، اس کا رعب رعایا کے قلوب میں جاگزیں ہو جائے، جیسا کہ ملکہ بلقیس کہتی ہیں قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (النمل:۳۴) ''کہنے لگی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے

سرداروں کو بے عزت کرتے ہیں اور ایسا ہی کریں گے'' جس وقت روس فتح ہوا اور بالشویک (سوویت انقلاب) داخل ہوئے تو روس کے بڑے بڑے امراء کی لڑکیاں بالشویک کے لنگر میں جا کر روٹی کے ٹکڑے مانگتی تھیں مگر جتنی نرمی اسلام کی ملک گیری میں ہے اور کسی میں نہیں ہے جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اعلان کر دیا کہ تمام گرجے محفوظ ہیں۔

جہاد کی اقسام

آیت کے متعلق چند تمہیدات پیش کرتے ہیں مثلاً عام طور پر یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جو لڑنے کے لئے آئے اس سے لڑو اور جو لڑنے کے لئے نہ آئے تو خود بخود لڑنے کے لئے نہ جاؤ، عقلی طور پر یہ بات مسلم ہے کہ جو قوم حملہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ غالب نہیں ہو سکتی، اگر اللہ کو مسلمانوں کا محفوظ حفاظت میں رکھنا منظور ہو تو یہ تعلیم ہو ہی نہیں سکتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم لڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہو، جس طرح فوج چھاؤنی میں ہر وقت تیار رہتی ہے، وہ گویا لڑ رہی ہے کیونکہ لڑنے پر ہر وقت آمادہ رہنا ہی لڑنا ہے یہ نہیں کہ ہر وقت تلوار ہی لئے رہو یعنی اس قانون الٰہی کے راستہ میں اگر کوئی شخص مانع ہو اور رکاوٹ پیدا کرے اور وہ تم سے لڑنے کے لئے تیار رہتا ہو تو تم بھی اس سے لڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہو، اب جہاد کی اقسام پیش کریں گے، جہاد دو قسم پر ہے، مدافعانہ اور جارحانہ۔

مدافعانہ

مدافعانہ اس کو کہتے ہیں کہ اگر دشمن پہل کر کے پیش قدمی کرے تو اس کو روکنے کے لئے اس کا مقابلہ کیا جائے۔

جارحانہ

اس خیال پر کہ یا تو اسلام قبول کریں ورنہ تحقق تلوار ہو گا اس کا تحقق کبھی نہیں ہوا بلکہ اسلام میں تبلیغ کا حکم ہے کہ مبلغین کو تبلیغ کے لیے مسلح کر کے بھیجا جائے تا کہ اگر کوئی مقابلہ کرے تو یہ بھی تیار ہوں۔

دشمن سے مقابلہ کی تین صورتیں

جس وقت مقابلہ ہو گا تو وہاں تین صورتیں متحقق ہوں گی ایک ستیہ گرہ جیسا کہ گاندھی کہتا ہے کہ اگر دشمن مارنے لگے تو پٹتے رہو اور اُف تک نہ کرو، آخر تھک جائے گا تو یہ فطرت کا تقاضہ

نہیں ہے یا فرار اختیار کرے، یہ بھی خلاف فطرت ہے علاوہ ازیں مقابلہ کرنا فطرتی تقاضا ہے۔

ابتداء بالجہاد نہیں ابتداء بالتبلیغ ہے

اسلام میں ابتداء بالجہاد نہیں ہے بلکہ ابتداء بالتبلیغ ہے وہ تبلیغ کبھی جہاد کو متضمن ہو جاتی ہے اور ہم اس وقت اس کو اختیار کر لیتے ہیں کہ یا تو اسلام قبول کر و یا صلح کر و تا کہ ہم تمہاری طرف سے بے فکر ہو جائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی فوجی طاقت کو مٹا دو (سرینڈر ہو جاؤ اسلحہ رکھ دو) اگر وہ اعتراض کریں کہ پھر ہماری مالی اور جانی حفاظت کس طرح ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی مالی و جانی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہوں گے کہ تمہارے دشمن کے مقابلے میں ہم رہیں گے اور قانون بھی اسی طرح ہے کہ ذمیوں کو جہاد میں شریک نہیں کیا جاتا، جس وقت کابل والوں کی برطانیہ سے لڑائی ہوتی تھی تو تمام افغان نکلتے تھے نہ کہ ہندو جو لوگ لڑنے سے عاجز ہیں مثلاً رہبان اور بچے اور عورتیں ان پر زیادتی نہ کرو یعنی اُن کو قتل کرنا ناجائز ہے اگر زیادتی کرو گے تو برکات الٰہی بند ہو جائیں گی۔

فتنہ غلبۂ شرک ہے اسے مہلت نہیں دی جا سکتی

وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ:
جب جنگ چھڑ گئی تو دشمن کو جہاں پاؤ اسے وہاں اڑا دو، یہ خانہ کعبہ کا ذکر ہے قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو خانہ کعبہ سے نکالا تھا تو تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو، فتنہ کا ترجمہ غلبۂ شرک ہے مملکت الٰہی میں شرک بغاوت ہے اور مشرک باغی ہے، فتنہ کی غرض یہ ہوتی ہے یا تو اس بادشاہ کو اُڑا دیا جائے یا کسی دوسرے کو شریک فی السلطنت کیا جاوے اور ایک آدمی کا قتل کر دینا بہ نسبت بغاوت کے بہت آسان ہے کیونکہ باغی کو مہلت دینا اپنی جڑوں کو کمزور کرنا ہے اور اگر بغاوت بڑھ گئی تو مخلوقات کے اموال اور جانیں خطرے میں پڑ جائیں گے اور جب ایک دو باغیوں کو قتل کر دیا گیا تو باقی یا تو دب جائیں گے یا حلقہ بگوش ہو کر مسلمان ہو جائیں گے اور یہی عدل اور انصاف کا تقاضا ہے، حالانکہ ہم کسی پر جبر نہیں کرتے جبراً مسلمان نہیں بنائیں گے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ:۲۲۵) لیکن کافر کو حاکم اور برسر اقتدار تسلیم نہیں کریں گے اور نہ مشرک برسر اقتدار رہ سکتا ہے وہ تابع بن کر رہ سکتا ہے، جان بخشی ہو سکتی ہے لیکن مقتداء تابع نہیں

بن سکتے۔ قرآن سے خیالات میں تغیر پیدا ہوتا ہے، ایمان قرآن سے جاگتا ہے، ہدایہ وغیرہ کتابوں سے نہیں اگرچہ صاحب ہدایہ مجتھد فی المذھب ہیں۔

جہاد کا اصل مقصود قیام امن

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ: خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے احترام بخشا ہے اس کے حدود حرم ہیں فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (القریش: ۳۔۴) جنگ کے زمانہ میں باپ کے قاتل کو بھی امن دیا گیا، یہ "وَّاٰمَنَهُمْ" کی تفسیر ہے جو آ گیا وہ مامون ہوگیا اس کی تحویل و پناہ میں آ گیا تو خلاصہ یہ ہوا کہ باغی کی قوت کو فنا اور مغلوب کر کے امن قائم کیا جائے اور یہی غرض اور مقصود اصلی جہاد کا ہے اور عادل اور منصف بادشاہ کا یہ منصب اور نصب العین ہونا چاہیے کہ باغی کی سرکوبی کر کے امن قائم کرے تاکہ مخلوقات کے اموال اور جانیں خطرہ میں نہ پڑ جائیں۔

کوئی مسلم جہاد سے مستثنٰی نہیں

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ: (دفاعی جہاد اقدامی نہیں) یہ مدافعت ہے جارحیت نہیں تو جارحانہ حملہ مت کرو مدافعانہ جواب دو یہ اور چیز ہے۔ یہاں سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی مسلم جذبہ جہاد سے مستثنٰی نہیں ہوسکتا کیونکہ جس وقت کفار بیت اللہ الحرام پر حملہ کریں گے تو مجاہدین کو ضرور لڑنا پڑے گا اور ان پر جہاد فرض ہو جائیگا اور یہ نہیں کہیں گے کہ ہندوستانیوں اور ترکوں کو بلائیں تاکہ وہ آ کر لڑیں اور مجاورین بیت اللہ تمام مسلمانوں میں مقدس ترین جماعت ہے تو جس وقت ان پر لڑائی فرض ہو جاتی ہے تو پھر کوئی فرد مسلم خواہ وہ مدرسہ کا مہتمم یا کسی مسجد کا امام یا کوئی گدی نشین، پیرزادہ ہو یا کوئی صوفی (کسی گوشہ میں اللہ اللہ کرنے والا) ہو یا کسی خانقاہ کا مجاور ہو یا کوئی مدرس ہو اس فریضہ سے کوئی مستثنٰی نہیں ہوسکتا کیونکہ جب مجاور بیت اللہ مستثنٰی نہیں تو اور کوئی بھی مستثنٰی نہیں، اسلام کا مقصد کفر کو مٹانا نہیں بلکہ ذلیل کرنا ہے تاکہ غلبہ نہ ہونے پائے، جیسا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ظاہر ہے، صرف عرب میں کافر نہ ہوگا کیونکہ وہ اسلام کا مرکز ہے۔

مخالفین کا اپنی شرارت سے باز آجانے پر جنگ کی ضرورت نہیں

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: ہم نے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھایا، ہاں! اگر مخالفین اپنی شرارت سے باز آجائیں، اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا ترک کر دیں تو ہم بھی انہیں نہیں چھیڑیں گے کیونکہ ہم مفسد نہیں ہیں اور خانہ کعبہ میں نہیں لڑیں گے، دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ہو جائے، ساری دنیا ایک قوم اور تمام نوع انسان ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں۔

کفار سے مقاتلہ کی چار شرائط

جہاد کا حکم ان کفار کے ساتھ ہے جو مقاتلہ کے لئے تیار ہوں نہ کہ غیر کے ساتھ، اس میں چار امور مذکور ہیں (۱) کس قوم سے لڑیں گے؟ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کے ساتھ (۲) کیوں لڑیں گے؟ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کے مٹانے کیلئے فتنہ سے مراد کفر ہے، ان کے ساتھ لڑنے کا سبب یہ ہے کہ کفار اور مشرک سلطنت الٰہی میں باغی ہیں اور باغیوں کو قتل کرنا یا ان کی طاقت کو کمزور کرنا ضروری امر ہے (۳) کون لڑیں گے؟ کل مسلم مقتدی ہوں یا مقتدا جس کی دلیل فَاقْتُلُوْهُمْ الخ ہے (۴) کب تک لڑیں گے؟ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ

نفاذ قانون پر انتہائے قتال: فتنہ کے مطالب

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ: یہ دوسرے عنوان ''انتہائے قتال'' کا ماخذ ہے یعنی لڑتے رہو یہاں تک کہ ساری دنیا میں قانون الٰہی قائم ہو جائے یعنی قانون الٰہی وہ قانون بن جائے جس کی مخالفت پر اسلامی حکومتیں سزا دیتی ہوں، فتنہ کے معنی بدنظمی کے ہیں اور بدنظمی میں امتحان ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں کہیں تو فتنہ بمعنی امتحان کے مستعمل ہے اور کہیں بدنظمی کے معنی میں، اس آیت میں بدنظمی مراد ہے جس میں کام اچھا نہیں ہوتا اس لئے جو لوگ بدنظمی پھیلاتے ہیں ان کو قتل کرنا لازمی ہوگا، جس طرح ایک عضو ماؤف کو کاٹ دیا جائے تو باقی بدن صحیح و سالم ہو کر کام کر سکتا ہے ایسی حالت میں ایسے عضو کو کاٹنا رحمت ہے اس طرح کوئی قوم ناقابل اصلاح ہو جائے تو دوسرے انسانوں کے لئے تباہی کا موجب ہوتی ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے کاٹنے کا حکم دیتے ہیں، پس اگر متارکہ جنگ کے بعد کفار باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں اور اگر ان میں سے کوئی جرم اور خلاف ورزی کرے گا تو اس کو ذاتی طور پر سزا دی جائے گی بحیثیت قوم کے نہیں۔

اشہر الحرام کی قتال سے استثناء

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ: اس سے پہلے جہاد اور مجاہدین کا بیان تھا اب جب قتال کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ مہینے لڑنا پڑے گا یا استثناء بھی ہے تو یہاں استثناء بھی بیان ہوا کہ ان میں چار مہینے اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ میں لڑائی نہیں ہوگی (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) تا کہ اسلامی فوج بے خطرہ کچھ آرام کی زندگی بھی بسر کرے، ان مہینوں میں جنگ کی ابتدا ہم نہیں کر سکتے اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر لڑنا پڑے گا، ملت ابراہیمی میں بھی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم حرمت کے مہینے تھے لیکن ان مہینوں کے بارے میں عام طور پر جو مشہور ہے کہ ان مہینوں کی حرمت (احترام) منسوخ ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی حرمت باقی ہے، تین مہینے حج کے لیے حرام ہیں اور رجب عمرہ کیلئے، وجہ استثناء یہ ہے کہ اکثر لوگوں کا طریقہ اس میں عمرہ ادا کرنے کا تھا علاوہ اس کے جن اشخاص پر حج فرض ہے وہ عمرہ بھی ادا کر لیں گے اور اس کے ذریعے سے مقامات کی واقفیت بھی ہو جائے گی اور وہ تین ماہ اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ حج ادا ہو جاوے اور حج سے قبل اور بعد دور سفر والوں کے لئے زائد وقت رکھا گیا ہے، حج کیا ہے؟ جمیع اہل اسلام کا متحدہ جلسہ جس میں سال آئندہ کے مفید قوانین خطبہ عرفات میں سمجھائے جائیں گے۔

قصاص ایک مستقل قانون

وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ: یہ بھی مستقل ایک قانون ہے کہ اگر وہ ظلم کریں ہماری عورتوں اور واجب الاحترام چیزوں کو چھیڑیں، بے جا تصرف کریں تو ہم بھی جوابی کاروائی کریں گے، مساجد وعلماء وغیرہ میں تعدی کرنے سے باز رہیں تو ہم بھی باز رہیں گے اور اگر اس کے خلاف کر کے گرائیں گے تو ہم بھی ان کے گرجوں کو باقی نہیں چھوڑیں گے، جس وقت مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو عیسائیوں نے کہا کہ ہم حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کو اکھاڑ دیں گے تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم بیت المقدس میں کسی قبر کو نہیں چھوڑیں گے تو عیسائی اپنے ارادہ سے باز آگئے۔

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ: اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ کا پہلا انعام جو لوگوں پر

ہوتا ہے وہ ہے ارادہ کا جزم اور استحکام۔ جب تک کسی قانون چلانے والی قوم کی ہمت مضبوط ہو گی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ارادوں کو مستحکم رکھے گا۔

جہاد بالمال کا حکم

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: اب مال صرف کرنے کا ذکر بھی ہوا کہ جان بھی مجاہد کو دینی پڑے گی اور مال بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ جان بھی پیش کرتے اور زادِ سفر بھی غازی ساتھ لاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال نہیں رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنخواہیں مقرر کیں وہ بھی لازمی وموقوف علیہ للجہاد و الخدمۃ نہ تھیں، جب جہاد فرض ہوا تو انفاق فی سبیل اللہ بھی فرض ہونا چاہئے کیونکہ اگر مال پیش نہ کریں تو جنگ کیسے لڑیں گے؟ جب مال دیا گیا تو الغنم بالغرم غنیمت آئے گی خمس خامس أربعة اخماس مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا تو انفاق فی سبیل اللہ بھی ضروری قرار دیا گیا۔

سامان حرب کے جمع ہونے کے دو طریقے

سامان حرب کے جمع ہونے کے دو طریقے ہیں (۱) رعایا سے یا بذریعہ ٹیکس وغیرہ مال جمع کر کے مجاہدین کو خوراک پوشاک یا اسلحہ وغیرہ دے دینا یہی طریقہ غیر مسلم اقوام میں بھی تھا اور اب بھی ہے۔ (۲) ہر ایک شخص خوراک، پوشاک، اسلحہ کا انتظام خود کر کے جہاد میں شامل ہو، طریقہ اول بہت خراب ہے کیونکہ اس میں دفاتر محصل منشی اور محافظ وغیرہ مقرر کرنے کے باعث بہت مال لاکھوں مالیت کی تعداد میں ضائع ہوتا ہے تو اس سے یہ بہتر ہے کہ کسی سے کچھ نہ وصول کیا جاوے بلکہ ہر ایک جہاد کے وقت اپنا مال صرف کرے، پہلی تجویز میں غیر مخلص طالب دنیا شامل ہو سکتے ہیں نہ کہ دوسری میں۔ طریق ثانی کے ساتھ مسلمان مامور من اللہ ہے۔

ترک جہاد و ترک انفاق موجب ہلاکت

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ترک جہاد موجب ہلاکت ہے اور لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ بعض کہہ دیتے ہیں کہ حج فرض نہیں ہے کیونکہ سمندر کا راستہ خطرناک ہے اور اس کا شان نزول مفسرین حضرات لکھتے ہیں کہ انصار کو یہ خیال ہوا کہ اب مہاجرین جہاد کے لئے کافی ہیں، اب ہم دیگر کام کاج کھیتی باڑی میں

مشغول ہوں گے تو یہ آیت اتری کہ اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنا یہ ہلاکت ہے، حج کے ضمن میں قتال کا حکم ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ جیسے کہ حج میں راستہ کی مشقت ہے، برادری سے علیحدگی ہے، مال کا خرچ کرنا ہے، جان کو تکلیف میں ڈالنا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جہاد میں ہیں، چنانچہ موت کے گھاٹ اُترنا ہے، کیا معلوم بچ جائے گا یا نہیں؟ غرض یہ کہ جو تکالیف حج میں ہیں یہ سب جہاد میں ہیں دو قتالوں کے مابین حج کا تذکرہ کیا گیا، وَلَا تُلْقُوْا سے عدم انفاق کی وعید ہے کہ اللہ کی راہ میں مال کو خرچ نہ کرنا یعنی زکوٰۃ وغیرہ نہ دینا یہ بھی ہلاکت ہے، تو یہ آیت وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ نازل ہوئی۔ قانون الٰہی کی پابندی نیک نیتی سے کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حج کے احکام

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ : مسلمانوں کو مضبوط اور طاقتور سپاہی بنانے کے لئے حج وعمرہ کا حکم دیا جاتا ہے، حج کے مقامات حسب ذیل ہیں:

(۱) بیت اللہ جس کا طواف کیا جاتا ہے۔

(۲) صفا ومروہ کی پہاڑیاں جو بیت اللہ کے قریب ہیں، عمرہ میں صرف بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اوران دو پہاڑیوں کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔

(۳) شہر سے مشرق کی جانب میں ایک میل کے فاصلے پر منیٰ ہے۔

(۴) منیٰ سے آگے بڑھ کر تین میل پر مزدلفہ ہے۔

(۵) مزدلفہ سے تین میل پر عرفات کا میدان ہے۔

چونکہ حج اور عمرہ کا مقصد فوجی تربیت کی تکمیل ہے اس لئے بہتر ہے کہ مسلمان دو جداگانہ سفر کرے ایک حج کے لئے دوسرا عمرہ کے لئے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عمرہ کے ایام میں مکہ کے تمام ضروری حالات سے واقفیت ہوجائے گی، اس لئے حج کے موقع پر اس امر کے لئے آسانی پیدا ہوجائے گی کہ امت مسلمہ کے بہترین دل ودماغ سے تبادلہ افکار وخیالات کرے ان کی صحبت وہم نشینی سے فیض یاب ہو اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے ترقی اور حیات اجتماعی پر غور کرے۔

حج وعمرہ کی راہ میں کسی رکاوٹ کا آجانا

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ

كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ:

اگر کوئی شخص راہ کی بدامنی یا بیماری کی وجہ سے رُک جائے اور حج وعمرہ کے لئے نہ جا سکے تو اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کا جانور وہاں بھیج دے، یا کسی معتبر آدمی سے کہہ دے کہ قربانی کے روز میری طرف سے بھی وہاں ایک جانور ذبح کر دینا جب اُسے غالب گمان ہو کہ میرا جانور ذبح ہو گیا ہوگا تو احرام کھول دے، اس سے قبل سر منڈانے یا بال کترانے یا احرام کھولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی صورت مقصود نہیں بلکہ قربانی کا جذبہ پیدا کرنا منظور ہے کیونکہ اگر صرف صورت ہی پیش نظر ہوتی تو جب تک حج ادا نہ ہوتا احرام کھولنے کی اجازت نہ ہوتی، سر منڈانے کی اجازت حالت احرام میں اس شخص کو مل سکتی ہے جو بیمار ہو جائے اس کے سر میں جوئیں پڑ جائیں یا اور کوئی مرض ہو مگر باوجود اس کے اسے جرمانہ ادا کرنا ہوگا، جرمانہ ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) سر منڈا کر تین دن روزے رکھے (۲) چھ مساکین کو صدقۃ الفطر کی مقدار کے مطابق الگ الگ گیہوں دے دے یعنی فی مسکین کو پونے دو سیر (۳) بکری ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دے۔ ان میں سے جو بھی صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

حج اور جہاد کی مناسبت اور مشابہت

یہاں سے حج کا باب شروع ہوتا ہے، حج سے پہلے قتال ہے اور حج کے بعد بھی قتال ہے اور درمیان میں حج ہے اور دونوں کی ضرور آپس میں مناسبت ہے، مناسبت یہ ہے کہ جن اوصاف حمیدہ کی جہاد میں ضرورت ہے تو وہ تمام حج میں آ جاتے ہیں اور جس اسپرٹ کی جہاد میں ضرورت ہے وہ بھی حج میں ہو جاتی ہے تو یہاں پر ملک گیری میں حج کا ذکر خیر اس طرح آیا کہ حج کو قتال فی سبیل اللہ سے مناسبت ہے بطور مشق کے وہ قربانی حج میں پہلے کرنی پڑے گی جو قربانی مجاہد کو جہاد میں کرنی پڑتی ہے وہ حج میں بھی کرنی پڑتی ہے۔

فوائد حج

(۱) وطن کو خیر باد کہنا

(۲) کاروبار کا بند کرنا

(۳) بال بچوں کو چھوڑ کر جانا

(۴) زادِ راہ اپنا خرچ کرنا

(۵) ایک وقت، ایک دن اور ایک گھڑی میں ایک میدان کے اندر دنیائے اسلام کے نمائندوں کا جمع ہو جانا۔

(۶) اور ایک افسر امیر الحجاج کے ماتحت تمام سفر طے کرنا

(۷) اور یہ تمام جدوجہد رضائے الٰہی ہی کے لیے کرنا

(۸) سب کا ایک یونی فارم ہونا (احرام، لباس)

(۹) ہلاکتوں میں اپنے آپ کو ڈالنا

(۱۰) کوئی گناہ اور کوئی نزاع پاس نہ پھٹکنے دینا

(۱۱) جذبہ القیاد اور اطاعت امیر کی تعمیل

(۱۲) ان تمام مصائب کو رضائے الٰہی کے لیے برداشت کرنا

(۱۳) سامان راحت کو خیر باد کہنا، بال ناخن اور جوؤں کے مارنے سے بھی حسب درجہ سزا کا ملنا

(۱۴) تمام عمر کا اندوختہ (جمع پونجی) اور کمائی اللہ کے لئے صرف کرنا

(۱۵) خوراک و پوشاک میں سادگی اختیار کرنا

(۱۶) حصول رضاء الٰہی کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کرنا

(۱۷) تعمیل حکم سے تجاوز کے وقت سزا پانا

(۱۸) قربانی کر کے سرفروشی کا مادہ پیدا کرنا

(۱۹) اعزاء و اقرباء کو خیر باد کہنا

(۲۰) جائیدادوں سے دستبردار ہو کر جانا

(۲۱) تمام مصارف کو اپنی گرہ سے خرچ کرنا اور کسی پر احسان نہ کرنا

اور یہی سب چیزیں میدان جہاد میں کام آتی ہیں وہاں بھی یہی ہوگا یعنی ایک امیر کا اتباع اور اتباع بھی ایسا کہ ایک بال ادھر ادھر نہ ہونے پائے اور امیر پر کوئی احسان نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لئے ہے اور شاہ و گدا تمام ایک لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔

حج تمتع، قران و افراد کا طریقہ

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي

الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: جب دشمن کا خوف دامن گیر نہ ہو اور چاروں طرف امن قائم ہو جائے تو جو شخص تمتع یا قران کے طریق پر حج ادا کرے، اُسے ایامِ حج میں حرم کے اندر ایک جانور ذبح کرنا ہوگا اور اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو اُس کے عوض میں دس روزے رکھنے پڑیں گے، تین دن کے روزے نویں ذی الحجہ سے قبل اور بقیہ سات روزے حج سے فارغ ہو کر وطن میں واپس آ کر رکھ لے۔ حج افراد تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر تمتع اور قران کی صرف اُن لوگوں کو اجازت ہے جو دور دراز کے رہنے والے ہوں اور میقات کی حدود میں ان کے گھر نہ ہوں، میقات کے اندر رہنے والوں کو صرف افراد کی اجازت ہوگی، میقات سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے خواہ عمرہ کی نیت ہو یا حج کی، یہ اعلیٰ ترین قانون ہے، اس کی پابندی کرو، تمہاری حیاتِ قومی کا دار و مدار اسی پر ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوں ان میں اتحاد و یگانگت پیدا ہو، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو اور جسم واحد بن جائے، اگر تم نے اس کو ترک کر دیا تو اللہ سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

رکوع 25

الْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ

حج کے چند مہینے معلوم ہیں سو جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا

مباشرت جائز نہیں اور نہ گناہ کرنا اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا اور تم جو نیکی کرتے

مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہو اللہ اس کو جانتا ہے اور زاد راہ لے لیا کرو اور بہترین زاد راہ پرہیزگاری ہے اور

وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

اے عقلمندو مجھ سے ڈرو۔ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ

تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ

اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے پھرو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا

تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح

هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾

اس نے تمہیں بتائی ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا

پھر تم لوٹ کر آؤ جہاں سے لوٹ کر آتے ہیں لوگ اور اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ

معافی مانگو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ پھر جب حج کے ارکان

مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ

ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے

اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى

یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں

الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنۡهُمۡ

دنیا میں دے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض

مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ

یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی

النصف

حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ

نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں

مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذۡكُرُوا

ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور اللہ کو

اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَآ

چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو

اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو (اللہ سے) ڈرتا ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور بعض

النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی باتوں پر

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا

اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب

تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی

وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ

کوشش کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے

اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ

کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے اور

لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ

البتہ وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ

کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر

زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ

تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ

اللہ غالب حکمت والا ہے۔ کیا وہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے

اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ

سامنے بادلوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی آ جائیں اور کام

الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ ع ۲۵

پورا ہو جائے اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

رکوع (۲۵)

خلاصہ: (۱) اقسام الحجاج

ماخذ: (۱) فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرۃ:۲۰۰)

(۲) رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۱)

حجاج کی دو قسمیں

ایک قسم وہ ہے جو دنیاوی منفعت کے خیال سے گئے ہیں دوسری وہ جو رضائے الٰہی و ابتغاء فضلہ (اللہ کے فضل کی تلاش) کے لئے گئے ہیں ایک قسم دنیا کے طالب دوسری قسم آخرت کے طالب یعنی حاجی اگر صحیح ارادہ سے حج کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں حج مقبول ہے، مراتب عظمیٰ کا مالک ہے بشرطیکہ نیت اچھی ہو۔

عالم اسلام کے چالیس کروڑ مسلمان مطیع ہوں تو کوئی زیر نہیں کر سکے گا

انصاف سے بتلایئے! ایسی منقاد اور مطیع فوج جس کی مقدار چالیس کروڑ ہو ایسی متوکل علی اللہ کہ نہ جان کی پرواہ، نہ مال کی اور نہ اولاد کی خواہش بلکہ رضائے الٰہی کی طالب پھر ایک خلیفۃ المسلمین کے ماتحت اس کے اشارے پر نقل و حرکت کرنے والی ہوں اور خدا مددگار ہو، ایسی زبردست فوج کو کون نیچا دکھا سکتا ہے؟ خواہ کتنی بڑی حکومت اور سلطنت کیوں نہ ہو اسلام کے احکام میں ہر قسم کی تعلیم ہوتی ہے جیسا کہ حج میں سیاست کا سبق پڑھایا جا رہا ہے اور فوج کی سی مشق ہو رہی ہے، ملکیت کی نشو و نما ہو رہی ہے اور تعلق باللہ کو جذبہ عشق کے مرتبہ پر پہنچایا جا رہا ہے کہ حجاج کی عاشق جیسی صورت بنائی جاتی ہے تاکہ عشق پیدا ہو جائے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس قسم کا

خلق پیدا کرنا ہو اس قسم کے جوارح (اعضاء) سے مشق کرائی جاتی ہے اور وہاں حالت بھی یہ ہوتی ہے کہ ہر ایک گریہ میں محو ہوتا ہے اور حج کا اثر محسوس ہوتا ہے بشرطیکہ فطرت سلیمہ ہو۔

اشہر حرام کی حکمت

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ: مزید مسائل متعلقہ حج بیان ہو رہے ہیں فقہی مسائل ہیں جنہیں آپ جانتے ہیں، اس طرح جن مہینوں میں جہاد منع ہے وہ چار مہینے (ذی القعدہ، ذی الحج، محرم، رجب) ہیں، یہ چار مہینے مجاہدین کی تعطیل کے لئے ہیں تاکہ سال میں آٹھ مہینے کام کریں اور چار مہینے آرام سے رہیں اور یہ چار مہینے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ اول تین مہینے تو اس لئے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک متحدہ انجمن بنی ہوگی جس میں ہر طرف کے نمائندے شریک ہو کر اپنی اپنی کارگزاریاں پیش کریں گے، ذی القعدہ میں آئیں گے اور ذی الحجہ میں حج کریں گے اور محرم میں واپس جائیں گے اور رجب عمرہ کے لئے ہے اور افضل یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ سفر ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چھٹی سال میں دو دفعہ ہو جائے۔

اصلاح اخلاق بھی مقصود ہے

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ: سفر حج میں اخلاق ہی کی تو اصلاح مقصود ہے لہٰذا اس سفر میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونے پائے اور اس میں اصلاح روحانیت اور حفاظت اخلاق کا زادِ راہ ساتھ لائے تاکہ کوئی بداخلاقی نہ ہونے پائے تعلق باللہ میں کوئی خلل نہ آجائے المتقی من یتقی مانھی اللہ عنہ حج میں سب کچھ قربان کر کے اللہ کو راضی کرنے کے لئے جا رہے ہیں تو جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان سے بچنا ضروری ہے ورنہ حج ضائع ہو جائے گا۔

حج میں رفث، فسوق اور جدال کی ممانعت

حج کے لئے تین مہینے مقرر ہیں، شوال ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے دس ایام، ان دنوں میں حسب ذیل چیزوں کی ممانعت ہے: (۱) رفث، فحش باتوں سے پرہیز کرنا، تمام لغو اور فضول باتیں جو حج سے پہلے حرام تھیں اب ان میں اور زیادہ حرمت آجائے گی (۲) فسوق، اس میں ہر قسم کا گناہ شامل ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ خوشبو لگانا، بال کترانا بھی جائز نہیں (۳) جدال،

رفیقوں سے لڑنا جھگڑنا، گالی گلوچ کرنا، ناشائستہ الفاظ سے خطاب کرنا بھی ممنوع ہے، ایامِ حج میں صرف یہ تین باتیں ناجائز ہیں ان کو ترک کر کے جو اچھا کام ہو شوق سے کرو، اس کی ضرور جزا ملے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اپنا زادِراہ لے کر جائے تاکہ دوسروں کے لئے بار دوش (کاندھوں پر بوجھ) نہ ہو۔

جہاد میں مالِ غنیمت اور حج میں تجارت بالتبع، اصل مقصود رضائے الٰہی

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ: اگر کوئی حج میں تجارت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسکا یہ مطلب ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے لڑائی اس لئے کی تھی کہ جس سے مقصود بالذات اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور مالِ غنیمت مقصود بالتبع ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جب فتوحات ہوتیں تو جو چیزیں انہیں غنیمت میں ملتیں تو یہ ایسی ہی ہیں جیسے آدمی حج میں تجارت کرے حالانکہ تجارت حج کا اصلی مقصد نہ تھا۔ ایک بزرگ کا واقعہ قابلِ عبرت ہے اس نے دوسرے بزرگ کو کہا خیال یہ ہے کہ حج کو اکٹھے چلے جائیں اس نے کہا مگر شرط یہ ہے کہ گھر سے کچھ نہ اٹھا کے جائیں کہا منظور، دوسری شرط یہ کہ کوئی دے تب بھی نہ لیں کہا یہ شرط منظور نہیں ایسا کرنا اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا کے خلاف ہے۔ میں نواب شاہ کے ضلع میں بھی رہا ہوں وہاں ایک مجذوب تھا جو کوئی کچھ لا کے دیتا وہ پھینک دیتا...... ع خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

خداداد قوتوں کو رضائے الٰہی میں صرف کردیجئے اور اللہ کفیلِ رزق بنائے تو یہ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ہے، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران۔۱۱۰)

مَشْعَرِ الْحَرَامِ کے پاس اللہ کو یاد کرنا

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ: مَشْعَرِ الْحَرَامِ مزدلفہ میں ہے، عرفات میں فقط خطبہ ہوتا ہے یعنی جو باتیں ساری دنیا کے لئے ضروری ہوں امام سب کو پیش کردے، عرفات حدِ حرم سے باہر ہے اور مزدلفہ حرم کے اندر ہے اس وجہ سے قریش خیال کرتے کہ ہم حدِ حرم کے اندر ہیں اس لئے وہ عرفات نہیں جاتے تھے کیونکہ وہ اپنے آپ کو متبع ملتِ ابراہیمی کے خیال کرتے تھے اور حرم سے باہر نکلنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے لیکن عرفات حرم سے خارج ہے اس وجہ سے وہ عرفات نہ جاتے تھے، مکہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا میدان ہے جس کا نام عرفات ہے، ۹ ذی

الحجہ کو حجاج وہاں پہنچ جاتے ہیں اور اللہ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں، عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے کو افاضہ کہتے ہیں اور مشعر حرام تو اصل میں وہ میدان ہے جو مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان ہے مگر ذکر اللہ کے حق میں سارا میدان مزدلفہ مشعر حرام ہے، پس یاد الٰہی اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرو اپنی مرضی اور خواہش سے نئے نئے طریقے اختیار نہ کرو خدا کی ہدایت اور رہنمائی سے پہلے تم بالکل دین اور ایمان سے غافل اور بے خبر تھے تو اللہ نے اپنا پیغمبر علیہ السلام بھیج کر تمہیں مناسک حج اور دیگر احکام سے آگاہ فرمایا۔

افاضہ عرفات میں قریش کے جاہلانہ پندار کی اصلاح

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ: یہ قریش کے ایک جاہلانہ پندار کی اصلاح ہے، قریش نے یہ بدعت اختیار کر رکھی تھی کہ مزدلفہ اگرچہ حدود حرم کے اندر اور مکہ معظمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے لیکن وہیں کھڑے ہو کر اپنا خطبہ پڑھ لیتے تھے اور عرفات میں نہ جاتے جو حد حرم سے باہر ہے کہ ہم حد حرم کے اندر رہیں گے اس لئے حکم دیا گیا کہ تم بھی مسلمانوں کے برابر رہو، یعنی جہاں سے لوگ واپس آئیں وہاں سے تمہیں بھی آنا چاہیے تم پر بھی وقوف علی العرفات فرض ہے تخصیص کا حق نہیں۔ مسلمانوں میں کسی قوم کے لئے جدا قانون نہیں ہے۔

خواص کا خود کو عوام سے الگ سمجھنا تباہی کا آغاز

وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اکثر قوموں کی تباہی کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے کہ خاص آدمی عوام سے علیحدہ رہنا شروع کر دیتے ہیں اور آخر دونوں تباہ ہو جاتے ہیں تو اس لئے فرمایا کہ جو غلطی تم سے اب تک سرزد ہو چکی ہے اس کی تلافی کے لئے مغفرت طلب کرو۔

مذہب کو خاندانی شریف لوگوں کی توجہ ضروری ہے

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا: جب تم ارکان حج ادا کر چکے تو اللہ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے تھے کہ باپ دادا کا ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جو شریف اور خاندانی ہوں، پس اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ ہر مسلمان کا یہ اولین فرض ہونا چاہیے کہ جس وقت تبلیغ اور دعوت اسلام کے لئے میدان میں قدم رکھے تو اس کا روئے زیادہ سخن شریف اور خاندانی لوگوں کی طرف ہو، ان کو وہ مذہب کی طرف متوجہ کر دے، جب ان لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی جائے گی تو ان کے لئے

سونے پہ سہاگہ کا کام دے گی اور بہترین خدمات مذہبی انجام دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ (البخاری: ۳۴۹۳) ''لوگ بھی سونے اور چاندی کے کانوں کی مانند ہیں'' چونکہ خاندانی لوگوں میں اکثر اچھی صفات وملکات موروثی ہوتے ہیں اگر انہیں تعلیم بھی اعلیٰ دے دی جائے تو ان کے ملکات جلدی بھڑک سکتے ہیں مذہب کو جب تک عمدہ غذا نہ ملے ترقی نہیں کرسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے الفاظ بھی فرمائے ہیں خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام إذا فقھوا(البخاری: ۳۴۹۳) جو شخص زمانہ جاہلیت میں اچھا تھا اس کی اچھائی اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی رہے گی۔

طالب الدنیا اور طالب آخرت حاجی

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: یہاں سے اقسام الحجاج کا بیان ہے۔ مناسک حج کے اختتام پر دو قسم کے لوگ ظاہر ہوتے ہیں ایک طالب الدنیا، یعنی یہ وہ ہیں جو دنیا کی غرض سے گئے ہیں کہ وہاں بعض مقامات دعا کے قبولیت کیلئے مخصوص ہیں تو وہاں دنیاوی غرض کے لئے دعا کے لئے جاتا ہے۔ اس کی نیت رضائے الٰہی اور آخرت کی ہے ہی نہیں۔ ان کے سامنے دنیا تھی اس کا عیش وآرام قدر ومنزلت اور عزت واکرام تھا، شہرت و ناموری ان کی غایت الغایات تھی نہ تو اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ ان کے پیش نظر تھے اور نہ انہیں اپنی اصلاح ودرستی کا خیال تھا، اس لئے وہ دنیا ہی میں اپنی کوششوں کے تمام اثرات ونتائج حاصل کرنا چاہتے تھے۔

رضائے الٰہی وآخرت کے متمنی لوگ

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ: یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو دنیا کے منافع اور رضائے الٰہی وآخرت دونوں کے متمنی ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دنیا وآخرت دونوں اچھی ہو جائیں اور آخرت کو اللہ کامیاب بنا دے پس کام کرنے کے لئے یہی لوگ زیادہ مفید اور نافع ثابت ہوں گے اور پہلے گروہ کو فوراً الگ کر دیا جائے گا تاکہ اس کی صحبت وہم نشینی دوسروں پر برا اثر نہ ڈالے

آخرت پر ایمان

اب اس آخرت کو نہ مسلم نے دیکھا ہے نہ غیر مسلم نے، فرق یہ ہے کہ ایک غیر مسلم کا اس آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے مگر ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو خدائی احکام سمجھتا ہے، اسے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر شب معراج میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ شدہ اخروی حالات کی تفصیل فرما گئے ہیں، وہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے حکم کے ماتحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان پر مہر تصدیق لگاتا ہے۔

سرمایۂ آخرت

جس طرح اس دنیا میں چین سے زندگی بسر کرنے، عزت و آرام سے رہنے سہنے کے لیے ایک سرمایہ کی ضرورت ہے اور وہ سرمایہ سونا اور چاندی ہے، جس کے پاس یہ ہو خواہ وہ شودر ہو یا چمار، چینی ہو یا جاپانی، بت پرست ہو یا تثلیث پرست، وہ ڈگریاں مول لے سکتا ہے، سر کا خطاب پا سکتا ہے، میونسپل کمشنری کے دنگل میں جیت سکتا ہے، وزیر اعظم منتخب کیا جا سکتا ہے، سب اسے سلامی کرتے ہیں، چائے پلاتے ہیں تحفے تحائف بھیجتے ہیں مگر جس کے پاس دولت نہیں خواہ سادات کرام سے ہو یا قریش خاندان سے، قابلیت میں یکتا ہو۔ مغلیہ خاندان کا جانشین ہی کیوں نہ ہو، اسے آج رہنے کو جھونپڑی، تن ڈھکنے کو چادر اور منہ بھر بھیک بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح آخرت میں چین، عزت، راحت پانے کا بھی سرمایہ ہے وہاں اس دنیا کا سرمایہ ہرگز کام نہیں آئے گا۔

دوسری قسم کے حاجیوں کی جزاء

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۚ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: یہ دوسری قسم کے حاجیوں کی جزاء ہے کہ ان کی نیکی اور دعا کی جزا آخرت میں ملے گی، اللہ تعالیٰ کی رضا اور دنیا میں عزت کی زندگی پانے کے فقط یہ لوگ مستحق ہوں گے، وہ لوگوں کی کثرت کے باوجود تھوڑے سے وقت میں سب کا حساب لے لے گا کیونکہ قیامت قریب ہے اس لئے نیکی کی طرف توجہ کرو۔

موت اور روح

غیر مسلم کی زندگی اس کے زعم باطل میں اس منزل پہ ختم ہو جاتی ہے جسے وہ ''موت'' کے

نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے انتقال کہا جاتا ہے مسلمان اپنی زندگی کو فانی نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ اس زندگی کے خاتمے کے بعد نقل مکانی ہوگی، مثلاً خضری محلہ سے میانی صاحب (لاہور کا مشہور قبرستان ہے اور حضرت لاہوری رحمہ اللہ بھی یہیں مدفون ہیں) ان دونوں کی سمجھ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم ظاہری جسم کو انسان سمجھے بیٹھا ہے جو مرنے کے بعد جلا دیا جاتا ہے یا زیر زمین دبا دیا جاتا ہے، دراصل ''انسان'' کچھ اور چیز ہے جو لفافہ جسم کے اندر بستا ہے، جسے اسلام ''روح'' کہتا ہے، جس روح کی کوئی موت نہیں۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ مرنے کے بعد اگر مرنے والا مقبول بارگاہ الٰہی ہوگا تو اسکی روح ساتوں آسمان کے پار اللہ کے قرب سے ہو کر کفن دفن ہونے تک اسی مردہ جسم کے پاس آ جاتی ہے لیکن اگر وہ مردود بارگاہ الٰہی ہے تو اس کی روح جب چڑھنے لگتی ہے تو پہلے ہی آسمان سے روک دی جاتی ہے اور واپس پھینک دی جاتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ القبر روضة من رياض الجنة اوحفرة من حفر النار (الترمذی: ٢٤٦) کہ قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

مسلمان کا پروگرام

پس اے مسلمان! تیری دونوں دنیوی اور اخروی زندگیوں کے لئے پروگرام قرآن ہے۔ تیرے لیے بہترین نمونہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ٢١) ہے۔ اپنی زندگی کے لحات قرآن اور سنت کے مطابق گزار، دنیا میں عزت پانے کے لئے ہر جائز طریق پر عمل کر کے سرمایہ دولت اکٹھا کر تجارت کر، حکومت کر، ملازمت کر یا جو چاہے کر مگر آخرت میں عزت پانے والے کے لئے سرمایہ اعتقادات میں اپنے اندر ایسی توحید کا رنگ پیدا کر جس میں ذرہ بھر شرک نظر نہ آئے، اپنا خالق، مالک، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا، رزق میں کشادگی اور تنگی کرنے والا، غرضیکہ ہر نفع ونقصان کا اختیار ہی اسی ایک خدا تعالی میں خیال کر اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اعمال صالحہ بجالا اور خلق اللہ میں سے کسی کی حق تلفی نہ کرنے پائے تاکہ تیری نجات ہو۔

حج کے جزئی مسائل

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْدُودَٰتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ: قربانی سے فارغ ہونے کے بعد قاعدہ یہ ہے کہ حاجی تین دن تک منیٰ میں ٹھہرے، ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے، ان میں ذکر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دسویں تاریخ کو بڑے پتھر ''جمرہ عقبیٰ'' پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتا جائے، کنکریوں کے مارنے کا وقت صبح صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے، گیارہ، بارہ تاریخ کو تینوں پتھروں پر سات سات کنکریاں مارے مگر ان دونوں تاریخوں پر زوال آفتاب کے بعد مارنے ہوں گی، اور اس کے بعد مکہ جانے کی اجازت ہے۔ اور اگر وہاں تیرہویں تاریخ کی صبح ہوگئی تو پھر تینوں پتھروں کو طلوع فجر کے بعد کنکریاں مارنی پڑیں گی پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے لہٰذا قربانی کا اصلی مقصد جذبہ صادقہ پیدا کرنا ہے جب یہ حقیقت ظاہر ہوگئی تو خواہ اب دو دن کا قیام ہو یا تین دن کا، قانون الٰہی کی پابندی لازمی ہے۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کرلو کہ جس طرح آج اللہ کے حکم سے اس میدان میں اپنا اپنا زادِ راہ لے کر آگئے ہو آئندہ بھی وہ تم کو خلفائے اسلام کی معرفت، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے میدان جنگ میں آنے کی دعوت دے گا کہ اس کا قانون بلند و برتر ہو اور دنیا میں فساد نہ ہونے پائے۔

عمومی آیت کا حج کے ساتھ ربط

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ: فرمایا کہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی لگتی ہے اور وہ دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہوتا ہے۔ شریعت نے چند اعمال ہر مسلم پر لازم کردیئے ہیں کہ ان کی پابندی سے اخلاق فاضلہ اور جذبات صادقہ پیدا ہوں، اللہ کی نظر ہمیشہ اُن اخلاق پر ہوتی ہے اور اس کے نزدیک وہی اعمال معتبر ہوتے ہیں جن کا اثر اخلاق پر پڑے، جو لوگ ان اعمال شرعیہ کے مقاصد کو فراموش کردیتے ہیں ان کی محنت رائیگاں جاتی ہے، جن حاجیوں کا تعلق دنیا کی مقصد براری تھی، ان کے اخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور جو اصلاح اخلاق کی غرض سے گیا تھا وہ مزین بالاخلاق الحمیدة ہو کر آئے گا، کندن بن کر آئے گا، ضبط نفس کی وہ پختگی ہوگی کہ دیدہ باید رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ پر یقین رکھے گا اور جو دنیا کے نمود و

شہرت کے لئے گئے وہ ایسے ہی آئیں گے جیسے گئے تھے جب حاجیوں کی بھی دو قسمیں ہیں تو نتائج بھی دو طرح کے بیان ہوئے، اگرچہ یہ آیت عام بھی لی جا سکتی ہے لیکن ربط آیات کے لحاظ سے حجاج کے ساتھ ہم نے ملا دی۔

نسل اور فصل کی اہلاک

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ: جب حاجی لوٹ کر جاتا ہے تو دوڑتا پھرتا ہے یعنی جہاں دیدہ ہو کر اور بھی زیادہ خراب آئے گا حاجی نہیں پاجی ہو جائے گا، جہاں دیدہ شہری بڑے خراب ہوتے ہیں، دیہاتی کو دھوکہ بازی اور خرابی کا اتنا علم نہیں ہوتا، اس قسم کے حاجی سے خدا پناہ دے، بعض آدمی صورت کی پابندی فقط ریا کے طور پر کر لیتے ہیں اخلاق کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے اور عام مجمع میں قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم میں وہ اخلاق اچھی طرح ہیں حالانکہ وہ بہت بڑا مفسد ہے لیکن واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کے اعمال حیات ہی ان کی پردہ دری کر دیتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند یعنی پہلی والی قسم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اَلَدُّ الْخِصَامِ ہوگا جب ان کی غداری اور ملت فروشی کا اظہار ہوتا ہے اور لوگ ان سے احتساب کرتے ہیں تو اپنی غلط کاری تسلیم کرنے کے بجائے جھگڑا کرنا شروع کر دیتے ہیں، اَلْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ہلاک کر دیتا ہے، اہلاک اَلْحَرْثَ زنا ہے اور اہلاک النَّسْلَ لواطت ہے۔ عورتوں سے قانون کے خلاف فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، لڑکوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں اور لواطت کے ذریعے اپنی نسل بھی برباد کرتے ہیں۔

غلط کاموں سے متنبہ کرنے کے مطالبے پر مزید ناراضگی کا اظہار

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ: چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارے، کرتا ہے بے ایمانی اور اگر قوم ان کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کرتی ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ صحیح تعلیم کے مقاصد سامنے رکھو ورنہ مسند امامت سے الگ ہو جاؤ تو گھبرا کر ناراضگی اور غصے سے لال پیلا ہو جاتا ہے، ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اپنا طریقہ عمل بدل دیا اور قوم کی متفقہ آواز کے آگے اپنی گردن جھکا دی تو دنیا بھر میں ذلت و رسوائی ہوگی، اس لئے عزت اسی میں ہے کہ مستبدانہ (اپنی مرضی اور اختیار) کارروائی کریں تاکہ کوئی باز پرس نہ

کر سکے، یہی تو اس کی شرارت ہے گناہ پر تساہل اور غلبہ مکر ہات سے جوش میں آتا ہے، جبکہ کوئی شخص محض اپنی صورت اچھی بنا لے تو اسلام میں اس کی کوئی عزت نہیں ہے۔

اعمال حسنہ اور ریا

نیک عمل وہ ہے جو فقط رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے ورنہ بظاہر کتنی ہی نیکی ہو اور کوئی بھی نیکی ہو جس میں رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو ہرگز قبول نہ ہوگی، حتیٰ کی نماز جیسی مہتم بالشان نیکی جو کفر اور اسلام میں امتیازی شان ہے، جس کے ایک دفعہ ترک کرنے پر کفر کی وعید سنائی جاتی ہے اگر وہ بھی ریا سے پاک نہ ہوئی تو مردود ہوگی۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (الماعون: ٤-٧) پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور روزمرہ کے استعمال کا سامان مانگے نہیں دیتے۔ حدیث شریف میں ہے ان اخوف مااخاف علی امتی الشرك الاصغر قالوا ومالشرك الاصغر یا رسول اللّٰه ؟ قال الرياء (مسند احمد : ٢٤٣٥٠) رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ اپنی امت کے متعلق چھوٹے شرک کا ہے صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہ چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا ریا (دکھلاوا)

اپنے اعمال پر ناز نہ کرو

حدیث میں ہے أن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه وبينها الاذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيدخلها (البخاری: ٣٢٠٨) تمام عمر ایک شخص ایسے نیک عمل کرتا رہا کہ بس ایک ہاتھ جنت کے دروازے کا فاصلہ ہے مگر بدقسمتی سے کوئی ایسی غلطی ہوگئی کہ جس کے سبب جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پس کسی شخص کو اپنے اعمال پر نازاں نہیں ہونا چاہئے اور ہر آن اللہ تعالیٰ سے حسن عمل کی توفیق اور استقامت علی الحق کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

الناس علی دین ملوکھم

اگر غور سے دیکھا جائے تو دین سے بے پروائی و بے تعلقی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نفرت، یورپ کے رسم ورواج سے محبت، ان سب چیزوں کا اصلی باعث کافری حکومت ہے، جس کی آمد کا سبب ہمارے بُرے اسلاف کی سیاہ کاری اور گنہگاری ہے، عام قاعدہ رہا ہے کہ

الناس علی دین ملوکھم عموماً یہی ہوتا رہا چونکہ آج ہندوستان پر انگریز حاکم ہے جو دنیا پرست اور مادہ پرست ہے اس نے بیل گاڑیوں کی بجائے فرنٹیر میل موٹریں سیر اور سفر کے لیے مہیا کیں، ہوائی جہاز سے مزید نقل و حرکت میں تیزی کر دی، معمولی مکانوں کی جگہ کوٹھیوں میں رہنے کی تمیز کرا دی، سرسوں کے تیل کے دیے کی جگہ قمقمے بنا دیئے مگر یہ آخرت والی آنکھ سے کانا ہے، آخرت سے بالکل کورا ہے، اس نصاب تعلیم میں پرائمری سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری کی جماعتوں تک کہیں بھی خدائی تعلیم کے لیئے کوئی پریڈ نہیں رکھی۔ ان کا اپنا پروگرام یہ ہے کہ صبح سویرے داڑھی منڈائی، نہائے، کھانا کھا کر دفتر اور دفتر سے کلب اور کلب سے سینما، بس آنرا کہ خود گم است کرا رھبری کند (خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، گمراہ، گمراہ کی رہبری نہیں کر سکتا) ہندوستانی بوڑھے کا اپنے سادہ لوح بچوں کو ان کی گود میں تعلیم کیلئے بھیجنا صاف نظر آ رہا ہے، ہماری نسل جدید اخلاقی موت کے گھاٹ اترتی جا رہی ہے بلے میوہ زمیوہ رنگ مے گیرد

اسلامی حاکم کے اوصاف

اسلامی حاکم ہوتا تو اسے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته (صحیح ابن حبان: ٤٤٩١) کا پاس ہوتا، خود بھی پابند شریعت ہوتا اور رعایا کو پابند بناتا، جیسا کہ امیر امان اللہ خان کے دور میں میں نے کابل میں دیکھا کہ ہر محلہ کی مسجد کے نمازی امام کے ماتحت تھے اور تمام امام پولیس کوتوال کے ماتحت ہر نمازی کی حاضری لگتی تھی، غیر حاضری کی رپورٹ کوتوالی کو پہنچائی جاتی تا کہ بے نمازی کو سزا دی جائے۔ اسلامی حکومت تو یہاں ہے ہی نہیں، دنیا کمانے کے جو ذریعے چاہیں اختیار کریں مگر اخروی نجات کے لیے قرآن و حدیث کی تعلیم اور تعمیل کے بغیر چارہ نہیں بلے میوہ زمیوہ رنگ مے گیرد اخروی نجات کا سبق عالم ربانی سے دلوائیں، مسجد میں بیٹھنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، حق و باطل کا نقشہ تمہارے سامنے کھینچ کر رکھ دیں گے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ مگر زبردستی دائرہ اسلام میں ہرگز نہ لائیں گے اور یہی تو انسان کا امتحان ہے، کھرے کھوٹے کی تمیز امتحان کے وقت ہی ہو سکتی ہے، دنیا اور آخرت ساتھ ساتھ نبھائے جائیں، ہاں! تعارض کے وقت آخرت کو ترجیح دینی ہوگی۔

فناء ہونے والی چیز پر باقی رہنے والی کو ترجیح دینا

حدیث شریف میں ہے کہ جو دنیا کو محبوب بنائے گا آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو آخرت کو محبوب بنائے گا دنیا کو نقصان پہنچائے گا اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا ہے کہ فناء ہونے والی چیز پر باقی رہنے والی کو ترجیح دو، ہاں اس میں بعض اوقات دقت محسوس ہوتی ہے، مثلاً دفتر کا وہ جنٹلمین جو صاحب بہادر کو رشوت بھی کھلائے شراب بھی پلائے، ڈالیاں دلائے مگر گریڈ چڑھواتا ہے، بخلاف اس خاموش مزاج والے کے جس کا کوئی پوچھتا ہی نہیں، اس کی ترقی میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں، نظر غائر سے دیکھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو رزق ماں کے پیٹ سے مقدر ہو چکا ہے اس کے ملنے میں کوئی شک لانا ہی نہیں چاہئے اس مقدار سے نہ دانا کم ملے گا نہ زیادہ اور یہ بھی صحیح ہے کہ أناعندظن عبدی بی (صحیح ابن حبان :٦٣٩) جس طریقہ سے چاہو گے اسی طرح ملتا جائیگا، رشوت کھانے اور کھلانے سے چاہو گے تو ویسے ہی ملے گا اور حلال ذرائع سے چاہو گے تو حلال ذرائع سے ملے گا۔

حج سے پیدا کردہ ملکات اور صفات پر مضبوطی سے قائم رہنا

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ : بعض وہ لوگ ہیں کہ سفر حج کے باعث اور احکام حج کے ادا کرنے سے ان کے اندر یہ ملکہ پیدا ہو گیا ہے کہ اپنے نفس کو رضائے الٰہی کی طلب میں بیچ کر آئے، سب کچھ دیا اللہ کو راضی کیا تو جو خدمت ان سے رضائے الٰہی کے لئے لی جائے حسبةً للہ دینے کے لئے تیار ہیں وہ مقبول اور قابل تعظیم ہیں اور قوم کے اصلی رہنما یہ لوگ ہیں جو اعمال کی صورت کے ساتھ مقاصد کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں، اگر آج انہیں مکہ میں جمع کیا گیا ہے تو کل خلیفہ اسلام کے حکم پر چین بھی جا سکتے ہیں۔ قربانی کا جذبہ کامل طور پر ان میں پیدا ہو چکا ہے، اللہ اپنی رحمت سے ان کو ضائع نہیں کرے گا۔

احکام اسلام کا پورا کرنا اور اس کی حقیقت کو اپنے اوپر طاری کر لینا اسلام ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ : جس طرح اخلاص و حسن نیت کے ساتھ تم نے احکام حج ادا کیا ہے، ایسے ہی تم میں ہر شخص جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو اور آئندہ تمہیں جو حکم دیا جائے اس کو پابندی کے ساتھ ادا کرو، اسلام یہ نہیں کہ نماز روزہ ادا کر دیا اور مطمئن ہو گئے بلکہ تمام احکام کا پورا کرنا اور قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ

وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام: ۱۶۲) کی حقیقت کو اپنے اوپر طاری کر لینا اسلام ہے۔ پس یہ جو حج کرا کے ہم نے جس درجہ پر تمہیں کھڑا کر دیا ہے اس جگہ پر قائم رہیں، شیطان کہیں تمہیں پھر سے پیچھے نہ ہٹا دے، بلندی اخلاق پر جانا بھی اللہ کا فضل اور کارے دارد ہے، حج سے جو ضبط نفس آ جاتا ہے، اسے مضبوطی سے قائم رکھیں اور جس طرح تم نے حج کو پابندیوں کے ساتھ پورا کیا ہے اس طرح جو احکام اسلامی تمہیں دیئے جائیں سب کو اس مشق اور قاعدے پر جاری کر لو اور جن لوگوں کو یہ مطلب حاصل نہیں ہے اور وہ مقتدا بنے بیٹھے ہیں ان کے قواعد کی پابندی نہ کرو۔

اللہ والے دنیا کی پرواہ نہیں کرتے

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: حکم عدولی سے بچنا پیش نظر رکھتا ہے اور ان کا یہی حال تھا اللہ والے دنیا کی پرواہ نہیں کرتے اور دنیا ان کے پیچھے دوڑتی ہے اور طالب دنیا دنیا کے پیچھے دوڑتا ہے اور وہ بھاگتی ہے، اللہ والے لوگ کسی بادشاہ کی پرواہ نہیں کرتے، ان کی نظر میں تو ان کے نیک بندوں کی عزت ہوتی ہے وہ کیا جانیں خان بہادروں اور سرداروں کو۔

امام مالکؒ کی بے نیازی

حضرت امام مالکؒ کو ہارون رشید نے خط لکھا کہ یہاں آؤ ہارون رشید خود بمعہ دونوں شہزادوں کے مؤطا امام مالک آپ سے پڑھنا چاہتے ہیں، امام مالکؒ نے جواب لکھا سبحان اللہ! فرمایا کہ العلم یزار ولا یزور علم کسی کی زیارت نہیں کرتا بلکہ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ جہاد کا حکم کہ مستطیع (مالدار) غیر مستطیع (غریب) کی مدد کر کے اللہ کی راہ میں جنگ کریں، صحیح مسلک بتلا دیا اس کے بعد بھی اگر پھسلے تو جان لو کہ اللہ عزیز یعنی غالب ہے اور جو غالب کا خلاف کریگا وہ ذلیل ہوگا اور اس کا مقابلہ بھی کوئی نہیں کر سکے گا، وہ دانشمند ہے تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا تمہارا ستیاناس ہو جائیگا اور حکیم ہے اگر تم تعجب کرو کہ کس طرح ذلیل کرے گا، ہمارے پاس تو ساز و سامان موجود ہے تو پھر ہم کس طرح ذلیل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ایسی حکمت سے ذلیل کرے گا کہ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

اگر خدا براہ راست سمجھائے تو پھر مہلت کہاں؟

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ: جولوگ اس چیز ما انزل بواسطة الرسول کونہیں مانتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے جو صحیح مسلک دیا گیا ہے اگر اس کونہیں مانتے اور پھر پھسلے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں خود خدا سمجھائے پھر تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی لہٰذا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے بتلایا جاتا ہے اس کو معمول بہ بناؤ، فرشتے صف بہ صف کھڑے ہوں گے اور سخت مؤاخذہ ہوگا یہ ملائکہ کا اعزازی وصف ہے جیسے دنیاوی بادشاہ کے لئے فوج صف باندھ کر کھڑی ہوتی ہے، تو اس وقت فیصلہ ہو جائے گا اور جب ہمارا عقیدہ ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور بارش وہی برساتا ہے اور پیدا بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے حالانکہ پیدا والدین کے ذریعے ہوتے ہیں اور رزق نباتات کے ذریعے ملتا ہے تو تعلیمی حصہ میں کیوں ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ نبی کے واسطے کو الگ کر کے ہم اللہ تعالیٰ سے براہ راست سب کچھ لیں۔